

انتخاب بخاری

عربی شرح: محمد زبیر وحشی، دہلی ۱۳۹۹ھ
مترجمین: ابی حمزہ مالکی، انیسویں عشرت کا ناظر احمد عثمانی، محکم الفت اشرف علی تھانوی
ترجمہ و تشریح: زبیر کفرانی، ۱۴۰۲ھ

(ترجمہ و تشریح)

مترجم: احادیث

امام بخاری قدس اللہ سرہ العزیز رحمہ اللہ

جلد دوم

ناشر: [ادارۃ اسلامیات، ۱۰، انارکلی، لاہور پاکستان]

0300225521 - 47721991 - 4772648

{ Telegram } >>> <https://t.me/pasbanehaq1>

بخاری شریف کی منتخب احادیث کا ترجمہ و تفسیر کے مثل تشریح

رَحْمَةُ الْفَلَدِ رَحْمَةُ الْفَلَدِ رَحْمَةُ الْفَلَدِ

انتخاب بخاری

(ترجمہ و تشریح)

تخریج احادیث
امام بکھاری قدس اللہ سرہ العزیز ۱۲۵۶ھ

نیرنگانی
حکیم الانس کا شرف علی تھانوی

اردو ترمیم و تشریح
حضرت لا ناظر احمد عثمانی

عربی شرح
علامہ ابن ابی حجر مالکی اندلسی

نسخہ دوم

احادیث شریفہ سے مسائل سلوک و تصورات، مسائل اخلاق و آداب اور مسائل فقہ کے
استنباط پر وہ گراغایہ کتاب جو ہر دور میں علماء و مفتیان اور دیندار حضرات کی توجہ کا
مستحقہ طور پر مرکز رہی ہے۔ بخاری شریف کی منتخب احادیث کی بے نظیر شہرت

ناشر

ادارۃ اسلامیات انارکلی ۱۹ لاہور

فہرست

رحمۃ اللہ دوس (انتخاب بخاری) جلد دوم

صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر	تقریباً
۱۹	تراویح سنت ہے بدعت نہیں		(۴۴) حدیث، تحقیق الصلوات
۲۰	بسن روزہ مشرول افضل ہو جاتا		
۱۱	بعد منزیل دنیا حاصل کرنا جائز ہے	۱۵	صحیح کلل میں اسکی دعوت کا اتباع چاہیے
۲۱	دعوت کا افتخار ہی افضل ہے	۱۶	تفصیل کے بعد مروتہ کیلئے بجا ہوا بدعت ہے
	(۴۵) حدیث جواز المشی فی العکاظ	۱۷	نہ میں کسی حدیث کا ملزوم نہ کہتے
	شرق کا زائد ہوا زمین عبادت ہے	۱۸	محکم ثری میں خود کرنا کافی ضرر نہیں
۱۱	سواہر طری کو نہ تھے انارہ کا	۱۶	تیسری توسل ہی سنت ہے
۲۲	کام سے پہلے اس کا اہتمام	۱۹	دلدار کی تمام احوال سے لطف ہے
۳۱	بدعت جب تک کسی کو نہ مار دیا	۲۰	سُنی شیخ سنت، مہاجرت برکت ہے
۱۱	دلجوئی اور دلداری کا ثبوت	۲۱	غازی تحقیق اور تعویذ کی تحفیت
۲۵		۲۳	بسن شویہ کا ایک ضعیف
	(۴۷) قوفیہ ارکانات الصلوات		(۴۸) حدیث اصل صلوات اللہ علیہم
۲۷	مل کا بد بزرگ کو کہہ جیت ٹھیل کے پیلا ہے	۲۵	اہلبیت میں اس کا بنام کرنا چاہیے
۲۷	سوال سے قبل سنا جائے واجب نہیں	۲۶	بدعت کی مذمت
۲۷	مغضبات کی بند پر حکم نہ لگنا چاہیے	۲۷	ایام محرم کی تنظیم کا طریقہ
۳۸	عہدت میں مشغول شخص کو دیکھنا جائز ہے	۲۷	تراویح کی اصل
۱۸	انہوں کے احوال کی گمشدگی نہ چاہیے	۲۸	صلوات کامل کا حال

صفحہ	سفر	موضوع	نمبر
۳۹	۳۹	حدیث کی کیفیت	۳۹
۴۰	۴۰	قبولِ رُحمت کی ایسی ہوتی چاہیے	۴۰
۴۱	۴۱	قبولِ رُحمت کا طریقہ جاننے پر توقف نہیں	۴۱
۴۲	۴۲	سودقِ رُحمت اس اصل ہے	۴۲
۴۳	۴۳	اصلِ رُحمت اللہ کی توجہ و عنایت	۴۳
۴۴	۴۴	حُرمِ وضعِ اَنام کی غفلت	۴۴
۴۵	۴۵	ناشہ پینے نشانہ کے سوا نیک لگتا ہے	۴۵
۴۶	۴۶	ایسی ہی کے وقت غصہ پر نکتہ کرنا	۴۶
۴۷	۴۷	عادتِ طالبِ دنیا میں ہوتا	۴۷
۴۸	۴۸	مہاجر کے مہاجر	۴۸
۴۹	۴۹	شرِ شہر کے کھلی مُکھ کا بیان	۴۹
۵۰	۵۰	بہانے کے لیے ہر سید کو کام میں لینا	۵۰
۵۱	۵۱	تبی غلو کیا میں ہے غرت میں بالی رہے گی	۵۱
۵۲	۵۲	بہانے کے کامیابی، ہوا کی میں رکھ ہے	۵۲
۵۳	۵۳	کسی شخص کو کسی صنعت سے مُکھ نہ کرنا	۵۳
۵۴	۵۴	دیکھنا بیچھب بھگتیں ہوا کا غلو نہ ہو	۵۴
۵۵	۵۵	غورِ فسان کی جبلت ہے	۵۵
۵۶	۵۶	تُرکیزِ اخلاق محضِ فضل سے	۵۶
۵۷	۵۷	بہت ہی محضِ فضل سے شگ	۵۷
۵۸	۵۸	اُمتِ حق کے لہجے کی زبانی چاہیے	۵۸
۵۹	۵۹	اُمید کو ہر دمِ ماتم کو	۵۹
۶۰	۶۰	سراپِ فضل سے ایسی ہی	۶۰
۶۱	۶۱	ہرگز نہ چاہیے	۶۱
۶۲	۶۲	آخرت پہ بیچھب کامل دکن	۶۲
۶۳	۶۳	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۶۳
۶۴	۶۴	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۶۴
۶۵	۶۵	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۶۵
۶۶	۶۶	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۶۶
۶۷	۶۷	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۶۷
۶۸	۶۸	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۶۸
۶۹	۶۹	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۶۹
۷۰	۷۰	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۷۰
۷۱	۷۱	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۷۱
۷۲	۷۲	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۷۲
۷۳	۷۳	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۷۳
۷۴	۷۴	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۷۴
۷۵	۷۵	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۷۵
۷۶	۷۶	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۷۶
۷۷	۷۷	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۷۷
۷۸	۷۸	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۷۸
۷۹	۷۹	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۷۹
۸۰	۸۰	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۸۰
۸۱	۸۱	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۸۱
۸۲	۸۲	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۸۲
۸۳	۸۳	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۸۳
۸۴	۸۴	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۸۴
۸۵	۸۵	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۸۵
۸۶	۸۶	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۸۶
۸۷	۸۷	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۸۷
۸۸	۸۸	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۸۸
۸۹	۸۹	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۸۹
۹۰	۹۰	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۹۰
۹۱	۹۱	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۹۱
۹۲	۹۲	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۹۲
۹۳	۹۳	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۹۳
۹۴	۹۴	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۹۴
۹۵	۹۵	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۹۵
۹۶	۹۶	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۹۶
۹۷	۹۷	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۹۷
۹۸	۹۸	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۹۸
۹۹	۹۹	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۹۹
۱۰۰	۱۰۰	مہاجر کی مہاجریت نہ تھا	۱۰۰

صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر	موضوع
۱۶۳	ساکینہ کے لیے ایک سبق	۱۳۲	علاقے کی چار بار بار بار بار بار
۱۶۵	نرسنگ راجہ کے بعد سہیلی نہیں نہ چرنا	۱۳۵	سورہ انفیل کی ایک نئی تفسیر اور اس کا رد
۱۶۶	علاء زمانہ کی نکاحیت	۱۳۷	شیخ اور عالمین کی نگہداشت
	(۵۶) حدیث، غزوہ بدر، غزوہ بدر	۱۳۸	گیا مسکے اپنے ماضی کو ہم متعلق کرنا
۱۶۹	غلام وافر غزوہ خندق		(۵۷) حدیث، تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۱۷۱	بہاؤی کا بچہ بڑا جب اس کا حکم ہے	۱۴۰	ام سے غلبہ کے بعد اس کی خوشگوار
۱۷۲	شرعیات میں مقصود ہے کہ اس کی مقصود میں	۱۴۱	غلام وافر کی مدت کی مدت کی مدت
۱۷۳	سیاحی جہاد و دیگر غلاموں کے لیے ایک سبق	۱۴۱	نہالہ بلاد میں لگانا ہوا کا دس
۱۷۵	ادب سیرت کے ناسخ	۱۴۲	نیفیع کی غفلت کے ماضی تھا ہوتا ہے
۱۷۷	نفس و کلام بنسبہ نفس کے ہے	۱۴۵	مہینے کی قربانی سے صوبہ پاؤں
۱۷۸	جہاد شیعہ میں کامیابی اور غریب	۱۴۶	ایک جنگ جہاد کے حکایت
۱۷۹	نفس کا مہر جو ابھی بات ہے	۱۴۸	مردم غفلت کو سیرت انسان ہوتا ہے
۱۸۰	حدیث باہمی زنا کے نس سے نکاح ہے	۱۴۹	نہالہ کے غلام اور اس کی نرسنگ
	(۵۸) حدیث، السنۃ یوم عید الفطر	۱۵۱	دعا کی کتابت
۱۸۲	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے		ادب جہاد وافر قبل الفطر و بعدہا
۱۸۳	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے	۱۵۲	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے
۱۸۴	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے	۱۵۳	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے
۱۸۵	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے	۱۵۴	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے
	(۵۹) حدیث، الفطر فی ایام الفطر	۱۵۵	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے
۱۸۶	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے	۱۵۶	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے
۱۸۸	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے	۱۵۷	نہالہ میں غلاموں کی حالت ہے

{ Telegram } >>> <https://t.me/pasbanehaq>

سوال نمبر	موضوع	سوال نمبر	تفصیل
۴۹۶	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۴۹۶	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۴۹۷	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۴۹۷	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۴۹۸	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۴۹۸	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۴۹۹	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۴۹۹	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۰	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۰	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۱	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۱	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۲	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۲	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۳	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۳	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۴	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۴	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۵	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۵	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۶	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۶	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۷	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۷	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۸	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۸	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۰۹	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۰۹	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث
۵۱۰	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث	۵۱۰	۱۰۰ حدیث، آیات و احادیث

صفحہ	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
۴۸۱	۴۸۱	بڑوں کو نام لے کر پکھنا	(۱۵۵) خروج التجال و فتنہ
۴۸۲	۴۸۲	شعور کا بے ہمت کرنا غیب شریف نہیں	
۴۸۳	۴۸۳	عمل مستحب کا اعتقاد یا انکار	
۴۸۴	۴۸۴	سفر، کرامت، شبیہ و سحر میں فرق	۵۰۰
۴۸۵	۴۸۵	قوی ایمان اور بدعت کا تحمل نہیں کر سکتا	۵۱۵
۴۸۶	۴۸۶	ہولناقی قوت ایمان کے خلاف نہیں ہے	۵۱۶
۴۸۷	۴۸۷	ایمان کا شہادہت پر جبر و زور نہیں ہے حکمت پر نہیں	۵۱۸
۴۸۸	۴۸۸	یقین کے ساتھ فقرہ معر نہیں	۵۲۰
۴۸۹	۴۸۹	تقدیر کا بیان	۵۲۳
۴۹۰	۴۹۰	حلیۃ ملک والہ الدین شمس الدین	(۱۵۶) حلیۃ جلال البدن و جلوسہا
۴۹۱	۴۹۱	دینی کام میں کس کو نائب بنا دیا جائے	۵۲۱
۴۹۲	۴۹۲	میرے کام شروع کیا کیسے ختم کراؤ	۵۲۸
۴۹۳	۴۹۳	فتوح الیہ کو بدل کرنا	۵۳۳
۴۹۴	۴۹۴	ماہل شہرت	۵۳۵
۴۹۵	۴۹۵	بہر شخص اپنی حالت میں خود کرے	۵۳۵
۴۹۶	۴۹۶	سید عثمان کتب دست ہے بشرطیکہ	۵۳۶
۴۹۷	۴۹۷	تفسیر سبب مانع کے موافق ہو	
۴۹۸	۴۹۸	استطاع منکر الیہ تخطیہ ترواج	
۴۹۹	۴۹۹	انسان کو اسباب کام میں پہنچے	۵۴۰
۵۰۰	۵۰۰	سوال سے پہلے مسئلہ کو جاننا	۵۴۸
۵۰۱	۵۰۱	قرب دالے اعمال کو اختیار کرے	۵۴۹
۵۰۲	۵۰۲	بے ہمتی کی غیبت عامل کدھت سے	۵۵۲
۵۰۳	۵۰۳	عمران پر قدرت ہو وہی افضل ہے	۵۵۲
۵۰۴	۵۰۴	ہدیہ قبول کرنے میں غلوں پر نظر کرنا	(۱۵۷) ہما حرم عبد الرسول علیہ السلام
۵۰۵	۵۰۵	سیما دل کو فقرہ معر نہیں	
۵۰۶	۵۰۶	ہر کام اپنی صفت کے موافق چاہیے	
۵۰۷	۵۰۷	دین کا انجام زیادہ جوتا	

صفحہ نمبر	عنوان
۵۵۸	نکاح کی حفاظت
۵۵۹	۸۸۸ ہودیس، توقیت السجود
۵۱۰	باب ہاشم کے ختم کرنے میں حکمت
۶۰۵	مغفور اور ترک باب ہاشم
۶۰۶	کرامت کا وہ نہیں
۶۰۷	باقی اعتراضات کا جواب
۶۰۸	کب جہان آباد ہوتے ہیں نبی کی ضرورت
۵۰۹	۹۹۹ طہیحات بلایا والہ مختصر کا
۶۱۲	۴) وصیۃ النبی ﷺ
۶۱۳	۵) نبی کی دنیا آخرت پر موقوف ہے
۶۱۴	۶) نبی کی شامت سے دنیا آخرت برابر
۶۱۵	۷) نبی آخرت پہنچا ہے
۶۱۶	۸) کتاب ہونے سے
۵۸۵	۹) جواز اخذ الزمۃ من مال زوجہا
۵۸۶	۱۰) ضرورت شرعی کے لئے ہر شے کرنا
۵۸۷	۱۱) اہل شیعہ کے سوا کے چار اہل بیت
۵۸۸	۱۲) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۵۸۹	۱۳) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۵۹۰	۱۴) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۵۹۱	۱۵) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۵۹۲	۱۶) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۵۹۳	۱۷) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۵۹۴	۱۸) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۵۹۵	۱۹) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۵۹۶	۲۰) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۵۹۷	۲۱) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۵۹۸	۲۲) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۵۹۹	۲۳) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۰۰	۲۴) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۰۱	۲۵) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۰۲	۲۶) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۰۳	۲۷) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۰۴	۲۸) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۰۵	۲۹) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۰۶	۳۰) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۰۷	۳۱) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۰۸	۳۲) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۰۹	۳۳) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۱۰	۳۴) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۱۱	۳۵) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۱۲	۳۶) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۱۳	۳۷) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۱۴	۳۸) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۱۵	۳۹) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۱۶	۴۰) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۱۷	۴۱) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۱۸	۴۲) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۱۹	۴۳) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۲۰	۴۴) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۲۱	۴۵) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۲۲	۴۶) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۲۳	۴۷) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۲۴	۴۸) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۲۵	۴۹) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۲۶	۵۰) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۲۷	۵۱) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۲۸	۵۲) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۲۹	۵۳) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۳۰	۵۴) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۳۱	۵۵) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۳۲	۵۶) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۳۳	۵۷) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۳۴	۵۸) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۳۵	۵۹) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۳۶	۶۰) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۳۷	۶۱) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۳۸	۶۲) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۳۹	۶۳) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۴۰	۶۴) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۴۱	۶۵) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۴۲	۶۶) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۴۳	۶۷) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۴۴	۶۸) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۴۵	۶۹) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۴۶	۷۰) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۴۷	۷۱) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۴۸	۷۲) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۴۹	۷۳) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۵۰	۷۴) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۵۱	۷۵) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۵۲	۷۶) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۵۳	۷۷) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۵۴	۷۸) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۵۵	۷۹) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۵۶	۸۰) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۵۷	۸۱) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۵۸	۸۲) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۵۹	۸۳) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۶۰	۸۴) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۶۱	۸۵) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۶۲	۸۶) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۶۳	۸۷) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۶۴	۸۸) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۶۵	۸۹) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۶۶	۹۰) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۶۷	۹۱) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۶۸	۹۲) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۶۹	۹۳) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۷۰	۹۴) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۷۱	۹۵) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۷۲	۹۶) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۷۳	۹۷) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۷۴	۹۸) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۷۵	۹۹) ۹۹۹ النہج من التقویٰ
۶۷۶	۱۰۰) ۹۹۹ النہج من التقویٰ

صفحہ	صفحہ	صفحہ	صفحہ
	(۱۰۰) حدیث ، مسند احمد		(۹۸) حدیث ، جز الثقل والاخر علیہما
	یشرک باللہ و دخل الجنة	۹۳۸	حدیث تخریج - پر سارہ دین
۹۴۱	۱۰۰۰ یزیدوں پر نظر آتا	۹۴۱	۱۰۰۰ یزیدوں کو گواہی میں درج کیا
۹۴۲	تجلیات کا ایک رب	۹۴۲	یزیدوں کو اگر حق بات بتلاں ہمارے
۹۴۳	انہی ہر گھنہ پر تامل	۹۴۳	عرب کی قوم سے جذبات میں نہ جھکتا
۹۴۴	ہر روز تفسیر حال - کچھ اسکا	۹۴۴	قرآن سے نو بارہ روایت کا ایک نام
۹۴۵	۱۰۰۰ یزیدوں کے جاگیریں		(۹۹) لاجبی اللہ و لرمونہ
۹۴۶	۱۰۰۰ یزیدوں کے جاگیریں	۹۴۶	۱۰۰۰ یزیدوں کے جاگیریں
۹۴۷	۱۰۰۰ یزیدوں کے جاگیریں	۹۴۷	۱۰۰۰ یزیدوں کے جاگیریں
۹۴۸	۱۰۰۰ یزیدوں کے جاگیریں	۹۴۸	۱۰۰۰ یزیدوں کے جاگیریں
۹۴۹	۱۰۰۰ یزیدوں کے جاگیریں	۹۴۹	۱۰۰۰ یزیدوں کے جاگیریں
۹۵۰	۱۰۰۰ یزیدوں کے جاگیریں	۹۵۰	۱۰۰۰ یزیدوں کے جاگیریں

تفسیر حدیث ، فقہ ، تصوف ، سیرت ، تاریخ ،
سوانح ، عملیات اور دیگر اہم اسلامی موضوعات پر
مستند کتابوں سے حصول کے لیے ہمیشہ رجوع فرمائیں
ادارہ اسلامیات ، ۱۹۰ - انارکلی لاہور

ۛۛ



حدیث تَخْفِيفَ الصَّلَاةِ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کبھی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکا نہ ہو۔
نیا سے کامل ہو لیا یعنی وہ نماز آپ کے رکوع کے آواز سن لیتے تو نلکڑ کو کبھی کر دیتے مگر اس کے بعد پڑھائی میں نہ پڑھتے۔

شرح
ظاہر حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تکمیل کے ساتھ تخفیف کرتے تھے اور یہ کتاب غیر حق کی روایت ہے جو نماز میں تخفیف کرتے تھے اس پر چند وجوہ سے کفار ہے۔

(۱۵) درجہ کمال میں اکمل حالات کا اتباع کرنا چاہیے اور ادنیٰ درجہ

میں صرف صحت پر اکتفا نہ کیا جائے۔ حدیث میں (مضرت) صحابہ کے اجتہاد (اتباع) کی دلیل ہے کہ وہ درجہ کمال میں تو اکمل حالات کا اتباع کرتے تھے اور درجہ صحت میں ادنیٰ پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ کچھ زیادتی کرتے تھے تاکہ درجہ کمزاریت سے کم نہ رہ جائے (اور عمل پر بلونہ ہو جائے) اور ادنیٰ درجہ میں کمزاریت کا حتمی یقینی طرز پر اس وقت تک نہیں جو کتاب تکسیر پر کچھ تیزی سے زیادت نہ کی جائے بشرطیکہ زیادت شرعاً ممنوع نہ ہو جیسے وضو میں چادر و خدا انصار کو دھونا

منوٹ ہے یا وہ زیادت ایسی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی درجہ میں بھی ملنا ثابت نہ ہو تو اس سے ہی بچا جائیگا تاکہ بدعت میں مبتلا نہ ہو جائیں اور بدعت کی مذمت حدیثوں میں جس قدر آئی ہے وہ معلوم ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ بِهِ نَعْلَمُ رَدُّ

وہ شخص جس نے اس امر میں نئی چیزیں بنائی ہیں جو ہمیں معلوم نہیں ہیں تو وہ رد ہے

یہ آپ کا ارشاد ہے کہ بعد خدا فضائل پر بدعت گواہی ہے، اور اس جیسی بدعت ہی بدعتیں ہیں

اور اسی میں غداروں نمازوں کے بعد صرف دُعا کیلئے مجتمع ہونا بدعت کے بعد لوگوں کا دعا کے لئے مجتمع ہونا بھی داخل ہے پس یہ عمل اور جو اس کے مشابہ ہوں سب بدعت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے بعد صحابہ و تابعین نے کسی ثابت نہیں کہ انہوں نے عبادت یا ثواب جمع کرنا یا کسی اور اگر بہانہ کے عبادت کو حدیث کمال سے کم حد پر چھوڑا کیا جائے تو جائز نہ مگر افضل وہی ہے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد سلف صالح نے عبادت کی ہے۔

فہ صوفی نماز کو اس مقام سے سنی لینا چاہیے کیونکہ وہ بھڑکے بدعات میں مبتلا ہیں اور جب کہلایا ہے کہ یہ عمل بدعت ہے تو کہتے ہیں اس میں کیا خرابی ہے ہم تو نیک کام کرتے ہیں بڑا کام تو نہیں کرتے حواں کو سہہ دینا چاہیے کہ نیک کام وہی ہے جس کا شریعت میں ثبوت ہو۔ دیکھو دعا کرنا نیک کام ہے لیکن نمازوں کے بعد مجتمع ہو کر دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالح سے ثبوت نہیں پس اسی پر ان اعمال کو تیس کر لیا جائے جن کا کوئی نفع مانانے نیک اعمال سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ مگر شریعت میں ان کا ثبوت نہیں، جیسے میں شائع

اور فاتحہ غزالی کے جملے وغیرہ اور قوال و سماع تو جس صورت سے آجکل ہوتا ہے وہ تو طوطا بدعت ہونے کے بہت سی قرینات و محکومات پر مشتمل ہے۔

فے بدعت وہ نیا کام ہے جس کا ثبوت خبریت میں نہ ہو اور اس کو دین یا ثواب سمجھ کر کیا جائے، اگر دین یا ثواب سمجھ کر نہ کیا جائے تو بدعت نہیں۔ پس ریل اور تار اور موٹر اور بجائی جہاز اور قسم قسم کے لباس اور معلومات و مشروبات اور استعمال بدعت نہیں کیونکہ ان کو ثواب یا عبادت یا دین سمجھ کر استعمال نہیں کیا جاتا، اسلحا کو رسیں چیر اور خاص مقدار اور خاص طرز و وضع کی رعایت یا تسبیح راقہ میں رکھنا بھی بدعت نہیں کیونکہ ان چیزوں کو ثواب سمجھ کر نہیں کیا جاتا بلکہ بطور علاج و تدبیر کے اختیار کیا جاتا ہے۔ خوب سمجھو۔

فے جمع ہو کر دعا کرنا جو بدعت ہے اس سے وہ اجتماع ملوا ہے جو بعض دعا کے لئے ہو پس نماز کے فوراً بعد جو دعا کی جاتی ہے وہ بدعت نہیں کیونکہ اس میں دعا کے لئے اجتماع نہیں ہوتا بلکہ اجتماع تو نماز کے لئے ہوا تھا اسی حالت میں دعا بھی ہو گئی اور نماز کے بعد دعا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً و فعلاً ثابت ہے جیسا احادیث و حدیث میں بہت تفصیل کے ساتھ احادیث کی رو سے اس کا ثبوت دیا گیا ہے۔ پس نماز کے بعد جب لوگ حضورؐ کی دیر تک دعا کر لیں تو یہ صورت خشک خوف نہیں سنت کے خلاف یہ عقیدہ ہے کہ جماعت کی نماز ختم ہو جانے کے بعد دعا، نوافل، وسنن میں مشغول ہو جائیں گے اور نوافل و سنن سے فراغت کے بعد دعا کے لئے اجتماع ہو جس کی آجکل دعائے غمیدہ کیا جاتا ہے اور جاوید سوانح ہند میں اس کا بٹا التزام ہے سو یہ اجتماع جو بعض دعا کے لئے ہوتا ہے خاص بدعت ہے۔

(۱۵۲) نماز میں کسی حادثہ کی طرف التفات کرنا خشوع کے

حدیدہ ہے معلوم ہوا کہ نماز پڑھتے ہوئے کئی حادثہ پیش آئے
منافی نہیں تو اسکی طرف التفات کرنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کا بچہ کی آواز کو سنا اور اس کے سبب میں غور کرنا ایسی شے کی طرف انتہات متجاوزانہ سے خارج ہے مگر اس کا تعلق غلطیوں سے قیاس لئے اس کی طرف انتہات فرمایا گیا، مگر یہ دراصل ضرور ہے کہ انتہات معمولی ہو یا جس سے نماز کے ارکان وغیرہ چھین کر نکل آئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اس حالت میں بھی سب سے کامل تر تھی مگر یہ انتہات آپ کو نماز سے مشغول کر دیتا تو آپ نماز کو کامل غور پر نہ ادا کر سکتے۔

”قوله الوجه اشامن فيه دليل على ان العكرة الى قوله ما انتا“

(۱۵۲) حکم شرعی میں غور کرنا بھی منافی خشوع نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ منہوت کے وقت نماز کے اندہ یا کسی اور عبادت میں مشغول جتنے ہوئے حکم شرعی میں غور کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ عبادت کو باقی رکھ کر اس کے واجبات کو پورا کرتے ہوئے ایسا کرنا ممکن ہو۔ مطلب یہ کہ سرسری طور پر غور کرنا جس سے نماز کے ارکان و واجبات میں خلل نہ آنے پائے جائز ہے یہ نہیں کہ نماز میں جلیہ اور بجاہی کے اشکالات کو حل کرنے گئے، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کے رونے کی آواز سن کر نماز کو منقطع کر دیتے تھے حالانکہ عمل مشروع کرنے کے وقت تطویل کا ارادہ متاؤف از کو منقطع کرنا بھی ایک عمل ہے جو حکم میں غور کرنے کا نتیجہ تھا پس یہاں چھ باتیں جمع ہو گئیں۔

(ایک تو) واقعہ کی طرف انتہات

(دوسرے) حکم شرعی میں غور کرنا

(تیسرے) وہ عمل کرنا جو نماز میں ممکن تھا (یعنی نماز کو منقطع کر دینا)

(چوتھے) حق غیبر (یعنی پیداوار اس کی ماں کے حق کی معایت)

(پانچویں) سد ذریعہ (کا اجتماع) یعنی جس چیز سے فتنہ کا احتمال بھی ہو سکو

یقین نہ ہو اس کی پہلے ہی سے روک تھام کیونکہ بچہ کے رونے سے اس کی ماں

کا پریشانی ہونا لازم نہیں لیکن بچہ کو پریشانی پیش نہ آئے مگر معقولہ وصل اللہ علیہ وسلم
نہ احتمال سنت کا بھی نہ لگا فسوایا کہ احتیاطی کو نقص ہے اور اس کا کام نہ لینا
ہے جو اصول مشورہ میں سے ہوتا اصل ہے

چھٹے قوی کو احکام میں نہایت تابع کر دینا جبکہ دونوں کسی کام میں ساتھ آتے
ہیں۔ اس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

سير وابير اضعتكم لپنے گزروں کی چال چلا کرو ۔

قوله الوجه التاسع فيه دليل على جواز النظر في حكم من اضعتكم

القول سیر وابیر اضعتکم

(۱۵۴) خیر میں تو سبھی سنت ہے اس میں بات کے حال پر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ محنت و شفقت پر بھی ولایت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا
ہے کہ بعض ذلت و تخفیف و اختصار پر عمل کیا تو ہوشیار مت کرنے والا تو
سنت کے اتباع کا پورا احسان دے دیا اور کمزور مسکین بھی اتباع سنت سے محروم
نہ رہے گا وہ بھی کچھ حصے دے گا اور تطویل و اختصار کے درمیان بہت وسعت
ہے اور خیر میں توسط (دریچہ اوسط) اختیار کرنا ہی سنت ہے ۔

قوله الوجه العاشر فيه دليل على محنته عليه السلام في اتباعه

قوله وتوسط في الخير التي هي السنة ۔

(۱۵۵) دلداری اور دلجوئی تمام احوال سے اعلیٰ وارفع ہے

اس میں سو فیہ کی بھی دلیل ہے جو دلداری اور دلجوئی کے بہت قائل ہیں
اور وہ ان کے نزدیک تمام احوال سے اعلیٰ وارفع ہے ۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کی ماں کی اور خود ہر کی پریشانی کی رعایت فرمائی اور اس
کے لئے غار کو منتر کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی دلجوئی بھی عبادت ہے جس

کے لئے نماز کو فتنہ کر دیا جاتا ہے۔ مگر اس میں ایک چیز ہے جس کو بزرگوں میں سے خاص بھی نوک جانتے ہیں وہ یہ کہ دلدار اور دہلوی اس کی اس حالت کو کم نہ کرے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ ریختہ و سرور کی جوتوں کی نگہداشت میں اپنی اشرفیوں کو برباد نہ کرے۔ خصوصاً جو کہ حقوق کی دلدار اور دہلوی میں اتنا سبب انگ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ دینے کا وقت ہی نہ ملے ہر وقت لوگوں کی خاطر سڑات میں ہی رہا ہے۔ بلکہ ایک وقت ایسا بھی ہونا چاہیے جس میں جو اللہ تعالیٰ کے کسی پر توجہ نہ ہو، اس کی کھیل حدیث کا یہ لفظ ہے وللا استعرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کامل تر نماز کسی کی نہ تھی کیونکہ اقتدار کے بعد ورجہ کا غایت میں بھی آپ کی عبادت ناکس نہ تھی۔ اس لئے ایک بھنگ کا ارشاد ہے کہ صوفی متبع سنت پر اپنا نمانے ہے۔

صوفی متبع عبادات میں سے ہے
یعنی صوفی لا متبع سنت بنائیت
حالات مختلفہ کا ورد ہوتا ہے۔ کبھی ہمیں سنت جلال ہے کبھی ہمیں سنت ہمایہ ہے اور جب ایک قسم کی جلی بوق نہ تو قلب اس کا ہوتا ہے اس وقت دیگر صفات کا حق پوری طرح ہوا نہیں ہوتا اگر اس وقت یہ شخص اتنا سنت میں پختہ ہے اور تمام صفات کا حق ادا کر ۳ ہے تو طاعتی بڑا کمال ہے اس مثال میں غور کرو کہ نماز کی حالت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی پر توجہ نہ ہو اور امامت کا مقتضایہ ہے کہ مقتدیوں کی پریشانی کا بھی غور کیا جائے گا۔ اس حالت میں کوئی صوفی مغلوب الحال امام ہو تو وہ فقیر نماز کا حق ادا کریگا۔ مقتدیوں کے حال پر التفات نہ کرے گا اور زاہد شنگ امام ہو تو نماز میں ایسا اختصار کرے گا جس سے واجبات میں ہی غفل آجئے گا اور صوفی متبع سنت امام ہو تو نماز کو ہی کامل طور سے لڑا کرے گا اللہ تعالیٰ کی نصیحت ہی متوجہ ہے گا اور مقتدیوں کی رعایت سے نماز کو ہی منقطع کرے گا اور دونوں قسم کے حقوق کی نگہبانی آسان کام نہیں اس لئے صوفی لا متبع سنت ہونا بہت عجیب ہے۔ اور جو صوفی

ایسا جو وہ اپنے وقت کا نطب اور عالم وجود کا کابج ہوگا ادنیٰ اللہ کا فضل ہے وہ میں کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو بھی وہ دولت عطا فرمائیں جو ان کو اپنے احسان سے عطا فرماتا ہے۔

قوله اوجه الحادی عشر فیہ دلیل لاهل الصوفۃ السدین یقویون
بجبر القلوب الی قواء من الله ینفعہ علیہا من بہ علیہا ومنہ
الحمد لله کہ محبت اکابر حضرت مولانا گیسو گوی قدس سرہ و حضرت مولانا خلیل احمد
مصاب رحمۃ اللہ علیہ و حضرت حکیم الامت دام جہدیم سبکے بابو جو صوفی اور صاحب
اولیٰ رفید ہونے کے بعد بچہ کمال متبع سنت تھے اور میں اور یہی ان کا وہ کمال ہے
جسکی نظرد و سربو بگو نہیں مل سکتی اور اسی وجہ سے ناواقف لوگ یوں سمجھتے ہیں
کہ یہ حضرات تو نہ علماء ہیں صوفی نہیں کیونکہ عوام کے نزدیک صوفی وہی ہے جو
مطلوبہ اعمال ہو اور صوفی متبع سنت مطلوبہ اعمال نہیں ہوتا بلکہ غالب علی الاحوال
ہوتا ہے وہ ہر حالت میں اتباع سنت سے ایک قدم ہٹا گوارہ نہیں کرتا۔ اسی لئے
یہ حضرات اپنے دامن کے قلوب الارشاد اور ہڈی ہمارے

پکھنے جاؤ شریعت پر کھٹے سندان عشق ہر جوشنا کے اندام جاؤ سندان باشت

من الله تعالى ینفعہ علیہا من بہ علیہا ومنہ

نماز کی تخفیف مولانا قرنت
فے نماز میں تخفیف اور تطویل کی تحقیق کو نہ کر کے ہوتی ہے
اور کبھی تمام ارکان میں اختصار کرنے سے ہوتی ہے بشرطیکہ یہ اختصار نہ ہو جس سے
ارکان میں خلل واقع ہو جائے و نہ نماز ہی نہ ہوگی یا ناقص ہوگی اور حدیث میں تصریح ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز باوجود نہیث ہونے کے کامل و اکمل ہوتی تھی اس
جو یہ بھی سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات معاہد علیہم السلام
میں کی تخفیف ضرورہ کو آج کل کی تخفیف پر قیاس نہ کرنا چاہیے کیونکہ حضرات معاہد اور
سلف سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت شروع کرتے تو آدمی

بتیج تک جا کر واپس بھی ہو جاتا تھا اور آپ پہلی ہی رکعت میں جھکتے تھے، اور سیدی اکبر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ صبح کی نماز میں بعض دفعہ سوئے بقیود رکعت میں پڑھتے تھے اور بعض صحابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سورہ یوسف مفتخر عثمان رضی اللہ عنہ سے سن کر یاد کی تھی کیونکہ وہ اکثر صبح کی نماز میں اس کو پڑھتے تھے اور مولانا امام مالکؒ میں ام الفضل بنت الحارث سے روایت ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سورہ والہدٰی سن لی تو فرمایا بیٹا کہنے یہ سورت پڑھ کر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت یاد ملائی کیونکہ یہ آخری سورت ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مفتخر کی نماز میں سنی تھی (اس کے بعد میں نے حضرت کی قرأت نہیں سنی) اس سے معلوم ہوا کہ مضر لفظ صاب کی علت نماز میں تطویل قرأت تھا اور یہی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کیونکہ صحابہ سے زیادہ متبع سنت کون ہو سکتا ہے مگر اس تطویل کو وہ تخفیف فرماتے ہیں کیونکہ حضرت صحابہؓ نماز میں قرآن کے مانتے تھے ان کو تطویل قرأت گراں نہ تھی، البتہ اگر کوئی ماریض پیش آجائے مثلاً بچہ روتے گھٹا اور کوئی مدائش پشیش آجاتا تو اس عادت مسترد کو چھوڑ کر قرأت میں تخفیف کر دی جاتی تھی۔ پس تخفیف مصلوہ کا ماسل یہ ہوا کہ موقع الی وقت کے مناسب قرأت کی جائے۔ اگر حالت اطمینان اور سکون کی ہو تو قرأت طویل کی جائے اور اس میں بھی مقتدیوں کی حالت کی رعایت کی جائے کہ اتنی تطویل نہ ہو جو نمازیوں پر گراں گزے اور اگر حالت بے اطمینانی اور پریشانی کی ہو تو اس حالت کے مناسب قرأت کی جائے۔ مگر کسی حالت میں بھی واجبات میں غلٹ نہ ڈالا جائے۔ دین کے سب کاموں میں قاعدہ یہی ہے کہ ہر عمل کو درجہ کمال پر ادا کیا جائے۔ ادنیٰ درجہ پر بدن کسی خدو کے کفایت نہ کی جائے اور ادنیٰ درجہ پر کفایت کرنے میں بھی واجبات میں غلٹ نہ ڈالا جائے۔

مفتخر مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے وقت

میں عالم مانا جاتا اور مقتدا تسلیم کیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں بعض اہل ان کے واجبات بھی پوری طرح ادا کرتا تھا۔

مَا يَأْتِيهِمْ مِنَ الْبُحْبُوحَاتِ

انسوس علم ہی شائع ہو گیا اور اس کی حقیقت بھی پامید ہو گئی عمل ہی برابر ہو گیا اور اس کی تکمیل ہی جاتی رہی اسی لئے مذہب و ملت طبع فرمایا ہے کہ لوگوں کو مکروہات میں اس بات سے مستلک ہے کہ انہوں نے الفاظ شرعیہ کو ان معانی پر مہول کر لیا جو پہلے زمانہ میں معروف نہ تھے۔ چنانچہ آج کل ہم نماز میں تخفیف کرتے ہیں تو حد جواز ہی سے نکل جاتے ہیں کیونکہ ہماری لمبی نماز ہی ادنیٰ درجہ سے زیادہ نہیں ہوتی تو جب اس میں کمی کی جائے گی تو لامحالہ حد جواز سے نکل جائیگا۔ پس نماز کی تکمیل اور تخفیف کی مدد کو وہی سبب بختا ہے جس کی نظر میں احادیث پر ہوا اور حضرات فقہاء رضی اللہ عنہم نے کتب فقہ میں اس کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیا ہے جس کا تالیف سنت کا شوق جو اس کو کتب فقہ واجبات و فروض و سنن و مستحبات ملوۃ معلوم کر لینا چاہیے تاکہ تخفیف کے وقت سنن و مستحبات میں اختصار کیا جاسکے واجبات و فروض میں خلل نہ ڈالا جائے۔

وهذا ما سألنا عليه السلام رحمه الله في النوح الاول

والسلام عليه السلام

فے یہاں سے اُن موفیوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو ہر حالت میں اپنے معمول ہی پر رہے۔ جتنے ہی کسی حال میں اس کی ترک نہیں کرتے سفر میں بھی نماز لمبی کرتے ہیں خواہ قافلہ چلنے والا ہو یا ریل چھوٹ والی ہو اور مقتدی وقت کی تسکلی سے پریشان ہوں مگر امام صاحب ہیں کہ طویل مفصل کو نہیں چھوڑ سکتے اور نماز کے بعد وظیفہ کو ہی

blogspot.com

نہرور پڑا کریں گے۔ ان کو سجدہ ایسا چاہیے کہ ایسا غلو شریعت میں
نا پسندیدہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وفد سفر میں قتلِ اعدو
میرب الضلوع اور قتلِ اعدو میرب الساس سے صبح کی نماز پڑھائی ہے
حالانکہ صبح کی نماز میں آپ کی عادت تظویٰ قرأت کی تھی مگر آپ نے ہمیشہ
موقع اور وقت کے مناسبت عمل کیا ہے جس سے کسی پر گرائی نہ ہو۔

خوب سمجھ لو۔

✍



باب پہلے چہارم

حدیث

(اصل صلوۃ التزاور)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینے میں مسجد کے اندر ایک مجروح بنوایا جو غائبانہ طور پر کھڑا تھا جس میں اپنے چند زخموں میں نماز پڑھی تو آپ کی غائے کے ساتھ کچھ لوگوں نے صحابہ میں سے نماز پڑھا جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ (نماز سے) بیٹھنے لگے (یعنی اس وقت نماز پڑھنا چھوڑ دیا، پھر آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے جو کہ تم کو کرتے دیکھا میں اس کو سمجھ گیا ہوں، کہ تم کو مسجد کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، سو لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھا کر دیکھو کہ انسان کی غفلت نماز وہی ہے جو گھر میں ہو سولے بھٹو۔ (یعنی فرض نماز کے)

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ غفلت نماز مسجد میں پڑھنا جائز ہے اور غفلت یہ ہے شرح کہ غفلت نماز گھر میں پڑھے، اس پر ہندو جو مت کا ہے۔

(۱۵۶) اسباب دلجمی کا احتمال کرنا چاہیے مسجد میں مجروح بنایا

جائز ہے مگر مشروط یہ ہے کہ چھارت کے طوط پر نہ ہونا ایسی چیز سے بنا ہو جس کو بقار و دہم ہو اس کی وسیلہ حدیث کا یہ لفظ ہے کہ آپ نے مجروح بنوایا تھا کیونکہ جس طرح تیر کرنے میں مسجد کی تعمیر ہے اور مسجد وقف ہے اس کی تعمیر جائز

نہیں اور یہ یا کچھ کلمے جو بنانے میں مسجد اپنے دل پر بیگی اس میں تغیر نہ ہو گا اور پڑا دھیس ڈالنے سے غلطی قائم ہے گی اور عبادت اچھی طرح ہوگی کیونکہ اس سے عبادت میں دل بھی زیادہ ہوگی (جو رُوح عبادت ہے) اور اس پر یہ عملی مسئلہ مرتب ہوا کہ انسان کو وہاں سبب اختیار کرنا چاہیے جن سے عبادت میں دل جمعی زیادہ ہو بشرطیکہ وہ اسباب بدعت (میں داخل نہ ہوں ورنہ ممنوع ہوں گے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر بدل جلال قیامت کے دن صاحب بدعت سے فرمائیں گے اچھا اگر میں ان گناہوں کو بخش دوں جو میں نے اور تیرے درمیان ہیں تو میں لوگوں کو تو نے گمراہ کیا ہے ان کے ساتھ کیا کروں ؟ یعنی ان کا حق کیونکر معاف کروں اور یہ گناہ کیسے بخش دوں کہ تو نے اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کیا ہے کہ یہ عشاء تو متعجب ہے جس کے ساتھ حق الہیاء متعلق ہے اور حق الہیاء اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک کہ مستند معاف نہ کریں اور وہ اپنا حق کون چھوٹنے والا ہے۔۔۔ وہ تو سب اس کی جان کو آبا نہیں گئے کہ تو نے یہ کچھ گمراہ کیا)۔

قوله الوجه الاول جواز اتخاذ الحجۃ فی المسجد انی قوله فلنیز اجعلت حیف الفعل بصر۔

فے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جو جویہ کا عبور ہوا یا قیام نہ کیا اعتکاف بیتہ نماز کے لئے تھا، چنانچہ اب بھی اعتکاف کرنے والے کپڑا نکال کر اپنے لئے بکھڑے کر دیتے ہیں مگر رحمت کی نماز کے وقت ان کپڑوں کو اٹھا دینا چاہیے تاکہ رحمت میں تشنگی نہ ہو اور صفوف میں انقطاع نہ ہو۔

اس حدیث میں صوفیہ کی غلو سے نشیخ کا ثبوت ہے کہ وہ بھی دل جمعی کے لئے غلو اور پردہ کشی اُمتیہ کرتے ہیں۔

یہاں سے بدعت کا دہلی بھی معلوم ہوا کہ اس سے فے بدعت کی مذمت و تشریح، اشک انصاف نہیں بلکہ حق العباد کی بھی انصاف ہے اور حق العباد کا وبال بہت سخت ہے پس صوفیہ بقرہ میں

کو بہتر حاصل کرنا چاہیے اور سماج و عرس وغیرہ سے توبہ کرنا چاہیے کہ عوام ان کو عبادت اور ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور عوفیت نہ ماننا چاہئے قول و فعل سے ان بدعات کو دوا بخورنا چاہئے۔

وَقَدْ عَلِمْنَا أَنَّهُ لَا يَصْعَدُ سَبَّاحُ السَّنَةِ السَّنَةِ فَيُؤَلِّقُ مَالًا وَالْأَقْوَالُ
كَلَامُ الْغَنِيِّ مِنْهَا الْجَلِيلَةُ ۲ مین

(۱۵۷) ایامِ محترم کی تعظیم، طریقہ یہ ہے کہ ان میں عبادت زیادہ کی جائے۔ اس میں رمضان کی انضیلت بھی دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مہینوں میں سے اسی مہینہ کو اس عبادت کیساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ شریعت پر بھی معلوم ہوا کہ ایامِ محترمہ اور مکاتباتِ محترمہ کی تنظیم کا طریقہ یہ ہے کہ انواعِ عبادت کے ذریعہ ان کی عظمت ظاہر کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینہ کی عظمت کو اسی طریقے ظاہر فرمایا ہے کہ اس میں عبادت کو بڑھا دیا۔

قوله في الوجه الخامس فيه دليل على انضوية رمضان الى قوله في الوجه السادس الا بزيادة في التعبدات

فہ حضرات صوفیہ کو رمضان کا اور میلادِ محترم کا جس قدر اشتیاق ہے ظاہر ہے اور وہ بھی ان کی تعظیم عبادت میں زیادت سے ہی کرتے ہیں عوام کی طرح جیسے اور جنوس وغیرہ سے نہیں کہتے جیسا آجکل ۱۲ ربیع الاول کو میلادِ منائی جاتی ہے کہ یہ سراسر بدعت ہے حضرات صوفیاس دن میں ورد و شریف کی کثرت کرتے ہیں جیسے روزہ بھی رکھتے ہیں۔

(۱۵۸) تراویحِ رمضان کی اصل تعظیم شعا تراویح سے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ جب آپ نے دیکھا کہ

اللہ تعالیٰ شانہ کو ان باتوں کی عظمت ظاہر کرنے کا بہت سہا ہے کہ جبریل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں (بجائے خداوندی) آپ کے پاس قرآن کا دور کرنے کو تشریف لاتے تھے رمضان کے مہاسی مہینہ میں وہ دور کے لئے نہ آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بھی اس کی تعظیم میں یہ زیادت کی کہ اس مہینہ میں ایک خاص نماز بڑھادی جو دوسرے مہینوں میں نہیں پڑھائی اور اس کا عہد امت پر ظاہر ہو کر دیا تاکہ وہ بھی آپ کی اتنی کریں اسی کا نام تعظیم شائع ہے جسے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں

وَمَنْ يَعْلَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ مَاتَ مَاتَ تَقْوَى الْمُتَّقِينَ

اور جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ تعظیم دلوں کے تقویٰ سے (ناجی) ہوتی ہے اور جتنا تقویٰ دلوں میں ہوگا اسی قدر فضیلت ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی تقویٰ میں ہو سکتا (پس آپ کی برابر شعائر اللہ کی تعظیم بھی کوئی نہیں کر سکتا) اور اس میں ایک موفیانہ اشارہ بھی ہے وہ یہ کہ جو صاحب حال احکام کے اعتبار سے پی پختہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ

عارف کامل ہمیشہ محبتی میں رہتا ہے نیک اور شاہد میں ہی

رہتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عادت قرآن کے وقت یہی حال تھا جب آپ رحمت کی آیت پر گزرتے اللہ تعالیٰ سے رحمت کا حوالہ کرتے اور جب عذاب کی آیت پر گزرتے رحمتیں عذاب پر عذاب کا ذکر کرتے تو پسند مانگتے اور جب ایسی آیت پر گزرتے جو اللہ تعالیٰ کی صفت پر عادت کرتی ہے جیسے خالق ہونا قادر ہونا باعظمت ہونا تو اللہ کی پاکی بیان کرتے، فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس آیت پر گزرتے اسی حالت سے تنگ جاتے تھے جو اس آیت کے مخالف کلمات ہونا چاہئے اور وہی جواب دیتے جس کا ادب تھا مگر تا ادا سہی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تعلیم دی ہے چنانچہ جب آپ نے اُن کے سامنے سورہ یٰسین پڑھی اور وہ خاموش رہے تو آپ نے فرمایا تم وہ بات کیوں نہیں کہتے جو جنوں نے سہی

دین کو متفقہ ہوئے کسی حق۔ صحابہ نے عرض کیا، نبیوں نے کیا کیا تھا فرمایا جب میں
 خیالی آلاؤں دیکھا تھا کھنڈیاں پڑھتا تھا اور تم اشکی کس کس نعت کا کہہ کر
 گئے، تو وہ کہتے تھے لا یؤحدہ منعایا رہنا کہ اے پروردگار ہم کسی نعت کا بھی
 انکار نہیں کرتے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تعلیم اور خوبی ارشاد کو
 پیش نظر رکھو تو بارگاہِ نبوت کا ادب اچھی طرح سمجھا سکو گے اگرچہ اللہ تعالیٰ کو پورا
 خفا اور جلال کے کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں، مگر بندہ کو تو اس کی ضرورت ہے
 کہ اللہ تعالیٰ کا ادب پوری طرح سمجھنے کے لیے اس کی طاعت یہ ہے اور ایمان کا نفع
 بندہ بن کر پٹنے کا

قوله الوجهہ الہام یؤخذ منہ فضل سیدنا علیہ السلام فی قولہ

فالوجه الرابع عشر مع غنائہ عبد الملک وجلالہ وانما قرئت بین
 الوجهہ الہام والرابع عشر لکون الشافعی حریفا علی الاول عندی والله
 تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۰ مترجم

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ تراویح کی نماز
 نہ تراویح سنت، بدعت نہیں
 رمضان میں باجماعت بدعت نہیں
 بلکہ سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علماء اس کا ثبوت مل چکا ہے
 پھر سنت سمجھنے میں کیا کام ہو سکتا ہے۔ (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کی جماعت
 کو دیکھ کر نعمت اللہ علیہ (۲) یہ بدعت بہت اچھی ہے، فرمانا سو آپ نے
 لغت کے استبار سے اس کو بدعت فرمایا ہے تاکہ مشرعا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 مشائخ بات جدید کہتی تھیں کہ لوگوں کو ایک امام پر جمع کر دیا تھا پہلے مختلف قاریوں
 کے پیچھے ایک ایک جماعت اقتدار کرتی تھی۔ مرقی تراویح کی نماز باجماعت حضرت
 عمر کے اس فعل سے پہلے ہی قائم تھی۔ پھر اس کو مشرعا بدعت کیونکہ کہا جاتا تھا ہے
 البتہ یہ بیعت اور صورت دیکھنے میں جدید تھی کہ سب لوگ ایک مسجد میں ایک
 ہی امام کے پیچھے تراویح پڑھیں تو سنت کے مقابلے اس کو بدعت کہنا صحیح تھا۔

ہوایا کہ جب نماز میں پڑھنا افضل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی یہ نماز مسجد میں کیوں پڑھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز تراویح کا مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند باتوں کے بعد تراویح کی جماعت کو اس لئے ترک فرمادیا کہ دوسری حدیث میں آچنے فرمایا ہے کہ مجھے انہی سے بے کر کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے چہرے میں کونسا نہ سکھائے۔ انہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آیا کہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افضل پر عمل کیا اور تراویح کی نماز باجماعت اختیار کی تاکہ مسجروں میں قائم رہے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا ان کو معلوم ہو چکا تھا اور اس سے یہ فقہی مسئلہ معلوم ہوا کہ جب کسی فعل سے کسی خاص ملک کے لئے منع کیا جائے تو امت کے مرتفع ہو جانے سے عافیت بھی ٹال ہو جانے کی اور وہ فعل جائز ہوگا۔

وهذا مما يثبت عليه الشارح في الوجه الثاني

حدیث سے یہ بھی معلوم

(۱۵۸) بعض دفعہ مفضل افضل ہو جاتا ہے ہوا کو بعض دفعہ مفضل

افضل اور کوئی کام اچھا ہو جاتا ہے جب کوئی ملت اس کو مرتفع کر نیوای پائی جائے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند باتوں کے بعد اس وقت کی عبادت کو موقوف فرمادیا حالانکہ اس وقت کی عبادت افضل تھی مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عبادت کو موقوف کرنا تعلیم کے لئے تھا اور تشریح احکام بہت بڑی عبادت ہے تو اس ملت کے بلند جانے کی وجہ سے مفضل مفضل اور کوئی عبادت اچھی ہو گیا۔

قوله الوجه العاشر في دليل على ان المفضل قد يجمع فافضل

الى قوله مرجع المفضل فافضل

خبر بعض دفعہ مثلاً شیخ طبریزی بھی کسی خاص وجہ سے افضل پر عمل کرتے ہیں جس سے ناقصین کو ہم ہوتا ہے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو افضل پر عمل نہیں کرتے۔ مانا کہ اگر وہ اس ملت کو جان لیتے ہیں کہ وہی عز افضل کو اختیار کیا گیا تھا۔

تو معلوم ہو چکا کہ اس وقت وہی فعل تھا۔

لہذا کال و اتیاس از او میگر گرہ مانند۔ نوشق شیر و شیر

(۱۵۹) بقدر ضرورت دنیا حاصل کرنا جائز ہے ہوا کہ بقیہ نبوت دنیا حاصل کرنا جائز ہے اور وہ آخرت کے لئے سامان کوٹنے میں مبین مجاہد ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فصلوا ایھا الناس فی سبوتکم لعلکم ترحموا۔ اگر گھر بیٹا جائز نہ ہوتا تو حضور نے فرماتے کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ گھروں کی ضمانت صحابہ کی طرف فرماتا اس کو مستحق ہے کہ وہ صحابہ سے گھر بنا لکے تھے اللہ گھر بنا جائز ہے اور ان سے آخرت کے کاموں میں مدد ملتی ہے کیونکہ آدمی ان میں غلو کیساتھ دعاوات کرتا اور اپنے معبود سے مناجات کرتا ہے جس میں کئی تشریحات پریشانی خل نہیں جملہ دیکھ کر اپنے گھر کے برابر دوسرے بچہ کمان عالمیون نہیں مل سکتا، اسی طرح اور متنی قریباً بشر ہے (جیسے ذائق کسب و معاش و نکل و تیسق اگر وہ شریعت کے موافق ہیں اعلان سے مقصود طاعات میں محلو ہوا اور یہ قصہ حلقہ ہر نفس نباتی و حیوانی ہو تو وہ سب ہی حقیقت میں آخرت کے گمراہ میں داخل ہیں

توبہ النہیہ الخامس عشریہ و سئل علی بن ابی حمزہ عن رجل منہ من دنیا قال قوله فاما لی الخیة کلا انما یموت۔

اس میں اہل تقویٰ

(۱۶۰) حالت کا اختار ہی افضل و اکمل ہے کی جی دلیل ہے جو

فرطتے ہیں کہ حکمت کا اختار ہی اکمل و افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کی انفس نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے بجز فرض نماز کے اور فرض کے بعد نوافل کا زیادہ کرنا ایمان میں زیادتی کا سبب ہے جیسا کہ ابی ذہب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایمان اعمال کی زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے اور اعمال کی کمی

ہے، اتنی بڑا ہے۔ فرضِ اعمال ہی سے ایمان میں زیادتی ہوئی ہے اور ایمان کی زیادتی بہت بُری حالت ہے اور حولیٰ بشریٰ شعلہ و سہم نے فرمایا ہے کہ اس کا اخفاً افضل ہے تو جو تفسیر کرنے کی مٹی وہ درست ہوگی کہ حالات کا اخفاً ہی اکمل ہے، اور بعض بندگان کا ارشاد ہے کہ اپنے دل کو اسرار کا اور اپنے مونیٰ کا خزانہ بناؤ، شکایت کا خزانہ نہ بناؤ، یعنی اس کی تقدیر سے دل میں مگرانی اور شکوہ نہ لاؤ، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں اور ہم کو بھی وہ دولت عطا فرمائیں جس سے ہم پر فضل ہو جائے، اللہ کے سوا کوئی سب نہیں شان کے سوا کسی سے امید کی جاسکتی ہے وہی فضل فرمائیں گے تو کام پئے گا، ﴿قوله تعجب السامع عسریہ و سئل لا اهل العرفۃ الا قوله لا رب سواہ ولا مرجع الا الیہ﴾

فہ اہلِ اشد فراموشی کے سوا پتے تمام اعمال و احوال کے اخفاً کا اجتماعِ فرط ہے اور جن سے اخفاً ہوا ہے وہ یا غیبِ حق ہے جو آپ کی کسی معلومت سے ناکر ان کے امتحان ان اعمال و احوال میں ان کا اتباع کریں یا اعاینۃ بیک خدمت کا امثال کہتے ہوئے تحدیثِ نعمت کے طود پر اظہار فرمایا ہے۔

صوفیہ قند یہ کہ اخفاً حال کا اس وجہ استقامت ہے کہ وہ تحیر و انہ کے بجائے ذکرِ غنی اور ذکرِ فقیہ زیادہ کرتے ہیں جن کی اطلاع فرشتوں کو بھی نہیں ہوتی اور پہلے گند چکانے کو ذکرِ فقیہی ذکرِ سائل سے انقل ہے اور ذکرِ اندر بہت بڑا عمل ہے۔

وَلَا تُدْرِكُهُ الْبَصَرُ وَلَا يَمْلِكُ فِيهَا الْفِكْرُ ۝۱۲ مترجم



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حدیث

جواز المشی فی الصلۃ

ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (نماز میں) اس وقت پہنچے جب آپ رکوع میں تھے قباہوں نے صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ کھٹک کر صف میں جا ملے نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کو بیان کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تم کو زیادہ شوق سے پھر سنا کرنا۔

شرح: ظاہر حدیث یہ ہے کہ نماز میں تھوڑا سا چلنا جائز ہے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۶۱) شوق کا زیادہ ہونا معین عبادت، صلا اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لعل اللہ صر صا ولا تعد میں صحابی کہنے زیادہ حرص و شوق کی وجہ سے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تم کو اعلیٰ عبادت کی طلب میں کوشش کا زیادہ شوق دے کیونکہ اگر وہ اسی جو نماز پڑھ لیتے جہاں نیت باندھی تھی تو نماز دست ہو جاتی مگر صرف اہل کا درجہ بہت بلند ہے اور اس میں بھی وہ مجبوری ہوئی ہے صلا اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہو، زیادہ افضل ہے تو تعویٰ نے تمام منوں سے افضل صفت اور اس میں بھی سب سے زیادہ افضل جگہ لیستہ چاہی اس سے یہ علی

مسند معلوم ہوا کہ ثوق لا زیادہ ہونا ہی عبادات پر برا ٹھیکہ کرتا ہے اور یہ سب
 بے صوفیہ کی جو ذلت ہے
مروان طریق کو ہمت ہی آمادہ کیا ہے ہیں کہ مردوں کو ہمت ہی
 نے احوال پر آمادہ کیا ہے۔ بدن سنہ اور جماعہ قوت نے آمادہ نہیں کیا۔

قولہ التوحید الشافی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم زادک اللہ حرصا
 ولا تقدا فی قولہ انما جعلت الرجال الہم صلا لا سدا
 فی اس حدیث حالیہ کا اثر یہ ہے کہ اللہ کے پڑھنے میں ہی جو انوار سے زیادہ ہوتا
 کہتے ہیں جس کا اندازہ ان کے پاس بڑھے جو توبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 (۱۶۰) کلمات پہلے اس کا اہتمام کرو گے ارشاد لا تقدا (پھر ایسا
 ذکرنا، کامطلب یہ ہے کہ پھر نماز میں اتنی دیر نہ کرنا کہ نصف اول تک
 پہنچنے کے لئے نماز میں چلنے کی ضرورت نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ تکبیل عمل کے
 لئے مستحب یہ ہے کہ کام شروع کرنے سے پہلے اس کا اہتمام کیا جائے مثل
 مشہور ہے قبل التری تراش السہار تیرا اندازی سے پہلے تیروں کے پر
 دھتے مانتے ہیں۔

قولہ ولا تقدا لا تقدا للتأخیر فی قولہ فی التوحید تراش
 تراش السہار۔

حدیث میں یہ
 (۱۶۳) بدون طلب کے بھی کسی کو دعا دینا جائز ہے بھی ہے کہ کسی کو
 دعا دینا اگرچہ اس نے وہ خواست بھی نہ کی جو جائز ہے جو کہ وہ دعا کا اہل ہو کیونکہ
 اس سے اس کام میں امانت ہو جس میں وہ مانگے ہوا ہے چنانچہ سیدنا رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو دعا دی تاکہ انہوں نے وہ خواست ہو
 کی تھی کہ تم اپنے ان کے اللہ تمہارے سر پر غلط فرماتے پھر آپ نے ان کو ایسا دعا

باب چہل و عظم

حدیث

وجوب توفیۃ (ارکان الصلۃ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح میں تشریف لے تو ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اس نے نماز پڑھی پھر آیا اور چل کر صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا واپس جاؤ پھر نماز پڑھو کبوتر تہنے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے پھر نماز پڑھ کر پھر آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے فرمایا واپس جاؤ پھر نماز پڑھو، کیونکہ تمہارے نماز نہیں پڑھی۔ تین بار اسی طرح ہوا تو اسے عرض کیا تمہاری حالت کی جس نے آپ کو نبی بوجہ بنا کر بھیجا میں اس سے ایسی نماز پڑھنا نہیں جانتا ہے آپ بتا دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو۔ پھر تم کو جتنا قرآن یاد ہو اس میں سے جتنا آسان ہو پڑھو پھر رکوع کرو یہاں تک کہ رکوع میں اطمینان سے جھکے۔ پھر پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ میں دو پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ میں دو پھر تم نماز میں اسی طرح کہتے ہو۔

ظاہر حدیث نماز کے جہز ارکان قیام و رکوع وغیرہ کو یہی طرح

شرح بجالانے کو واجب کرنا ہے اور جو ایسا نہ کہے اس کی نماز

دست نہ جوگی اس پر چسند و جوہ سے کال ہے ۔

(۱۶۵) عمل کا بار بار تکرار کرنا بڑن تکمیل عمل کے بیکار ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک عمل کو اچھی طرح نہ کیا جائے بار بار دہرائے کہ فائدہ نہ پہنچے کیونکہ اس شعبے نے تین مرتبہ تکرار کو دہرایا اور ہر دفعہ حضور نے یہی فرمایا کہ واپس جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی ۔

قوله النبی صلی علیہ وسلم عن ان تکملوا العمل الی قوله لعل

تفضل ثلاثا ۔

نئے یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو غیبی تو بہت پڑتے ہیں مگر نماز میں بہت جلدی کرتے ہیں ارکان کو اطمینان سے ادا نہیں کرتے ، ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا جمہور علماء کے نزدیک فرض ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے ۱۲ تا

(۱۶۶) جب تک سوال نہ کیا جائے مسئلہ بتلانا واجب نہیں

اس میں ان لوگوں کی بھی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ عالم کے ذمہ مسئلہ بتلانا اس وقت تک واجب نہیں جب تک اس سے سوال نہ کیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک اس کو نہیں بتلایا جب تک اس نے یہ نہیں کہا کہ یا رسول اللہ مجھے بتا دیجئے ۔

قوله النبی صلی علیہ وسلم عن یقول ان یقول الی قوله حق ینزل علیہ

لے بعض حضرات موقدہ کا مقلید ہیں کہ جب تک ان سے دریافت نہ کیا جائے اس وقت تک خود مسئلہ نہیں بتلاتے ۔ یہ حدیث ان کی عیب ہے ۔

حدیث سے معلوم ہوا

(۱۶۷) محض احتمال کی بنا پر حکم نہ لگانا چاہیے کہ ہر عقل پر کوئی حکم

نہ سمجھا جائے جب تک اس کی حقیقت نہ معلوم ہو جائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر نہ کوئی تنقید کی نہ اس کو ملامت کی پس میں فرمایا کہ واپس جاؤ پھر سناؤ چھو کیونکہ تم نے نماز میں پڑھی کیونکہ احتمال تھا کہ اس نے یہی طرح نماز کے ارکان کو اس لئے ادا نہ کیا ہو کہ دن کی پیشانی اور مشغولی کی وجہ سے ذہول ہو گیا یا جبل کی وجہ سے ایسا کیا ہو یا بعد میں اس نے ظاہر کیا غرض احتمال کی وجہ سے آپ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا کہ نماز کے رمیم نہ ہونے کی اس کو اطلاع کر دی۔

قوله الوجه التام يؤخذ منه ان لا يحكم بشئ محمداً الى قبله
يزد عليه السلام على الخبر بعد هراة جزاؤ شيئا
قے اس ادب کی روایت صوفیہ مابین ہی کہتے ہیں وہ ذلک عام طور سے احتمال ہی پر حکم نکالتے ہیں۔

اس سے یہ
(۱۶۸) عبادت میں مشغول ہونے والے کو دیکھنا جائز ہے ہی معلوم ہوا
کہ عبادت میں مشغول ہونے والے کی طرف دیکھنا جائز ہے البتہ اگر اس کے سامنے بیٹھا ہو تو نہ دیکھے کیونکہ آگے بیٹھنے والا اگر سامنے سے دیکھے گا تو اس سے عبادت کرنے والے کو تشویش ہوگی اس کا دل بٹے گا، غلامانے یہ مسئلہ بیان کیلئے اوردیہ بھی فرمایا ہے کہ اس حالت میں اس کی طرف سے نہ پہلے غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس شخص سے یہ فرمایا کہ واپس جاؤ پھر سناؤ پڑھو کیونکہ تم نے نماز میں پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ جب تک وہ نماز پڑھتا رہے (حتیٰ وہ اس کو دیکھتے ہے غے اگر یا نہ ہوتا تو آپ کو اس کی نماز کا حال معلوم نہ ہو سکتا۔

ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحت لوگوں کے اعمال کی نگہداشت کرنا چاہیے
اس پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ ہر نگران کو ان لوگوں کی دینی حالت پر نظر

دیکھا پڑتا ہوا ایک عورت کی تخت میں بیٹھ کر کیونکر اس کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی
اسی لئے مختصر طور پر حضرت عائشہؓ نے اپنے اہل اہل و عیال کے نام ایک خط میں لکھا تھا
ان اہل اہل و عیال کے متعلق اہل الصلوٰۃ مجھے تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ نماز کا
تحریر ہے (کہ تم اس کی پھر ایک پابندی کرتے ہو یا نہیں)۔

اسی مختصر کتاب میں میں نے دیکھا ہے جس کا نام یاد نہیں وہ غالباً کنز العمال
میں دیکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا کہ میں جب
مختصر ان مشغلوں کو کوئی عہدہ دیتا ہوں تو کیا یہ کافی ہے کہ عہدہ دینے سے پہلے اس
کی اہلیت یا امت دیانت و امانت کی تحقیق کروں پھر میں سبکدوش ہوں یا
مجھے عہدہ دینے کے بعد اس کے کام کی تحقیق بھی کرنا چاہیے کہ یہاں میرا اہل اہل و عیال
وہ ویسا ہی ثابت ہوا یا اس کے متعلق میرا اہل اہل و عیال غلط نکلا۔ جسے جواب دیا کہ
عہدہ دینے سے پہلے پوری طرح تحقیق کر لینا کافی ہے اس کے بعد آپ
سبکدوش ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ جواب صحیح نہیں بلکہ مجھے اس کے کام کی تحقیق بھی
کرنا چاہیے کہ یہاں میرا اہل اہل و عیال اس نے اسی طرح کام کا حق ادا کیا یا میل گمان
اس کے متعلق غلط ثابت ہوا یا نہ اس کے میں سبکدوش نہ ہوں گا۔ تحقیق صرف
لا بھی یہ خیال ہے کہ جس کو کوئی خدمت سپرد کی جائے اس کے اہل اہل و عیال کی جانچ بھی
کرنا چاہیے کہ جو خدمت اس کے سپرد کی گئی ہے وہ اس کا اہل ثابت ہوا یا نہیں۔
اس حدیث سے صحابہ کی فضیلت

(۱۶۹) صحابہ میں تکلف اور تصنع نہ تھا اور ان کی بے تکلفی بھی معلوم ہوئی

کہ ان میں بناوٹ اور تصنع نام کو بھی نہ تھی چنانچہ ان صحابہ نے بے تکلف کہہ دیا لا
واللہی بعثت بالحق ما احسن غیرہ فعلمنی قسم اس کی جس نے آپ کو حق کے
ساتھ جھوٹے میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا آپ مجھے بتلا دیجئے، اس نے
واقعہ سے کام لیا اور مختصر اس پر بس نہیں کیا بلکہ قسم سے کام کو تو کتب اور علماء

نے فرمایا ہے کہ غالب ہم مسکرو دو دہیوں سے قریب رہتا ہے یا بھڑکی دھبے یا
شرم کی دھبے کیونکہ دین میں بھڑکیا شرم کا نام نہیں نہ حق بات کہنے میں نہ
اس کے بدلنے میں نہ علوم کہنے میں اس لئے ماحول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
فَصَحَابُ السَّامِ وَالْأَنْصَارُ نَعْرِيَهُمْ بِالْخِيَارِ إِنَّ يَتَفَقَهُنَ فِي الدِّينِ
انصار کی عورتیں جیت اچھی عورتیں تھیں ان کو مسائل دین کے دیانت
کہنے میں حیا و شرم مانع نہیں ہوتی۔

قوله الوجه الثاني عشر فيه دليل على فضل الصحابة الى
قوله ان يتفقن في الدين۔

اس میں صوفی کی بھی
(۱۴۰) نفس کشی کا ثبوت اور اس کا مطلب دلیل ہے جو کہتے ہیں
کہ نفس کو بدلنا چاہیے کیونکہ نفس کے عیوب ظاہر کر کے اس کو رسوا کرنا بھی موت
ہے اور نفس کی موت ہی اس کی حیات ہے۔

موت انفس حیات تھا من احب ان يحيا ميت
نفسوں کا مرنا ہی ان کی زندگی ہے، جو زندہ رہنا چاہے اسے پہلے مرنا
چاہیے۔ قوله الوجه الثالث عشر فيه دليل لاهل الصوفية الى قوله
من احب ان يحيا ميت

نفس کشی کا بدلنا یا نفس کشی تعویض کی اصطلاح میں تکبر، دعویٰ، جھوٹ، ہزار
خود رانی و خود بستی زانی کہنے کا نام ہے جب تک یہ مذاہل نفس کے اندر موجود
ہیں نہ مذہب ہے جس دن ان سے پاک ہو گیا مردہ ہو گیا مگر اس موت کے بعد اس کو
دوسری حیات عطا ہوتی ہے جو روحانی حیات ہے اور لازماً حیات ہے۔
ہرگز نیروء کھود لشی نہ زشتہ بشی ثبت است بر جریۃ عالم دوام ما
مولا آمدی فرماتے ہیں۔

آنندم عقل بر اندیش ما بصا زین و لواذ سازم خویش را
ای دہی نفس۔

۴۱ *tooba-e-*

لے اقرارِ جہالت خود کف تا عقل تحقیق میسر شود و لکن مرہاتل سے
 سہا تو شک پوری دل خراش آذمورا یک نہ ملے خاکِ بامش
 مدہ پیدائ کے شود سر سبزنگ خاکِ ثوتنہں برویہ رنگِ یگ
 ہر کیا بچے دوا آئے نہاد ہر کیا دے شفا آئے نہاد
 ہر کیا پستی ستاب آئے نہاد
 ہر کیا مشک جواب آئے نہاد



حدیث

قَالَ أَمَّا هُوَ عَلَى الْأَمَامِ بِالْحَمْدِ فِي الرَّفْعِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام سمع اللہ الرحمن حمدہ کہے تو تم اللہ ربنا اللہ الحمد کہو کیونکہ جس کا قول فرشتوں کے قول سے مل جائے گا اس کے کچھ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

شرح: یہ حدیث ہے کہ امام کے سمع اللہ الرحمن حمدہ کہنے کے وقت جس کی تحمید ملائکہ کے قول سے مل جائے گی اس کی مغفرت ہو جائے گی اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

حدیث میں اس

(۱۱) جنت کی نماز سب نمازوں سے افضل ہے کی دلیل ہے

کہ جنت کی نماز کو دوسری نمازوں پر فضیلت ہے کیونکہ مذکورہ نماز پڑھنے والے کے سمع اللہ الرحمن حمدہ کہنے پر آمین یا الحمد کہے بغیر مکہ شریف کے لئے وہ ایسا کرتے ہیں کہ جب وہ سمع اللہ الرحمن حمدہ کہتا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں اور اس مقام پر قتل کلام کا بدلہ یہ ہے کہ اس وقت اللہ ربنا اللہ الحمد کہنے کی پابندی کرنا چاہیے کیونکہ جب رسول اللہ نے اس کا جواب بتلایا ہے تو گویا آپ بڑی تاکید کیا ہے یہ فراموش نہ کریں کہ اس سے غفلت نہ کرنا اور اس کا پورا خیال رکھنا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے دو ستر ارکان پر اس رکن کو زیادہ شرف حاصل ہے کیونکہ اس رکن کے سوا اور کسی کے متعلق یہ نہیں آیا کہ ملائکہ اس میں آدمی کیساتھ موافقت کر کے شریک بنتے ہیں ان سوا کے علاوہ نئے پر بھی جب ایسا آمین کہتا ہے تو ملائکہ آمین کہتے ہیں جس سے اس سورت کی بھی فضیلت ثابت ہوئی کیونکہ ختم فاتحہ کے علاوہ اور کسی سورت کی قرأت کے لئے یہ نہیں آیا کہ ملائکہ میں پر آمین کہتے ہیں بہر حال امام کے سمع اللہ بن حمد کہتے ہیں ملائکہ لا اہم و بنا لک الحمد کہنا بتاتا ہے کہ اس رکن کی عظمت دوسرے ارکان و اقوال سے زیادہ ہے

قوله لا اہم و بنا لک الحمد و سئل عن فضل علاۃ بلباہۃ الی قوله فی الزمر

هل تعظیہا من بین الہ رکن والا قول

نہ صوفیہ متبعین سنت کو جماعت لا بہت زیادہ اہتمام کرتا ہے ہم نے اپنے امام کو اسی قدم پر پایا ہے اور حضرات سلف سائین کا بھی یہی طریقہ ہے مگر آجکل کے جاہل صوفیوں نے تصوف کو بدنام کر رکھا ہے وہ جماعت کا تو کیا اہتمام کرتے نماز کی بھی پوری پابندی نہیں کرتے نہ معلوم ان لوگوں نے تصوف کس چیز کا نام لکھ لیا ہے جو نماز سنت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے فلا حول ولا قوۃ الا باللہ

یہاں ایک صوفیانا اندازہ

(۱۴۲) ترک حظوظ جملہ اعمال سے افضل ہے بھی ہے کیونکہ ان حضرات

نے جب یہ دیکھا کہ ملائکہ اللہم بنا لک الحمد کہنے میں نمازیوں کے ساتھ اس لئے شریک بنتے ہیں کہ کوڑا میں بندو کو مضطر پڑے دہ کی تعلیم کا حکم ہے قرأت اور دعا وغیرہ کی اجازت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی نبی اللہ شاد فرمایا ہے کہ جس کو میرا ذکر مجھے مانجھے اور دعا کرنے سے روکے ہیں اس کو مانجھے والوں سے بھی زیادہ دینا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر جب کہ نماز اپنی بسبب کی تعلیم کر کے سناٹا ہے پس اتنی جلا وغیرہ برکت سکھ دی کہ فرشتے بھی ان کے ساتھ اللہم بنا لک الحمد کہنے میں شریک بنتے ہیں اور جس کا قول ان کے قول سے مل جائے

“logspot.com”

اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور اپنے نبی سے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو اس کی اطلاع دیدیں تاکہ وہ اس نعمت کی قدر کریں کیونکہ مغفرت سے بڑھ کر کوئی ثواب نہیں تو انہوں نے جبریلؑ اس اشارہ کا متعلق یہ ہے کہ نفسانی غاپٹوں کو چھوڑ دینا سب کاموں سے افضل ہے (چنانچہ اپنی مزیاریات کے لئے دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا نفس کا تعاف ہے مگر اللہ تعالیٰ مانگنے والوں سے بچا وہ ان کو دیتے ہیں جو اللہ کی یاد میں مشغول ہو کر رہے یا جاتے ہیں اس لئے انہوں نے اسی کو اختیار کیا اور تمام مظلوم نفس سے باہر ہو گئے اور محمد جلیل (یعنی حق سبحانہ) کے ذکر میں مشغول ہو گئے جس کے ثمر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جہنم عزت سے نوازا کہ ان کا شرف اپنی کتاب حکم میں نازل فرمایا چنانچہ ارشاد ہے رجال لا تکیہم تجارۃ ولا بیع من ذکر اللہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور بیع ہشک یا فکے نفس نہیں کرتے اور ارشاد ہے واصبر فقل مع انذین میں عن ربهم بالعداۃ والہش میریدون وجہ اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ دشمنی کے جو اپنے رب کو بھیج اور شاہ یاد کرتے ہیں مغفرت اس کی ذات کا ایادہ کرتے ہوئے کسی دنیوی غرض سے نہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی وہ بات سمجھا دیں جو ان کو سمجھتا ہے اور جملہ احوال میں ان کے ساتھ کریں اللہ کے سوا کوئی رتبہ نہیں۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم تسلیما، قولہ فی الوجہ اشارہ

وهذا اشارۃ صوفیۃ مع الحکمۃ السنۃ ذکرہ فی الوجہ ای من قولہ لا رب سواہ

باب چہارم عشر

حدیث

رُؤِیۃُ المَوَلٰی عَزَّوَجَلَّ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایہ ہے کہ کون نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ (فرمایا) تم کو پروردگار میں ملت میں چلنے کے دیکھیں کہ شبہ ہوتا ہے؛ جیسا کہ ملتے ہوں میں نہ ہو عرض کیا یا رسول اللہ نہیں فرمایا کیا تم کو صبح کے دیکھیں؟ شبہ ہے؛ جیسا کہ صبح کے ملتے ہوں نہ ہو، عرض کیا نہیں یا رسول اللہ فرمایا تو تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے، لوگ قیامت کے دن ملے جاتے ہیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیے کہ میں چمڑے کا عبادت کرتا ہوں اس کے پیچھے چلے، چنانچہ لوگ سوچ کے بچے ہوئے گے کہ چمڑے کے ذمے ہوئے گے بچے شیطان کے ساتھ ہوئے گے اور یہ امت وہ جانتے ہیں میں اس سے منافق بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ اس امر کے پاس تشویش لائیں گے اور فرمائیے گے میں تمہارا رب ہوں تم میرے ساتھ آؤ یہ امت کہے گی کہ ہم تو اپنی اپنی جگہ پر ہیں گے یہاں تک کہ ہمارا رب تشویش لے کر نکالے کہ ہمارا رب آئیگا ہم اس کو چھو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس ہندو سڑی ہار تشویش لائیں گے اور فرمائیے گے میں تمہارا رب ہوں تم میرے ساتھ چلو اس وقت مسلمان کہیں گے ایک آپ ہماری پروردگار ہیں تب اللہ تعالیٰ ان کو جائیں گے اور جہنم کی پشت پر بیٹھ کر فرمائیے کہ میں تمہارا رب ہوں تم میرے ساتھ چلو اس وقت وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت یہ ہمیں اللہ عزوجل سے ملے اللہ تعالیٰ سے پاک کرے (پاک کرے) اور جہنم میں ایسے کائے ہوں گے جیسے سدا کے کائے

تھے ہیں تم نے سعدی کے کلام دیکھے ہیں صواب نے عرض کیا ہاں، دیکھے ہیں، فرمایا وہ ایسے ہی ہونے لگے مگر ان کی خدمات کے مقابلہ میں کسی کو معلوم نہیں کہ لوگ اپنے اعمال کے سبب ان کاٹھوں کے زید جنہ کی طرف سے کہنے پر جاتی تھیں تو جیسے تولیے لعل کی دھبے جاکت کو پسند جاتے تھے اور جنہوں کو ان کاٹھوں سے خوش تھے گی چہرے پر جاتی تھیں یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ جنہ والوں میں سے بن پرست کرنا چاہیے وقت کہیں گے تو فرشتوں کو حکم دیں گے کہ جو اس کے عبادت کرنے والا (جنہ میں) ہو اس کو نکال دلاؤ۔ فرشتے ان کو نکالیں گے اور فرشتے ان کو جہنم کے نشانوں سے پہچانیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آگ کے اوپر جہنم کے نشان کو کھانا حلیم کر دیا ہے عرض وہ جنہ سے لگے جائیں گے انسان کے تمام بدن کو آگ کھلے گی مگر جہنم کے نشان کو نہ کھائے گی۔ یہ لگ جنہ سے جیسے بہت تھیں گے تو ان کے اوپر آب حیات کو لایا جائے گا جس سے وہ اس طرح اچھے گئے جیسا سچے شخص دعا شاک میں داتا گنگا پور پر اللہ تعالیٰ بندوں کے دستانہ فیصلے فرما رہا ہے اور مفسر ایک شخص دو فریق اور جنت کے درجہ میں دیکھا گیا محدود نہیں ہیں سچے جہنم میں جانیگا (جنہ سے لکھتے ہیں)۔ ان کا مزہ ذرا جھک جھک جھک ہوگا تو وہ کہے لگے پڑھو گئے میرا جنہ کی طرف سے ملے گا لہذا تم کو لہذا تم کو پڑھنا پڑھنا کر دیا اور اس کی اپٹ نے پڑھ لیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تم نے فرمائش پسند کر لی تو کیا وہ نہیں ملے گا کہ ہے یا نہیں ہے کی عزت کی قسم یہی اور کچھ مانگوں گا، چہرہ اللہ تعالیٰ سے بہت کچھ عہد میثاقی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا عہد جنہ کی طرف سے بناویں گے جب وہ جنت کو لطف ملنے لگے گا اور اس کی عزت ہوگا تو اس پر تکرار کی تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے وہ خواہش ہے کہ اس پر نہ ہو کہ اس کا تم کہے گا کہ رب مجھے جنت کے دستانہ کے پاس پہنچا دیجئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو نے ایمان نہ عہد کیا تھا کہ اگر کچھ مانگوں گا تو وہ کھائے گا، اب میں ملے گا مخلوق میں سے زیادہ بہ جنت میں نہ ہوں گا تو فرماتے ہیں اچھا اس کے بعد اس کو کچھ نہ مانے گا، وہ کہے گا نہیں آپ کی عزت کی قسم اور کہ نہ مانوں گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت کچھ عہد میثاقی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازہ پر پہنچا دیں گے، دروازہ پر پہنچ کر جب وہ جنت کی رونق اور تازگی اور مسرت بخشنے لگے تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے خواہش ہے کہ اس پر کچھ نہ مانے گا کہ جنت کے اندر پہنچا دیجئے، اللہ

اور جل فرمائی گئی۔ اب تمام لوگ خدا سے کیا تو نے ابھی پہنچے ہیں کیا خدا کا کہ نہ مانوں گا وہ
 میں کیا کرتا۔ پر خدا کا اپنی ساری مخلوق میں بکے ہی سب سے زیادہ مہرم اور بہت نہ کیجئے اس بات
 پر اللہ تعالیٰ نہیں پڑی ہے، یعنی بہت خوش ہوں گے اللہ تعالیٰ کی ہنسی کو انسان اپنی ہنسی پر تیار
 نہ کرے ہو ہے اشتیاق ہو کر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انظر لہ سے پاک میں غرض۔ پر اللہ تعالیٰ میں کہ
 جنت میں جانے کی اجازت دے دیں گے اور فرمائیں گے تم کو اور جو رہا ہے۔ ایک پہنچاؤ وہ
 اپنی کتابان کا شروع کرتے گا جب اس کی تمام ختم ہو جائیگی تو حق تعالیٰ اس کو یاد دہانی کے کہ یہ بھی
 مالک یہ بھی بنائیں گے کہ جب اس کی تمام آوازیں تباہ ہو جائیں گی تو حق تعالیٰ فرمائیں گے
 (یا) میرے واسطے یہی ہے اور اس کی ہمارا اور ہم اور ابوسیدہ خدیج کی رعایت میں ہے کہ میں نے میں
 صل اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ تیرے واسطے یہ بھی ہے اور اس کا میں گن اور۔

شرح ظہور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی دیدار کی تحقیق ہے جو قیامت کے دن ہم کو غیب ہمارا اس پر
 چند وجوہ سے کام ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ اور اہل حق تعالیٰ کے پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ جل اور میں
 (۱۲۴) ہو جاتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں اور انکے پیدا فرماتے ہیں (یہ فرمائی غیبی کہ جس سے پتہ
 ہوں تو انکے ہی جتنے، یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ
 مسلمانوں کے پاس میں گئے (جیسا کہ ان کی شان کے ذاتی ہے) اور فرماتے ہیں کہ میں تباہاں ہوں پر
 ہوا جو بدعت اور کفر کے ان کو حق تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہوگی (وہ نہیں پہچانیں گے اور کہیں گے
 کہ ہم تو اسی جگہ ہیں گے جب تک ہمارا سب سے)۔

کہہ دو یہ حجاب خود
حجاب ہماری طرف سے ہے حق تعالیٰ کی طرف سے نہیں بندوں کی طرف سے
 ہو گا وہ ان ہی کے جس کا انکے اس وقت میں نہ ہوگا، ہم اس کو جانتے ہیں کہ ایک مثال سے واضح
 کہتے ہیں اور اللہ کے لئے تو جملہ مثال ہے (ان کی شان کے ذاتی کو ان مثال بیان کر سکتے ہیں) دیکھو
 آفتاب کی دنیا جب ملنے ہوا کہ کسی کمرہ کے دروازے سے کہ چلے کہ سڑی کو دیکھو اور ان کو یہ بات معلوم
 ہے کہ جب آفتاب کے ملنے ہوا کہ نہ ہو تو وہ خوب روشن رہتا ہے مگر اس وقت جس کو دیکھئے نا تو

یہاں پر اہل عقل تو فحاشی ہو گئی تھیں۔ کہ تو میرے لئے ان کی چٹا نہیں، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا علم اس وقت ایمان کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ جب مجھے اتنی عقل ہوگی جس سے میں ایمان کو سہاؤں تو میری نجات پا جاؤں گا۔ اس میں کچھ شک نہیں،،، نیشاگر تھا تو مدد کے پستے سے قتل کر کے محلے کے بعد کسی عقل ہی خط نہ ہو سکتے۔ جب یہ نہیں تو پھر اندیشہ کہ نہیں عقل صحت ہے تو انشا اللہ سرور الی کا جواب سامان ہے)

اس لئے اہل معرفت اور علماء شریعت نے **قیمت میں قبلی بقدر معرفت ہوگی** فرمایا ہے کہ وہاں دار کرمت میں قبلی اسی تفاوت سے ہوگی جتنا دنیا میں لوگوں کی معرفت اور اجالہ و تعظیم میں تفاوت ہے اور جو نہیں کس اس قتل کا کہ جب حملہ سب کے کام اس کو پہچان لیں گے، مطلب یہ کہ جب وہ ہمارے ملنے اپنے آپ کو ظاہر کریں گے تو ہم پہچان لیں گے، کیونکہ سلطانہ دل بھی، راہیہ بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے وہ جو چاہتے ہیں اللہ جل جلالہ چاہتے ہیں کہتے ہیں (تو قدرت سے کچھ بیشمار ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری فرمائش اور بندوں کو اس تمہاری اور وہاں کا عمل بھی مٹا دیا ہیں)

یہاں ایک سوال ہے کہ یہ جواب سب لوگ یکساں ہو کر دیں گے یا خاص خاص، اہل معرفت جواب دیں گے، اور ان ہی سے خطاب کیا جائیگا، وہ سرور ملک ان کے کالج ہوں گے، جیسا دنیا میں بھی ہمارے کہہ کر جنت میں سے جہنم میں لوگ لڑتے رہا رہا باقی خاموش رہتے ہیں، تو اللہ اللہ معرفت میں کہا جاتا ہے کہ ہمارے لئے یوں کہا، ہمارے کھیرف کسی ہمت کی نسبت کہ نہیں سیکھوں، مزید نہیں وہ دلہن محرمی عقل میں اللہ تعالیٰ سے یہ بھی جیہ نہیں کہ ان میں کو بھی سنی جواب اور حسن مطلب کو ملے جیسا یہ اہل معرفت کو ملے، اور اس میں ہڈی بشارت ہے، کیا ایمان کی سطح کی خبر دی گئی اور سچا کیا کیا ایمان کی خبر ہے کہ کن بٹا عقل ہوگا کہ اس بندہ کو باوجودیکہ وہ جیسا حق سچا معلوم ہے اپنے عقل جلیل اللہ تعالیٰ شانہ سے مطلب ہے کہ سچا ہوگا، اللہ تعالیٰ کی شانہ مستند و جلیل یہیں کہ ہے ظاہر ہے۔

اسی واسطے یہ بات ہے کہ حق سچا ہوگا کہ ہم سے بہت خوش ہوتی تھیں اور فرمایا کہ حق سچا کیا اللہ تعالیٰ جس سے مطلب ہے فرمائش گے اور ہمیں کہیں نہ فرمائش گے لے نکلے نکلتے ہیں، یہاں

حدود کیا ہیں یہ میرا مطلب ہے، طرف شیرازی نے غیب کہا ہے۔

ہم گفتی وغیرہم مشککہ کو گفتی محاب تلخی زیروبھل شکر خارا

ماشکوہ کو برسک دشنام میں ہی وہ لنت آتی ہے جو دوزخ کو تعظیم و تحريم میں ہی مائل ہیں

سہرہ قنا اللہ وایا صعب اللہ وحب رسولہ وسفانا ص شراب حبنا میں

اور یہ جو فرمایا کہ مسلمان مشرقتی کے ساتھ چلیں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں طرف چلنے کا حکم ہوگا

اس طرف چلیں گے اور یہی ہونوں اور منافقوں میں امتیاز کا فرق ہوگا چنانچہ منافقین سے کہا جائیگا

کہ پیچے بڑھو پیچے کو چھریں گے تو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی

جیسا مشرقتی نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے فخریہ بدھ بدھ سو رہا ہی ایک اور بدھ ہیں

بھو آیا ہے۔

قوله الوجه الہرام مشرقوله هذا امكن ان الله قوله في حديث غیر هذا

اس سے یہ علی مسند

(۱۷۵) امتحان کے وقت حقیقت واضح ہوتی ہے جو معلوم ہوا کہ اس میں

کے وقت تمام حقائق کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے چنانچہ منافقوں کو بطور امتحان ہی کہا جائیگا کہ پیچے

پھر کر دیکھو اور فرما لیں کہ وہ یہ توقف پیچے مکر کر دیکھیں گے اس وقت ان کے اور مسلمانوں کے

درمیان دیوار کھڑی ہو جائیگی۔

اور میں یہ یہ غلطی مرتب ہو کر انسان بنا

اپنے ایمان کی حالت کو ٹولتا رہنا چاہیے لہذا ایمان کی حالت کو ٹولنا ہے تاکہ

اس کو معلوم ہو جائے کہ وہ کس جہالت میں ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

حاسبوا انفسهم قبل ان تمسوا لہا سبرا اپنے نفس سے حساب کر کے کہ جو قبل اس کے کہ تم

سے قیامت میں حساب لیا جائے اور کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ عمل پر مبنی ہے۔

اور جو کچھ انہوں نے ہم کو حکم دیا ہے سب حق ہے اور فیصلہ بدت نہیں پس اپنے نفس کو مہل نہ چھوڑو

اور نجات کی امید اسباب نجات کی ضد سے نہ کرو کہ یہ عین حماقت ہے۔ قوله الوجه الخامس مشرقیہ

تقہ ملائم دہی نے اسی مضمون کو اس عنوان سے بیان فرمایا ہے :

جان جسد طلبا این ست داین ر کربلتی من کیم در یوم دین

علم حقیقی کی ترغیب تلاطم کی جان یہ ہے کہ تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں قیامت میں کون ہوں، مومن ہوں یا منافق، طیب ہوں یا مامی، اس بات کے معلوم ہونے کا طریقہ یہاں بتو دیا گیا ہے کہ پختہ لین کی حد تک ٹوٹے رہو اپنے غصے سے عاجز رہو اس کو مہل نہ چھوڑو پھر شخص اپنے نفس کی تہذیب و کشت کرتا ہے اس کا پتا اصل حال معلوم ہوتا ہے جو عبادت سے نا غلہ رہتا ہے وہ دھوکہ میں رہتا ہے۔

حدیث میں اس سرک پہل ہے کہ
(۱۷۶) قیامت میں بھی قبول دُعا کی امید قیامت کے دن بھی قبول دُعا کی

امید ہے اور اس سے ٹیسرے مال بچنے کی توقع ہے اگر ایسا جزا تو حضرت رسول کریم (را ضیاء) عظیم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مراد پر گزشتہ ہے اللہ عزوجل کے وعدہ کرتے۔

قوله الرجاء الثالث والعشرون فيه وسئل عن ان السعداء يقولون لما كانت الملائكة يدعونهم
حدیث ہے وہاں اس صورت کی فضیلت

(۱۷۷) دُعا میں اللہ کا صیغہ افضل ہے بھی معلوم ہو کہ کہ انہیں کیسا خدا بنایا وہا

کیا ہے گا اس طرح دعا کرنا افضل ہے تو انہیں صیغہ سلام اس عظیم الشان موقع میں اس کو اختیار نہ کرتے بلکہ اس سے انہیں کو اختیار کرتے کہا گیا ہے کہ انہیں کے معنی یہ ہیں کہ انہیں آپس میں تمام ناموں کیساتھ صل کرنا ہوں جن کے فیصلے آپ کے سوال کیا جاوے۔

قوله الرجاء الرابع والعشرون فيه وسئل عن فضيلة هذه الصلوة الى قوله

بصير ما سئلت به

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا
فہ سلامتی اور نجات کی دُعا سب افضل ہے کہ سوچی اور نجات کی دُعا

سب بے دعاؤں سے بڑھ کر ہے کیونکہ حضرت انبیاء عظیم (سلام) اس پر ناک ہوئے ہیں کہ سلامتی دعا کریں گے گا اس سے بڑھ کر کوئی دعا ہوتی تو اس موقع میں اس کو اختیار نہ کرتے

اس نے دیکھ میں آیا کہ کسی کے اشتہار سے مافیت مانگو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سوال مافیت سب
وہ ماؤں سے زیادہ محبوب ہے۔

اللهم اذ انتقل العلو والعمیة فی الدنیا والاخرۃ

(۱۷۸) کہیں مسلمان کو رحمت الہی سے مایوس نہیں کرنا چاہیے، حدیث سے سنو
اہل ایمان میں سے جو خواہ کسی حالت میں ہو اس کو یقین طور پر اہم الامین کی رحمت تا امید
نہیں کیا جاسکتا۔ شاید وہ ملوگ ہیں جو بن کے لئے غیر قصد ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
انہ لا یأس من روح اللہ الا القوارح والکھاضرون
اشتہار کی سطح سے کافروں کے سوا کوئی تا امید نہیں ہوتا

منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص مافیت قائم ہے
اور عقائد سے سبب دیا گیا پہلی کو دیش دیکھنے کا حکم دیا گیا اور حاکم سے جنتی جہنمی کی کھانا
الیسین الہی جنت ہی ہیں، یہاں تک کہ ان کی قربت آئی اور ان سے جو سبب ہوا پہلے کو بھی دیش
دیکھنے کا حکم ہوا، وہ فرشتوں کیساتھ پہلے سے ہے کہ دستہ میں ایک دیش پڑی ہوئی پہلی پہلے
فرشتوں سے پوچھا یہ کون ہے، فرشتوں نے کہا اسی سے پوچھو وہ خود بتائے گا (کہ میں کون ہوں) تو
آپ نے سیکڑا ہی کو ٹھوکر لگا کر پوچھا تو کون ہے، کہا میں جبار بن یوسف ہوں۔ پوچھا اللہ تعالیٰ نے
تیسرا ساتھ کیا ساتھ کیا، کہا ہر مقتول کے حوض لے کر قتل کیا (پھر زندہ کیا) اور سعید بن جبیر رضی اللہ
عنہ کے حوض لے کر قتل کیا یا پکا ہے اور اب میں اسی پسینہ کی امید رکھتا ہوں جس کی اہل
توحید کو امید ہو جاتی ہے، دین لے امید ہے کہ بن و کون پر میں نے غم کیا عقائد کا بدلے لینے
کے بس اللہ تعالیٰ میری طرف سے فرما دیں گے اور جنت میں پہنچا دیں گے)

قوله الوجه التسمیاء العشرین فیہ وسیل ملکان من ملکان اصل الا یہاں ال

قوله وانا انتظر ما یختار الموحدون۔

نئے صفات موحدانہ خاص مذاق ہے کہ وہ کسی مسلمان کو رحمت الہی سے مایوس نہیں کرتے

فتوے دینے والے جو کہ کلام کا فرقہ اور کلام کا فسطح خدا کی قسم قیامت کے دن تم کو بھیو گے کہ بھٹے ایسے لوگوں کی محض ترجمہ ہی ہے جو دنیا میں پورے کافر سمجھے جاتے تھے پھر فرمودہ اس کا منشا اللہ تعالیٰ کہ وہ جانے کے لئے انتظام کے طرز پر کسی کو کافر کہہ دیا جائے۔ عیسائیت میں ہر ایک صلوٰۃ کو کافر کہا گیا ہے (عزیمت سمجھ کر میں پکفر کا فتویٰ دیا گیا ہے وہ سچ ہے کافر جو گنہگار اور غیر کسی مسلمان کا مشق کی رحمت سے مایوس نہ کرنا چاہئے مولانا فرماتے ہیں :-

کنے تو میدی مرو کا میدا دست سنے تابیگی مرو نور مشید دست

اس میں مذہب اہل سنت کی دلیل ہے جو

(۱۷۹) نار بالذات **مکسر** نہیں ہے کہتے ہیں کہ بالذات (خود) عرق نہیں ہو کر جانے کی صفت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے اس میں آقا ہے اگر وہ بالذات لائق ہوتی تو سلام و غیرہ سب کو جانتی ہے وہاں کہ فرشتوں پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا اور صحت کے مقامات کو بھی جانتی جیسا تمام بدن کو جانے کی رعایا جو جسم کی تک صحت کے مقامات کو نہیں جانتی (فرض تخریق کے تجزیہ سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جہاں جو آگ کی صفت ہے اس کی صحت بعض اس کی ذات کا وجود نہیں بلکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے اس میں پیدا ہوتی ہے ۔

یہاں چند سوالات چنانچہ ایک کے مقامات صحت کی بابت جو طویل ہے کہ آگ ان کو نہ کھائے گی۔ یہ مروجہ کے لئے نام ہے، خواہ اس نے کبھی صحت کی ہی یاد کیا ہو۔ جواب یہ ہے کہ اگر ہم اس کو علوم پر مبنی کریں تو لفظ کاس کے موضوع اور معنی سے محال ہیں کہ کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دعا کو سناؤں کہ صحت کے اثر اور نقصان سے پہنچاں گے اور لفظ شی کا اثر وہاں ہے جس پر شی کا مراد۔ اور لفظ ہوا جو آتش نے کبھی صحت نہیں کیا اس کی پیشانی میں صحت کا اثر لفظ نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شادابی ہے ۔ بسے العز من والکافر تروق الصلوۃ من اس کافر میں راست یا نفاذ کے پڑھنے اور ترک کرنے سے ہے پس اگر مسلمان نماز پڑھے تو اس کو کافر سے امتیاز حاصل ہو گیا اور اس کے جسم میں نماز کا کفار پیدا ہو جائے گا مگر بدلی گفتگو تو اس شخص کے متعلق ہے جس نے بالکل نماز نہیں پڑھی خلیفہ زین العابدین کے تعلقات صحت کو آگ کھائے گی یا نہیں، تو ظاہر یہ ہے کہ جس کے

جہنم میں نماز کو کوئی اثر اور نشان نہیں ہے تو اس کے عقائد جو دو گال کھا سکتی ہے۔

اس تو جیسے پر تلک صلوٰۃ کی حالت زیادہ تادک صلوٰۃ کی حالت زیادہ خطرناک ہے۔ خطرناک ہے کیونکہ اس کے متعلق اندیشہ ہے کہ موت کے وقت ایمان سلب ہو جائے اور اگر ایمان پر غافروں کو بھی گیا تو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ان مسلمانوں کیساتھ جہنم سے نہ لایا جائے جن کو مسجد کے نشان سے ملائی ہو چاہیے کہ کیونکہ اس کے پاس یہ علامت نہیں ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ یہاں ایک حدیث ہے اس بیان کے معارض ہے اور وہ جبریل کا قول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں صلات میں امتثل و بشہد ان لا الہ الا اللہ مغل الخبتہ تامل رات نعل کذا و کذا قاتل وان نعل کذا و کذا جو شعلہ آپ کی امت میں سے اس صلات میں سے کہ وہ لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ کی شہادت زبان دہلے دیتا ہو وہ جہنم میں داخل ہو جائیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ اس نے ایسا کیا مگر چپ اس نے ایسا کیا (مناہ) بھی کیا ہو اس کا جواب یہ ہے کہ تادک صلوٰۃ پر ہذا اندیشہ ہے موت کے وقت کرا ایمان سلب نہ ہو جائے اور اگر وہ شہادت کا اقرار کرتا ہو اول سے اس کو مانتا ہوا تو اندیشہ یہ ہے کہ ان لوگوں کیساتھ جہنم سے نہ نکلے گا جو صلات دہلے ہیں بلکہ اس قبضے کے ساتھ نکلے گا جو اللہ تعالیٰ مٹھی جبر کر رہے ہیں گے جیسا حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہابیہ و صالحین کی شفا سے بعد جبکہ یہ حضرات شافعی کر کے گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نکالیں گے اور جہنم میں ان کے نزدیک وہی لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے دوزخ میں قید کیا ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نبیاء و اولیاء کے نزدیک کوئی مومن جہنم میں نہ ملے گا) مستحکم و مستحکمین ہیں وہ جو گئے ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے رسولوں نے شفاعت کی انبیاء نے شفاعت کی ملائکہ نے شفاعت کی ملہ لے شفاعت کی اب اہم اوراقین کی شفاعت کی بدی ہے۔ پھر اللہ عزوجل جہنم میں سے ایک مٹی جبر کرنا چاہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ ان کا مٹی جبر کرنا کیونکر چکا اور اس کی مقدار کیا ہوگی؟ تو اس

سٹی میں دو سب لوگ نکل آئیں گے جن کو قرآن کے تاملوں نے اسٹیج پر ادوار کے نزدیک جہنم میں قید کیا تھا تو یہ لوگ بھی جو کچھ نماز کے پاس نہ گئے تھے، ان ہی کے ساتھ نکلیں گے اور ان سے بیان اپنی جگہ پر اسی کتاب میں آگے ۴۴ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قوله في الوجه التاسع عشر وهذا ليل نذهب أهل السنة إلى قوله من داخل الكتاب انتفاء اسم تعالى.

۴۰ کافر و مشرک کی مغفرت ہوگی اور جن لوگوں کو انبیاء و اولیاء جہنم میں بھیج دے

دیں پھر اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ میں بھیجے مگر ان کا ایمان ضعیف ہوگا

تو ان قرآن نے حقیقتاً ان لوگوں کو جہنم میں تھوپ دیا جو کافر و مشرک ہی ہوں گے کیونکہ قرآن قرآن ہی ہے اب اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء اور ان لوگوں کے لئے تعلق بھی جہنم سے نہ نکالیں گے مگر یہی لوگوں کا ایمان اتنا ضعیف اور غنی ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جسد نبیاء و اولیاء ان کو کافر و مشرک سمجھ کر جہنم میں چھوڑ دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ کتاب ہمارے علم میں ان لوگوں کے سوا جہنم میں کوئی نہیں رہا جن کو قرآن قرآن نے تھوپ دیا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل اور قدرت کاملہ کا اظہار فرمائیں گے اور جیسا کہ عسکری کو جہنم سے نکال کر بتا دیں گے کہ ان کو رسولوں نے انبیاء نے ملائکہ نے اولیاء نے کافر سمجھ کر جہنم میں چھوڑ دیا تھا مگر لیجن کے ایمان کا حال معلوم ہے یہ مومن تھے کافر و مشرک تھے حکمایان اس قدر کمزور تھا کہ تمام اصحاب فرستہ ان کے ایمان کو نہ پہچان سکے یہاں سے معلوم ہوا کہ علم غیب محیط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت میں ہی نہ ہوا۔

علم غیب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے
 قل لا یعلم من فی السموات والارض
 الغیب الا اللہ اور علم غیر غیب کو علم غیب کہنا صحیح نہیں۔

یہاں ہے یہی معلوم ہوا کہ
ف اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی بھی کریم و کریم نہیں اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی بھی

کریم و کریم نہیں چنانچہ یہ بیشمار غنوق تمام انبیاء و صل و اولیاء کی نظر عنایت و رحمت سے محروم
رہے گی مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی دستگیری کریگی۔ یہاں سے ان جالوں کی حماقت ظاہر ہو
گئی ہو اللہ تعالیٰ کو توجہ اور تہوار ہی سمجھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پرانے پیغمبر کو
کریم و کریم سمجھ کر ٹھوڑا اللہ خدا سے بھی جھٹھاتیے ہیں جیسا بعض اہل بدعت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو عالم نبی اور خدا کی قرار دیتے اور پرانے بریکی دستگیری پر بھروسے ہوتے ہیں

نمود بانہ من حذوۃ البیدۃ و سارہ کمال اسباح السنۃ اللہ اعلمنا من

عبادۃ المنتخبین الغر المجدین ۱۴۵ھ

حدیث میں عبادت کی فضیلت کی بھی دلیل ہے کہ باوجود

(۱۸۰) فضیلت عبادت استقامتی مذاہب کے یہ مواضع جو مذاہب محفوظ ہیں جیسا

ایک موفیانہ اشارہ ہے وہ یہ کہ جب موفیق اس حدیث سے یہ معلوم کیا کہ مواضع عبادت کی
بڑی عزت و حرمت ہے کہ آگ ان کو نہ جلا سکے گی نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی

انسان کے پیٹ میں جہاد فی سبیل اللہ کا خیار اور جہنم کا دھواں جمع نہ ہو سکے گا یہاں تک کہ

دو دھن میں واپس ہو جائے یعنی جیسا یہ دھواں ہے جیسا یہ بھی نا ممکن ہے کہ جس پیٹ میں

جہاد کا خیار ہو اس میں جہنم کا دھواں پہنچ جائے یا وہی مطلب میں اور بھی بہت سی عبادت ہیں

تو موفیق نے دل کو اور بدن کو اور تمام اعضا کو عبادت ہی میں مشغول کر دیا جس سے اس وقت

جہیل کی طباق وہ وہ دونوں جہاں میں بلند مرتبہ کی مستحق ہو گئے وقت کریاوں کی اس میں عزت

کرا لیا جائے۔ قوله الوجه الشرائع فیہ و سبیل علی فضل العبادۃ الی قوله و فی ذلک ا

قلیتا غلب المتقانون۔

فہے پس زبان کو بھی عبادت میں مشغول رکھو اور دل کو بھی اور سانس کو بھی اور تمام اعضاء کو بھی

جس کا طریقہ علماء و اولیاء کے بتلانے سے معلوم ہوگا۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے قبول ہونے

قبول دعا کی قوی امید رکھنا چاہیے کی قوی امید رکھنا چاہیے اگرچہ دعا کرنا

اس کا اصل نہ ہو کیونکہ یہ شخص جس کا حال بیان ہوا ہے صحیح طور سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہو گا اور جو شخص جہنمی ہو اس کا مردود ہونا یقینی ہے (قبول ہونا تو جہنم میں کیوں جائے) پھر بھی حق تعالیٰ اس پر اپنا فضل و راجح کرے اور اپنی رحمت اس پر مبذول فرمائیے گا اس کی دعا اور دعا کے قبول فرمائیے گا (تو جو شخص اس امید میں ہی کے درجہ میں ہے کہ جہنمی ہو گا یا جہنمی اس کا کیا حال ہونا چاہیے یقیناً اس کو قبول دعا کی بہت زیادہ امید رکھنا چاہیے کیونکہ اس دعا (دنیا میں) تو سب لوگوں کی حالت سعادت اور شقاوت دونوں کو متعلق ہے تو ان کو ارحم الراحمین کی رحمت کی بہت زیادہ امید رکھنا چاہیے۔

قوله الواحد اشأ من المشركون فيه وسئل عن قوة الرجاء الى قوله فلهذا قوی رجاء فی رجعتنا بعد الرجاء.

فی بعض امور کے لئے تیس سال تک برابر دعا کرتے تھے ۱۳ سال کے بعد اجابت کا ظہور ہوا ان کو اجابت دعا کا یقین تھا اس نے برابر دعا میں لگے رہے، مگر ان لوگوں کی بات یہ ہے کہ چند دن دعا کر کے جب قبول کے آثار نہیں دیکھتے گھبرا کر دعا چھوڑ دیتے ہیں اور یہاں سے کہہ رہے ہیں کہ ہم قبول دعا کا اہل نہیں ان کو یہاں سے سنی میں پناہ چاہیے کہ یہ شخص جو ہے آخر میں جہنم سے نکلے گا یقیناً اسے کو مردود نہ رہتا ہوا مگر پھر بھی قبول دعا سے ناامید نہ ہو گا دعا کرے گا اور اس کی دعا قبول ہی ہوگی مسلمانوں نے جہاں اپنی کامیابی کے وہ طریقوں سے تعادل بتائے انہوں نے؟ کہہ دعا جیسی سبیل پسند ہے ہی تعادل بہت ہے جس اگر کم از کم ہر مسلمان عزت اسلام و مسلمین اور عقبہ اسلام کے لئے دعا ہی کرتا ہے بعد براس میں ملے ہے تو انشاء اللہ کچھ دنوں کے بعد اکثر قبول نظر آجائیں گے۔ غرض یہ ہوا یا اذیہ الالباسا

حدیث میں قبول دعا کی قوی امید ہونی

(۱۸۲) قبول دعا طریقہ جاننے پر بھی موقوف نہیں کیوں کہ دلیل یہ ہے کہ ایسے شخص کے دعا

قبول ہو جائے جس کو دعا کا طریقہ بھی معلوم نہیں اور ادھر دعا تو ایسی نہیں چنانچہ اس شخص نے ادھر دعا تو ایسی نہیں سے کہنے دعا استغفری میں کی بس ایک حاجت کی درخواست کی اور اپنے محبت کی شکایت کی کہ نے مشر میرا چہرہ جہنم کی طرف سے پیر و بیخدا دعا اپنی حالت عرض کر دی، جہنم آگ نے مجھے چوکیا ہے اور اس کی بدولت دعا مانگا بیٹھا کر دیا ہے اسی کی دعا درخواست چاہتا مرتب ہو گیا اور تکلیف دور کر دی گئی۔ میں ایک خدا کی دعا مانگا کہ پاس گیا تو ان کو بلند آواز سے یہ کہتے تھے سنا اور معنی حاصل تھا کہ ہر دم کر دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں دعا اپنی حالت میں مستغرق تھے اور اسی لفظ کو بلند کر کے کہتے تھے میں نے کہا کہ یہ کسی دعا اور دعا خواست ہے فرمایا مجھے نہ پھر میں نے دنیا میں اور اس کی جاؤں اور پریشانیوں میں غور کیا آخرت میں اور اس کی تکلیف دعا میں نہیں کیا تو کہ سب میں نہ آیا کہ کیا مانگوں اور میں کس چیز کو خواہ کر سکوں اس لئے میں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہر دم کر دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں میں نے اسی وقت اس کلام کی عبادت اپنے دل میں غلوں کی اسباب تک عبادت غلوں کرنا ہوں جب بھی ان کی بات یاد آجاتی ہے۔ میں سب گیا کہ یہ شخص اپنی حالت میں سچا ہے تو میں نے کہا تم نے جو کہ کیا جبر کیا چنانچہ وہ اچھا حالت میں نہ تھے پھر اس کے وقت ان کو شہادت نصیب ہوئی اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کی دعا قبول فرمائی ہے۔

صدق و اخلاص حاصل کرو
سچو نہنگ کی ایک حالت میں ان کو اپنے غلوں کی

بس ہے اپنا ایک اور بھی گریں گے
ایک اور بھی گندہاں قبول ہو جائی اور قبول ہوتا ہے غلوں سے تو وہی کام بنانے کے لئے ہیں ہے غلوں کی کوشش میں گئے ہو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و عطا سے یہ دعوت میں عطا فرمائی ہیں اور اس معصوم کی تعزیت میں کو ہم بیان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی جوتی ہے۔

قل یا عبادی اسرعو علی انفسکم لا تقنطروا من رحمتی اللہ ان اللہ
یعفو الذنوب جیباً انہ هو الغفور الرحیم

فرمایا اپنے لئے عفو فرمادو: منہوں نے اپنے آپ کو اپنے نفسوں پر تھک کر فرمایا کہ تم میرے رحم سے

دوست سے نامیٹ ہو گیا تو کون مرے گا؟ سب میں کو کھنٹ سکتا ہے، یقیناً وہی بلا
تجسس لاہریان ہے۔

قوله الوجه التام ما مشدود فيهِ وسيل آخر على قوة السجاء الى قوله ان الله
يفضرا الذوب حبياً

حضرت فقہاء اور صوفیہ دونوں نے فرمایا ہے کہ اگرچہ دعائیں اور یہ مانوس کا اختیار رکھنا عقل
علاسی کا باندھ کی غرضت نہیں، مگر کسی وقت کسی بات کے لئے اپنی زبان میں اپنے مانوس میں مان
کے کو دل چاہے تو بے تکلف جس نقطے چاہے دہا کرے جس اتنی بات کی حمایت ہے کہ ملام
چیسو کی دعا نہ ہوا وہ صحت سے تجاوز نہ ہو۔

حدیث کے اس
(۱۸۲) اصل نمبر کے لاکھ توحہ التفات اور اس کا خطاب جواب

و دعوتک وہ بندہ کہ کا نہیں قسم آپ کی عزت کی میں اس کے سوا کچھ نہ مانوں گا۔ ایک صوفیہ
انتخاب ہے وہ یہ کہ فرشتہ اور خوشی کے بند میں یہ شخص جو اسے قسم کھائے گا۔ ہر صوفیہ کے ذاتی پر
تاس اور خوشی کا مشا انت خطاب ہے جس عاجزت کا پناہ ہونا نہیں کیونکہ وہ طرے ہیں کہ خوشی
مفسر عاجزت کے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ جواب ہے، بلکہ اصل عزت میں کی توجہ و التفات
اس کا جواب خطاب ہے اور اصل جواب کہتے ہیں کہ یہاں اس شخص کی خوشی کا مشا عاجزت کا پناہ
سے اس لئے اور بعد اسے قسم کھائے گا۔ مگر انہوں نے اس شخص کو بھی اپنی طرح جواب سبب لیا ہے
ملا کو میں کو انت تالی سے خطاب جواب کی دولت عطا ہو گئی وہ جواب نہیں دیتا بلکہ داخل بن
جاتا ہے اور اصل کو اصل نصو صبح کے خطاب ہوتا ہے۔

فہم یہاں سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو کچھ ہی وہ انت ایمان عطا ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی وقت قبول
کے کامیاب ہوا چنانچہ سلطان جو سب کے نیچے جہنم کے نکلے کا ظاہر ہے کہ سب کے اعلیٰ درجہ میں ہوا
مگر انت ایمان کے ساتھ اس لئے قبول سے سرور ہوا کہ سب کے بعد ہی ہی انت ایمان سے کام آتا
اور سوال و جواب اور مضامین کا نام تو دھون ہے ان وصل کے جد جہت یہ کسی کا حق و جبہ عامل ہے
کسی کا حق ملنے کو دھون وصل سے ملے نہ ہے گا جہد و طاقت ملے ہے جو ہر مسلمان کو حاصل ہے

اللہ و ملائکہ اللہ بن آدم و بنجر جہنم من الظلمت الی النور اللہ ہی مجھے اس محبت کے ہیں ۔
 لا الہ الا اللہ لیس لہادون اللہ حجاب و اللہ تعالیٰ اعلم اور یہاں سے معلوم ہوا کہ کیا
 کتنی بڑی و وسیع مسلمانوں کو اس دولت کی قدر کرنا اور اس کی حفاظت میں کوشش کرنا
 چاہیے کہ جسک اس دولت پر ڈاکہ ڈالنے والے بھی بہت پیدا ہو رہے ہیں ۔

حدیث کا یہ مضمون کہ دشمنوں کی دشمنی خواہش
 (۱۸۴) حرص و طمع انسان کی جبلت ہے
 ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ پامانی کے
 پھر کے گا کہ سب بے جنت کے و دائرہ تک پہنچا دیجئے ، اسی تعالیٰ فرمائش گئے کیا تو نے جہنم
 میں شائق نہ دیا تھا کہ اور کچھ نہ مانگوں گا ۔ بتو آجے کہ انسان با طمع و حرص واقع ہو لے چنانچہ
 جنت سے بہاؤ یا محبوب الودادت کا منظر دیکھنے والا تو اس سے ہرگز کرے کہ کویو جو طمع اسی کی طبیعت
 ہے ۔ اب غلبہ طمع کی وجہ سے وہ ساتھ جہاد دیتے بھول گیا اور اس کے نزدیک پہنچنے کے وہ ذرا
 کرنے لگا جو کہ جنت کا وہ نذر ہے کہ شاید اس پنہا نصیب ہو جتا ۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ ضیف اپنے
 ناقص نقصان ہی کے موافق مانگا کرتا ہے
 حدیث کے موافق یہ وہ غنا ہے کہ
 کرنا ہے نہ کہ اپنی شخص نے خواہ وہ خواست کی کہ جہنم کے قریب سے بہاؤ یا محبوب الودادت میں جو
 وہ خواست اس نے کی ابتدا میں اس کی جتنی ڈاکہ لگا کر کہ کویو نہ دے کہ اس سے زیادہ کامل نہ سمجھتا تھا
 اور اگر وہ دیکھ دیتا کہ اس کس سے مانگا ہوں تو پتہ ہی وہ مانگا لیتا جو افسوس طلب کیا
 نا امیری کے وقت نفس تنوٹے پر بھی قناعت کر لیتا ہے معلوم ہوا کہ
 نا امیری کے وقت نفس تنوٹے پر بھی قناعت کر لیتا ہے چنانچہ اس شخص نے اپنے عمل ناقص

کی وجہ سے جنت میں پہنچنے کی طمع نہیں کی صرف تھا امید کی کہ جہنم سے بہاؤ یا محبوب الودادت
 کہو کہ اس سے زیادہ مکمل اس کا میرزا تھی ، اسی نے حویلی سے فرمایا ہے کہ نفس کو مبالغہات سے بالکل
 پاک و خالص ضرورت ہوں یا عین ضروری کہ اسی طرح تم اس کی ساتھ جہنم ضرورت مبالغہات
 پر مسلک کر سکتے جہاد جب پہلے لوگ اپنے کے جہنمی ہی مبالغہات اسی کو دینی جاتے گی تو وہ

خوش بھی ہو جائیگا شفا و شفا کے لئے کھانے سے ایک مہاس کی دکان کو تو پیر دینے
 عقب پر اس سے منع کر کے بن سے کر سیدی ہوئے جیادہ مل انہ مل انہ طیبہ سلم
 نے لڑایا ہے کہ ان آدم کو چند ملے کافی ہیں جاس کی کر کو سیدھا کر دینا جب اس
 اور لقیات یقین صلبہ اور اگر غرض اپنی طبع پر قائم رہا دباؤ کاس کو نہ دیا گیا،
 تو وہ ساری دنیا میں کبھی نہ کر سکے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 لو ان لاہن اور وادیب سے منع جب لاہن لہما نا لہا۔ اگر بن آدم کے
 پاس کچھ کے جسے چھوڑ دیا بھی ہوں تو وہ ان کے ساتھ تیسے کی عکس کرے اور بال تین
 نے فرمایا ہے۔

من لویض بالیسیر فہو اسیر

جو قوت ہے دھنی نہ ہو وہ دھن کا، قیدی ہے

قوله فی الوجہ الثانی والاربعین قوله سکت ما شاء اللہ ان یسکت الی
 قوله فی الوجہ الرابع والعشیر من لویض بالیسیر فہو اسیر۔

نہاں اس طریق لاہن سے ہے جس
 نہ عارف طالب دنیا نہیں ہوتا کے لئے یہ ہی کر دے دنیا کی سب
 اور جب نکل جائے عارف طالب دنیا نہیں ہوتا طالب آخر ہوتا ہے اور بقدر ضرورت کب
 دنیا نہ کے خلاف نہیں بلکہ مامور بہ ہے اور بلا طلب کے زیادہ مل جائے تو اس کے لئے لینا بھی نہ
 کے خلاف نہیں کیونکہ وہ جس جتنی دنیا ہے جس کے پاس ضرورت سے زیادہ مال حاصل کرنا
 طالب دنیا نہ جتنی دنیا ہے اس کو ملنا تو انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور مصافحہ میں سے نکل کر
 حکم جاری فی الحدیث عن العرب علیہ السلام رحمہم اللہ علیہ جبرائیل عن زکریا
 عن عبد یحییٰ عن ثوبہ عن ابی ہریرۃ عن ابی ہریرۃ عن ابی ہریرۃ عن ابی ہریرۃ
 ولعن لا غنی فی عن برکتک واللہ تعالیٰ اعلم وضو باطل من شرور انفسنا
 مجاہدہ کے چار اکان جو موصوفہ نے بیان فرمائے ہیں

ن مجاہدہ کے اکان ۱۔ تنذیل علم

تفصيل

الحمد لله

تفصيل اختصار

ان میں سے غریبوں و یتیم و یتیم آجکل تعلیم میں متروک ہیں کیونکہ لوگوں کے قوی خود ہی ضیف ہیں کھانا ، سونا کم کرنے سے منفعت نیا وہ ہو جاتا ہے اور انسان ناگوار ہو جاتا ہے جس کھانے میں اتنا جاڑہاں ہے کہ معزہ ہی بھیک دکھ کر کھایا کرے چوری طرح حکم میرزا ہو کرے اور شاہ کو پانی کی بیا کرے۔ نیشنل کے متعلق اتنا جاڑہاں کافی ہے کہ چھ گنڈے سے زیادہ سو یا کرے جس سے کچا مہاراج کو منفعت ۔

بہتے تقصیل کو اگر اور تقصیل اختلاط کی اس نماز میں پہلے سے بھی زیادہ مزوسے ہے اس لیے
 شخصی طریق بن دوںوں باپڑوں پر ابکل زیادہ زور دیتے ہیں کیونکہ زیادہ محتفان سے آنکھ سے
 کان سے ہوتے ہیں اور ان کا یہی طریق ہے کہ با مزوست بات کی جملے اور سچے رنگ را جائے
 جاعنوت و کورسے نہ ملائے ۔

ایسی طرحی کے کمال لطف

(۱۸۵) اللہ تعالیٰ کے کمالِ لطف کا بیان پر بھی ولایت ہے کہ وہ بخدا آدم کے ساتھ کس قدر مہربان کا سلسلہ فرماتے اور ان کے عذروں کو کیا قبول فرماتے یہ کیونکہ وہ آج کے ضعف کو جانتے ہی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اور اس شخص کے سب دیکھے اور عہد قبول فرمائے اور اس کی ایک درخواست پوری بھی کر دی مگر وہ خوب جانتے تھے کہ یہ شخص جس قدر اس کی راست گو، بخیر کر مبرہ کر کے لا اور یقیناً اپنے خدا اور دھوکہ کو توڑے گا پھر یہی اس کے دوسرے اور خدا کو قبول فرماتے ہے اس کی نگرانی تعالیٰ کا یہ لگا ہوا ہے

وهو الذي قبل التوبة عن عبادة ويعقوب عن السيئات وعلم ما تقصرون

دی ہے بچا ہے بنادیا کی تو بہتیرا کی اور ان کے جان بوں سے دیکھ کر ہے اور
رومانا ہے جو کہ تم کو اے ۔

قبل توہ کی خبر ملنے کے بعد وہ بطور دانشمندی بڑھنے میں ایک طرف متوجہ ہے

صلہ بظاہر یہاں اس کی عزت و حق کی ترقی میں یہ مضمون بہت بگڑا ہوا ہے کہ اللہ عزوجل
جس کا حال سے باخبر ہیں اور یہ تو شرط ایمان ہے کہ اس کا یقین نہکا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شے
تو احوال و فیصلے کا علم ہے۔ بظاہر اس کو اس نے چھایا گیا ہے کہ توبہ کرنے والوں میں سے بعض
تو اپنی توبہ پر قائم رہتے ہیں اور بعض اس کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون توبہ
پر قائم رہے گا اور کون اس کو توڑے گا۔ لیکن باہر سے سب کو توبہ قبول کیسے ہیں اور ہر
وجہ سے قبول کیسے ہیں۔ سب کو توبہ کا ثواب عطا فرمائے ہیں اور ہر توبہ کرنے والے کی مدد بھی
فرماتے ہیں۔ گو وہ بد میں توبہ کو توڑ رہے ہیں، اس کے متعلق وہ حدیث کافی (دلیل) ہے جو بنی اسرائیل
کے ایک شخص کے متعلق وارد ہوئی ہے کہ وہ گناہ کرتا پھر توبہ کرتا پھر گناہ کرتا پھر توبہ
کرتا تھا یہاں تک کہ ملائکہ نے عرض کیا ہے پروردگار! آپ اس بندہ کو نہیں دیکھتے کہ یہ کیا سوز
پن کر رہا ہے کہ گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے توبہ کے بعد جھگڑا
سے باز نہیں آتا، حق تعالیٰ جل جلالہ فرمایا اے فرشتو! کیا تم میسر بندے کے کہ اس بات کو
نہیں دیکھتے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ پر ممانعت کرتا اور توبہ کو قبول
کرتا ہے۔ تم ہے میری عزت کا میں ہمیشہ اس کی توبہ قبول کرتا ہوں گا جب تک مجھ وہ
توبہ کرتا رہے گا۔ سبحان اللہ کیا لطف و کرم ہے ۔

لے خدا قربان احسانت شوم وہ چہ احسانت قرانت شوم

قال السدی

وگر غم میرد بگر وار زشت چہ باز آمدی ما جزا ور نوشت
وقال الآخر ما کیا من رہے

باز آ باز آ ہر پنجہ ہستی باز آ مگر کار و گہر و بست پرستی باز آ
ایں درگاہ ملد کہ تو میدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

الغوث المتوآب یبغی له فضلة من عله یدخل بها الجنة
ہمیشہ توبہ کرنے والے غوث کے پاس کچھ فضول کا مزدور رہتا ہے جس کی وجہ سے

وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

قوله الوجه الخامس والاربعون فيه دليل على نطق الله عز وجل بسبق
أدراكي قوله سيدخل بها الجنة

(۱۸۶) انسان اپنی بھلائی کے لئے ہر ممکن سے ممکن میدان کو کام میں

لیا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی بھلائی کے واسطے کچھ کیے بیٹے کرتا ہے چنانچہ یہ
شخص نے اول تو یہ درخواست کی کہ جہنم سے دور کر دیا جائے کہ شاید اس طرح
کچھ خوشیاں مل سکیں۔ نیک بنان کے ساتھ حاصل ہو جائے۔ جب یہ درخواست پورے ہو گئی تو آگے
بٹھا، یہ تو خدا کا عظیم و خیر کے ساتھ انسان کا واقعی میدان ہے۔ وہ سب کے ساتھ اس کا کیا
حال ہو گا اس لئے اس کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
بہنس پڑے گا۔

ہر شخص کی جتنی عقل و تدبیر دنیا میں ہے، وہ آخرت میں بھی باقی رہے گی

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کی جتنی عقل اور فکر اور تدبیر دنیا میں ہوگی وہ آخرت
میں بھی باقی رہے گی کیونکہ وہی حالت میں اٹھایا جائے گا جو یہاں اس کی حالت تھی جس کی دلیل
یہ نصیحت حید ہے۔ جو اس شخص سے صادر ہوگا، نیز حدیثوں میں جو روح و نفس کا مناظرہ مذکور
ہے وہ بھی اس کی دلیل ہے، اور اسی کے سوا اور بھی بہت احادیث اس باب میں وارد ہیں۔
قوله الوجه السادس والاربعون فيه دليل على حقيقة عقول بني آدم والى
قوله في الوجه السابع والاربعين وغير ذلك مما انشاءه في هذا شبه ذلك

(۱۸۷) جس کو جس عمل سے بے باک کلمیا بی ہو رہی ہو اس کو لگا ہے

حدیث کہہ لفظ کہ خیر میں حق تعالیٰ فرمائی گئی، و یحک یا ابن آدم الطمأنیۃ
اے ابن آدم! تیرا نام جو تو بہت ہی غدار ہے۔ یہ پہلے سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس نے

جین و فہمہ شکنی کی حق زباں بلڈ فہمہ کو توڑ چکا تھا، مگر وہ بھی اپنی ایک بات پر مردانہ ہے جو بے بیار ہوس پہ نیا دنی جی نہیں کی بلکہ کی بھی نہیں کی وہ یہی کہتا ہوں سب لا عقلی اشق خلقت خداوند اپنی عشق میں سے زیادہ بدست ہے ہی دنیا۔ کیونکہ جبکہ آتش اس سے پہلے بلڈ قبول کئے گئے بعد میں دوبارہ بجا نہ ہو کہ اس نے خدا کا عطا کیا کہ وہ ہے سنا ہے وہ تو دعویٰ ہے۔ پر جہاں اور یہ جہاں نہ ہو۔ انہیں دھمکے فرماتے ہیں۔ ہوتے سرخ ہوتے جہاں نہیں رہے جس کو یہی دعا ہے۔ دنیٰ میں ہی یہی کہتا ہے تو اس شخص نے اس کیم کی تحصیل نہت میں کی اگر دنیا میں ہی پہل کرے تو اس کو اس قسم کے فروغ ہی دیا تھا ہوتی۔

قوله الوجه السامع والورعین فیقول اللہ وحشیاہن اولیٰ قیلہ بالصام الخ

(۱۸۸) کسی شخص کو کسی وقت تک موصوفت کیا جائے جب تک

اور تیسرا بار میں حق خلق کا لے گا۔ مگر ہر دے شہ۔
 کہا ز کم تین بار اس کا ظہور نہ ہو۔
 کی نسبت اس وقت تک کی جائے جب تک اس سے بلڈ اس کا ظہور نہ ہو اور تیسرا بار کا کم از کم حد تین ہے جس کے بعد کسی وصف کی نسبت اس کی طرف ہو سکتی ہے کیونکہ پہلی بار اور دوسری بار میں یہ محال ہو سکتا ہے کہ غلطی نہ ہو جو کہ ہوگی ہو یا ایک بار نفسی ہوئی ہو دیگر بار عقلی ہو کہ ہوئی ہو اور تیسرا بار عیناً نفس ہی سے نفس ہی ہے اس وقت یہ بات حقیقت ہوگی کہ اس سے پہلے میں تعدد موجود تھا خواہ عمل صالح کا تعدد ہو یا اور کہ ہو کیونکہ حق خلق نے اس شخص کو تیسرا بار تعدد سے پہلے نہایت ہی دیا۔

نہ۔ یہ نامہ ہر صفت نامہ کے متعلق ہے اور اس صفت میں ایک نامہ کے ساتھ ہے جس نسبت جانتا ہے۔

یہاں ایک۔ عیناً شہ ہے وہی کہ حق تعالیٰ نے تیسری خدا انسان کی جبلت ہے۔
 دوسری جو اس کو ابن آدم کہہ کر خطاب فرمایا تو ہمیں۔۔۔

بتلایا گیا ہے کہ انسان میں بے نقائی اصل ہے۔ یہی وہ ناسمیں غائبیم عربی کو حق تعالیٰ
پہچانی دیا اس حدت پہتا ہے۔

اور ذکر کیے انھوں فضل کے دات سے ہوتا
تزکیہ اخلاق محض فضل سے ہوتا ہے۔

ولو لا فضل الله علی محمد ورحمته ما ترک من نعم من لحد ابد
الم تم پر اشرا فضل نہ ہوتا امداس کی رحمت تو تم میں سے کوئی بھی نہیں پائے ہو تھا
وان النفس لا ماسماتہ بالسوء ان ماسم دلب
اور نفس تو بدی ہی کا حکم کرنے والا ہے مگر میں پر اشرا تعالیٰ رحم فرمادینا
اور ابن آدم کہنے میں توبہ کے ساتھ ایک نام مطلق بھی ہے کہ تو کرم کی دھکی کثرت
عطا کا پتہ دیتی ہے کہ تم جب کسی کو دھکا دیتے ہو تو اس کو مدعا مل بھی کہہ دیتا ہے اور
جنین کی دھکی پہ بتاتی ہے کہ کچھ بھی نہ دے گا اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ
تیرے دھکی سے بہت چہا کر حساب میں لے کر اس کے اور فضل کے میدان کوئی
تو جان نہ ہو گا اس وقت فی تعالیٰ فرمادینا گے میٹر بہتہ کہنے ایسا کیا تھا ویسا کیا تھا بننا
اپنے حلقے کے ساتھ ان سب کا فرق کرے گا حق کر وہ جہاں لے گا کہ میں میں تو کثرت گند
کی وجہ سے جاک ہوا تو اللہ تعالیٰ فرمادینا گے کہ میں نے دنیا میں ہی نیسفران میں کو کو کو
چہا ہے اور آج ہی ترسکرے ان کو بننا ہوں تم نے ویجا کہ کریم کی دھکی کا انجیل کیا ہے
کہ جب خدا کو جانتے کہتین ہو گیا تو ان کرم شروع ہو گیا اور اس میں عکت یہ ہے کہ اگر اللہ
تعالیٰ اس کے گناہوں کو بدل نہ دے تو وہ اپنے اور بڑا حدت کرے ہی اپنی رحمت سے نہیں دیں اور
فرشتوں سے یں فرمادیں۔

کہ میٹر بننے کو محض میری رحمت کی بناء پر جنت
جنت بھی محض فضل سے ملے گی
میں لیاؤ تو انسان کی اس سے پورا تسلی نہ ہوگی
اس کے دل میں یہ کہتا ہے کہ اگر محض رحمت سے تو نہیں بلکہ کچھ اپنے عمل سے بھی جنت کا
مستی ہوا ہوں جیسا بنی اسرائیل میں ایک شخص کا قصہ آج ملتا ہے: آتا ہے کہ وہ ایک جزیرہ

میں رہتا تھا جو مسند کے بیچ میں دنیا سے الگ تھا اس کے پاس دلوں کوئی آدمی نہ تھا وہ تنہا
 اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا اور کسی وقت عبادت میں کبھی نہ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس
 جزیرہ میں اس کے واسطے ایک ایسا کارخیز پیدا کر دیا تھا جس پر روزانہ ایک ہی نام پڑا ہوا
 ایک ہی دن میں چھتار اور پک جاتا جسے یہ مہابہ کہا گیا کرتا تھا اور پانی کا ایک چمچ بھی
 اس کے واسطے جاری کر دیا گیا تھا جس سے سیراب ہوتا تھا ایسے حال پر وہ پانچ سو برس تک زندہ
 رہا چل س نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھ کی حالت میں اس کی روح قبض کی جائے تو
 اللہ تعالیٰ نے یہ تمنا بھی اس کو عطا فرمادیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہابہ
 کے متعلق ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اس کو لیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا
 کہ میں اس بندہ کو حق سبکو رحمت کی بناء پر جنت میں لے جاؤ اس پر وہ بولے گا نہیں
 وہ جگہ میسر ملے گی؟

پس اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس سے مندرجہ ذیل کی نعمت کا تو حساب
 کہ اس کا شکریہ ادا کیا یا نہیں؟ ملائکہ حساب کریں گے تو پانچ سو برس کی عبادت اس ایک
 نعمت کا لشکر آگے لے گئے ہیں کافی نہ ہوگی اس کے سوا اور نعمتوں کا کیا ذکر وہ تو سب دین
 کی دینی ہی وہ جائیں گے ان کا حق تو کچھ بھی ملوانہ ہوگا، اس وقت وہ مہابہ عرض کرے گا کہ وہ
 مجھے جنت میں اپنی رحمت سے پہنچا دیجئے، حق تعالیٰ فرمائیں گے (اں اں) تو تو بہت اچھا
 بندہ تھا فرشتوں! میسر بندے کو میری رحمت کی دہجہ جنت میں لے جاؤ تو جب اس سے
 گناہوں کا اقرار لے لیا اس وقت اس کے لئے چند چند خوشیاں جمع ہو گئیں ایک خوشی
 گناہوں کی مغفرت کی، ایک خوشی چودہ خوشی کی کہ اس کو دسواہنسی کیا گیا۔ ایک خوشی اس
 رحمت کی جو جنت میں پہنچا کر اسے عطا کی گئی اس طرح اس کے پاس بہت ہی نعمتیں جمع
 ہو گئیں تو وہ منہ سے پوری طرح ماضی ہو گیا اور یہ بھی منہ کی فطرت سے بڑا انعام ہے کہ

عہ سلمان! اسباب بندہ کو اپنے عمل کا بیج ہونا شاید ہو گیا۔ اب اللہ تعالیٰ اس کے عمل کی تعریف
 کر رہے ہیں کہ تو بہت اچھے عمل کرتا تھا یہ سبے شعبہ کم اور یہ سبے رحمت و فضل ۱۰۰

منم طیبہ کو اخلاک کی حقیقت اور عظمت سے خبردار کر کے تاکہ اس کو چھٹی دستہ اور ذلت مائل سمجھ کر۔ الا یسلع من خلق وهو اللطیف الخبیر کیا جس نے پیدا کیا ہے وہ بھی (بند چواری) نہ جلنے کا مادہ نہ کھوٹے جڑا بلکہ بنی آدم بڑا باعزت ہے۔ اسی طہرت یہاں رب اللہ تعالیٰ نے اس تیزی خبیث پر اپنے فضل سے یہ انعام کن پاتا کہ عزت کے گھر یعنی جنت میں اس کو پہنچائی تو پہلے اس کو بہت دھمکایا اور اس سے انکار کرایا کہ وہ بڑا غلام ہے اسی کی طبیعت میں بھی غم ہے اور باتوں میں بھی دنیا میں بھی غماری سے ہم ایسا تھا اور آخر میں بھی اس سے باز نہ آیا وہ لوں بجز غم کو اپنے ساتھ لے رہا جب اس نے اپنی خطا کا اقرار کیا تو بعض رشتہ سے جنت میں بھیج دیا جس سے اس کو بہت افسوس اور چند دھندلہ تھیں مگر یہی

قوله فی الرحمة السامع والاربعین کو کہتے ہیں عز وجل نراء عنک ما العذر ماک الی

قوله فی الرحمة السامع والاربعین۔ ومستعصباتی السامعین

فت یہ جو فرمایا گیا کہ ترکینہ الملاق بعد دخول جنت یعنی فضل سے جو ۱۲ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے لئے عمل اور گوشش کی ضرورت نہیں بلکہ طلب ہے کہ عمل اور گوشش کے بعد یہی جس کو یہ دولت حاصل ہو جائے وہ اس کو اپنی گوشش کا ثمر نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے جس کو اللہ تعالیٰ اس دولت کے لئے عمل کی توفیق دے دیا سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فضل کرنا چاہتے ہیں ورنہ انسان کا نفس تو بدی کی طرف ہی جاتا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ

(۱۸۹) اللہ تعالیٰ اپنے فضل کی حرص کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فضل

کی امید اور تمنا رکھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بھلائی نعمت و رحمت کا مرتبہ یاد دلایا ہے کہ ان اس کے حق ہوں کو معاف فرمائیے گئے اور اپنے فضل سے ان پر پناہ فرمائیے گئے اور جو کچھ سوچا اس سے روک دے گا کہ یہ گئے۔ پس تم بھی اس نفس کو یعنی نفس ہی کی دوسرے لپٹ ساتھ رکھو اور کسی وقت ان سے نظر قطع نہ کرو تاکہ یہ بات صحیح خود پر ہم کو معلوم ہو جائے کہ نعمت اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہو گیا اور ہے کیونکہ اس کا جب ہدایت ہے یا غمزدہ و گمراہ ہے یہ دونوں ۲ ہوتا ہے۔ ۱۱۔ یہ سبب نہیں ہی تو ہے جس پر ہم روک کر چاہیں اور جس طرح

باب چہل و نهم

حدیث

جواز الذنایا فی الصلۃ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث طے کر کے اس سے عرض کیا ہے کہ کوئی عاتقہ نہ بھیجے جس سے نماز میں دعا کیا کروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں کہا کرو۔

اللہم انی ظلمت نفسی ظلماً عظیماً ولا یغفر الذنوب الا انت
 فالغفر لی مغفرة من عندک و ارحمنی انک انت الغفور الرحیم
 اے اللہ میں نے اپنی جان پر بیتِ ظلم کیا ہے اور تجھے سوائے اُنہوں کو کوئی نہیں
 بخش سکتا تو مجھے اپنے پاس سے مغفرت عطا کیجئے اور مجھے پرہیز فرمائیے کیونکہ
 آپ ہی غفور رحیم ہیں۔

ظاہرِ حدیث کے نماز میں دعا لاجائز ہوگا اور اس دعا کا افضل ہونا معلوم ہوا ہے
 مثنوی اس پر چند جوہرے لگا ہے۔

(۱۹۱) بزرگوں سے تسلیم کی طلب کرنا چاہئے گو غالب صاحبِ معرفت بھی جو
 حریت سے مسم ہوا کہ بزرگوں کی تسلیم کا درخواست کرنا چاہئے اگرچہ غالب کو ایک گونہ معرفت
 پہلے سے حاصل ہو کر تھا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

اس سے مجھ کو یہ بھی کہنا سیکھ رہا ہے کہ ماثورہ کی پابند و غلام نہیں، بلکہ انھیں یہ ہے کہ اسباب رحمت میں سے، اعلیٰ عارفین کا اختیار کیا جائے، لہذا ان میں بھی اوقات میں بھی مکان میں بھی اصول شریعت سے یہ سب باتیں معلوم ہو چکی ہیں اور اس بار میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد خدا و فرشتہ کا نصب و اعلیٰ دلیل کا نصب اور شاہ جہاں کی بہت کاف ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب تم نادر خوجاؤ تو کھڑے ہو جاؤ اور اپنے پیر و مریدوں کا ہر طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ اس میں بن احمد کا ذکر ہے وہ سب کے بعد قبول دنیا کے اسباب میں سے ہیں کیونکہ خلق کے مشاغل سے فراغ حاصل ہونا حضور تعالیٰ در غلام حاصل ہونے کے اسباب میں سے، اسباب ہے اور وقت و فرصت و تمام تزیل حاصل ہونا اور باریک بینی سے مشاغل اختیار کرنے کا اور یہ پیر ہے جو ہم ماننے والے ہیں اور انصاف سے مراد ان کا پڑھنا ہے جو تمام ماعتوں کو مستغنی ہے کیونکہ وہ سب کے اعلیٰ ہے جب اعلیٰ طاقت کا امر کیا گیا تو مدد سے اس کے ضمن میں خود ہی آگئی ہیں۔

قد اوحى الوحي المشافى يترقب على هذا من الفقه ان ينظر للمراتى عبارته الى الزمير الى قوله فخير في العنق

(۱۹۳) دنیا کی حقیقت اور اس کے درجات
یہاں ایک حال ہے کہ
اعلم انی تحت نفسی
کو حضرت مدنی کی مدد سے کیا سخن ہے کیونکہ یہ مشہور ہے کہ میں غلاف طریقہ
ہے کہ ایسے الفاظ ہیں جن کے ضمن میں کوئی شے یا اساتید جدید میں سے کسی صفت کا شمار
انہی میں سے کسی ۱۲ احادیث کا ذکر کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے۔

وقد الاسماء الحسنی منادعوه بها

اللہ کے لئے اچھے نام ہیں تو تم ان کے وسیلہ سے اللہ سے ملو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد ہے۔

ان اسما الله العظمى ادعاه بعد التلويح

کہ ان ۱۲ اسم کے وسیلہ سے جو دعا بھی کوئی کہے ضرور قبول کیا جائے

نیز رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاَسْأَلُوْهُ
 بِمَا هِيَ خَلْقٌ جَاهِلٌ عِلْمُ اللّٰهِ عَظِيْمٌ جب تم اللہ سے سوال کرو تو میری
 پاؤں کے دھڑکے کی طرح اللہ کے نزدیک میری جاودہیت بڑی ہے۔ اس
 معنی میں آیت درست ہے اور دعائیں بھی جو رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے منقول
 ہیں بہت ہیں۔

جواب بندہ جوہ حصہ اول یہ کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم حضرت صدیق
 کا مقصود سب سے بڑے تھے کہ وہ ایسی دعا معلوم کرنا چاہتے تھے جو بالیقین قبول ہو جائے اور
 حکمت شریعہ کے موافق اس سے دنیا و آخرت دونوں کی جہان نصیب ہو تو حضور نے ان کو
 جب ارشاد میں جواب دیا گیا آپ یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی حق حتمی طور پر
 واجب نہیں، اگر کسی دعا کو ضرور قبول ہی کر لیا کریں، بلکہ یہ تو بعض استجاب ہیں جن سے
 جس کو چاہتے ہیں کامیاب کر دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں محروم کر دیتے ہیں جسے کھیا
 کرتے ہیں بعض اپنی طرف سے اپنے نفس سے کامیاب کرتے ہیں اس کی دعا یا عمل اور اصل اس میں
 برائے نام ہوتا ہے حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا، پس بے بڑی چیرہ جو کہ مغفرت ہے
 اصل حقیقت سے ماٹنا چاہیے جو کہ فضل خداوندی ہے اس کے سوا کسی اور چیز نہ اپنے
 خیال کو وابستہ نہ کرنا چاہیے اور یہ ایسا ہے جیسا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے اپنی
 ذات شریف کے متعلق فرمایا ہے

اِنْ يَنْزِلْ عَلٰى اَعْمَلِ الْخَيْرِ، قَالُوا لَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالِ
 وَلَا اَنَا اَنْتَ يَتَخَذِلُكَ اللّٰهُ بِفَضْلٍ رَّاحِمًا

میں کو اس کا عمل جنت میں نہ پہنچائے گا، صحابہ عرض کیا یا رسول اللہ اور آپ کو بھی نہیں
 فرمایا مجھے ہی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و رحمت سے نوازا ہے اس لئے کہ فضل و رحمت

عہد احادیث کی صورت، بلکہ حقیقت نہیں اس وقت تک کہ یہ مطلب ہو، اگر تحقیق کر لوں کہ یہ
 مفہوم بہت سزاوارتہ ہے، مگر یہاں کسی حقیقی نام سے تحقیق کر لی جائے گا

میں پہنچو گی، ملائکہ رحیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نشانِ محکمہ لیکھ گئے ہیں (اپنی جھکیوں پر)
 سب کو منتشر نصیب ہوئی عجلت کا طریقہ معلوم ہوا ہمارا اسی کے ساتھ، رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے۔

نعم صلوات اختر ضلوت اللہ علی عبادہ فمن جاءہ
 بہن لحریدۃ قص منہن شیئا استغفانی بحفہن فان اللہ
 جاعل لہ یومہا فقیما ان یدلہ لہ الجنة .

پانچ نبیوں نے اپنے بندوں پر غرض کی ہیں جو ان کو اس طرح ابھار لیا کہ
 ان میں کچھ کو بخش دیا کہ ان کے حق کو بھلا کر اللہ خیر و رحمت کر تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس
 کے لئے اس بات کا عہد اور لینے والے ہیں کہ اس کو جنت میں داخل کر دیں گے اور یہ
 حشر و بظاہر پہلے مدینہ کے معارضہ کرب و غم میں داخل جنت کا سبب غرضِ فضل کو
 بتلایا گیا ہے اور اس میں اہمال کو بتلایا گیا ہے سو ان دونوں مدینوں میں تطبیق اس
 طرح ہے کہ اعمال پر ثمرات کا وعدہ مقامِ غم کے لحاظ سے ہے اور یہ بھی حیا وعدہ ہے جس
 کو ان کے لئے پورا کیا جائیگا (چنانچہ ارشاد ہے) ومن اوفی بوعہدہ من اللہ فاستبشروا
 بیکم ما الذی بایعتم ربہ اور جو تم میں سے اپنے عہد کو جو اس نے ارشاد کیا
 پورا کرے تو تم کو اس سلف سے خوش ہونا چاہیے جو تم نے لکھا تھا کیا ہے اور غلامی
 بظاہر عمل کو باقی رکھنے اور لڑائی پابندی کرنے سے اعمال کے موافق ہوگی محنت حکیم کہ مائتہ
 کے سبب اور تحقیق ثمرات غرضِ غم سے متعلق ہے یہ خواص کا مقابہ ہے جسے سیدنا
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام خواص میں انھیں انھوں میں اس طرح ہر لوگ قیامت
 تک خواص کیساتھ آپ کی پیروی کو نبیوائے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ بھی خواص میں

عہدہ یومہا فقیما میں اہل نہیں ہوا۔ اسی طرح سب کو بھلا دیا ۱۲

عہدہ اگر دلی میں تو نماز کی عزت و حرمت ہے غرضِ غم میں مستحق نماز میں غم نہ آئے
 تو امید ہے کہ یہ کمی غم و غصہ سے پوری کر دی جائیگی ۱۳

سے یہ اندک یوں نہ ہوں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ میں فرمایا ہے کہ جو عورتیں جو زیادہ نماز پڑھ کر دیتے ہیں وہ تین نہیں ملے گی بلکہ اس چیز کی وجہ سے وقت ملے گی یہی جو ان کے دل میں بھی ہوئی یہ سیدہ خدیجہ ابانہ و تنقیہ کاملہ اور حبیبہ بنتہ کاتبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کیا تھا وہ عوام کا عقائد تھا تو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کے ضمن میں یہاں سے فرطیت میں کہ تم ن کو کون میں جو بن کا یہ نظام نہیں دہن کو کہنے طلب کیا ہے مگر ہم تم کو تمنا ہے کہ جو کچھ جو ابلیقہ میں جو کہ خواہم کا عقائد ہے جو شریعہ۔ بعد تحقیق دو دنوں کو بھیج کہتے ہیں تو شریعت کا مقتضا قیاس ہے کہ اعمال اور دعا و خیر کی پابندی کی جائے اور اسکو ثبات کا سبب سمجھا جائیگا اور خیر سے یہ کہ کیا جان کہ تمام چیزوں کو عملی فعل پر متوجہ ہے اور کوشش ہے کہ سبب نہ ہے بلکہ یہ علامہ سندھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اس کے مال کے موافق جواب دیا جائیگا یہ حد تک صفاست مجتہد کہ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اتروا الناس علی منازلہم لعلہ کان کدہم یومون پر رکھا کر دو۔

یہ ارشاد عام ہے۔ دیکھو اور سوال و جواب کو بھی اور عمل برتاؤ کو بھی:

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ صفت صریح کو یہ تعلیم دلا کہ اپنے نقص کا مٹی عزوجل کے پاس سے طلب کریں کیونکہ جب وہ اللہ عزوجل کے پاس سے بلا واسطہ عیب کے جو کہ عمل نقص ہے طلب کیا جائیگا تو بہت کامل ہوگا۔ پھر اس درخواست کو وہ بزرگ نہیں مینہ غفور و رحیم کے ذکر سے کہیاب کر دیا گیا جن میں سے ایک کا مقتضایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جب سوال کیا جائے وہ دہلا، فرماتے ہیں اور اس میں دہلا بھی جیسی درخواست ہے کہ اپنے پاس سے (مغفرت و رحمت) عطا فرمائی تو مطلوب کی تمہیں میں یہ صورت زیادہ تر ہے اور دوسرا کام کا مقتضی مغفرت ہے اور جس کی مغفرت ہو گئی اس پر رحمت ہو گئی اور جس پر رحمت ہو گئی اس کی مغفرت بھی ہو گئی۔

نیرہ زبیدی ایک اور مثال بھی ہے وہ یہ کہ دعا کا قبول ہوا مشیت اللہ پر موقوف ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ بل ایاءات۔ یون فی کشف الداء عن الیہ ان شاو

بلکہ تم اللہ ہی کو پکارتے رہو پھر وہ اگر چاہتے ہیں اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں جس کے لئے اللہ کو پکارتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اجابت کو دعا کی سیدہ لائی ہے ظنی وعدہ نہیں کیا اور مضطر کے بلوہ میں ارشاد ہے امن بحیب المضطر اذا دعاہ دیاہ و ہستسہ جو مضطر کو دعا قبول کرتا ہے جب وہ لے پکارتا ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مضطر کی دعا کا قبول کرنا اپنے خدمت و وعدہ جمیل سے لازم کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے جو دعا کو دعا کرنا کونہ کونہ ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت مدنی کو دعا کی تھی ہے مگر جو غوفہ جبار کے درمیان جو ہے حالت مضطر کہ ظن مستقل کر دیا جس میں اجابت کا ذریعہ ہے اور اضطراب کی حقیقت اس منظر سے ظاہر ہوتا ہے ظلمت نفسی ظلمت کثیرا و کمیمہ نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے یعنی میسر پاس اس ظلم کے ریزہ کرنے کا کوئی میل نہیں اور یہ نجات استیفاء کی حالت ہے و لا یغفر الذنوب الا انت اور آپ کے سوال میں ہوں کی مغفرت کوئی نہیں کر سکتا یہ نجات اضطراب کی حالت ہے کیونکہ جو شخص ان اسباب پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو جو ان کی مغفرت کر سکیں وہ پورا مضطر ہے کیونکہ اگر کسی کے پاس بڑے بڑے گناہ ہوں اور ان کے ساتھ ایسی چیزیں بھی بہت ہوں جو گناہ کا گناہ ہو سکیں تو وہ یوں نہیں کیا کرتا اغفر لی مغفرتہ من عندک کہ مجھے اپنے پاس سے مغفرت عطا کیجئے کہ میسر پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو مغفرت کا سبب بن سکے، تو ان دو نفلوں کے مضمون میں استیفاء بعض راہد اضطراب حقیقی کی حقیقت متحقق ہو گئی۔ دل میں یہ بھی باتیں ہیں اور تم خود سمجھ لو جو رسمہ بازو میسر باپ میں ان دونوں پر فخر ہوں کیسے اچھے معلوم تھے اور کیسے اچھے متعظم ان کے آثار کیسے عظیم ہیں اور ان کے باطن کیسے منور اور ان کے احوال کس قدر بلند اللہ تعالیٰ ہم پر بھی اپنے فضل سے ان دونوں مغفرت کی برکتیں بار بار نازل فرماتیں۔ قولہ الوجهہ اثنتا عشرہ علیہ السلام و قال قل اللہ صافی ظلمات نفس

الہنا بحث الی قولہ اعاد اللہ علینا صبر کا تھا جہنہ فی یہاں سے معلوم ہوا کہ دعا میں نجات استیفاء اور نجات اضطراب کی حالت اختیار کرنا چاہیے کہ مغفرت بھی مضطر کی سی ہو لہذا بھی اختصار و اضطراب کے مناسب ہیں

نفس سوال اور درخواست کے الفاظ پر کفایت نیک جلتے اور یہ دولت اہل اشراق صحت ہی حاصل ہوتی ہے۔ ففی ذلك فليتنافس المتنافسون

(۱۹۴) نفس ہر شر کا منبع ہے پس ہر حال میں اپنے کو خطا وار سمجھو

یہاں ایک اور سوال ہے وہ یہ کہ حضرت صدیق اکبرؓ میں یہ کتنا ظلمت نفس ظلمت کتنی بڑھ چکی تھی؟ حقیقت پر محمول ہے یا مجاز پر؟ اگر مجاز ہے تو یہ بات محال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبب مغفرت کی تعلیم کرتے ہوئے مجاز کا استعمال کریں اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تمام ظلمت و غت میں اللہ تعالیٰ کو مجاز سے خطاب نہیں کر سکتے۔ پس اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے۔ اب اگر یہ حقیقت ہے تو وہ کون سا گناہ ہے؟ کیونکہ اسلام سے پہلے جو کچھ تھا اس پر تادمۂ ذہن نہیں اور اسلام کے بعد وہ سب کے سوا اور غیر میں متشابہ ہیں چہرے گناہ کی (جس کے متعلق کہا گیا ہے ظلمت نفس ظلمت کتنی بڑھ چکی) اس کا جواب وہ ہے جو پہلے ایک حدیث میں آیا ابن عمرؓ کہ شریعت میں گناہ چھ ہے کہ انسان کی اہل طبعی حالت جو فانی اور غافل ہے۔ دین جلتے اندر غافل، محرم کو اشارے سے محفوظ کر دیتا ہے پس دنیا و آخرت میں جو غیر محرم کو مائل ہے یا جلتا ہے وہ بعض اشارے مل جلار کے فضل سے ہے خواہ اس طرح کہ ایسے اعمال کی ہم کو ہدایت کی جن کو حکمتِ ربیبی نے حلال و غیر کا سبب بنایا ہے (یہ عوام کا مقام ہے) یا بعض مفوض فضل سے بدین کسی مسئلہ وغیرہ کے سبب کہ راویہ خواہم کا ذوق ہے، ہماری اس قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ ما یحکم من نعمۃ من اللہ تمہک پاس جو نعمت بھی ہے وہ اشراق طرف سے ہے و لولا فضل اللہ علیہم و رحمۃ ما انک منحکم من احد ابدا اور اگر تم پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی ایسی پاک نہ ہوتا نیز ارشاد ہے۔

ان النفس لا مامرة بالسوء الا ما يحرمہ فی کفر تو بولٹی ہی کا امر

کو زندہ ہے مگر جس پر اللہ کا رحم ہو رہا۔

تو نبی صادق صل اللہ علیہ وسلم نے صدیق رضی اللہ عنہ کو متنبہ فرمایا کہ اصل کا اقرار
 کریں جس حالت پر نفس کو فطرۃ بنایا گیا ہے اس کا اعتراف کریں یہی سچی حقیقت ہے
 اور اس کے بعد خیر نام کو جو مغفرت و رحمت ہے حاصل حقیقی سے یعنی غفور ویم
 سے طلب کریں اپنی کسبت کو مغفرت و رحمت کا سبب نہ سمجھیں اس لئے بعض اہل غیر
 نے فرمایا ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز بھوک ہو سکتی ہے خواہ ظاہر فرمایا ملتا بجز نفس
 کے کہ وہ اہل حقیقت و معرفت کے تحریک بھی بڑا نہیں ہو سکتا بلکہ جس قدر انسان کی
 مسکوت بڑھتا ہے اس قدر نفس کی لذت و مسکوت ان کی نظر میں بڑھتی جاتی
 ہے یہی سبب اس قلعہ کا محنت پر شاہ ہے کیونکہ جب وہ شخص جو صدق و تصدیق
 کا اشتہار حاصل پر پہنچا ہوا ہے اس اعتبار کے بعد بھی اتنے بڑے امتداد کی طرف
 فرمایا گیا ہے جس کا یہی بیان ہوا تو کیا اس کی نظر میں نفس کے کچھ بھی قدر باقی ہو گئی
 ہو گئی مسکوت ہرگز نہیں۔ پس جس کو غلام اور غلام کی طلب ہو اس کو ان کے راستے
 پر چلنا اور نفس کو مٹا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے ان کے سلسلہ میں
 داخل فرمائیں آمین)

قوله الويه الرازمي عايف في قول هذا السند ظلمت نفس الى قوله ضمت
 في سلكهم منه

ف سچ ہے خودی کو مٹا دو غلامی مل جاؤ گے دع نفسک و تدانی سے
 میان ماضی و حشری سچ مائل نیست تو خودی خودی حافظہ از میان بریز
 تو دور گم خواہ مسائل ہیں ست دہش گم شدن گم کن کماں این ست دہش
 مگر یہ دولت حسن حافظہ یاد کرنے سے دہش نہیں موقی کا عین کی صحبت سے حاصل ہوتی
 ہے۔ نہ خوف اللہ و یا نہ خوف ملک بہمنہ و فضلہ آمین

باب چہارم

حدیث

رفع الصوت بالذكر بعد الصلوٰۃ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نماز سے ذکر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا جس وقت لوگ فرض نماز سے فارغ ہو کر واپس جاتے۔

ظاہر حدیث کا مدلول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں **شرح** جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے تو ذکر کی آواز سنی جاتی تھی اس پر **پندرہ جہے ۴** ہے

صحابہ رضی اللہ عنہم میں اہل صدقہ و عبادت **مہما زوں کے بعد ذکر جہر کی تحقیق** فروریہ کے مسجد سے نکلتے ہی اپنے ہاتھ بکے ہمیشہ مسجد ہی میں رہتے تھے اور بعض صحابہ دوسری نماز کے اشتہار میں مسجد کے اندر جیتے جیتے تھے کیونکہ اس میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے

فذلکما الرباط فذلکما الرباط فذلکما الرباط مثلاً

یہی صریحہ کی حفاظت ہے یہی صریحہ کی حفاظت ہے یہی صریحہ کی حفاظت ہے

تین بار اس قول کو دہرایا پس اب اس حدیث کو علوم پر محمول نہیں کہتے یعنی یہ نہایت کہہ سکتے کہ سب صحابہ نماز کے بعد گھروں کو واپس جاتے تھے۔ بلکہ خصوصاً پر محمول کیا جائیگا جس کو حدیث ثوابیہ میں اس الفاظ سے بیان کیا گیا ہے خرجم اسرعان کہ جلدی کریں اے سید کے نکل گئے ادبیہ وہ تھے جن کو ضروری کام ہوتے تھے وہ نماز کے بعد ذکر کرتے ہوئے مسجد

نکلتے تھے تاکہ ان سے کوئی مستحب وقت نہ ہو جائے کیونکہ نماز کے بعد ذکر کرنے کی فضیلت دائرہ ہے۔ غرض یہ حضرات اپنی ضرورتوں کے لئے ہندی مسجد سے نکل جاتے اور جگہ تکا و جوسے باؤاز بلند ذکر کرتے تھے کیونکہ مسجد سے باہر اگر کوئی آجستہ ذکر کرے تو ممکن ہے کوئی اس بات کرنے لگے اور اس کو باتوں میں مشغول کر کے ذکر سے محروم کرے اور حضرات صلابت کے سبب سختیات کی پردہ پابندی کہتے تھے اس پابندی کی وجہ سے ہی مسجد کے باہر بلند آواز سے ذکر کرتے تھے، تاہم اگر اس علت کی وجہ سے جبر کیا جائے تو اس وقت جبر افضل ہوگا منفصل نہ ہوگا گوئی غصہ ذکر خفی افضل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ہے کہ ذکر خفی ذکر جلی سے ستر درجہ افضل ہے، یہ اس وقت ہے جبکہ دونوں علت سے خالی ہوں کیونکہ جبر میں بعض دفعہ یہ بھی داخل ہو جاتی ہے لیکن اگر اس غرض سے جبر کیا جائے کہ جبر نہ کیا جائے تو ذکر بالکل ہی فوت ہو جائیگا تو اس وقت جبر افضل ہوگا، اور ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر خفی کی فضیلت اس لئے بیان فرمائی ہو تاکہ لوگ جبر پر دوام نہ کر لیں جیسا راوی حدیث نے بیان کیا ہے (ادھر جبر پر ہمیشہ دوام نہیں ہو سکتا بعض دفعہ جبر سے دوسروں کو تشویش ہوتی یا سونپوٹوں کو تکلیف ہوتی ہے) اور ممکن ہے یہ جبر کرنا لے دے لوگ ہوں جو ابھی اس واسطے لگتے تھے ان کو جب پھر منع نہیں کیا گیا کیونکہ ان کو ذکر سے مانوس کن اور ایمان کی محبت ان کے دلی میں ڈالنا اختصار و تقاضا دوسروں کو افضل کی خبر دے دی گئی تاکہ جہاں تک ممکن ہو افضل پر عمل کریں اور بعض کے جبر پر شکوت کیا گیا تاکہ حجاز پر ولادت ہو جائے، غرض اس میں مبتدیوں اور اصحابِ عقائد کے لئے ایک نمونہ ہے پس دین آسان ہے۔

دوسرا اس ذکر کی کیفیت میں گفتگو، حواس میں چند احتمالات ہیں یکے بعد دیگرے بیان جاری کیا کہ جبر پر منشا یہ قائم کہ نمازوں کے بعد جو ذکر ماثور ہے وہ فوت نہ ہو جائے یعنی ۴۴ بار سبحان اللہ ۴۴ بار الحمد للہ ۴۴ بار التواکبر اور توطیہ اگنے کے لئے ایک بار لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لا یموت ولا یسلط ولہ الحمد وهو علی کل شئی قَدِیم اور یہ بھی احتمال ہے کہ مژدہ ذکر ہو جو مسجد سے نکلنے کے وقت ماثور ہے کہ مسجد سے

نکلتے ہوئے یا پھر پہلے نکالے جانے کے اللہ تعالیٰ افقہ فی البواب فضلكہ کراس وقت
 یہی سنت ہے اور یہ احتمال زیادہ ظاہر ہے اور اس فقہ میں حدیث اپنے ظہر پر ہے
 گ کر ان طرف سے ملو مسجد سے گھر کی طرف لوٹنا ہے نماز سے فارغ ہونا ملو نہیں پس
 حدیث سے نماز کے بعد معاذ ذکر چہر کا شجوت نہیں ہو سکتا جیسا اہل بدعت کا معمول ہے
 اور اس ذکر کے اظہار اعلان کا فائدہ یہ ہوگا کہ نادانہ و گ بھی اس سنت سے واقف
 ہوں یا نہیں گھور جس کا دل کسی غرضی فکر میں مشغول ہو وہ بھی ذکر کو سن کر متنب ہو
 جائے (اگر خشوع کی وجہ سے بول گیا ہو تو اس سننے کو یاد کر کے بجا لائے) تو جہر کرنے
 والے کو ذکر کا ثواب دو طرح سے حاصل ہوگا ایک تو خود اپنے ذکر کی وجہ سے دوسرے
 فتح مقدس کی وجہ سے ذکر کو سننے والے کی اس سنت کو بجا لائے، کیونکہ اس
 خاص قصہ سے جہر کیا تھا کہ دو مشر کو تعلیم ہے اور ان کے دل میں یہ بات ڈالنے
 کہ اس وقت سنت یہ ہے جو میں نے ادا کی جیسا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا جب آپ نے ان سے دریافت فرمایا
 کہ تم رات کو قرأت میں بلند آواز کیوں کرتے ہو کہا میں سونیا لوں کو بیدار کرنا
 چاہتا ہوں اور شیطان کو جگانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب کو
 پسند کیا اور فرمایا کسی قدر آواز پست کر دیا کہ اور محمد رضی اللہ عنہم سب ہی
 ایسے تھے کہ وہ کوئی عمل بد نہایت ماحول اور کتاب سنت کی رکوشی کے نہیں کرتے تھے
 (پس جو حضرات مسجد سے نکلتے ہوئے انھیں انتہا تا بواب فضلكہ بلند آواز سے
 کہتے تھے، ان کے جہر کا منشا بھی نیت ماحول تھی)

اور اس سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ عمل سے پہلے نیت درست کرنا چاہیے
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر العمل ما تقدمت له نية ہجرین عمل
وہ ہے جس سے پہلے نیت (مال) ہو ۔

ایک عمل میں چند نیتیں جمع کرنے کی تحقیق خیر کی ست سی

نیتیں جمع ہو سکیں تو سب کو جمع کر لینا چاہئے کیونکہ اس سے ثواب جمعائے گا مگر شرط یہ ہے کہ وہ عمل واجب فرض نہ ہو کیونکہ اگر واجب ہوا اور اس کی نیت کے ساتھ کسی اور عمل کی نیت بھی ملا دی گئی تو اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ فرض ادا ہو گا یا نہیں یا دونوں ادا ہو جائیں گے یا ان میں سے ادنیٰ ادا ہو گا یا اعلیٰ یہ چار قول ہیں مگر قرآن مجید و عمرہ کی صورت مستثنیٰ ہے کہ وہ ایک عمل کا دونوں کے لئے کافی ہو جائے تنفق علیہ ہے (یعنی ایک ہی احرام دونوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے) بشرطیکہ بعد میں اراقتہ دم بھی کہ جائے (یعنی بدی ذکر کیا جائے) جیسا کہ بفرع میں مذکور ہے۔

پس فرض میں تنباہی کی نیت کا جائے (کسی اور عمل کی نیت اس کے ساتھ مل کر نہ کیا جائے) بلکہ خاصہ ضرورت ہو جائے اور فرض ذمے سے رابقیں (ادا ہو جائے)۔
 اور یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث میں فرض نماز سے مراد خاص صبح کی نماز ہو اس احتمال کی تائید کہ یہ حدیث نماز صبح کے ساتھ مخصوص ہے اس سے جوتی ہے کہ جب ایک علقہ کو اطلاق اور تفسیر کے ساتھ ذکر کیا جائے تو مطلق کو متعین پر حمل کیا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص کیا جاتا ہے (اور دوسری ہادیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے قدری ہو کر حضرت صحابہ کی طرف متوجہ ہوتے اور حیافت فرماتے تھے کہ تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا بیان کرتا اور آپ جو کچھ اللہ نے چاہا اس کے جواب میں فرماتے اور ظہر خمس تک صحابہ سے باتیں کرتے رہتے تھے اور آپ کی باتیں ذکر ہی ہوتی تھیں۔ اگر حدیث کامل یہ ہے تو اس وقت سے لے کر آج تک عمل اسی پر ہے کیونکہ آج بھی عموماً نماز سے غافل ہو کر جب مسجد سے نکلتے ہیں تو لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں کیونکہ اس وقت راستہ میں غفلت ہوتی ہے بجز ان لوگوں کے جو نماز پڑھ کر نکلتے ہیں راستوں میں کوئی نہیں ہوتا اور نمازی بھی ایک دم سے نہیں نکلتے بلکہ متفرق طرز پر مسجد سے نکلتے ہیں

اور قلوب اس وقت منور ہوتے اور ذکر صداقت پلتے ہیں، اور سلف کے گھر بھی قدامت سے کچھ ہی اونچے ہوتے تھے تو گھروں میں سے بھی ذکر کی آواز سنی جاتی تھی گھر میں رہنے والے اس وقت بیدار ہوتے اور کسی مذہبی وجہ سے گھر میں مقید ہوتے تھے آج لوگوں کے ذکر کی آواز گھروں میں سے اس لئے سنی نہیں جا سکتی کہ عمارتیں بلند ہیں اور لوگوں پر نیسند اور غفلت کا نلب ہے۔ پس عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس خبر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس وقت بھی بلند آواز سے ذکر کرنا ذکر غنی سے مغضول اور کمتر ہے کیونکہ جب آدمی ماسہ میں اکیلا ہو تو اس وقت دست اور گھر برابر ہے دونوں میں کچھ فرق نہیں اور گھر میں بلند آواز سے ذکر کرنا ذکر غنی کے برابر ہے کہ اس میں دیا کا اندیشہ نہیں،

نیز اس پر بھی تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اس وقت ذکر میں مشغول ہونا مؤکد اور فروری ہے اس میں رخصت کرنا چاہئے کیونکہ اس وقت ذکر میں مشغول ہونے سے رزق میں ترقی ہوتی ہے کیونکہ رزق طوع و کرہ سے طوع شمس تک کے درمیان تقسیم ہوتا ہے تو جو شخص اس وقت کسی عبادت میں مشغول ہے خواہ اس کا رزق بہت وسیع ہوگا بیس حدیث میں آیا ہے، اور اس وسیلہ پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہو کر جو طاعت نیادت رزق کا سبب ہو اس میں مشغول ہونا اولیٰ ہے کیونکہ اس سے دنیا فائز ہوگی خیر حاصل ہوگی، اس کے متعلق بہت سے آثار وارد ہیں اور اسی لئے اہل صنف طبع رزق کا استہام بہت کم کرتے تھے کیونکہ ان کو اس حدیث پر اور اس کے امثال پر پورا حجتین تھا تو وہ دونوں جہان میں بوجہ کامیاب تھے، مگر یہاں ایک شرط ہے کہ طاعت میں غافلانہ کے واسطے مشغول ہوا جائے رزق کے واسطے مشغول نہ ہوا جائے کیونکہ اگر رزق کے واسطے طاعت میں مشغول ہوگی تو دنیا میں ملے گی نہ آخرت

علت چنانچہ اللہ تعالیٰ غافلانہ کو فوجات اسلامیہ کی وسعت کے بعد بڑے بڑے مناسب بھی دعا فرماتا ہے کہ وہ غفلت مجھ پر سب کچھ طاعت حق کے ان کو حاصل ہوا ہو گا

اسی معنی میں کہا گیا ہے

ان الخیر بالطاعت منوط و صاحبها بالبرکات مرموف

و المعاصی صاحبها المفقوت و داراہ بالبدیہ یا المحفوظات

غیر طاعت کے ساتھ بندھی ہوئی ہے اور صاحب طاعت برکات سے مرموف ہے اور گناہ و انانیت و غضب میں مبتلا ہے اور اسکی دنیا و آخرت دونوں کی دونوں ہلاکتوں سے گھری ہوئی ہیں۔

خیر کہا گیا ہے۔

دارالک بالطاعات مریحتان و انذار السوء بها معروف

تیسکرو دونوں گمراہ دنیا و آخرت طاعات ہی سے نفع مند ہوں گے اور طاعات کے فدیہ مصیبت سے بچنا سب کو معلوم ہے یہ بحث تو اس وقت ہے جبکہ ذکر سے مراد وہ جو جو مسجد سے نکلتے ہوئے شروع ہے اور گناہ عارف سے مراد نماز سے فارغ ہونا ہے (مسجد سے نکلنا مرد نہیں) تو اس وقت یہ گفتگو نہ ہوگی بلکہ دوسری تاویل ہوگی جو آگے آتی ہے۔ ابن بطل رحمانی نے شرح بخاری میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ احتمال یہ بھی ہے کہ نمازوں کے بعد یہ ذکر جبر و دشمن کے شہروں پر حملہ اور جہاد کی حالت میں ہو تو اگر حدیث کا یہ عمل ہے تو اب بھی عمل اسی کے موافق ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ مجاہدین نماز سے فارغ ہو کر پانچویں وقت بلند آواز سے ذکر (یعنی تحمید) کہا کریں تاکہ دشمن کے دلوں پر دغ و غائب ہو جائے اور اگر اس پر محمول نہیں تو یہ حدیث بالا جماع منسوخ ہے اور اجماع کے لئے کسی حجت کی ضرورت نہیں (کیونکہ وہ خود مستقل حجت ہے)

قرنہ الوجه الشافی ان اهل الصفة الخ قوله والذی جامع لا یحیی علیہ

فہ اس تمام فقرے کا ماسل یہ ہے کہ نمازوں کے بعد معاً ذکر جبر و بدعت ہے جیسا بعض مبتدعین کا معمول ہے کہ ہر نماز کے بعد یا غزوہ بدر کے بعد تین بار لا ا کہ الا انتر مزب و جبر کے ساتھ کہتے اور تین بار حق حق حق کہتے ہیں اور عبد اللہ بن عباس

کی یہ جھٹکان کی محنت نہیں ہو سکتی کیونکہ اسمیں بہت سے احتمالات ہیں جن کا ذکر گندہ چکا اور اگلاس کو ظاہر پر رکھا جائے تو وہ اجماع سے منسوخ ہے۔ فقہائے امت صحابہ و تابعین کا اجماع ہو چکا ہے کہ نمازوں کے بعد یمن جہاد وغیرہ یا ہجیرات ایام تشریق کے ذکر جبر مشروع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالحق والصلوب نے یہاں سے معلوم ہوا کہ جو وظائف و اذکار و نیوی مقاصد کے لئے پڑھے جاتے ہیں ان میں ثواب نہیں جیسا کہ مقصود دنیا ہو، ثواب اس وقت ہے جب بعض طاعت و رضائے حق کے لئے ان کو بجا لائے پھر دنیوی مقاصد اس کے غلام ہو کہ خود ہی آجاتے ہیں ان کو مقصود نہ بنانا چاہیے۔



حدیث

حکم راع وکلکم مسئل عن عتیہ

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس کی جائیگی۔ مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائیگا اور مرد اپنے گھروالوں کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے ان کی متعلق باز پرس کی جائے گی عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ خادم اپنے آفاکے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ راوی نے کہا مجھے گمان ہوتا ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کی متعلق سوال کیا جائے گا۔ فرض تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے متعلق باز پرس ہوگی۔

شرح نامہ مستند یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۹۶) یہ ذمہ داری ان ہی امور میں منقسم ہے جن کا ذکر محشر میں ہے یا دیگر امور کی طرف بھی منقسم ہے۔ اگر ہم علت سمجھنے کے قائل ہوں تو جہاں علت موجود پائیں گے حکم کو مستند کر دیں گے اور حدیث میں جن چیزوں کا خاص طور پر ذکر ہے اس کو قلیل سے کثیر پر تنبیہ کرنے کے باب سے سمجھا جائیگا کیونکہ علت سب جگہ امانت اور نگہبانی ہے اور قواعد شریعت اس بارہ میں بہت ہیں جو اس (تنبیہ) پر مراد یا اعتناء و امانت کرنے ہیں۔ پس بیان حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ ان امور پر تنبیہ کیا جسے جن کا ذکر بیان ہے کہ یہ فائدہ ایک معقول فائدہ ہے کیونکہ لوگ عام طور پر راجی اور ذمہ دار مظہر غلیظ اور سلطان ہی کو سمجھتے ہیں اس کو سوا جن لوگوں کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی ذمہ دار نہیں سمجھتے چنانچہ مرد و کبتلہ کہ میسر گھروالے میسر واسطے مباح ہیں میسر او پران کا کچھ حق نہیں بجز نفقہ (روٹی کپڑے) وغیرہ کے جو مادہ مرد کے ذمہ ہوتا ہے اور اس سے محشر نفقہ کے متعلق باز پرس ہوگی یہ نہیں سوچنا کہ اس کے ذمہ اس سے زیادہ بھی کچھ حق ہے اسی طرح بیتا کبتلہ کہ میسر باپ کا حال میز مال ہے کچھ پر اسکی باز پرس کیا ہے بلکہ وہی میسر او پر جا کہے (جو کچھ باز پرس ہوگی باپے ہوگی) بیوی بھی یہی کہتی ہے غلام بھی یہی سمجھتا ہے اور اس جہالت کے درمیان حقوق خارج ہوجاتے ہیں جن کی باز پرس ہوگی مگر لوگ ان حقوق کو غفلت میں برباد کر رہے ہیں۔ پس اس پر تنبیہ کر دی گئی تاکہ ان لوگوں کی پورا خیر خواہی ہو جائے جو کسی ذمہ داری کے تحت ہیں ان اور مول انٹر ملی انٹر نیو و سٹریٹ ذمہ داروں سے زیادہ اپنی ذمہ داری کو ادا کریں تو اسے ہیں (اس لئے آپنے تنبیہ فرمائی) بقیہ امانات اور ذمہ داری پر یہی مثالیں دلالت کر رہی ہیں ان ہی پر سب کو قیاس کیا جائیگا چنانچہ سب بڑی ذمہ داری تو اس کی ہے جس کے لئے اطاعت و انقیاد کی بیعت کی باقی ہے (مراد غلیظ اور سلطان ہے) اس پر تو محشر عبادہ بن الصامت میں گفتگو کر چکی ہے اس کے بعد جن لوگوں کا ذکر ہے ان کے متعلق اس وقت کچھ بیان کیا جائیگا

جنتا اللہ تعالیٰ منہ سے ذمہ لے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

والرجل راعی اہله و مسئول عن رعیتہ

مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان اور حاکم اور ذمہ دار ہے اس سے اس رعیت
بھی متعلق باز پرس ہوگی۔

یہاں اہل کا لفظ ہمہ گیر ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ اہل کا اطلاق کبھی
نوجوان پر آتا ہے جیسا اس امر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قصہ
انکس میں کہا تھا

اھلک یا رسول اللہ لا اعلم الا خیرا

یا رسول اللہ آپ کی بی بی ہیں میں تو بھلائی کے سوا ان کے بدہ

میں کچھ نہیں جانتا۔ (مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں)

لہذا یہ بھی احتمال ہے کہ اہل سے مراد وہ ہوں جن کا نفقہ مرد کے ذمہ شرعاً
واجب ہوتا ہے جیسا فوج علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ ان ابنی من اہلی کہ میرا

بیٹا بھی میسر اہل میں داخل ہے اور جیسا اللہ تعالیٰ شانہ نے ایوب علیہ السلام کے
قصہ میں فرمایا ہے و وہبنا لہ اہلہ و مثلہم معہم ہم نے ایوب علیہ السلام

کو ان کے گھر والے عطا کر دیے۔ اور ان کے مثل ہی ان کے ساتھ یہاں اہل سے مراد
بیوی بچے سب ہیں۔ نیز غلام بھی اہل میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی منجہد رعیت کے

ہے جسکی وسیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حضرت سلمان فارسی
رضی اللہ عنہ کے متعلق ہو من اہل البیت کردہ اہل بیت میں سے ہے

علاوہ غلام (آزاد شدہ) تھے۔ نیز غلام کھلے اپنی سیدہ کی زینت (ظاہر وجود
کنین) کی طعن نظر کرنا مباح ہے جیسا خادم کے لئے مباح ہے چنانچہ حق تعالیٰ

کا ارشاد ہے۔ او ما ملکت ایمان ملن

حدیث میں دونوں احتمال ہیں کہ اہل سے منظور بیوی مراد ہے یا سب گھر والے (مرد و بیوی)

عمر ظاہر ہے کہ اس کو علوم پر دیکھا جائے کیونکہ فائدہ اس صورت میں حاصل ہوتا ہے جو کہ دین
اس لئے بھی موم پر دیکھنا اولیٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے اخیر
میں فرمایا ہے والرجل راع فی حال ابیہ کہ آدمی اپنے پاس کے مال کا بھی
نگہبان اور ذمہ دار ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ باپ اپنے بیٹے کے مال کا نگہبان اور
ذمہ دار ہے کیونکہ جیسا اہل میں داخل ہو چکا ہے اسی طرح یہ نہیں فرمایا کہ آدمی
اپنے غلام اور بیوی کا نگہبان ہے اور ذمہ دار ہے کیونکہ غلام اور بیوی میں اہل
میں آچکے ہیں بیٹے اور غلام اور بیوی کی ذمہ داری کو اپنے بیان فرمادیا تاکہ ہم کو معلوم ہو
جائے کہ جس طرح گھر کے مالک ان کے متعلق باز پرس ہوگی ان سے ہی بقدر خصوصیت
(و تعلق) کے باز پرس ہوگی جیسا آگے بتایا جائیگا۔

پس مرد کے ذمہ بیوی بچوں اور غلاموں کے جو حقوق واجب ہیں ان میں سے بعض
تو وہ ہیں جو سب لوگوں کو خواہ مسلم ہوں یا جاہل معلوم ہیں جیسے نفقہ کپڑا اور رہنے کا
گھر اس میں تو کچھ غنائیں مگر یہ کل میں سے بعض ہے، کیونکہ اس کے علاوہ اس
کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ ان کے دین کی حفاظت کرے ان کو دین پر اجازت دے وغیرہ
پر بھی مستحبات پر بھی ہر ایک پر اس کے دوسرے موافق توفیق دے اور یہ حق
نفقہ اور لباس سے بھی زیادہ بڑا ہے کیونکہ نفقہ اور لباس تو تنگدستی کی حالت میں
ساقط بھی ہو جاتا ہے اور دین کی طغیر و بیری اور اس کی تسلیم کسی حال میں ساقط
نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ جو حق بھی ساقط نہ ہو وہ اس حق سے زیادہ بڑا اور ضروری
ہے جو کسی وقت ساقط ہو جائے۔

مگر جو لوگوں نے حکام کو نفقہ اور کپڑا اور دیگر امور دنیویہ ہی کے متعلق فیصلہ
کرتے دیکھا ہے ان کے سوا کسی اور بہت کو ذمہ داروں کے اوپر لازم کرتے ہوئے
نہیں دیکھا تو وہ یہ سمجھ گئے کہ جس حق واجب وہی ہے جس کو حکام اپنے فیصلوں
میں لازم کرتے ہیں اس کے سوا کچھ واجب نہیں۔

اور جو لوگ اہل علم اور اہل خیر سمجھے جاتے ہیں ان کی ہڈی دوڑیہ ہے کہ

نفقہ و لباس کے علاوہ جو حقوق دینیہ ہیں وہ مستحب کی قسم سے ہیں اگر ان کو ادا کریں تو ثواب ہے، نذا کریں تو گنہگار نہ ہوں گے مالاٹکیہ بھی جہلِ عُص ہے اور بالکل غلط آیت کتابِ سنت اور اقوالِ ائمہ میں اس کے غلط ہونے کی دلیل موجود ہے۔ کتاب کی علامات کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
لِئَلَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنَ اللَّهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ
نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَأَمْرٌ أَهْلُكَ بِالْعَتَلَةِ وَأَصْطَبِرْ عَلَيْهَا
اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور خود بھی اسکی پابندی کرو
رہی حدیث۔ سو روایات میں وارد ہے کہ جس شخص کی اولاد بالغ ہو جائے اور وہ ایک
نکاح وغیرہ کے بارہ میں کوتاہی کرے یہاں تک کہ وہ اس کوتاہی کی وجہ سے کسی
محذور گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس پر بھی آٹا ہی گناہ ہوگا جتنا اُن پر ہوگا۔ نیز نماز
کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مروهم بعد السبع وأضر بوجهه عليها العشر
بچوں کو نماز کا حکم کرو جب سات سال کے ہوں اور نماز کے ترک پر
ان کو مارو جب دس سال کے ہوں۔

اور یہ حکم مفسر نماز ہی کے واسطے نہیں بلکہ نماز کا ذکرِ اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کیلئے ہے
مجھے اقوالِ ائمہ تو ابنِ ابی زینب نے اپنے رسالہ وغیرہ میں بیان کیا ہے کہ بچوں کو
نماز کے لئے مارا جائے جب دس کے ہوں جیسا حدیث میں آیا ہے اسبطرچ و دوسرے
واجبات و فرائض میں بھی کوتاہی کریں تو سزا دینا چاہیئے۔

مبارک نے اس مسئلہ میں بھی اختلاف کیا ہے کہ ولی اپنے ماتحت نابالغ بچوں
کو نیک کاموں کی ہدایت کرے اور ان پر مجبور کرے تو ان اعمال کا ثواب کس کو
ملے گا۔ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ ثواب ولی کو ملے گا دوسرا یہ کہ ثواب بچہ کو ملے گا

کیونکہ غسل تو اسی نے کیا ہے۔ تیسرا یہ کہ دونوں کو ثواب ہوگا۔ یہی قول میرے ہے جس کی دلیل سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب حج و عمرہ میں ایک عورت نے اپنے ہرج میں سے ایک بچہ کو نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا رسول اللہ کیا اس بچہ کا بھی حج ہو سکتا ہے آجئے فرمایا ہاں اور تجھے ثواب ملیگا (متفق کہتا ہے کہ اس حدیث سے دوسرے قول کی توفیق ہو گئی مگر پہلے قول کی نفی نہیں ہوئی بلکہ بظاہر اس کی تائید اور تیسرا قول کی تائید اس میں نہیں)

لہذا غلاموں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر بانٹنا کرے اس کو سزائے تازیانہ دلا پھر زنا کہے تو سزائے تازیانہ دے اگر تیسری یا چوتھی دفعہ پھر زنا کرے تو اس کو بیچ دو اگرچہ ایک ہی دھما کے عرصہ میں بیچے۔ اسی کے مثل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگ ان کی زمین میں ان کے پاس ہی رہتے تھے، ایک دن حضرت عائشہ نے اسی زمین میں ان خطوط کے غلطاً دیکھے جن پر چوسکر کھیل جاتی تھیں تو آپ نے ان لوگوں کے اخراج کا حکم فرما دیا اگر اس حرکت سے باز نہ آئیں۔ اسی بناء پر علماء نے فرمایا ہے کہ اپنی چیز ایسے شخص کو کرایہ پر دینا جائز نہیں جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اس میں کوئی حرام کام کرے گا۔ اسکی تائید حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

وَلَا تَكْرِهُوا قِسْمَ قَعْرِ عَلَى الْبُعَا،

کہ اپنی پاندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو ورنہ کے ذمہ اتنا خراج نہ لگاؤ جس کے ادا کرنے کے لئے وہ زنا پر مجبور ہوں،

تو جیسے یہ حرام ہے کہ باندیوں کو زنا کے لئے کرایہ پر دیا جائے اور اس کی اجرت لینا حرام ہے اسی طرح دوسرے مال کو بھی حرام کام کے لئے کرایہ پر دینا اور اس کرایہ کو اپنے کام میں لانا حرام ہے۔ شراب پینے والے کو اپنی دکان کرایہ پر دینا یا اپنے مکان کو جوا کھیلنے کے لئے یا مندر بنانے کے لئے کرایہ پر دینا و علیٰ ہذا القیاس

ہوئے اس قول کی تقویت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے اپنے عمال و حکام کے نام لکھا تھا

ان امر امور کسر عندی الصلوة من حفظها وحافظ
عليها حفظا دينه و من ضيعها فهو لما سواها اضيع
مجھے تہا ہے سب کاموں میں زیادہ فکر نماز کی ہے جو شخص نماز کی
حفاظت کرے اور اس کی پابندی کرے وہ اپنے دین کو محفوظ کرے گا
اور جو نماز کو ضائع کرتا ہے وہ اس کے سوا اور دوسرے کاموں کو زیادہ
ضائع کرنے والا ہو گا۔

ان سب نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان پر اپنا اہل و عیال کا سفر نفقہ
بہا واجب نہیں بلکہ ان کے دین کی حفاظت بجا لازم ہے،
اس باب میں یعنی ان حقوق کے بارے میں جو مڑ پر اپنے اہل و عیال کے متعلق
واجب ہیں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اعمال خود مرد پر واجب ہیں ان پر اپنے اہل و عیال
کو عامل بنانا بھی واجب ہے اگر وہ بالغ ہوں تب تو وجوب اپنی حقیقت پر ہے بجز
ان اعمال کے جو شریعت نے ان سے ساقط کر دیئے ہیں جیسے جمود عورتوں اور
غلاموں سے ساقط ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں دیسمل شرعی کے ساتھ یہ مسئلہ
مذکور ہے اور اگر بالغ نہ ہوں تو وجوب حقیقی نہیں بلکہ بغیر ہے یعنی نابالغوں کو
احکام ضروریہ کی تعلیم دینا اور عادت ڈالنا واجب ہے مگر پابند بنانا واجب نہیں
بلکہ مستحب ہے اور جو اعمال خود مرد پر واجب نہیں بلکہ مستحب ہیں ان کا اہل و
عیال کو عامل بنانا بھی مستحب ہے مگر ان کو یہ بھی بتلادینا چاہیے کہ یہ اعمال
مستحب ہیں جیسا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا نماز میں صفوں کے برابر
کھڑے رہنے سے متعلق معمول تھا کہ اول خطبہ میں بیان کر دیتے تھے کہ صفوں کا برابر
کھڑا واجب بات میں سے نہیں (بلکہ حکومات صلوٰۃ ہے اور سنت ہے) پھر کہ
آدمیوں کو منیں برابر کرنے پر مقرر کرتے جو لوگوں کو اس پر مجبور کرتے تھے اور

حضرت خلفاء اس وقت تک نماز شروع نہ کرتے جب تک وہ لوگ اطلاع نہ دیتے کہ صفیں برابر ہو گئی ہیں، اس کے متعلق پوری تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ غرض اعمال مستحب میں بھی اہل و عیال سے مسامتہ نہ کرنا چاہئے۔

اب ہم تم کو بتاتے ہیں کہ حکام صرف فقہ اور کپڑا وغیرہ ہی میں فیصلہ کیوں کرتے ہیں جس سے لوگوں نے یہ سبب لیا کہ بس یہی چیزیں مرو کے ذمہ لازم ہیں۔ دین کی ادب باتوں میں فیصلہ کیوں نہیں کرتے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ حکام ان ہی حقوق کا فیصلہ کرتے ہیں جن کے متعلق ان کی فطری ممانعت کی وجہ سے ان کے حقوق کا ممانعت نہ کیا جاسکے گا ان کا فیصلہ نہ کریں گے، دیکھو اگر کسی شخص کے مقابلہ میں تمہارے پاس تین یا چار محبتیں ہوں، پھر تم ایک ہی محبت سے اس پر مطالبہ (قائم کردہ) تو حاکم ایک محبت ہی سے تمہارے حق میں فیصلہ کر دے گا اس کے ذمہ یہ لازم نہیں کہ بقیہ محبتوں سے جن کو تم نے ظاہر نہیں کیا نہ ان کا مطالبہ کیا تمہارے لئے فیصلہ نہ اسی طرح یہاں سمجھو کہ رعیت کے کچھ حقوق دینی بھی رہی کے ذمہ ہوتے ہیں جن کو وہ ادا نہیں کرتا مثلاً نماز کی پابندی کرنا، زکوٰۃ اور زہ کی تاکید کرنا، ان کے اخلاق و عادات کی اصلاح کا اہتمام کرنا، مگر ان حقوق کا ادا نہ کرنا رعیت کی خواہش نفس کے موافق ہے اس لئے وہ اس سے خوش ہے کہ دائمی نعمان حقوق کو ادا نہیں کیا تو وہ حکام کے سامنے بھی ان حقوق کا ذکر نہیں کرتے یا اس لئے کہ رعیت کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ ہمارے کچھ دینی حقوق بھی ہیں یا علم تو ہے مگر وہ اس سے خوش ہے کہ دائمی نے ان حقوق کو ادا نہیں کیا اور اس سے اعمال شرعیہ کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ بعض دفعہ ایسے دائمی سے محبت کی جاتی ہے کیونکہ وہ خواہش نفس کے موافق ہے اور دوسرے حقوق جو حفظ دنیا کی قبیل سے دائمی

کے ذمہ ہیں جیسے کھانا پکڑا وغیرہ ان کا چھوڑنا رعیت کو گوارا نہیں وہ
 راعی سے ان حقوق کو طلب کرتی ہے (جب وہ طلب کے بعد بھی توجہ نہ
 نہیں کرتا تو حکام کی طرف مراءفہ کی حاجت ہوتی ہے چنانچہ جب بکثرت
 ان حقوق کا مطالبہ اور مراءفہ ہونے لگا تو ان حقوق کا راعی کے ذمہ
 واجب ہونا مشہور و معلوم ہو گیا اور دوسرے حقوق یعنی حقوق دینیہ
 کے طالب بھی کم ہیں ان کے ادا کرنے والے بھی کم ہیں جاننے والے بھی
 کم ہیں تو وہ ایسے اد پرے ہو گئے کہ گویا ان کا بیان کرنے والا اور بتلانے
 والا دین میں کوئی بدعت ایجاد کر رہا ہے۔ فان الله وانا اليه راجعون دین
 میں کیسا رنج پیدا ہو گیا ہے کہ اس کے نشانات ہی بدل گئے اس پر عمل
 کرنے والے ہی جاتے رہے، معاملہ بیان تک مد سے بڑھ گیا کہ جب کسی
 کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے گھر والوں کو واجبات دین کا امر کر رہا یا دین کے معاملہ
 میں ان پر سختی کر رہا ہے تو اس کو دھمکایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ میں
 جانے بھی دو ابھی تو یہ بچہ ہے جب تمہاری عمر پر آئے گا خود عمل کرے گا۔
 اس کا یہ مطلب ہوا کہ دین دو ہیں، ایک بچوں کا دین، ایک بڑوں کا دین
 اللہ تعالیٰ سلف پر رحم فرمائے۔ ان کا یہ طرزِ امتحان کے یہاں بچوں اور بڑوں
 کا سب کا ایک ہی دین تھا۔

میسر ایک شیخ نے اپنے ایک شیخ کا واقعہ مجھ سے بیان کیا کہ وہ اپنے
 شاگرد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا چھوٹا بچہ مکتب سے آیا اور کہنے
 لگا کہ میں نے اپنی شفق یاد کر لی ہے اب میں بیٹا رہوں یا کھیل کو چلا
 جاؤں؟ شیخ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ بچہ نے بار بار اپنے سوال کا اعادہ
 کیا، مگر وہ خاموش ہی رہے، شاگرد نے عرض کیا کہ آپ بچہ سے کیوں نہیں
 کہہ دیتے کہ بڑا کھیلو، کیا بچوں کے لئے کھیل مشروع نہیں؟ یہ تو ان کی صحت
 کے لئے مفید ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ میسر نامہ اہمال میں

اذھب ذالعب (جاؤ کھیلو) کھا جائے، میں تو ایسا نہ کروں گا اور اگر وہ خود کھینے لگے گا تو اس کو منع بھی نہ کروں گا کیونکہ بچوں کے لئے بقدر ضرورت یہود و لعب کی اجازت ہے۔ سودیکھوسلف کے یہی تربیت کا کیا طریقہ تھا اعدائے اعمال میں اپنی باتوں کے درج ہونے پر وہ کیسی احتیاط کرتے تھے۔

یہ تو ان ائمہ کے متعلق کلام تھا جو دین میں مشروع ہیں اور جو امور نفس کے لئے مباح کر دیئے گئے ہیں تو ان کو اہل و عیال کی خاطر چھوڑ دینا مستحب منسوب ہے جب تک دین میں کوئی مضدد نہ پیدا ہو۔ اسی طرح جو معاملات (بین دین میل ملاپ کی قسم سے) ان کے درمیان باہم ہوا کرتے ہیں۔ ان میں بھی مستحب یہ ہے کہ ان معاملات کی ترویج دی جائے مگر سختی نہ کی جائے تاکہ ان کو مکرم اخلاق کی عادت ہو کہ یہ سنت ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعثت کا تم مکرم الاخلاق۔

جہاں اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اہل و عیال کے واسطے اپنے حظ نفس کو چھوڑ دینا مرد کے حق میں مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

المؤمن بیاکل بشهوة عیالہ
ومن اپنے گھروالوں کی خواہش سے کھایا کرتا ہے

یعنی جس چیز کو ان کا دل چاہتا ہے وہ کھاتا ہے اپنی خواہش کے موافق فرمائش نہیں کرتا پھر اگرچہ کسی وقت اس کو اختیار نہ ہو مگر گھروالوں کی خاطر سے کچھ کھا لیتا ہے تاکہ اس کے نہ کھانے سے وہ بھی کھانا نہ چھوڑ دیں تو دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل و عیال کی خاطر اپنی خواہش کے چھوڑ دینے کو کمال ایمان کی علامت بتایا ہے کیونکہ اگر وہ اپنی خواہش

بے کھایا کرے جب بھی ایمان سے تو خارج نہ ہوگا کہ یہ بھی فی نفسہ
 مباح ہے اور جس کام کا کرنا ایمان سے خارج نہ کرے اس کا چھوڑنا
 کمال ایمان ہوگا اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ فرمائی ہے کیونکہ کھانا جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی
 محنت سے اس بدن کی حیات موقوف رکھی ہے وہ ذات دن میں ہمیشہ کھور
 ہی جاتا ہے اور اپنی خواہش و رغبت کے ساتھ کھانا اطبار کے قول پر
 صلاح بدن کے لئے زیادہ مفید بھی ہے اور سنت نبویؐ نے بھی رعایت
 طلب کو بھڑکایا ہے حتیٰ کہ اطباء ذقین نے فرمایا ہے کہ جو کھانا بعض
 اوقات بدن کو مفسد ہوتا ہے وہ بھی اگر سچی رغبت سے کھایا جائے
 تو نقصان نہیں کرتا بایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل و عیال
 کی خاطر اپنے مرطب کھانے کو چھوڑ دینا ایمان کامل کی علامت قرار دیا ہے
 کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے دین کی صلاح کو صلاح بدن پر ترجیح دیتا
 ہے تو یہ اسی باب سے ہے جس پر ہم نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں اعلیٰ
 ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے کہ مومن کامل جب کھانے میں جو دنیا کی نعمتوں
 میں سب سے اعلیٰ ہے اہل و عیال کی رغبت کو مقدم کرتا ہے تو معمولی
 باتوں میں تو ضرور اس کا لحاظ کرے گا۔

لوریہ جو ہم نے شرط لگائی ہے کہ یہ رعایت اس وقت کی جائز
 ہے جبکہ اس سے دین کا ضرر نہ ہو اس کی مثال جہاد ہے کہ اگر مرد کو
 جہاد کی خواہش ہو اور اس کے ترک سے دین میں خلل کا اندیشہ ہو
 تو اگرچہ بیوی کو اس وقت رغبت نہ ہو پھر بھی مرد کو اپنی رغبت کو
 مقدم کرنا چاہیے۔ بیوی کی رغبت کا استنفاذ نہ کرنے اسی لئے شریعت
 نے نشوز زوجہ کے وقت جبکہ وہ اپنے بلاعذر شرعی جھگڑے سے انکار
 کرے نفقہ بند کرنے کی اجازت دی ہے حالانکہ نفقہ شوھر کے ذمہ

واجب ہے۔ جیسا اوپر گزر چکا نیز بیوی کے مانتے پیٹنے کی بھی اجازت دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاللَّائِي تَخَافُونَ فَتُوْرَھُنَّ فَعُظُوْھُنَّ وَاجْبُوْھُنَّ
فِي الْمُضَاجَعِ وَاعْرِضُوْھُنَّ نَافًا طَعْنُکُمْ فَلَا تَبْخُوْا
عَلیْھُنَّ۔ سبیلو

(ترجمہ) اور جن عورتوں کی طرف سے تم کو نفوز (نافسانی) کا خطرہ ہو (اول) ان کو نصیحت کرو اعد (پھر) ان کو خواب گاہ میں الگ کر دو اور اس پر بھی باز نہ آئیں تو ان کو مزائے فرما دو اس کے بعد اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو درم بھی ان کے موافق ہو جاؤ اور خواہ مخواہ ستانے کے لئے ان پر راستہ نہ ڈھونڈو۔

اس باب میں حدیثیں بھی بہت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جماع کے بارہ مہینہ موکو اپنا حق بیوی سے پوری طرح وصول کر لینا جائز ہے (خواہ اس کو رغبت ہو یا نہ ہو) کیونکہ ایسا نہ کرنے میں اس کے دین پر بڑے فساد کا خطرہ ہے تو یہاں بھی پہلی صورت کے مقابلہ میں اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے۔ تم شریعت کے اس عجیب نظام کو دیکھو جب تم اس میں خود کرو گے (حیث میں رہ جاؤ گے) کہ اگر دین میں خلل کا اندیشہ نہ ہو تو شریعت نے مسلمانوں کو اپنے حظ نفس کے چھوڑنے کی کسی ترغیب دی ہے کہ کھانے پینے میں اپنی رغبت کو اہل و عیال کی رغبت کے تابع کرنے کا حکم دیا، اور اگر کسی رغبت کے چھوڑنے سے دین میں خلل کا اندیشہ ہو تو اس کا پورا کرنا مستحب ہے بلکہ ضروری اور واجب ہو جاتا ہے کیونکہ جس چیز سے روکنا واجب کو ساقط کر دیتا ہو جیسا یہاں بیوی کا شوہر کو جماع سے روکنا نفی واجب کو ساقط کر دیتا ہے، تو اس کا حاصل کرنا

واجب ہے اور اگر اس کے حامل کرنے کے لئے منوع کو بھی جائز کر دیا جائے تو اس کی تحصیل اور زیادہ مؤکد ہو جاتی ہے (جیسا یہاں یہی مختصر ہے) کیونکہ مرد کا اپنی بیوی کو مارنا بدو ن نشوز کے منوع ہے مگر نشوز کے بعد مارنا جائز ہے تو رغبت جماع کو پورا کرنا بہت بڑی عبادت ہو گئی اسی پر (شریعت کے تمام نظام کو) قیاس کر لو۔

اس گفتگو سے یہ علمی مسئلہ بطور نتیجہ کے معلوم ہوا کہ دین اور صلاح دین اصل مقصود ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ تبعاً مقصود ہے بشرطیکہ اس سے دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور اس کا مآل ایسے مباح کی طرف بھی نہ ہو جس کا کرنا اور چھوڑنا برابر ہے (کیونکہ مباح کسی درجہ میں مقصود نہیں نہ اصلاً نہ تبعاً) اور یہی دلیل ہے طریق صوفیہ کے ترجیح کی کیونکہ ان کے طریق کی بنا ترک حطوط نفس اور تحمل اذیت اور ترک اذیت (مسلم) اور (مسلمانوں کا دل خوش کرنے پر ہے) اور ان احمد کا مباحات ہونا ظاہر ہے طریقی صوفیہ نہ مباحات میں تکثیر کرتے ہیں نہ ایسے اعمال کے پاس جلتے ہیں جن سے دین میں خلل کا اندیشہ ہوا ہے (اپنے نفس کے ساتھ تو ان کا معاملہ یہ ہے کہ اسکی خواہشوں کو پورا نہیں کرتے اور اس کو خوش کرنے کے لئے کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے اور دوسروں کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ ان کی اذیت کا تحمل کرتے اور ہر مسلمان کا دل خوش کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک صوفی کے متعلق منقول ہے کہ ان سے ایک شخص ملا اور دریافت کرنے لگا کہ آپ کس حال میں ہیں؟ فرمایا کہ مشغوش اور پریشان ہوں یا اور کوئی لفظ اسی کے معنی میں فرمایا۔ جب وہ چلا گیا تو حسد ام نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے یہ بات کیوں کہی؟ و بظاہر تو آپ پریشان معلوم نہیں ہوتے، فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ اس کو مجھ سے بعض ہے تو میں نے اس کا دل خوش کرنا چاہا مگر میں اپنی راحت کا اظہار

کہ اس کو خوشی نہ ہوتی، اسی وقت کوئی فقیہ صاحب تشریف لے گئے (انہوں نے یہ واقعہ سنا تو) کہنے لگے کہ کیا وہ بیات ہے تم نے جھوٹ بول کر اس کا دل خوش کیا یہ تو جائز نہ تھا۔ تم نے جس نیکی کا قصد کیا اس سے بدتر گناہ میں مبتلا ہو گئے۔

کسی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ بتلاؤ کیا یہ دونوں یعنی بزرگ صوفی ادا ان سے بغض رکھنے والا مسلمان نہیں ہیں؟ کہا بیشک مسلمان ہیں اس نے کہا پھر جب ایک مسلمان دوسرے سے ناحق بغض رکھے اور جس سے بغض کیا جاوے وہ سچا مسلمان ہے تو کیا اس کو اپنے بھائی مسلمان کی اس حالت سے رنج نہ ہوگا کہ ناحق بغض کی وجہ سے اس کا ایمان ناقص ہو رہا ہے۔ کیونکہ مومن کو اپنے بھائی مسلمان کی ہر اس حالت سے تکلیف پہنچتی ہے جو خود اس کو پیش آتی تو تکلیف ہوتی تو جیسا اس کو اپنے ایمان کے ناقص ہونے سے تشویش ہوتی ہے ایسے ہی اپنے بھائی کے نقص ایمان سے تکلیف ہوتی ہے پس جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب اس جواب میں کذب کہاں ہوا؟ بلکہ اس بزرگ نے اپنی حالت اور غلطی کی حالت کے موافق سچا جواب دیا ہے۔ یہ سب جو آلوں سے جواب بہتر ہے مگر اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو علم حال اور علم دہی دونوں سے حصہ ملا ہو ورنہ ایک میں مقلد ہوگا اور خواہ فقیہ کا مقلد ہو یا صوفی کا جو ختہ کا مقلد ہوگا صوفی کو برا کہے گا جو صوفی کا مقلد ہوگا فقیہ کو برا کہے گا اور جس کو فقہ ظاہر اور فقہ حال دونوں سے حصہ ملا ہوگا وہ کسی کا مقلد نہ ہوگا بلکہ محقق ہوگا اور کسی کو برا نہ کہے گا۔

ہم اسے اس قول کی کراہل مقصود دین ہے اس کے سوا جو کچھ ہے تبعاً مقصود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ سے بھی تائید ہوتی ہے کہ

لَنْ يُوَدَّبَ نَحْدَ وَلَدِهِ خَيْرَ لَهٗ مِنْ اَنْ يَتَصَدَّقَ

بِصَاعٍ مِنْ طَعَامٍ

کوئی شخص اپنی اولاد کو تادیب کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ
ایک صاع غلہ صدقہ کرے۔

کیونکہ اولاد کے ساتھ قلبی تعلق ہوتا ہے جیسا حدیث میں وارد ہے
الولد مفضلہ و محبۃ اولاد بخل اند بزدلی کا سبب ہے، یعنی ان دو
مذموم خصلتوں کے بڑھنے میں اولاد بڑا سبب ہے کیونکہ اس کی محبت مبالغہ
کے خرچ کرنے سے مانع ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرا بیٹا میرے مال کا
زیادہ مستحق ہے پھر غریبوں پر کیوں صدقہ کروں اور جب جہاد میں جاتا ہے
تو دل اولاد میں لگا رہتا ہے اور واپسی کا اشتاق ہوتا ہے جس سے بزدلی
اور جاگنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ غالب حالت یہی ہے اور حدیث
میں لوگوں کی غالب حالت ہی کو بتلایا گیا ہے رشاد و نادر ایسے شخص بھی
ہوتے ہیں جو اولاد کو امثر کے خوار کر کے میدان جہاد میں بے فکر ہو کر
جاتے ہیں جیسا حضرات صحابہ و تابعین کی حالت تائید سے معلوم ہو چکی ہے
اور مال سے بھی قلب کو تعلق ہوتا ہے مگر اولاد کے ساتھ تعلق زیادہ ہوتا
ہے اور جس بات سے اولاد کو تکلیف ہوتی ہے اس سے باپ کے دل کو تکلیف
ہوتی ہے۔ اسی لئے اولاد کی تادیب اور تنبیہ جس سے اس کے دل کو
تکلیف پہنچے ہے ایک صاع صدقہ سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ نفس پر زیادہ
شاق ہے (صدقہ اتنا شاق نہیں) بیاں شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا
ہو کہ ایک صاع کی تحمید سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر ایک صاع سے زیادہ
صدقہ کرے تو وہ تادیب اولاد سے کمتر نہ ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر ہوگا۔

تو اگر کوئی اپنی اولاد کو تادیب و تنبیہ نہ کرے بلکہ دوسرا غلہ خیر سے
 کر دیا کرے تو یہ زیادہ بہتر ہو گا۔ جواب یہ ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں
 کہ فلکی مقدار بڑھا کر تادیب اولاد کو کم کر سکتا ہے بلکہ مقصود تغافل اعمال
 کا بیان ہے کہ اولاد کی ادنیٰ تنبیہ و تادیب صدقہ کی ادنیٰ مقدار سے بڑھ
 کہے کیوں۔ بچوں کو شادی سزا محولی طریقہ سے جوتی ہے جیسے ایک تازیانہ
 یا کان مل دینا یا ایک طمانچہ اور کفارات مشروعہ کی ادنیٰ مقدار ایک حد
 چنانچہ حدیث میں ہے من کل مسکین پس (حاصل یہ ہوا کہ) اولاد
 کی تادیب تنبیہ کا ادنیٰ درجہ صدقہ مشروعہ کے ادنیٰ درجے سے بڑھا ہوا
 ہے اور شریعت نے صدقہ کی ادنیٰ مقدار جو مقرر کی ہے اس سے انسان کو پوری
 راحت حاصل ہو جاتی ہے یعنی وہ اتنی مقدار ہے جس سے عام طور پر ہر شخص
 کا پیٹ بھر جاتا ہے اور جب انسان کا پیٹ بھر جائے تو اس کی تمام خواہشیں
 اور ساری منفعتیں اور سب قوتیں مجتمع ہو جاتی ہیں اب وہ پوری طرح اپنے
 مقاصد کے حاصل کرنے پر قادر ہو جاتا ہے تو گویا کسی کا پیٹ بھر دینا اس کو
 زندہ کر دینا ہے اور (موتے ہوئے آدمی کو) زندہ کرنا جیسا قیمتی کام ہے شرعاً چلنا
 معلوم ہے، پس شریعت نے اس ادنیٰ تکلیف کو جو اولاد کی تادیب شادی
 سے (باپ کے دل کو) ہوتی ہے۔ سب سے بڑے عمل یعنی احیاء نفس سے بھی بلند
 قرار دیا ہے کیونکہ یہ نفس پر زیادہ شاق ہے صدقہ میں اس قدر تکلیف دل کو
 نہیں پہنچتی جیسی اولاد کو سزا دینے میں پہنچتی ہے اس تقریر سے یہ مسئلہ
 بھی معلوم ہو گیا کہ علوم میں سب سے افضل احکام الہی میں اسرار حکمت
 کو سمجھنا ہے کیونکہ اس سے ایمان قوی ہوتا ہے اور اس سے نفس کے مقابلہ

۱۰۲ حد و حاج کا چوتھا حصہ اور کفارات کی ادنیٰ مقدار ایک حد ہونا مالکیہ یا مذہب

حنفیہ کے نزدیک حد و حاج ادنیٰ مقدار ہے ۱۰۲

میں مدد ملتی ہے اس کی تائید حق تعالیٰ کے اس امثالہ سے ہوتی ہے۔

ومن احسن من الله حكما لقوم يوقنون

مگر سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

کیونکہ غالب احوال میں یتیم مسکین نظر اور فہم اور تدبر سے حال ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یقین حاصل کرو کیونکہ میں بھی اس کو حاصل کرتا ہوں۔

نیز باپ پر واجب ہے کہ اولاد کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جس سے ان کو باپ کے حقوق واجبہ ادا کرنے میں مدد ملے جس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی حاضر ہوئے جنہوں نے اپنے ایک بیٹے کو کوئی چیز حب کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بہ پر گواہ کرنا چاہتے تھے تو حضور نے ان سے پوچھا۔ اس بیٹے کے سوا تنہا ہے اور بھی اولاد ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا کیا تم نے اس سب کو بھی اس کے برابر دیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری خدمت گزاری میں سب کے سب برابر ہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا تو پھر تم بھی ان کے درمیان برابری کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ میں غور کرو

اتقوا ان يكون لولاك في البر مساواة

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری خدمت گزاری میں سب کے سب برابر ہوں؟

اس جملہ میں اس امر پر تعریف ہے کہ تمہارا فعل تو اس مطلوب کا منافی ہے جب تم اولاد سے خدمت گزاری میں مساوات کے طالب ہو تو خود مساوات کیوں نہیں کرتے تم کو بھی ان کے ساتھ مساوات فعل کا بتاؤ کنا چاہیے؟ غرض اس حدیث میں باپ کو توحید دی گئی ہے کہ اولاد کی

اسی کی تطبیق واقعہ ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک رات کچھ رہے تھے بعض درباری ہی آپ کے پاس تھے کہ چراغ کا تیل ختم ہو گیا اور کھنے کا کام باقی تھا آپ کا غلام اس وقت سو گیا تھا۔ ایک درباری نے عرض کیا کہ غلام کو جگا دیا جائے تاکہ چراغ میں تیل ڈال دے فرمایا نہیں وہ ابھی سویا ہے کچھ نہیں جگا دینے سے اس کو تکلیف ہوگی اس کے بعد آپ خود اٹھے اور چراغ میں تیل ڈالا اور اپنی جگہ واپس آکر پھر کھنے لگے اور فرمایا کہ جب میں تیل ڈالنے کو اٹھا تھا اس وقت بھی عرض لوٹ کر آیا تو اب بھی مری ہوں دتیل ڈالنے کے لئے اٹھنے سے میں کچھ بدل نہیں گیا، اگر ہم اس قسم کے واقعات کا سلسلہ صالحین کی تاریخ میں متبع کریں تو بہت واقعات ملیں گے مگر سمجھنے والے کے لئے یہ صاف بھی بہت ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا

عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار اور نگہبان ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔

اس فصاحت و ابجاز کلام میں تو غور کر دیکھا واضح اور مقصود کو پوری طرح ادا کرنے والا ہے۔ کیونکہ عورت کو شوہر کے ان ہی حالات و معاملات سے سابقہ پڑتا ہے جو گھر کے اندر ہوتے ہیں تو اس کو گھر سے باہر کے حالات کا ملکوت نہیں کیا گیا کیونکہ ان ملک اس کی پوری دسترس نہیں ہوتی۔ اس جہد میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عورت کو گھر کے اندر پردہ میں رہنا چاہیے اگر عورتوں کے لئے مردوں کی طرح بے پردہ باہر چرنا جائز ہوتا تو ان کی ذمہ داری کو گھر کے ساتھ خاص نہ کیا جاتا اور گھر کے اندر جو امور عورت کے ذمہ واجب ہیں ان کی تفصیل وہ سری حدیثوں میں مذکور ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس ترتیب عجیب میں بھی غور کرو چونکہ غلام دستور عام کے مطابق آٹلے مال کے ہوا اور کسی چیز میں تصرف کا مالک نہیں نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے، نہ سنوار سکتا ہے اس لئے کہا گیا کہ اس سے متعلق مال کے باز پرس ہوگی کیونکہ غالب یہی ہے کہ مال غلام کی امانت و حفاظت میں رکھا جاتا ہے اگر اس کے ہوا کوئی اور چیز بھی اس کی ذمہ داری میں دی گئی ہو تو اس میں بھی حق امانت ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ لوگوں کی عام عادت پر مبنی ہیں۔ اسی طرح بیوی کے بارے میں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر شوہر نے امور خانہ داری کے علاوہ کسی اور تصرف کا بھی اس کو مالک کر دیا ہو تو اس کے ذمہ اس کی حفاظت بھی لازم ہے کہ پوری طرح حق امانت ادا کرے یہاں تک کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عورت کے ذمہ لازم ہے کہ شوہر کو گھر کی ہر زیادتی کی سے باز رکھ کر دے کیونکہ شوہر سے شریعت کا مطالبہ ہے کہ گھروالوں کی اچھی طرح نگہداشت کرے تو جب عورت اس کو تمام کلیات و جزئیات سے خبردار کرتی ہے گی اسی کے موافق اس کی طرف سے نگہداشت ہوگی جس کا نفع سب کو پہنچے گا اور اس طرح شوہر کو ان کے حقوق کی ہوائیگی میں آسانی ہے گی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

والرجل راعی حال ابیہ

اور مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے

رجل یعنی مرد کا اطلاق بائخ پر بھی ہوتا ہے نابائخ پر نہیں ہوتا اور تو یہی بھی بائخ ہی مرد ہے کیونکہ بائخ ہی احکام کا مکلف ہوتا ہے اسی وقت اس سے سوال اور باز پرس کا موقع ہوتا ہے نابائخ سے باز پرس نہیں ہوتی کیونکہ مکلف نہیں دوسرے خود ہی ماں کی پٹہ ریش اور ذمہ داری میں ہوتا ہے یا جس کے حوالہ باپ نے کر دیا ہو تو اس وقت دوسروں سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔ بہر حال بائخ لڑکے پر واجب ہے کہ اپنے باپ کے مال کی

حفاظت کرے اور بدون اجازت کے اس میں سے کچھ نہ لے اس عجیب تنبیہ پر غور کرو کیونکہ بیٹے کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ باپ کا مال تو ایک دن میسر ہی پاس آجوالا ہے تو اس کے بارہ میں میسر اور وہ مرنے کا حکم کیا نہیں ہے بلکہ بچے باپ کے مال میں تصرف کا حق ہے تو شارع علیہ اسلام نے تنبیہ فرمادی کہ اس وقت یعنی جب تک باپ زندہ ہے وہ چیزوں ہی کے مثل ہے اس کو اسی طرح تصرف جائز ہے جس طرح غنیمتوں کو جائز ہے کہ باجائز کچھ نہیں لے سکتا اگرچہ یہ مال بعد میں بیٹے ہی کا ہو جائے گا مگر بعد کی خبر سے ہے کیا عجب ہے کہ بیٹا ہی باپ کے سامنے فوت ہو جائے اور اس نے اگر بیٹا باپ کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا ہے اگر اس میں کچھ تفصیل مذکور ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے اور باپ اگر بیٹے کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ کسی حال میں نہ کاٹ جائیگا کیونکہ بیٹے کا باپ کے مال میں اس وقت کچھ حق نہیں بجز مقدار نفقہ کے جو اس کے لئے مقرّر کر دیا گیا ہو بشرطیکہ باپ کے ذمہ اس کا نفقہ اس وقت واجب ہو ورنہ بالغ ہونے کے بعد باپ کے ذمہ اولاد کا نفقہ واجب نہیں مگر یہ کہ وہ اپنا بچ ہو گا کے قابل نہ ہو وغیرہ وغیرہ اور مال کا لفظ تمام اموال کو شامل ہے جن کو عرفاً مال سمجھا جاتا ہے۔ نقد اور چاندی سونے کے ساتھ خاص نہیں ہیں اولاد کو باپ کے تمام اموال کی حفاظت لازم ہے۔ کسی مال میں بھی بدعت اہانت کے تصرف نہ کرنا چاہئے اور ان سب کے لئے جی پیٹ اور خادم اور زوجہ کے لئے مستحب ہے کہ ان کاموں کے اندر بھی جون کے ذمہ لازم نہیں مگر کی مدد کریں اسکی راحت کا اہتمام کریں اور جو مصالح ان کو معلوم ہوں ان پر ادب اور تیسرے کے ساتھ اس کو متنبہ کریں کیونکہ غالب حالت یہ ہے کہ گھر کی چیزوں کو زیادہ تریبی برتتے اور استعمال کرتے ہیں تو ان جزئیات کا جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہیں ان کو بہ زیادہ علم ہو سکتا ہے اور ان پر

جو مصالح مرتب ہوتی ہیں ان کو بھی یہی ذیلہ جانتے ہیں اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر گھر کو اپنا گھر سمجھیں جس طرح اپنے گھر کی ضروریات اور مصالح پر نظر ہوتی ہے اسی طرح باپ اور شوہر اور مالک کے گھر کی ضروریات اور مصالح پر نظر کرنا چاہیے کیونکہ امانت کی حقیقت یہی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

حتیٰ یحب لأخیه المؤمن ما یحب لنفسه
کوئی شخص مومن کامل نہ ہو گا جب تک اپنے جائی مسلمان کو کچھ
وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے ۔

ظہور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اجانب کے متعلق ہے تو یہ اقدار
بدخا اہل اس کے غلبہ میں ۔

اس جو ایک صوفیاء محقق کو بھی ہے ، وہ یہ کہ بندے سب کے حقیقت
میں امانت دار ہیں اور مال سب کے بڑے مولیٰ حق تعالیٰ شاذ کا ہے ۔ پس
اپنے نفس کی نگہداشت کرو کہ دعویٰ نہ کرنے پائے اور امانت کو پورا طرح
ادا کرتا ہے ، جنگل کے اوصاف سے متصف ہو ، بوبیت کے اوصاف
سے متصف نہ ہو کہ نرے دعوے سے اپنی ملک ثابت کرنے لگو حالانکہ
در حقیقت

مالک ہر شے حقدار است این امانت چند روزہ نزد است
پس حقیقت کو فراموش کر کے ملک مجازی پر مغرور ہونا اور دعوے
ملک سے تجر میں مبتلا ہو جانا عاقل کا کام نہیں ۔ یہیں سے سعید بنہے
جو سعید بنا اور بد بخت بنا ہے جو بد بخت بنا جنہوں نے اللہ کو مالک مجا
ہے اپنے کو امین وہ سعید ہو گئے اور جنہوں نے خدا کی ملکیت کو ذہن
سے نکال دیا اپنے کو مالک سمجھ بیٹھے وہ بد بخت ہو گئے ، بخل کا بڑا
سبب یہی ہے کہ انسان مال کو اپنا ملوک اور خدا کے احکام کو ایک قسم

کاتوان اور بارگھتا ہے اسی لئے زکوٰۃ اور حج میں روپیہ ختم کرتے ہوئے جان نکلتی ہے اگر دل میں یہ بات اچھی طرح داسخی ہو جائے کہ مال و متاع جو کچھ ہمارے پاس ہے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ہے جس کے ہم محافظ و امین بن گئے ہیں تاکہ حکم الہی کے موافق اس کو خرچ کریں تو واجبات شرعیہ میں مال خرچ کرتے ہوئے دل میں تنگی کے بجائے بشارت و فرحت پیدا ہوگی اور حظوظ نفس میں خرچ کرتے ہوئے دل تنگ ہوگا کہ نہ معلوم یہ خرچ مالک کو پسند ہے یا نہیں۔

ایک بزرگ اپنی اولاد سے فرمایا کرتے تھے کہ تم ایک کام کر لو تو کامیاب ہو جاؤ ان کا وہ بہت تھا اس لئے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اسکی تحصیل حیثیت کریں کئی دن تک بار بار وہ اسی بات کو دہراتے رہے اس سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ یہاں تک کہ ایک نے جرات کر کے دریافت کیا کہ وہ کونسا کام ہے؟ فرمایا بنگلہ کے طریق میں داخل ہجاؤ جس تم کو سب سے بڑی کامیابی حاصل ہو جائیگی۔ کہا گیا بزدلی کا خلیق کیلئے؟ فرمایا دعویٰ اہل اغراض کو ترک کر دینا اور پوری طرح حکم کو تسلیم کرنا اور بجالانا، واقعی انہوں نے بہت اچھی تعلیم دی تھی مگر غفلتوں میں بہت بڑا ظلم ظاہر کیا اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنا سچا بندہ بنائے۔ بمنہ ناب سواہ قولی اور ابو الثالث والرجل راع فی امر مسئول من رعبہ الی قولی الوجہ الخ نس جعلنا اللہ عبید الرحمن بمنہ ناب سواہ۔

فہم اس حدیث کی شرح سے معلوم ہوا ہوگا کہ حسن معاشرت ہی دین کا بڑا جزو ہے جس کی طرف اس حدیث میں متوجہ کیا گیا ہے افسوس ہے کہ اسکی طرف آج کل بہت کم توجہ دی جاتی ہے عام طور پر حسن معاشرت کو دین سے خارج سمجھا جاتاہے اور تصوف کے لوگ اس کا کچھ تعلق ہی نہیں مانا جاتا کہ چنانچہ اہل تصوف سے منسوب اس کو سمجھا جاتاہے جس کو نہ بیوی سے تنق ہو نہ بچوں سے نہ باپ ماں کی پرواہ ہونا عروہ القہر کی مدد کو حدیث میں ہر شخص کو ذر ذرہ انجمن قرآن دیا گیا ہے جس کے ذمہ

اپنے متعلقین کے حقوق کی نگہداشت فرض ہے اور ان حقوق کی نگہداشت ہی حقیقت میں اصل تصوف ہے، کیونکہ یہ سب حقوق اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اللہ کے حقوق کا ادا کرنا ہی تصوف ہے۔ خدا کا حق دستور عبادات ہی پر منحصر نہیں بلکہ انسان کے تمام احوال و مشغولیات پر عاوی ہے اگر کوئی محض عبادت اور ذکر کا حق ادا کرے اور ان حقوق کو ادا نہ کرے جو بیوی بچوں باپ ماں بھائی بہنوں اور قرابت داروں پر ہو تو وہ اللہ کے حق تعالیٰ نے واجب کئے ہیں تو یقیناً اس کو صوفی نہ کہ جائے گا اگر کسی کو ان حقوق کے ادا کی ہمت نہ ہو اسے نکاح نہ کرنا چاہیے، بستی میں رہنا ہی نہ چاہیے، سبک داری کسی پہننا یا جنگل میں رہنا چاہیے بشرطیکہ والدین اس طرح دوسرے قرابت داروں میں سے کسی کا نفقہ اس کے ذمہ مشغول واجب ہو یا واجب ہو اور اس نے ان کو بعد نفقہ جائداد وغیرہ دیدی ہو یا انہوں نے اپنے حق سے اس کو سبکدوش کر دیا ہو کیونکہ عزت و غلوت ہی خیر شخص کو جائز نہیں مفسد اسی کو جائز ہے جس کے ذمہ ان حقوق کے حقوق واجب ہوں خوب سمجھ لو۔

کو ہمسنین کے لئے سراپا رحمت بنا کر عیب ہے چنانچہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بالٹومنین رؤف رحیم کہ آپ مؤمنین پر بہت شفقت کرنے والے بڑے مہربان ہیں تو جس چیز میں مسلمانوں کو فدا بھی اذیت اور تشویش ہوتی تھی آپ اس کو زائل کر دیا کرتے تھے چونکہ سخت سردی سے ان کو تکلیف ہوتی تھی خصوصاً اصحاب صفہ کو کیونکہ ان کی اور ان کے سوا دوسرے اصحاب میں سے ہی بعض کی خاص حالت یہ تھی کہ ان کے پاس کپڑے کم تھے تو آپ جمعہ اور ظہر کی نماز سویرے پڑھتے تھے کہ دیر سے پڑھنے میں ان کو مرگلا سے تکلیف ہوتی تھی اور سسڑی کا نذر بہت سخت ہے جیسا دوپہر کی گرمی کا نذر بھی سخت ہے اسی لئے گرمی میں آپ اس نماز کو دیر سے پڑھتے تھے، کیونکہ گرمی سے بھی بہت تکلیف ہوتی ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جس چیز سے انسان کو نماز میں تشویش و پریشانی ہو اس کو زائل کر دینا چاہیے کہ اس سے نماز اچھو طرح ادا ہوتی ہے۔ تشویش کے ساتھ نہ خشوع ہو سکتا ہے نہ حضور قلب۔

عبادت میں خشوع اور حضور قلب سب سے بڑا مطلوب

اور نماز میں نمازی سے جن امور کا مطالبہ کیا گیا ہے ان میں یہی دو چیزیں سب سے بڑی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لَا يَصْلِي لِحَدِّ كَعْرٍ وَهُوَ يَدْفَعُ الْاَخْبِثِينَ

کوئی شخص اس حالت میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب یا پاخانہ کو دبا دیتا ہو۔

کیونکہ اس حالت میں خشوع اور حضور قلب نصیب نہ ہو گا۔ ساری توجہ پیشاب یا پاخانہ کے دبانے میں منفر ہوگی۔

تولہ فی الوجہ الثانی مناقشت وهو ما الحکمة فی التکبیر بها
الی قولہ فی الوجہ الثالث لا یصل لحدکم وهو ینفع الازغبین

(۱۹۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع جملہ امور میں

کیا جگہ عبادات میں بھی عبادات میں بھی

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین میں
اپنی رائے اور فہم سے بھی بعض امور مشروع کرتے تھے اور اس پر بھی امت
کو اسی طرح عمل کرنا واجب تھا جیسا وہی ظاہر پر یہ اس سے سمجھا گیا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز کو مقدم نہیں ہے کبھی مؤخر اور
یہ نہیں بتلایا کہ آپ نے وحی نازل ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہے عبادت کو
آپ جب کوئی کام یا کوئی امر وحی سے کرتے تھے تو پہلے اس کی خبر لے دیا کرتے
تھے کہ مجھ پر اس معاملہ میں یہ وحی نازل ہوئی ہے۔ اس میں ان لوگوں کی
وسیل ہے جو قول خداوندی محکم بین الناس بما اذاک اللہ کی تفسیر میں
فرماتے ہیں کہ رما اذاک اللہ کے علوم میں وہ تمام امور مراد ہیں جو آپ کے
دل میں بطور مضاف کے آتے یا آپ ان کو مصلحت سمجھتے۔ اگرچہ ان کے متعلق
وحی نازل نہ ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے طور پر جو کچھ
بھی کرتے تھے وہ سب وحی کے قبیل سے ہے خواہ بواسطہ ہو کہ فرشتہ
اس حکم کو لے کر آیا ہو یا وحی الہام کے ذریعہ بلا واسطہ ہو۔

اسی لئے اہل

اتباع سنت ہی افضل اعمال ہے توفیق وال

تحقیق کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت افضل اعمال ہے اور
یہی تحکم خداوندی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس

ارشاد ہے جوتی ہے ۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله
فرما دیجئے کہ اے لوگو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو یا محبت الہی
کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو اور اللہ تم سے
محبت کریں گے ۔

اس میں مطلقاً اتباع کا حکم ہے یہ نہیں کہا گیا کہ جن امور کے متعلق مراحتہ
وحی نازل ہوئی ہو ان میں ہی میرا اتباع کرو پس حضور کی سنت کا اتباع
ہر حال میں موجب قسرت اور سبب محبوبیت ہے خواہ آپؐ وحی کے بعد عمل
کیا ہو یا اپنی رائے سے عمل کیا ہو کیونکہ آپ کی رائے ہی اللہ تعالیٰ کی تقریر
کے بعد وحی میں داخل ہے ۔

قوله الوجه الخامس فيه دليل على ان سيدنا صلى الله عليه وسلم
سلم يشرع من الامور في الدين الى قوله قل ان
كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله

فے کسی نے ہمارے اکابر میں ایک بزرگ سے جن کا نام یاد نہیں رہا سوال
کیا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے سلسلہ میں ذکرین
شاغلین کو جلدی کامیابی کیوں جوتی ہے ۔ وہ ذکر سلسلہ والوں کو اتنی جلدی
کامیابی نہیں جوتی فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ
میں اتباع سنت کا اہتمام زیادہ ہے اور اتباع سنت کا فائدہ ہے کہ اس
سے جذب الہی جلد ہوتا ہے اور کیونکہ متبع سنت محبوب حق بن جاتا ہے جیسا
ارشاد ہے قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله اور محبت کے لئے جذب
لازم ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جذب کیا جاتا ہے اور نسبت باطن
اسی قدر جلد حاصل جوتی ہے جس قدر جلد جذب غیبی عطا ہو جائے اور یہ

بھی کافی ہو جاتا ہے اور بدون اتباع سنت کے بڑے بڑے مجاہد سے بھی بیکار ہو جاتے ہیں خوب سمجھ لو۔

ہم نے اپنا کارکردگی دکھایا ہے کہ بعض کو انہوں نے مندرجہ ذیل تفسیر کی تعلیم دی بعض کو مندرجہ ذیل سو بار لا الہ الا اللہ اور دو ہزار مرتبہ اللہ اللہ کی تعلیم دی بعض کو مندرجہ پانچ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر بتلایا اور بعد اللہ اسی عمل تھلیل سے یہ لوگ کامیاب اور جلد نسبت مع اللہ کی دولت سے مالا مال ہو گئے کیونکہ ذکر کے ساتھ ان کو اتباع سنت کی بھی تعلیم دی جاتی ہے کہ جو اہل استغفار اور نماز کے تمام آداب سنت کے موافق بجا لائیں نشست و برخاست بیداری اور نیند میں ادویہ ماثورہ کی پابندی کریں جو اوقات منقطع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مسلمانوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئیں ہر مسلمان کی عزت و حرمت کو اپنی عزت و حرمت سے زیادہ سمجھیں دل آزادی اور دل شکنی سے پرہیز کریں جملہ اہل حقوق کے حقوق ادا کریں اور جو ادا نہ ہو سکیں ان سے معافی طلب کریں نماز روزہ وغیرہ اور جو واجبات و فرائض قضا ہو گئے ہیں ان کو ادا کریں کسی کا قرض ادا کیا ہو اس کو جلد ادا کریں وغیرہ وغیرہ نماز یا جماعت ادا کریں اس کا اہتمام کریں کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہونے پائے، اگر کبھی عذر کی وجہ سے مسجد میں نہ جاسکیں تو گھر پر گھر والوں کے ساتھ ہی جماعت سے نماز پڑھیں اسی طرح جملہ اعمال میں اتباع سنت کا پورا اہتمام کیا جائے تا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اتباع سنت کے اہتمام کی وجہ سے اس شخص کو دوام ذکر کی توفیق ہو جاتی پھر وقت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دل میں تازہ رہتی اور یہی دامن رہتی ہے کہ اس وقت ادا اس حالت کے متعلق آپ کی سنت کیا ہے؟ جب اس طرح ذکر رسول دل پر غالب ہو گیا تو محبت رسول کا بھی دل پر غلبہ ہوتا ہے اور محبت رسول کا وسیلہ محبت و معشیت الہیہ ہونا ظاہر ہے، اس کے بعد فقوڑا سا ذکر

نئی اثبات اور ذکر اسم ذات بھی حصول نسبت مع اللہ کے لئے کافی ہو جاتا ہے جس کے ساتھ کسی ذکر پاس انھاس کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے، کسی ذکر قلبی بتلایا جاتا ہے کسی کوئی مراقبہ حسب حال تجویز کرو دیا جاتا ہے زیادہ عبادات دیا ضات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حدیث میں اکی (۱۹۹) نماز میں فراغ قلب مطلوب بھی دین ہے کہ نماز میں دل کا یکسو اور فاسخ کرنا مطلوب ہے کیونکہ وہ اللہ عز و جل کا گھر ہے۔ یہ اضافت تشریفیاسی ہے جیسا کعبہ کو بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہیں مطلب یہ ہے کہ مومن کا دل اللہ کے افراد و تجلیات کا محل ہے۔ یہ اس سے مفہم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری اور گرمی کی شدت کا لحاظ فرماتے تھے جو عینا دل تک بھی پہنچتی اور اس میں تشویش پیدا کرتی ہے۔ یاں تک کہ آدمی اس میں مشغول ہو کر اس کام سے رہ جاتا ہے جس کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح جو چیز بھی مشغول اور مشوش کرنے والی ہو خواہ کسی قسم کی ہوا کی ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہئے۔

دنیا سے زیادہ موجب تشویش کوئی چیز نہیں اسی لئے اہل توفیق تو دنیا ہی سے الگ ہو گئے قیامت تو اس سے زیادہ موجب تشویش کوئی چیز نہیں اسی وجہ سے انہوں نے نفسانی خواہشوں اور مناسب حکومت کی طلب کو بھی بالائے طاق رکھ دیا کیونکہ یہ بھی بڑی تشویش کا باعث ہیں۔

اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَرَّبُوا الصَّلَاةَ وَأَنفِقُوا

لے ایمان والو! تم نماز کے قسٹ مت جاؤ اس حالت میں کہ تم نشہ سے مست ہو۔

اہل توفیق نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے سکاڑی من حب الدنيا کہ جب دنیا کے نشہ سے مست ہو کر نماز کے قریب نہ جاؤ۔ بلکہ اس نثر کو دور کر کے نماز شروع کرو۔

اور یہ تفسیر بطور علم اعتبار اور تفسیر بالرائے میں فرق علم اعتبار کے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کے مدلول حقیقی کے ساتھ بطور قیاس کے دوسری چیز کو بھی شامل کیجاتا ہے چنانچہ یہاں مدلول حقیقی تو یہ ہے کہ شراب کے نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھنا چاہیے اہل توفیق نے جب دنیا کے نشہ کو بھی مدلول حقیقی کے ساتھ قیاساً شامل کر دیا کیونکہ یہ نشہ بھی نماز میں حضور قلب سے مانع ہے جیسا شراب کا نشہ مانع ہے پس موفی کا علم اعتبار زیادہ اور بالہنیہ کی تفسیر بالرائے سے بالکل جاسا کیونکہ وہ لوگ تو قرآن کے مدلول حقیقی کی نفی کر کے دوسرے مدلول اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں اور یہ سرسبز قرآن کی تحفہ ہے جو حرام اور قرب بکفر ہے اور موفیہ مدلول حقیقی کی نفی نہیں کرتے بلکہ اس کو باقی رکھ کر دوسرے اشیاء کو قیاساً اس کے ساتھ شامل کرتے ہیں جیسا فقہاء قیاس سے اصل قرآنی کے ساتھ بہت سی فروع کو ملٹی کیا کرتے ہیں۔ خوب سمجھ لو۔

قوله الوجه السادس فيه دليل على ان المعطوف على الصلوة

اخلاء القلب الى قوله سكاڑى من حب الدنيا.

(۱۰) تشویش قلیل کی پرواہ نہ کی جائے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

تشویش قلیل ہو تو اس کی پرفاہ نہ کی جائیگی کیونکہ اس سے بجز خواص کے کون بچا ہوا ہے اور خواص تو تھوٹے ہی ہیں۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابی نے سب سے زیادہ گرمی کو شدت سے موصوف کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ گرمی کی شدت میں نماز کو مقدم یا ٹوٹ کر کہتے تھے غرض کہ گرمی یا سرجی میں ایسا نہ کہتے تھے تو جب گرمی یا سرجی زیادہ نہ ہو بلکہ قلیل ہو اس وقت بھی کچھ تکلیف تو ضرور ہوتی ہے کیونکہ طبیعت بشریت کمزور ہی بنائی گئی ہے اور کمزور پر قدرتی طور سے ہر چیز کا اثر ہوتا ہے مگر قدر قلیل تکلیف یا تاثر کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اسی لئے ہمارے فرمایا ہے کہ اگر چشام پاختہ کا دباؤ تھوڑا ہو جس سے خشوع و خضوع نہ ہو تو نماز بلا کثرت جائز ہے۔

قوله الوجه السابع فيه دليل على انه اذا كان

التشويش يسيرا لاسباب الى به الى قوله فالصلوة جائزة

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو ذکر و شغل کے لئے دل کی پوری یکسوئی کے طالب نہ کہتے ہیں اور جب تک پوری یکسوئی حاصل نہ ہو ذکر و شغل ہی کو ترک کئے دیتے ہیں ان کو سمجھنا چاہیے کہ پوری یکسوئی بجز خواص کے کسی کو حاصل نہیں ہوتی تھوڑی بہت پریشانی ہر شخص کو دہا کرتی ہے اس کے دفع کا انتظار کرنا احساس انتظار میں کام کو موقوف رکھنا علم کو ضائع و برباد کرنا ہے بلکہ فراغ قلب کا صحیح راستہ یہ ہے کہ پریشانی کی حالت ہی میں ذکر و نماز و اعمال و طاعات میں مشغول ہو جائے اس کی برکت ہی سے جلد فراغ قلب حاصل ہو جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں

گر گریزی بر لبید راجتے ہم ازل جا پیشت آید آفتے
یہی کہنہ ہے دو دہے جا نیت جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

(۱۰۱) مصلحت عامہ کی رعایت مصلحت خاصہ مفت ہے

حدیث سے مصلحت عامہ کی رعایت کا امر بھی معلوم ہوا کہ کوئی یہ گمراہی والا فرد کی شدت کا لحاظ اسی لئے کیا گیا کہ بعض لوگ اس کلفت کا تحمل نہیں کر سکتے یا کم کر سکتے ہیں ورنہ بالیقین بعض ایسے بھی ہیں جو اس کا تحمل کر سکتے ہیں بلکہ اس سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ اس میں ان کو ثواب ملتا ہے کہ عبادت میں ثواب بقدر تعب ہی کے ہوتا ہے اور تعب اس لئے ثواب ملتا ہے کہ تعب کے ساتھ عبادت کرنا مجاہدہ ہے۔ اسی لئے بعض متعبدین گمراہی کے زمانہ میں اپنی نماز کا معمول گھر کے اندر ادا کرتے ہیں اور بھاٹے میں گھر کی چھت پر تاکہ مجاہدہ کا ثواب ملے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا
اور جو لوگ ہمکے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستوں
کی ہدایت کر دیتے ہیں۔

اس پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواص کی رعایت نہیں کی بلکہ عام لوگوں کی رعایت کر کے سب کو ایک ہی طریق پر چلایا اور بعض کا ثواب اس لئے کم کر دیا کہ وہ سبوں کی نماز ہی اس تشویش کی وجہ سے نہ ہوتی جو گمراہی یا تسڑی کی شدت سے ان کو پہنچتا یا ان کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو جاتا جو بہت سی نمازوں کی جماعت میں آنے سے مانع ہو جاتا۔ مگر مصلحت عامہ کی رعایت میں یہ شرط ہے کہ دو فریق میں سے ایک کی رعایت کرنے سے دوسرے فریق کے دین میں غلط واقع نہ ہو چنانچہ یہاں ایسا ہی ہے کہ ایک فریق کے زیادہ ثواب کو اس وقت کم کیا گیا جبکہ اس کا فرض پورا طریق ادا ہو گیا۔ ایک کی

ہدایت سے دوسرے کے فرض کو ناقض نہیں کیا گیا۔
 قوله الوجه الثامن فيه دليل على الأمر بالنظر
 لمصلحة العامة التي قوله بعد ماكمل له فضله

ف تعب برداشت کرنا مطلقاً مجاہدہ نہیں بلکہ اس

میں تفصیل ہے حضرت شامی کے کلام سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مطلقاً تعب برداشت کرنا مجاہدہ اور موجب نیابت ناجبہ مگر تحقیق کے نزدیک یہ حکم مطلق نہیں بلکہ مقام کے ساتھ مخصوص ہے قالہ سیدی حکیم الامت دامہد طرق ووسائل میں بلا ضرورت قصد تعب برداشت کرنا نہ مجاہدہ ہے نہ موجب اجر مثلاً کنواں نزدیک ہے اور دریا دور ہے کنویں کے پانی سے وضو کرنے میں تعب نہیں اور دیا پر جا کر وضو کرنے میں تعب ہے تو کنویں کو چھوڑ کر دیا پر جانا مجاہدہ اور موجب ثواب نہ ہوگا۔ ہاں اگر کنویں کی پاکی ناپاکی پر شبہ ہو تو اس وقت بے شک دیا سے وضو کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا کیونکہ اس صورت میں تحمل تعب بلا وجہ نہیں بلکہ مقول وجہ سے اسی طرح اگر مسجد کے حمام میں سڑی کے زمانہ میں گرم پانی موجود ہو اور حوض میں ٹنڈا پانی بھی موجود ہے تو گرم پانی چھوڑ کر حوض سے وضو کرنا مجاہدہ اور ثواب نہیں کہ بلا وجہ نفس کو تکلیف دینا ہے، البتہ اگر گرم پانی موجود نہ ہو استہمام کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے مگر اس استہمام میں مانو بجماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے تو اس حالت میں ٹنڈے پانی سے وضو اور غسل کرنا مجاہدہ ہے جس سے ثواب زیادہ ملے گا بشرطیکہ ٹنڈے پانی سے بیمار پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو یہ تو دسائل اور طرق میں تعب برداشت کرنے کا

حکم تھا اور مقاصد میں تعب برداشت کرنا مطلقاً موجب ثواب ہے مثلاً نماز کو طویل قرأت اور طویل رکوع و سجود سے ادا کرنا ہر حال میں مجاہد اور باعث ثواب ہے جبکہ تنہا نماز پڑھ دلم ہو کیونکہ جنت میں امان کو تخفیف صلوة کا حکم ہے۔ اسی طرح فرض نماز کو جماعت سے ادا کرنا مجاہد اور موجب اجر ہے جو جماعت سے ادا کرنے میں تعب ہوتا ہو بشرطیکہ تعب تحمل سے زیادہ نہ ہو اور دوسروں کی پریشانی کا سبب بھی نہ ہو کیونکہ یہ امور مقاصد میں سے ہیں طرق و وسائل میں سے نہیں۔ اب سمجھو کہ خفیہ کے نزدیک نماز کو اول وقت میں ادا کرنا تھا میں سے نہیں بلکہ مباحات میں سے ہے پس بعض نفس کو تعب میں ٹانے کے لئے گرمی کے موسم میں اول وقت ظہر کی نماز ادا کرنا مجاہد یا موجب اجر نہ ہو گا کہ باوجود تعب برداشت کرنے کا نام مجاہد نہیں البتہ بن علیؑ کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے جیسا شافعیہ کا مذہب مشہور ہے ان کے نزدیک گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کا اول وقت میں ادا کرنا مجاہد ہو گا۔ پس اگر مالکیہ کا مذہب اس باب میں شافعیہ کے موافق ہے جب تو شارح کا کلام اہل تحقیق کے موافق ہے اور اقران کا مذہب اس باب میں خفیہ کے موافق ہے تو یہ کلام اہل تحقیق کے خلاف ہے اور جب خفیہ کے نزدیک گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھنا ہی افضل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کو مؤخر کر کے کسی کا ثواب کم نہیں کیا بلکہ سب کے ثواب کو زیادہ ہی کیا ہے کیونکہ اس صورت میں اگر کوئی اپنے نفس کو تعب میں ڈالنے کے لئے ظہر کی نماز اول وقت میں پڑھنا چاہے تو خفیہ اس کے فعل کو مجاہد میں داخل نہ کریں گے نہ زیادتِ ثواب کا سبب سمجھیں گے فاقم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی طرح بعض متعبدین کا گرمی کے زمانہ میں گھر کے اندر اور سردی

میں کھلی چھت پر نماز پڑھنا بھی مجاہد موجب ثواب نہیں کیونکہ وسائل میں با ضرورت تعجب برداشت کرنا مجاہد نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بطور علاج کے ایسا کیا جو کہ ثواب کی نیت سے نہ کیا ہوگا۔

(۱۰۲) مستحبات کا اسی قدر اہتمام کیا جائے جس سے

دوسروں کے فرض میں خلل واقع نہ ہو یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت میں قدر واجب زائد مستحبات وغیرہ کو اس وقت اختیار کیا جائے جبکہ اس سے دوسروں کے فرض میں نقصان نہ آئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تقریر کے موافق بعض حضرات کو نیا وہ ثواب اسی وجہ سے محروم کیا تھا کہ سخت گرمی میں نماز پڑھنے سے دوسروں کے فرض میں نقصان آتا تھا۔

قوله الوجه التاسع فيه دليل على انه لا يؤخذ

ما زاد على الواجب الى قوله الا من اجل نقص فرض الغير

فت۔ بعض لوگ اپنے معمولات و وظائف کے ایسے پابند ہوتے ہیں کہ رفتار کی پریشانی کی بھی پروا نہیں کرتے مثلاً سفر میں ریل کے وقت کی بھی رعایت نہیں کرتے۔ ریل چھوٹے یا ملے وہ بدون وظیفہ پورا کئے نہیں دیتے تو اگر ایسا شخص تنہا سفر کر رہا ہو اس کو سخت تیار ہے اعداد و رفتار کے ساتھ سفر کر رہا ہو تو ان کی رعایت اپنے معمولات کی رعایت سے مقدم ہے کیونکہ ریل چھوٹ جانے سے سب کو پریشانی ہوگی اور پریشانی سے ان کے وظائف میں خلل واقع ہوگا نماز میں دل جمعی فوت ہو جائے گی اور اجنبی جو قیام کرنے سے کھانے پینے سونے میں بھی تکلیف ہوگی۔

جماعت میں سب سے زیادہ کمزور کی رعایت کرنا چاہیے

یہاں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حیدروا
بسیراضعفکم (سب سے زیادہ کمزور کی چال چلا کرو) سفر ہی کیساتھ
فصوص نہیں بلکہ ہر موقع کے لئے مام ہے چنانچہ یہ حدیث بھی اسی نہیں
ہے کہ جب بعض لوگ گری کی تکلیف برداشت نہ کر سکے تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ کمزوروں جیسا معاملہ کر کے تخفیف
کو اختیار فرمایا اس سے یہ فقہی مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ امام کو اپنی جماعت
کے حال پر نظر کرنا چاہیے اگر ان میں کوئی کمزور یا بیمار یا ضرورت مند
تو نماز میں تخفیف کرے کہ اس وقت یہی سنت ہے ادا اگر سب
قوی (تندرست) معلوم ہوں ایمان میں بھی بدن میں بھی تو ان
کے ساتھ افضل طریقہ یعنی عزیمت کو اختیار کرے اور نماز کے
جملہ ارکان طویل کر دے۔ فرض ہر شخص کو جس کے متعلق کسی قسم
کی ضروری ہوا دینی یا اعلیٰ مناسبت یہ ہے کہ اپنے متعلقین کے لئے
تمام امور میں چھوٹے ہوں یا بڑے، معمولی ہوں یا غیر معمولی اس حالت
پر نظر رکھے جو ان کو آسان ہو اور اس میں بھی کمال مطلوب ہے۔
ایسی آسانی مطلوب نہیں جس سے کمال فوت ہو جائے۔ اور یہ بات
فقہ مال سے میسر آ سکتی ہے رفقہ النفس ہی اس کی تعلیم پوری کر
سکتا ہے اور فقہ مال جملہ انواع فقہ سے افضل و ارفع ہے۔

جیسا فقہ نے فرمایا ہے
فقہ مال کی اعلیٰ قسم ہے کیونکہ فقہ مال کی حقیقت

نہ فقہ ہے جو فقہ کا خلاصہ ہے اور مغز و روح ہے جیسا نحو کیسے
تصوف کیونکہ نحو سے مقصود قرآن و حدیث کو صحت کے ساتھ پڑھنا

اور سمجھنا ہے اور پڑھنے سے مقصود عمل ہے اور عمل میں درجہ کمال مطلوب ہوتا ہے اور تکمیلِ عمل و عمل ہی کا نام تصوف ہے پس تصوف نحو کا خلاصہ اور مغز و مایہ صوفیہ کی اصطلاح میں فقہِ حال کو مراقبہ اور تہجداشت کہتے ہیں کیونکہ فقہِ احوال ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تہجداشت کرتا ہے۔

ایک فقہِ احوال کی حکایت چنانچہ میں نے ایک فقیہ کے تعلق جو واقعی فقیہ تھے سنا ہے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھوڑی دیر سکوت کر کے جواب دیا کرتے اس کی وجہ ان سے پوچھی گئی تو فرمایا میں (اول) اس پر غور کرتا ہوں کہ میسر لئے اس وقت کیا مناسب ہے ہر جواب دینا یا غد کر دینا اس کے بعد جو مناسب ہوتا ہے اس کے موافق عمل کرتا ہوں، دیکھو ان بزرگسے فقہاء، فقہِ حال اور مراقبہ تینوں کو کس طرح جمع کر کے دکھا دیا۔ کیونکہ فقہ عام کا مقتضایہ تھا کہ وقت کا حق ادا کیا جائے۔ مراقبہ کا مقتضایہ تھا کہ غفلت سے بات نہ کی جائے بلکہ غفلت حتیٰ پیش نظر رہے ان بزرگسے ہر سوال کے بعد غور و دیر سکوت کر کے جواب دینے کی عادت ڈال کر تینوں کو جمع کر لیا۔ درحقیقت فقہاء اور علماء یہ حفرات ہیں۔ علماءِ ظاہر میں جو اہل انصاف ہیں وہ بھی ان کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرتے ہیں۔

ایک عالم اور صوفی کی حکایت چنانچہ میں نے ایک بابرکت بڑے عالم فقیہ جو فتویٰ کے لئے مرجعِ خاص و عام تھے ان سے ملنے آئے اور وہ دائمی تہجد میں تھے مگر سلطنت کے مشیر بھی تھے بادشاہ ان کی عظمت و فضیلت کی وجہ سے بعض اہم معاملات میں ان سے

مشورہ کیا کرتا تھا۔ الغرض یہ عالم تھا کہ دوسرے سے ملنے آئے اور ان سے باتیں کی پھر اپنے لئے دعا کی درخواست کی کیونکہ ان کی عادت تھی کہ وہ یشوں کیساتھ تواضع سے پیش آتے اور ان کی دعا کی درخواست کیا کرتے تھے ان بڑے گھنے فرمایا بلکہ مناسب یہ ہے کہ آپ دیکھ لیتے دعا کریں کیونکہ آپ مسلمانوں کے علماء و فقہاء سے ہیں۔ وہ یش کا یہ کہنا تھا کہ وہ عالم بے خود ہو گئے زار زار رونے لگے اتنا کہنے کہ جان نکلنے کو ہو گئی۔ بار بار یہ کہتے تھے کہ یہ جیسا آدمی میری علماء میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

حالانکہ عالم بخدا اس وقت تک عالم
عالم کس وقت عالم ہوتا ہے نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ہر
 سانس اللہ کیساتھ اللہ کے لئے نہ نکلے اور جو تو بس دین کے ساتھ تکمیل
 پہ ہے ہیں اور کچھ نہیں، مجھے اس عالم کی دینداری سے جو پہلے سے معلوم
 تھی بہت کچھ امید تھی مگر اس دن کی حالت اور احوال و خفوع
 سے قوی امید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی بدلت آخست میں
 مقربین کے درجوں میں بلند فرمائی گے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو
 اپنے فضل سے وہیں پہنچا دیں کہ ان کے سوا کوئی سب نہیں۔

قوله الوجه العاشرفيه دليل على ان قوله صلى الله
 عليه وسلم صيروا البيراضة فكم الى قوله لا رب سواه

حدیث

تحیۃ المسجد والامام مخطب

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جب کہ دن اس وقت آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے اس سے فرمایا اے فلاں! کیا تو نے نماز پڑھ لی ہے؟ کہا نہیں! فرمایا کھڑا ہو جا اور نماز پڑھ لے۔ یہ روایت صحیح ہے قال سعد فارح رکعتین و تجوز فیہما، فرمایا کھڑا ہو جا اور دو رکعتیں اختصار کے ساتھ پڑھ لے۔

شرح
خطبہ کی وقت تحیتہ المسجد پڑھنے کا حکم
بظاہر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے مگر مائیکہ ضعیف اس سے منع کرتے ہیں کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن خطبہ کی وقت لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا مسجد نبوی میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اجلس نقد اذیت ، بیٹھا جاؤ تم نے لوگوں کو اذیت دی
 آپ نے اس کو تحت المسجد کا امر نہیں فرمایا اور حدیث جابر میں جو کہ زیر
 بحث ہے اس امر کی تصریح نہیں کہ یہ خطبہ نماز جمعہ کا خطبہ تھا اور منظر
 اتنا معلوم ہوا ہے کہ جمعہ کے دن میں تھا، سو ممکن ہے کہ جمعہ کے دن
 حضور نے کسی اور سبب پر فرمایا مگر بعد خطبہ دیا ہو۔ کیونکہ آپ کی
 عادت تھی کہ جب کوئی ہم حد پیش ہوتی لوگوں کو جمع کرانے اور خطبہ دیا
 کرتے تھے۔ اس احتمال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور سے دریافت فرمایا کیا تو نے نماز
 پڑھ لی ، اس نے کہا نہیں تو اگر یہ خطبہ نماز جمعہ کا خطبہ ہوتا تو اس
 سوال کا موقع نہ تھا کیونکہ جمعہ کی نماز کا وقت بالاتفاق خطبہ کے بعد ہے
 اس سے پہلے نہیں راہ تہیت المسجد واجب یا فرض نہیں جو اس کو حدیث
 کیا جاتا ہے۔ پس اہل ظاہر کا اسی حجت سے تحت المسجد کے وجوب پر استدلال
 کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ تو خود مختل محتاج بیان ہے پس ظاہر یہ ہے کہ یہ
 خطبہ نماز پر فرمایا مگر بعد کسی ضرورت سے تھا اور شخص مذکور مسجد میں
 داخل ہوتے ہی خطبہ سننے بیٹھ گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس
 کے بیٹھنے سے شبہ ہوا کہ یہ یا تو فرض نماز پڑھ چکا ہے یا اس کا خیال
 یہ ہے کہ ابھی تک مسجد میں جنت نہیں ہوئی خطبہ کے بعد نماز ہوگی تو
 آپ نے دریافت فرمایا کیا تو نے نماز پڑھ لی جب اس نے کہا نہیں فرمایا
 اٹھو نماز پڑھو، یعنی مسجد میں جماعت ہو چکی ہے تم اس خیال میں
 نہ ہو کہ خطبہ کے بعد نماز ہوگی اور چونکہ بعض روایات میں تصریح ہے
 کہ آپ نے اس کو دو رکعت پڑھنے کا امر دیا اس لئے ظاہر یہ ہے کہ یہ
 خطبہ نماز فجر کے بعد تھا۔ مگر بعد ہوتا تو چار رکعت پڑھنے کا امر
 فرماتے اور شاید وقت تنگ ہو گیا ہو گا اس لئے مشرود فرض

پڑھنے کا اور ان میں بھی اختصار کرنے کا حکم دیا واللہ تعالیٰ اعلم مگر مسلم نے اس حدیث کو بایں الفاظ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من دخل يوم الجمعة والا ما رى يخطب فليترك
مصحفين خفيفتين

جو شخص جمعہ کے دن ایسے وقت آئے گا کہ امام خطبے کا ہو
تو دو رکعتیں ہلکی ہلکی پڑھ لے۔

اور اگر یہ حدیث صحیح ہے تو بلاشبہ اس باب میں مریخ ہے جس میں
کسی تاویل کا احتمال نہیں۔ اسی وجہ سے مذہب مالک میں اس حدیث
کے موافق ایک قول یہ بھی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن خطبے کے وقت آئے اس
کو دو رکعتیں جلدی جلدی پڑھ لینا چاہیے۔

پس ہم نے اول جرات کہی ہے وہی حدیث کا ظاہر مفہم ہے اور
دوسری حدیث سے اس کا معارضہ بعض متقدمین کے ادب سے ذکر کر دیا
گیا کہ انہوں نے دوسری حدیث کو اس کا معارضہ بنالیا ہے۔

عن مسلم اور بخاری کی حدیث کہ متعلق شاذ کا یہ فرمانا کہ اگر یہ صحیح ہے (الحکم)

کو واضح کر رہے کہ ان دونوں کتابوں کا صحیح ہونا غائب اور مجہول کے اعتبار سے ہے
جس میں ایک دو حدیثوں کا ضعیف ہونا کچھ مضار اور تقادح نہیں چنانچہ اس حدیث
میں دارقطنی نے کام کیا ہے کہ تمام روایات نے اسکو بطور واقعہ روایت کیا ہے قول
ہم کہیے میں یزید ایک راوی کے کسی نے روایت نہیں کیا پس اصول حدیث کے لحاظ
سے یہ حدیث ان الفاظ سے شاذ میں داخل ہے ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الباری داخلہ سخن
اور حدیث شاذ کو صحیح میں شمار نہیں کیا جاتا واللہ تعالیٰ اعلم و خدا
عنہ دہ حقیقت میں وہ اسکی معارض نہیں کیونکہ جو لوگ خطبے کی کوتاہی کے متوجہ

کے عجائب ہمیشہ باقی رہیں گے ان کے فائدہ قیامت تک ختم نہ ہوں گے، ایک فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب ہر زمانہ میں توحیدِ الہم کے فضل کی بارشوں کے منتظر رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمَ خُصْرُ اللَّهِ
اِنَّهُ سَعَىٰ رُبَّ مُتَّقٍ وَّ رَاٰءَ تَعَالٰی تَمَّ كُوْنُوْهُ تَعْلِيْمٌ دِيْنٌ

جس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ سے علوم و ہنر عطا ہوتے ہیں ۵

بسی فی اذنہ خود علوم انبیاء بے کتاب بے معیار اوستا

اگر سائے فائدے ہو تمام علوم ختم ہو چکے ہوتے تو متاخرین کو اس آیت کے خطاب اور ان احادیث کے معانی سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوتا حالانکہ قرآن کے بارہ میں کمال آصلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا تَنْقُضُ عَجَائِبُہٗ اِس کے عجائب ختم نہیں ہو سکتے وَلَا یَخْلُقُ عَلَیْكَ شَرَّۃَ التَّرَادُدِ اور بار بار پڑھنے پڑھنے سے کہنہ بھی نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت نازہ کلام معلوم ہوتا ہے

متاخرین کی وہی تحقیق معتبر ہے جو اجماع سلف کے خلاف ہو

مگر اس جگہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ متاخرین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نفع و کشف ہو گا وہ اجماع متقدمین کے خلاف نہیں ہو سکتا اگر ایسا ہوتا تو اس کو نفع و کشف من اللہ نہ کہا جاتا بلکہ ابتداء میں شامل کیا جاتا۔ بس متاخرین کے علوم کا حاصل یہ ہے کہ یا تو وہ کسی قول ضعیف کو قوی کر دیتے ہیں یا کسی مسئلہ کو متقدمین نے اجماع سے طے کیا تھا متاخرین کو اس کی دلیل کتاب سنت میں معلوم ہو جاتی ہے یا وہ کسی مسئلہ شرعیہ پر سے اشکال کو حجتِ قویہ کے ساتھ رفع کر دیتے ہیں جس سے متقدمین نے تعرض نہ کیا تھا خواہ اس لئے کہ ان کے نزدیک اشکال کی کچھ اہمیت نہ تھی کیونکہ شاخ و نہج ہی کسی کو وہ اشکال پیش آتا تھا یا قوتِ ایمان کی وجہ سے ان کی

فہ۔ اس حدیث کی شرح میں شارح علیہ الرحمۃ نے تصوف کا کئی مسئلہ بیان نہیں فرمایا مگر متقدمین اہل تخریج کے علوم میں جو فرق بتویا ہے اور سلف صالح کے ادب و تعظیم کی جس قدر تاکید کی ہے اس کے جاننے کی ضرورت اور علماء کرام کو ضرورت ہے اس لئے اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے تاکہ ان لوگوں کی غلطی معلوم ہو گئی جو سلف کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور اپنی علمی یا کشفی تحقیقات کو ان کے علوم سے افضل سمجھتے ہیں ان کو یاد دلانا چاہئے کہ علم وہی معتبر ہے جو عمل حکم کا ثمر ہو۔

جس کا عمل مستحکم نہیں اس کا علم بھی مستحکم نہیں

جس کا عمل مستحکم نہیں اس کا علم بھی مستحکم نہیں اور جس کا علم مستحکم نہیں اس کی تحقیقات کو تحقیقات کہنا زیادہ نہیں کمال علم تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے و انفعولہ اللہ و یعلم حکمہ اللہ اور آجکل ویسا تقویٰ کہاں جیسا سلف میں تھا آجکل یہ تو تقویٰ ہی نہیں وہ دودھ کا معاملہ ہے یا تقویٰ ہے تو اپنے سوا کسی کو متقی نہیں سمجھتے خالص اور صحیح تقویٰ بہت ہی کم ہے اس حالت میں کسی کا اپنے کو متقی یا مجتہد سمجھنا اجالت نہیں تو اوار کیا ہے۔

فہ عطلے حق کا دروازہ بند نہیں ہوا کہ عطلے الہی کا

دروازہ بند نہیں بعض دفعہ اللہ تعالیٰ متاخرین پر وہ علوم مشکشف فرماتے ہیں جو متقدمین پر مشکشف نہیں ہوئے مگر یہ بھی متقدمین ہی کی اتباع کا ثمر ہے اگر متاخرین ان کا اتباع نہ کرتے علم کا دروازہ ان کے لئے مفتوح نہ ہوتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متاخرین کی علمی یا کشفی تحقیقات اس وقت قابل قبول ہیں جب کہ اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں اگر وہ اجماع سلف کے

غرض: کوئی تحقیق بیان کریں گے رد کر دی جائے گی اس کو تحقیق علمی نہ کہا جائے گا بلکہ جہل مرکب اور تبلیہیں ابلیس میں شمار کیا جائیگا۔

سورہ الفیل کی ایک نئی تفسیر اور اس کا اردو تفسیر وہ

تحقیق ہے جو سورہ الفیل کی تفسیر میں ابھی ایک نئے مفسر نے بیان کیا ہے کہ ترمیم بھارت من جہل، طرز کی صفت نہیں نہ ترمی میڈ مونش غائب بلکہ یہ علیحدہ مستقل جملہ ہے اور ترمی واحد مذکر کا ہے جس میں قریش کو خطاب کیا گیا ہے جیسا الم ترکیف فعل ربک میں بھی قریش ہی کو خطاب ہے پس سورہ کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طود پر با حق دلوں کے لشکر پر پرندوں کی فوج بھیج دی تھی جن کے بہ جوں اور چونچوں میں کشر کی پتھریاں تھیں پرندوں نے یہ پتھریاں با حق والوں پر برساتیں تو ان کا بھر کس نکل گیا بلکہ مطلب ہے کہ ابرہہ قریش کا دشمن تھا وہ عکبر اپنی لشکر کشی کو مکہ والوں سے چھپا پاچا تھا تھا مگر یہ راز مخفی نہ رہ سکا کیونکہ قادی ہے کہ لاش خود پرندے جنگی لشکروں کے ساتھ اس امید پر ہوا کرتے ہیں کہ اب ہم کو آؤ قریب لگا۔ الم بجنل کید ہم فی تغلیل کا یہ مطلب ہوا کہ لاش خود پرندوں کو دیکھ کر عکبر والے لشکر کی آمد سے خبردار ہو گئے اور زمین کی غنئی نذر کار دار آسمان کے پرندوں نے کھول دیا قریش مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے ان کے پاس سوا پتھروں اور کھجوروں کے اور کیا تھا قریش نے پتھر پھیلنے شروع کئے یہ پتھر ایسا عجیب غریب تھا کہ اس کے سامنے ابرہہ کے لشکر والوں کی ڈھالیں بھی بیکار ہو گئیں اور وہ ان پتھروں کا جواب تیر رازی سے دینا بھی بھول گئے دم کے دم میں تمام لشکر کا گھوڑوں

ہاتھیوں سمیت بھر کس نکل گیا نہ کوئی نام لیوا رہ نہ پانی دیا۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو یاد دلایا کہ بتایا ہے کہ تم اسلام لانے میں یہ اندیشہ نہ کرو کہ ارد گرد کی طاقتیں تم پر جہم کر آئیں گی اور تم کو کھل ڈالیں گی کیونکہ کس ہی کا واقعہ ہے

کہ تم نے ابوہ کے شکر پرایا پتھراؤ کیا اس کا بکرس نکال دیا تھا بس
تہا یہ پتھراؤ سلامت ہے پھر تم کو کسی طاقت کا کیا اندیشہ؟
دیکھا آپ نے آج کل کے نئے مفسروں کی تحقیقات کو واقعی وہ
قرآن میں ایسی ہوشگاریاں کرتے ہیں کہ سلف کے فرشتوں کو بھی ان کی
ہوانہ گی ہوانہ پیاروں کو ایسی نئی تحقیق کہاں سوچ سکتی تھی کہ
قریش کے پتھراؤ سے بھی شکروں کا ہاتھیوں سمیت مٹایا ہو سکتا
ہے پھر معلوم قریش اپنے اس پتھراؤ کو ابوہہ کے بعد کسی اور لشکر
کے مقابلہ میں استعمال کر کے کیوں نہ کامیاب ہوئے۔ اور ابوہہ
کے شکر کیساتھ والے یہ لاشیں خود پرندے بھی فتح مکہ کے وقت
کہاں مرچے تھے کہ مکہ والوں کو لشکر مدینہ کا اس وقت تک علم نہ ہوا
جب تک وہ بالکل محصور نہ ہو گئے، نہ تیبر کے یہودیوں کو ان
لاشیں خوردوں نے شکر اسلام کی آمد سے خبردار کیا کہ صبح کو اسلامی
لشکر خیبر میں داخل ہوا اور بستی والے جالی کدال لے کر جنگ
جانے کا ارادہ کر رہے تھے دفعتاً سامنے سے لشکر کو دیکھا تو ٹھہرا ٹھیس
کہتے ہوئے قلعے کی طرف جا گئے۔

اس مفسر کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ اپنے
جہل کی تعبیر ہے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ متاخرین کی تحقیقات
وہی قبول کی جاسکتی ہے جو اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں
اور سورت الفیل کی یہ جدید تفسیر صریحاً سلف کے بالکل خلاف ہے،
توچ تک کسی صحابی یا تابعی یا تابع تابعی یا معتبر مفسر سے پسند معتبر یہ
تفسیر منقول نہیں دیکھی گئی کہ تو میری حد طیاراً کی صفت نہیں بلکہ
میث و احد مذکر حاضر ہے اور اس کے مخاطب قریش یا اہل مکہ ہیں
اور نہ تاریخ سے اس کا ثبوت مل سکتا ہے کہ لاشیں خود پرندے ہیں

ہی سے ابرہہ کے لشکر کے ساتھ جوئے تھے نہ اس کا کوئی ثبوت ہے،
 کہ ابرہہ نے اپنی لشکر کشی کو محقق رکھنے کی کوشش کی تھی جس کا راز
 فاش کرنے کے لئے فاش خود پرندوں کو لشکر کے ساتھ چلنے کی ضرورت
 تھی نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ قریش نے ابرہہ سے شکر کا سبکار
 کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اور اپنے ہتھیاروں سے ہتھیاروں سمیت تمام فوج
 کا سہارا کر دیا تھا نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ قریش کو اسلام سے یہ اندیشہ
 مانع تھا کہ ارد گرد کی طاقتیں ان پر ہجوم کر دیں گی۔ تقلیداً بارہ مورت
 اصنام مانع اسلام نہ تھی اس مفسر نے کس طرح اپنی طرف سے بلا
 وسیلہ مقدمات بنا کر کھڑے کئے اور خود ساختہ بنیاد پر کلام الہی
 کی تفسیر کی علت قائم کرنے کی یہودہ کوشش کی ہے پس یہ تفسیر جس
 طرح اجماع سلف کے خلاف ہے اسی طرح تاریخ کے بھی خلاف ہے
 اس جگہ زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں اجمالی اشارہ کر دیا گیا تاکہ ناظرین
 آجکل کی ایسی نئی نئی تفسیروں سے ہوشیار رہیں ان کو علامہ
 ابن ابی جرہ کا یار شاہد ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ متاخرین کی وہی
 تحقیقات مغرب ہیں جو اجماع سلف کی خلاف نہ ہوں ماس کلبہ کو
 نصب العین بنانے کے بعد کسی محقق کی نئی تحقیقات سے ان کے ایمان کو
 ضرر نہ ہوگا۔

فے شیخ کو طالعین کی نگہداشت کرنا چاہئے

اس حدیث سے تصوف کا یہ مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ شیخ
 کو اپنے مریدوں شاگردوں کے احوال کی نگہداشت کرنا چاہئے اگر کسی کے
 متعلق یہ شبہ ہو کہ اس نے کسی فرض یا واجب یا سنت میں کوتاہی کی
 ہے تو اول اس سے دریافت کیا جائے اگر وہ اقرار کرے تو اس کو اولاً

7. vlogspot.com^

فرض و واجب دینو میں تعبیل کی تاکید کی جائے۔

فے تفحص احوال کیلئے سلسلہ کلام قطع کرنا جائز ہے

مدیریت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کو تفحص احوال کیلئے اپنی گفتگو اور
تقریر یا خطبہ کے سلسلہ کو قطع کر کے اس شخص کی طرف توجہ ہونا جس
کے متعلق فقیر کا شبہ ہوتا ہے جائز ہے مگر تفحص و تحقیق میں نرمی
سے کام لینا اور خود صاحب معاملہ سے معاملہ کی تحقیق کرنا چاہیے جیسا
مولانا علی بن ابی طالب سے اس واقعہ میں ثابت ہے واللہ تعالیٰ اعلم

حدیث

دعای رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک سال لوگوں کو قحط کا سامنا ہوا تو ایک اعلیٰ جہد کے دن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلیبہ پہنچے تھے کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مال تیلہ و بر باد ہو گیا اور ظہر ظہیراں ہو کے ہو گئے آپ اللہ تعالیٰ سے ہمائے لئے دعا کیے تو آپ نے غلیبہ ہی میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہ آتا تھا پس قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے حضور نے بھی تک اپنے دونوں ہاتھ نہست نہیں کئے تھے کہ بادل ساروں کی طرح اٹھا، آپ میرے نیچے نہیں اتارے تھے کہ میں نے بارش کے قطرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے پکٹے ہوئے پونچھ لائی بارش ہوئی کہ مسجد کی چھت پکٹنے لگی اچسب دن میں بار بار بارش ہوتی رہی پھر اس سے اگلے دن بھی اور اس کے بعد دس دن میں بھی اس کے بعد بھی دوسرے جمعہ تک بارش کا سلسلہ بند نہ ہوا پھر وہی بارش یا اور کوئی کو دوسرے جمعہ کے خطبہ میں کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مال غرق ہو گیا عمارتیں گرنے

لگیں، ہماری لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تو حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے
 اور فرمایا اے اللہ ہماری اور محمدؐ پر بارش ہو اور ہمارا دلو پر نہ ہو پھر اپنے ہاتھ
 سے جس طرف بادل کو اشارہ کیا اس طرف سے کھل گیا اور مدینہ منیٰ چاک
 نریبان کی ہو گیا اگر مدینہ کے اندر آسمان کھلا ہوا تھا اور چاروں طرف
 بادل کھلا ہوا تھا مہینہ بھر تک جنگل بارش کے پانی سے بہتا رہا اور جس
 سمت سے بھی کوئی آسمان بارش کی خبر لاتا تھا۔

شرح ظاہر و بدیش بتا رہا ہے کہ امام سے خطبہ کے درمیان کسی فرقہ واریہ کے لئے گفتگو کرنا ناجائز ہے اور امام اس کا جواب بھی دے سکتا ہے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ مشکلات و حوادث میں مقبولانِ الہی سے دعا کی درخواست کرنا چاہیے اور طلبِ دعا سے پہلے اپنا حال ہی بیان کرنا چاہیے جیسا اس احادیث نے کیا کہ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا کیونکہ بالا جماع آپ سب مقبولانِ الہی سے افضل ہیں آپ کی زندگی میں آپ کے سوا بہت میں کسی کی طرف بھی رجوع نہ کیا جاتا تھا۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارش کی استیاضہ کے وقت جب استیاضہ کے لئے بستی سے باہر نکلتے تو حضرت عباسؓ سے فرماتے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو حضور کے واسطے سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے اب آپ کے وسیلہ سے دعا کریں گے کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور سب قریب ترین پھر احادیث نے طلبِ دعا سے پہلے پریشانی کا حال بیان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا اس میں شک نہ ہے کہ جب تم دین دار سے اپنی پریشانی بیان کرو گے اس کا دل تباہی کے واسطے پھیل جائیگا وہ دل سے دعا کیے گا اور ایسے مبارک دل سے پہنچے اور دل لگا کر دعا کرنے ہی سے نصرت اور قبول

دعا کی امید کی جاتی ہے۔

قوله الوجه الثاني فيه طلب الدعاء ممن فيه اهلية
للقبول الى قوله في الوجه الثالث وعند تلك الرقة
وجمع ذلك الخاطر المبارك ترحي الرحمة والسجادة

اس سے
(۱۰۵) امر خلافت عادت کبھی رحمت ہوتا ہے کبھی نقيمت یہ بھی ہوتا
ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کا خلاف عادت ہونا کبھی رحمت پر دلالت
کرتا ہے کبھی اس کے خلاف پر چنانچہ بارش کا وقت پر نہ ہونا جس کا انجام
طاقت لحوال ہو رہی تغیر عادت ہے اور یہ تغیر فطرت ہے بعض روایات میں
آیا ہے اذا بغض الله قوماً امطر صيفهم واهي شتاءهم جب
اللہ تعالیٰ کسی قوم سے نفرت کرتے ہیں گرمی کے زمانہ میں ان پر بارش
کرتے ہیں اور جاڑے برسات میں آسمان صاف دیکھتے ہیں۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ساتھ ساتھ فوراً بادل
کا اٹھنا اور بارش ہو جانا یہ بھی خرق عادت ہے مگر یہ تغیر رحمت ہے
قوله الوجه العاشر فيه دليل على ان تغير العادة
قد تكون دالة على رحمة او غيرها الى قوله الا انها
تغير ورحمة۔

فے نزول بلار میں گناہوں کو کس طرح ختم ہے

انہوں نے کچل کچل لوگ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ گناہوں کی
وجہ سے بلائیں نازل ہو سکتی ہیں ان کے نزدیک بارش ہونے یا نہ ہونے
کا سبب بس وہی ہے جو سائنس نے بتا دیا ہے مگر ان سے کوئی پوچھے کہ
سائنس نے اس کا بھی کوئی سبب بتلایا ہے کہ جب ہمیشہ برسا اور جاتی

ہی میں بارش ہوا کرتی ہے تو کسی سال اس قلمدہ کی خلاف گیری کے زمانہ میں کیوں ہوتی اور جلنے برسات میں کیوں نہیں ہوتی ؟ اس عادت مستور کے بدلنے کا بھی تہسبب کوئی ہو نا چاہیے سائنس میں جو خاموش ہے شریعت نے اس شکل کو حل کر دیا ہے کہ عادت مستور کے بدلنے کا سبب لوگوں کی شامت اعمال ہے ۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم مَّرَاجِلَ مِّنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ وَلَكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا
فِي عَصْيَانٍ ۔

آج سے سترہویں سال پہلے اسی ہندوستان میں لوگوں کو عام طور پر عفت پاکدامنی چھائی و یا نہت ماری امانت بزدگوں کے احترام اعلیٰ کی عزت کا احترام تھا بے حیائی ، بے شری ، جھوٹ ، دغا بازی سے نفرت تھی مول میں خدا کا خوف بزدگوں کا لحاظ تھا علانیہ فحش کا بازار گرم نہ تھا تو وہ لوگ ان بیماریوں کا نام بھی نہ جانتے تھے جن میں آج کل ہندوستان کا ہر نوجوان مبتلا ہے جس طرح ان کا ایمان قوی تھا نہ ہی قوی تھا صحت بخیر تھی وقت پر بارش ہوتی تھی ۔ پیداواری کثرت تھی بے ٹکری کا انداز تھا اب ہمارے اعمال خراب ہو گئے ہر طعنے سینما یا ٹی وی کی وجہ سے فحش کو ترقی ہے سو دی لین دین کی کثرت ہے علانیہ حرام کاری ہوتی ہے تو نہ بے ٹکری بھی نہ وہ راحت جس کو دیکھو پریشان و حیران ، جدمر نظر احاطہ ادھر ہر ایک بلاتے بے درماں ، بیماریاں ایسی آتی ہیں جن کا کبھی نام نہ نہ سنا تھا لڑائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ بہت دیر آفرینش سے اس وقت تک کبھی اسکی نظر زمانہ کی آنکھوں نے نہ دیکھی تھی ۔ یہ شامت اعمال نہیں تو نور کیا ہے ؟ کیا سائنس اس خوفناک بارش کا بھی کوئی سبب بتا سکے گی جو بھوں اور گویں کی فطرت میں آسمان سے برقی اور دم کے دم میں لاکھوں آدمیوں کو ہمارے ہاتھ

دستکرم اور مضبوط شہروں کو تہ و بالا بنا دیتی ہے کہ یہ کون سی مانسوں کے پیدا ہوئی ہے؛ اس بارش کا مانسوں سمند کی جاپ سے نہیں اٹھا بلکہ قلوب نفوس کی جاپ سے بنتا اور مخلوق کے گناہوں کے سبب برستا ہے۔ نعوذ باللہ من الفتق ما ظہر منها طبعن

حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا پر خیر کے لئے بہت بڑا وسیلہ ہے (۱۶۶) دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کتنی جلدی فائدہ ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من الهمم الدعاء فقد فتح علیہ ابواب الخیر
جس کے دل میں دعا ڈال دی گئی (یعنی دعا سے جس کو رغبت اور شوق پیدا ہو گیا) اس پر خیر کے دروازے کھلے گئے۔

اسی لئے حضرات موصیہ فرماتے ہیں کہ دعا خود عین خیر ہے، (یعنی دعا خود اپنی ذات سے مطلوب ہے مقصود ہے قضا حاجت کے لئے مطلوب نہیں) قضا حاجت تو تبعاً مطلوب ہے کیونکہ دعا کی حقیقت ربو لائے جلی اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنا اور اس کی طاعت اپنی حاجت بیان کرنا ہے اور یہ غلبہ نیست کا خلعت ہے جس سے بڑھ کر بندہ کے لئے کوئی بھی خلعت نہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی دلیل ہے۔

ان عبادی لیس لك علیہم سلطان

اے ابلیس! میں نے ان بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

دیکھو ان حضرات کو یہ شرف بلند اور اتنی بڑی حفاظت اسی عجیبیت سے تو حاصل ہوئی جو کہ صفت عبودیت ہے اس کی ضد کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد سُن لو۔

وان الاخرین لا مولیٰ لہم

آخریوں کا کوئی مددگار نہیں (جو ان کو شیطان کے پسندوں سے بچائے)

قوله الوحيدة الثاني عشر فيه دليل على ان الدعاء
من اكله وسائل الخير الى قوله وان الكافرين
لا مولى لهم

فے شاید کسی کے دل میں اس جگہ یہ سوال پیدا ہو کہ کافر بھی تو
اللہ کے بندے ہیں پھر وہ اللہ کی مولات سے کیوں محروم ہیں ۔
جواب یہ ہے کہ ان بندے تو ہیں مگر ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان
کو اپنی طرف منسوب کر کے عبادی میسر بندے کہنا پسند نہیں فرماتے
اور بندہ خفیت میں وہ ہے جس کو آقا خوش ہو کر اپنا غلام کہے ۔
وہ اگر کہہ دے مجھے اپنا غلام سے پیارا نام ہو میرا یہی
کافروں کو اللہ تعالیٰ اپنا غلام تو کیا فرماتے آدمی بھی کہنا پسند نہیں فرماتے
اولئك كالا نفا هر بل هم ارضل

کیونکہ آدمی حقیقت میں وہ ہے جو آدم علیہ السلام کے طریقہ پر جو جو ان کے
طریقہ عبودیت کے خلاف کفر و بغاوت حق میں مبتلا ہے وہ آدمی
کہلانے کا مستحق نہیں ہے

ایں کری بینی خلاف آدم اند نیستند آدم خلاف آدم اند
فے یہاں سے معلوم ہوا کہ دعا بذات خود مطلوب ہے، قضاء حاجت کے
واسطے مطلوب نہیں بلکہ قضاء حاجت تنہا مطلوب ہے، پس جن لوگوں کو
یہ دیکھنا ہو کہ دعا کیونکر مقبول ہوتی ہے وہ اس پر عمل کرنے کی محسوس
یعنی دعا کو بذات خود مطلوب بنائیں ۔

(۱۰۶) شفیع کی عظمت کے موافق عطا ہوا کرتی ہے

حدیث ہے معلوم ہوا کہ شفاعت کر نیوالے کی عزت و عظمت کی موافق
اللہ کی طرف سے عطا ہوا کرتی ہے چونکہ اس واقعہ میں شفاعت کرنے

ولے سردار دو جہان تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بادشہ کا سلسلہ متواتر
بنے رہا۔ یہاں تک کہ لوگوں کی مراد اچھی طرح پوری ہو گئی اسی لئے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

وَمَا تَكْرَهُ شَفَعًا حَصْرًا فَانْظُرُوا بَيْنَ تَشْتَفِعُونَ

تہا ہے (ہمارے جو تم کو نازیں پڑھاتے ہیں، تمہارے شفع میں

میں دیکھ لیا کرو کہ تم کس کو شفع بنا رہے ہو یعنی یہ دیکھ لیا کرو کہ وہ اس
قابل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت قبول فرمائیں مطلب یہ کہ اس
کے ظاہر و باطن کی تحقیق کرو کہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں واللہ اعلم

اس میں موفیہ کی بھی دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں

فَدَمْرُ مَحْبُوبٍ عِنْدَ مَطْلُوبٍ تَجِدُ مَرْغُوبًا

مطلوب کے سامنے اپنے محبوب کو آگے بڑھاؤ تو مرغوب کے پالو گے

محبوب چیز کی قربانی سے مطلوب کو پاؤ گے

یعنی محبوب چیز کی قربانی کرو تو مطلوب کو پا لو گے۔ لن تنالوا
البرحتیٰ تنفقوا مما تحبون کیونکہ محبوب چیز کی قربانی ضرور قبول
ہوتی ہے جیسا آیت کا قرآنیکہ مدلول ہے واللہ اعلم۔

اس بزرگ سوال ہے وہ یہ کہ دونوں جموں میں دعا کی درخواست
کے لئے یہ دو دعاؤں یا ایک دعاؤں ہی کیوں کھڑا ہوا حضرات صحابہ اور خلفاء
میں سے کوئی کیوں نہ کھڑا ہوا؟

جواب یہ ہے کہ حضرات خلفاء اور صحابہ کا مقام ایسا وسیع ہے کہ
سائل کا مقام فقر و مسکنت ہے۔ پس درخواست دعا کے لئے وہی امثال
جس کا یہ مقام اتنا اس اجمال کی تفصیل ایک حکایت کے ضمن میں
معلوم ہوگی۔

ایک دفعہ جزیرہ اندلس
 ایک بزرگ مجذوب کی حکایت میں قحط پڑا تو لوگ ایک
 مجذوب بزرگ کے پاس گئے ان سے درخواست کی کہ نماز استسقاء کیلئے
 آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں ان کی عاصمہ یہ تھی کہ ایک بانس پریموں کی
 طرح سوار ہو کر چلتے تھے تاکہ لوگ بیوقوف سمجھیں اور احمق سمجھ کر ایذا
 نہ دیں چنانچہ اسی شان سے وہ ان کے ساتھ ہو لئے اور راستہ میں
 شاہی باغ تھا تو آپ شاہی باغ کے پاس پہنچے اور بڑے زور سے
 دروازہ کھٹکٹایا باغ کا دروازہ جلد سے کھلا کر باہر آیا اور کہا کیا بات ہے
 فرمایا باغ میں جتنے درخت ہیں سب میں پانی دے دینا نے کہا آپ
 بھی عجیب یہودہ گویں میں اپنے باغ کی حالت کو اچھی طرح جانتا ہوں
 جب پانی دینے کی ضرورت ہوگی خود پانی دے دینا گاتھا کہ کہنے کی کیا
 ضرورت ہے۔ بزرگ نے لوگوں کی طرف رخ پھرا اور فرمایا تم نے اس کی
 بات سنی؟ جب یہ ادنیٰ احمق اپنے باغ کی ضرورت کو دوسروں سے زیادہ
 جانتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی زمین کی ضرورت کو نہیں جانتے؟ وہ
 بھی اپنے باغ کی حالت کو خوب جانتا ہے تو تم نے مجھے اپنے ساتھ لے
 کر اس کے سوا کچھ نہیں چاہا کہ مجھے اللہ کے سامنے ذلیل کرو جیسا اس
 مالی کے سامنے ذلیل ہوا۔ پھر اپنے بانس پر سوار ہو کر لائے لوٹ گئے
 اور لوگوں کو چھوڑ کر چل دیئے مگر اس تسلیم و رضا کا یہ ثبوت ملا کہ لوگ
 اپنے گھروں کو لوٹنے نہ پاتے تھے کہ بارش سے سیلاب ہو گئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تسلیم و رضا میں سب سے اعلیٰ
 تھا مگر اسی کے ساتھ آپ ہر شخص سے اس کے حال کے موافق معاملہ فرما
 تے کمزوروں کی دلجوئی فرماتے ان کی درخواست پر دعا کر جیتے قوی کو
 اس کے مال پر دیکھتے اور متوسط سے لطف کا معاملہ فرماتے اور یہ

معاملہ سرتاپا اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر رحمت ہی رحمت ہے تاکہ اس مبارک راستہ میں قوی اور ضعیف متوسط سب ہی چلنے لگیں اور ان میں سے ہر شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہے بشرطیکہ ہر ایک کو حقیقت یا شریعت سے اپنا حصہ معلوم ہو کہ اس کا حصہ کہاں ہے اور اس کے شرائط و آداب کیا ہیں؟ یہاں دنیا میں تو بڑا فائدہ ہی ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرا حصہ حقیقت میں ہے یا شریعت میں اور جس میں بھی حصہ ہے اس کے شرائط و آداب کی اس کو خبر ہو اس سے آگے جو کچھ ملے گا آخرت میں ملے گا کہ دارالجزا روہی ہے دنیا دارالعمل ہے دارالجزا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کرے جن کو اپنے فضل سے اس فائدہ عظمیٰ کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے۔

قوله في الوجه الثالث عشر فيه دليل على ان الاعطام
يكون على قدر حرمة الشفع الى قوله في الوجه
الخامس عشر جعلنا اليه ممن من بها عليه بمنه

فہ دعا کا مضاف تسلیم کے مافی نہیں منکلت جب ہوتی ہے کہ دعا بذات خود مطلوب ہو بلکہ قضاء حاجت مطلوب ہو اور اگر دعا خود اس لئے مطلوب ہو کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے اپنے عجز و نیاز کا اظہار ہے اور دل سے اس پر راضی ہو کہ حاجت پوری ہو یا نہ ہو دعا کو نہ چھوڑوں گا اور یہ حال میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہوں گا تو یہ دعا عین مضاف تسلیم ہے پس بعض بزرگوں کے منکلت سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دعا کو تسلیم و رضا کے خلاف سمجھ کر چھوڑ دیا تھا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دعا واقع میں مضاف تسلیم کے غرض سے ہے بلکہ بکھن پائے کہ یا تو وہ بزرگ غلط حال کی وجہ سے دعا کو مقام رضا کے ساتھ جمع نہ کر سکے یا یہ کہ گواہ دونوں میں منکلت نہیں مگر مضاف تسلیم کی یہ خامیت ہے کہ جب اس کا غلبہ ہوتا ہے دعا چھوٹ ہی جاتی ہے۔ اعتدال کے بعد پھر خود کرا آتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ معلوم ہوا کہ بادل آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا، تاکہ جس عزت انھیں سے اشلہ کرتے اس عزت سے بادل نکل جاتا۔ کیونکہ زبان سے تو آپ حق تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے بادل کو زبان سے کچھ نہیں کہا اُس کی عزت، تو اشارہ ہی کیا تھا۔ پس اگر بادل کو آپ کی اطاعت کا علم نہ دیا گیا ہوتا تو وہ آپ کے اشارہ کی تعمیل نہ کرتا۔ کیونکہ بادل بھی جیسا حدیث میں آیا ہے مامور ہے جہاں جاتا ہے تنہا دیر نہ ہوتا ہے جس جگہ رہتا ہے (حکم سے رہتا ہے) اور اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ بادل تو باوجود اس قدر بعد کے اشارہ کو بھی سمجھ لیتا ہے۔

محروم القسمت کو نصیحت بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے

اور محروم القسمت، دل کا ہر انصیفوں کے درجے بہائیں کر بھی متنبہ نہیں ہوتا۔ کلاں رانہ علی ملو بعدہ (کچھ نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے جس کے لیے سعادت (کے راستے) میں کوئی قدم (مقدمہ نہیں یا جس کے لیے ازل میں سعادت (مقدمہ) نہیں۔ اس کے لیے ساری نصیحتیں نقصان ہی (ہیں جاتی) ہیں۔

قوله فی الوجه انما سمیہ دلیل علی حکم معجزہ علیہ اسم
الی قوله من لم یکن له فی القسم سعادۃ فکل موعظۃ
علیہ خیرا -

فت۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ہر بالعمود میں جلدی نہ کرنا چاہیے۔ اگر نفع

مع اما الترجمة الاولیٰ فیمن یقطن ان اصل العیارة من لم یکن له فی القسم
قدم الویفتوا القام وصفہ الکاتب الی قوله من لم یکن له فی القسم
سعادۃ۔ والترجمة الثانیة فیمن یقطن کون القیم بکسر القام بمعنی الازل
ولکن الظاهر هو الاول لکن استعمال القیم بمعنی الازل فی کلام المنفیر۔
واضح فی علم ہمارے

کی اُمید غالب ہو تو نصیحت کی جائے ورنہ خاموشی اختیار کی جائے۔ کیونکہ بعض لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اُن شریعت ہی کو بُرا کئے گئے ہیں۔

(۱۰۹) فوائدِ محبت اور اُس کے شرائط یہاں ایک اور اشارہ بھی ہے کہ قرب (اور جوار) کی برکت

نے زمین کو رحمت سے مالا مال کر دیا۔ حالانکہ وہ جمادِ اقصیٰ ہے تو جاندار کو بالخصوص انسان کو برکتِ محبت سے (کیا کچھ فائدہ ہو گا؟) (خود ہی سمجھ لو) چنانچہ اسی بھادرت (اور محبت) سے ابو طالب کو برکت حاصل ہوئی کہ دو زنیوں میں سب سے کم حساب اُن پر ہے حالانکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کیا تھا (مگر حضرت کے ساتھ رہے۔ آپ کی محبت سے مشرّف ہوئے تو برکت سے محروم نہ رہے) لیکن بھادرت (اور محبت) کے متعلق یہ امر قابلِ تنبیہ ہے کہ اگر اُس سے اہل ایمان کو کسی قدر منفعت اور مدد پہنچتی ہو تو اس کو کچھ برکت حاصل ہوگی۔ اور اگر زیادہ منفعت و مدد پہنچے تو برکت کے ساتھ اُس کو عظمت و حرمت بھی حاصل ہوگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قرب و جوار کی زمین کو ہر طرف بارہ میل تک حرمِ مکہ کی طرح حرم بنادیا ہے۔ کہ نہ اُس کا شکار لیا جائے نہ اس کا درخت کاٹا جائے۔ یہ حرمت (اس زمین کو) اُن ہی لوگوں کی وجہ سے تو حاصل ہوئی جو اس زمین کے بسنے والے تھے (چونکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھادرت اور محبت کے ساتھ آپ کی نصرت میں بھی حصہ لیا تھا آپ کا اتباع بھی کیا تھا تو اُن کے احترام کا یہ اثر ہوا کہ اُن کی زمین بھی محترم ہو گئی) پس یہ قرب (اس زمین کے لیے) ایسا ہی ہے جیسا عاتقِ مخاطب کے لیے اتباعِ دو کہ جیسا وہ بوجہ اتباع کے محترم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ زمین بوجہ قربِ اہلِ اتباع کے محترم ہو گئی) کیونکہ مخلوق میں ہر نوع کو اُس کی حالت کے مناسب نفع حاصل ہوتا ہے (پس زمین کو صحرا کی بھادرت سے یہ نفع ہوا کہ اُس کو حرم بنادیا گیا) جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ محبت کی نسبت (اور مقدار) ہی

کے مصلحتی خیر حاصل ہوتی ہے۔ جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اُس سے دوسرے کو شرم نہ پہنچے تو اسی لیے حدیث میں آیا ہے **عَدُوُّ الْقَوْمِ لَا يَشْفَعُ بَهُمْ جَلِيسُهُ**۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا اور اگر مجاورت (اور صحبت اس طرح نہ ہو بلکہ) اس کے خلاف ہو (کہ جس کی صحبت میں رہتا ہے اُس کو ایذا پہنچاتا ہے) تو معاملہ برعکس ہو گا (کہ صحبت سے بھانے نفع کے فائدہ پہنچے گا) اسی لیے اہل تحقیق نے فرمایا ہے کہ انسان محقق (عادت کامل) کی مثال آگ جیسی ہے کہ جو شخص احتیاط کے ساتھ اُسے کلام میں لائے گا۔ اُس سے مختلف قسم کے منافع حاصل کرے گا۔ جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: **مَعَاصِقُ قَوْمٍ عُلَمَاءُ** نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو اہل مابست کے لیے فائدہ کی چیز بنایا ہے اور جو شخص بے احتیاطی کے ساتھ اس کو استعمال کرے گا نقصان اٹھائے گا۔

یہی حال فساد محقق کا ہے جو اسے پہچان لے اور ادب کے ساتھ اُس کی صحبت میں رہے وہ اُس سے بہت کم منافع حاصل کرے گا اور جو نہ پہچاننے کے بعد اُس کو تحقیر کرے گا اُس کو (بھانے نفع کے) ضرر لاحق ہو گا اگرچہ محقق (عادت) نے اُس کو ضرر دینے کا قصد بھی نہ کیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کو اُس کے لیے جوش آتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں **مَنْ اَذَى لِي دِيَا فَقَدْ اَذَى بِالْمَعَادَةِ** (جس نے میرے ولی کو ایذا دی اُس نے مجھے اعلان جنگ دیا ہے

”الْفَحْشُ مَا تَعُوذُ بِهِ مِنْ سَخَطِكَ وَسَخَطِ اَوْلِيَائِكَ وَتَعُوذُ بِهِ مِنَ الْخُوفِ بَعْدَ الْكُفْرِ وَمِنْ الْعَيْنِ بَعْدَ الْعَدَى وَنَسَلَاتِ اَنْ تَجْعَلَ عَاقِبَةُ اَمْرٍ نَارُ شِدَا اِيْحَتَاتِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ (قرآن وحدنا اشارۃً وھی ان بركة الجوار اقلدت المادى الرحمة الى قوله فقد اذنى بالمعادة“

ف۔ ایذا دینا ہر مسلمان کو بلکہ ہر حیوان کو حرام ہے جبکہ بلا وجہ ایذا دی جائے اور اولیاء و علماء کو ایذا دینا زیادہ حرام ہے کہ گویا خدا کا مقابلہ ہے۔ پھر ایذا کے بھی درجے ہیں۔ ایک یہ کہ عمل سے بلا وجہ ایذا دی جائے کہ مثلاً اُن کے ساتھ گستاخی

اور بدتمیز بی کام مصلحت کیا جائے۔ ایک یہ کہ زبان سے بلا وجہ اُن کو بُرا بھلا کہا جائے۔ یہ دونوں ٹھوس عین ہر حال میں موجب وبال ہیں۔ ایک یہ کہ اُن کو بُرا تو نہ کہا جائے، نہ گستاخی کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ لیکن ان کی ولایت اور کمالات کا انکار کیا جائے۔ یہ تیسری صورت فرسٹ کلاس شخص کے حق میں موجب وبال ہے جو اُن کے ولایت و کمالات سے واقف ہے۔ تا واقعہ کہ اس سے مراد چھوٹا۔ کیونکہ ولی کی ولایت کا ماننا یا اُس سے واقف ہونا فرمن یا واجب نہیں اور مسلم یہ ہے کہ جس شخص کی ولایت کا بہت سے عقائد اور صلہ و علاء کو اعتقاد ہو اُس کی ولایت سے انکار نہ کیا جائے گو تم کو بذات خود اُس کی تحقیق نہ ہو۔ کیونکہ غیر ولی سے جس شخص میں مذہب نہیں اور ولی سے بدظن ہوتا بُرا ہے تو بلا حرج و دست ایسے شخص کی ولایت سے انکار کیوں کیا جائے جس کی ولایت کو بہت سے عقائد اور صلہ و علاء تسلیم کرتے ہیں۔

رہا یہ کہ کسی کی ولایت کی تحقیق خود کیونکر کی جائے؟ تو اگر یہ علامات ولایت غالب تحقیق حامی ہے جب تو اُس کو عقائد اور صلہ و علاء کی تقلید سے کام لینا چاہئے اور اگر اُس کو کچھ نور بصیرت حاصل ہے تو چند روز اُس کی صحبت میں رہ کر یہ دیکھنا چاہئے کہ اس شخص کی طرف دُنیا داروں کا میلان زیادہ ہے یا دین داروں کا۔ اس کی باتیں دُنیا کے متعلق زیادہ ہوتی ہیں یا دین کے۔ اس کے پاس بیٹھنے سے دل دُنیا کی طرف راغب ہوتا ہے یا آخرت کی طرف۔ گُنہوں سے نفرت اور نیک کاموں کی رغبت اُس کے پاس بیٹھنے سے زیادہ ہوتی ہے یا نہیں۔ فرائض و نوافل و اذکار میں وہ اپنے معمولات کا پابند ہے یا نہیں؟ اور زیادہ وقت اُس کا اللہ کی یاد میں گت ہے یا دُنیا کے قصوں میں۔ اگر چند روز اُس کے پاس بیٹھنے سے یا علاوہ ہو کہ اس شخص پر اللہ کی یاد اللہ و رک کی محبت غالب ہے۔ زیادہ لوققت اسی تذکریں گزرتی ہیں اور اس کے اقوال و افعال و احوال شہت نبویہ کے موافق ہیں تو سمجھ لیا جائے کہ وہ اللہ کا ولی ہے جس کو یا دینا اللہ تعالیٰ کو ملائین جنگ دینا ہے۔

نور حق لاہر محمد اندر ولی نیک بین باشی اگر اہل دلی

حدیث

صلوة النوافل قبل الفرائض و بعدها

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے اور اُس کے بعد دو رکعتیں اور مغرب کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں اور جمعہ کے بعد نماز پڑھتے۔ یہاں تک کہ (گھر کی طرف) لوٹ جاتے پھر (گھر میں) دو رکعتیں پڑھتے۔

تشریح ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد مسجد میں نماز پڑھتے تھے اور مغرب کے بعد مسجد میں نماز پڑھتے تھے بلکہ اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اور جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے اور نیچے مسجد میں نماز پڑھتے تھے جمعہ سے غارِ باجوہ کو اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اس پر چند وجہ سے کلام ہے۔

- (۱) یہاں دو سوال ہیں (۱) یہ کہ داوی نے صحیح اور غیر کا ذکر کیوں نہیں کیا ؟
(۱۱۰) ان دونوں کا کیا حکم ہے ؟ (ان کے آگے یا پیچھے نفل نماز ہے یا نہیں ؟)
(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل نماز کی جو صفت (اور کیفیت) یہاں (منقول) ہے یہ تعجب (معنی) ہے جس کی علت فعل سے معلوم نہیں ہو سکتی یا قیاسی حکم ہے جس کی علت

عمل میں آسکتی ہے ۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ فجر و عصر کا گویاں ذکر نہیں مگر دوسری روایات میں موجود ہے۔ کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعد (طلوع) فجر کے بجز فجر کی دو سنتوں کے (نفل) نماز نہیں۔ اس باب میں اور بھی بہت احادیث ہیں۔ نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں تخفیف کرتے تھے اور تخفیف کی علت بھی۔ (بعض روایات میں) مذکور ہے ۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس باب میں بھی بہت احادیث ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تشبہ (معنی ہے جب تو گفتگو ہی رک رکھتے ہو) نہیں اور اگر یہ حکم کسی حکمت پر مبنی ہے تو وہ حکمت واللہ اعلم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں (علا اپنی اُمت کو) خدمت (اور عہدیت) میں ترقی کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جیسا منہم (بن ثعلبہ) کو (رقن) اسی کی ہدایت فرمائی تھی جبکہ اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ ! کیا میرے ذمے (ان فرائض کے علاوہ) کچھ اور بھی ہے۔ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے (کچھ نفل ادا) کرو

تعلیم عملی زبانی تعلیم سے زیادہ موثر ہے تو جس چیز کی آپ ترغیب دی تھی اسی کی اپنے عمل سے ترغیب دی۔ کیونکہ آپ کی عملی تعلیم زیادہ موثر ہوتی تھی اور (قاعدہ بھی یہی ہے کہ) احکام کی پختگی عمل سے ہی زیادہ کامل ہوتی ہے۔ اگرچہ قول بھی اس کے لیے کافی ہے جیسا شریعت (کے اصول) سے بارہا معلوم ہو چکا ہے۔ اور (حکمت نوافل کے بیان میں) یہ توجہ بہت عمدہ ہے۔ جس کام کا دوسروں کو امر کرو خود بھی اُس پر عمل کرو یہ سنو مسکون ہوا کہ انسان جس نیک کام کا دوسروں کو امر کرے یا ترغیب دے اُس پر

خود ہی مل کر ناچا بیٹے۔ یہاں تک کہ قال کے ساتھ وہ اس کا حال بہ جانے تاکہ
حق قائل کے اس ارشاد کے تحت میں داخل ہو (جس میں سخت وعید ہے)۔
يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَعَنُوْا لَوْ نَحْنُ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ؕ كَبُرَ مَقَاهُ ۗ اِنَّ
لَّيْنُ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ؕ

”اے ایمان والو! تم ایسی بات کہیں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات
بہت بُری ہے کہ ایسی بات کو جو کرتے نہیں ہو“

(ہر چند کہ یہ آیت دعویٰ کے متعلق ہے، امر بالمعروف کے متعلق نہیں۔ مطلب
آیت کا یہ ہے کہ ایسا دعویٰ نہ کرنا چاہیئے جس کو پورا نہ کیا جائے اور یہ بات سیاق
سے بھی ظاہر ہے اور شان نزول سے بھی معلوم ہے۔ مگر آیت کے ظاہری الفاظ
مطلق قول پر حال ہیں جس میں دعویٰ اور امر بالمعروف دونوں داخل معلوم ہوتے ہیں۔
پس امر بالمعروف میں بھی اس کا لحاظ کرنا چاہیئے کہ جس بات کا دوسروں کو امر کیا جائے
خود بھی اس پر عمل کیا جائے اور ہر حال میں آیت کا یہ مطلب نہیں کہ بے عمل دوسروں
کو نصیحت نہ کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ناسخ کو بے عمل نہ ہونا چاہیئے) اسی لیے بعض
اہل حلل نے فرمایا ہے کہ فقیر الکلام اور فقیر الحلل کو قیامت کی ہوائیں چلنے اور دنیا
کا بادل پھٹنے کے وقت معلوم ہو گا کہ ان دونوں میں اس میدان کا شمس کون ہے ؟
اُس وقت حقیقت پر سے پردہ اٹھ جائے گا اور معلوم ہو گا کہ کمن وعظا کمن کن ہوں
کا پڑھنا اور سائق کا مل کرنا کارآمد نہیں بلکہ احکام پر عمل کرنے اور اُس کو حال
بنانے کی ضرورت تھی۔

نوافل کے مشروع ہونے کی حکمت
بحسب ہم نوافل کے

تو اس حکمت (مذکورہ) کی ساتھ ہمارے سامنے ایک اور حقیقت آجاتی ہے جو بہت
ہی لطیف ہے اور اپنی ہمت کی خصلتوں میں سے (عجیب خصلت) ہے کہ کوکم ہم دیکھتے
ہیں کہ جن نازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بعہ نقل کے) فریاد کیا ہے

تہنچ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا مجموعہ (چوبیس رکعتیں ہیں اور ایک رکعت ہر کی دان کے علاوہ ہے توکل پینا بیس رکعتیں ہوئی۔ ان کو پانچ فرض نمازوں کے ساتھ ملایا جائے تو پچاس نشست نمازیں پوری ہوں گی اور یہی وہ اصلی عدد ہے جو اذن فرض ہوا تھا۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت پر شفقت کر کے تخفیف کی درخواست کی تھی (تو یہ پاس سے پانچ بارہ گئیں) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت ہر رکعت کے حق میں درجہ کمال کو اختیار فرمایا کہ اصلی فرض کو ہی پورا فرماتے تھے تاکہ رشاہ خداوندی اللہ تعالیٰ (کی تعمیل) میں آپ کا قدم راسخ ہو جائے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے (شعب علیہ السلام) فرمایا تھا ایہا جلیلین قنیتُ فلا تمدواں علی کران دونوں مدتوں پہنچتے جس مدت کو بھی نہیں پورا کر دوں یعنی اٹھ سال کی مدت یا دس سال کی مدت تو مجھ پر کوئی الزام نہ ہوگا) پھر آپ نے دونوں میں سے بڑی مدت کو پورا کیا کیونکہ انبیاء و رسل صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین (سمت) بلند ہمت والے ہیں اور کیوں نہ ہوں وہ تو مخلوق کے بہتروں سے بھی بہتر تھیں (اُن کا طریقہ یہی ہے کہ اعلیٰ و افضل و اکمل کو اختیار فرماتے ہیں) اب ہمیں ان چوبیس رکعتوں کے بتلانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ دوسری (تو مدت) فجر کی ہیں اور بارہ رکعتیں چاشت کی ہیں۔ جیسا احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور زوال و آفتاب کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولا نماز سے منع

عہ ہمدی نیت و ابراہیم اللہ تعالیٰ ہے جس میں حضرت ابراہیم کی حق تائید نے مدعا فرمائی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پوری طرح مان کر دیا تھا۔ ۱۰

عہ فی الاصل وعند الزوال بقدر حالان ینہی من الصلوۃ فی ذلک الوقت ثم رجع علیہ السلام فہذہ اربا الخ و فیہ تصحیص والصحیح حسی بعد ما کان ینہی من الصلوۃ الخ و لہ یکتہر لی وجہ قولہ ثم رجع علیہ السلام فان الرجوع یدل علی التسمی و لیس ذلک من التسمی فی شئی فانہ صلی اللہ علیہ وسلم انما ینہی من الصلوۃ عند الزوال و هذا النہی باقی علی حالہ وصلی اربا بعد الزوال یعنی نزول الشمس من کبر الساء و لہ ینہی من الصلوۃ بعد الزوال قط فانہم ۔ ۱۱

فرماتے تھے۔ پھر آپؐ نے (زوال کے بعد) چار رکعتیں پڑھی ہیں۔ غالب گمان اس (غاذ) کی تخفیف حد میں یہی ہے اور ظہر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر کے بعد دو رکعتیں، عصر سے پہلے دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں، تہمتہ المسجد کی دو رکعتیں، عشاء کے بعد دو رکعتیں اور اگر صلوة فی الزوال کی دو رکعتیں ہوں (چاند ہوں جیسا اوپر بتلایا) تو چوبیس کا عدد پورا کرنے کے لیے وہ دو رکعتیں شمار کر لی جائیں جو حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں وارد ہیں کہ آپؐ اپنے بستر پر دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سو یا کرتے تھے اور قیام اللیل (یعنی تہجد) کی بارہ رکعتیں اور وتر کی ایک رکعت (مستحکم) کہتا ہے کہ فی الزوال کی دو رکعتیں مان کر چوبیس کا عدد پورا نہیں ہوتا بلکہ فی الزوال کی چار مان کر بھی بستر پر سونے کے وقت کی دو رکعتیں طے سے یہ عدد پورا ہو گا۔ جیسا شام کرنے والے پر بھی نہیں اور اسلم یہ ہے کہ فی الزوال کی دو رکعتیں شمار کی جائیں اور ظہر سے پہلے چار رکعتیں کیونکہ حدیث ام حبیبہ و عائشہ رضی اللہ عنہما سے ظہر کے پہلے چار سنتوں کا ثبوت ہوتا ہے اور یہی حنفیہ اور جمہور علماء کا مذہب ہے اور بستر پر سونے کی دو رکعتیں حضورؐ سے دو انا ثابت نہیں۔

اس تقریر پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ تمہارے بیان سے صحت اتنا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ فرضوں کے علاوہ چوبیس رکعتیں پڑھی ہیں۔ یہ تو ثابت نہ ہوا کہ چوبیس نمازیں پڑھی ہیں تاکہ محمود پکاس نمازیں ہوں۔ آگے اس کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ۵۵ رکعتیں ہی ۵۴ نمازیں ہیں) کیونکہ ایک رکعت پر دس ثمر (غاذ) کا اطلاق ہوتا ہے۔ جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے :-

إِنَّ اللَّهَ تَزَادُ أَشْهُمَ صَلَواتِهِ وَأَوْفَى الثَّوَرِ

- اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نماز اور ہر عبادی ہے۔ سُن لو

وہ وتر ہے۔

اور وتر ایک رکعت ہے) تو (دیکھو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک رکعت کو ناز فرمایا ہے اور بقا پر اس وتر کے بڑھانے میں حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (۴۵ کے) عدد میں ایک کی کمی چھڑ دی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو زیادہ (۴۶ کے) کمی کو پورا کر دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احسان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی امت پر فضل کامل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہیں جس اپنے احسان سے اس امت کے صلحاء میں داخل کرے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی تو جیسا ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے محض فضل اور تخفیف کے لیے (غاذروں کا) عدد کم کر دیا تھا کہ پچاس کی جگہ پانچ کر دیں، اسی طرح (آخر میں) تفضل و تکمیل کے لیے (وتر کی

۴۵ یہ مسئلہ مختلف لیر ہے کہ وتر کم از کم ایک رکعت ہے یا تین رکعت۔ خلیفہ کا نہ ہونا یہ ہے کہ وتر کم از کم تین رکعت ہے مگر اس باب کی احادیث کو بھیجے کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت میں ایک ہی رکعت ہے مگر اُس کے ساتھ دو رکعتوں کا اضافہ ضروری ہے۔ اگر تھا ایک ہی رکعت پر کفایت پہلے تو خلیفہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ عبد اللہ بن مسعود کا ارشاد ہے کہ حال اجلت رکعت واحدہ تھا کہ ایک رکعت تنہا بھی کافی نہیں ہوتی۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیانات نہیں کہ آپ نے بھی وتر کی تنہا ایک رکعت ہنگام ہو۔ پس یہ بھی ممکن ہے کہ وتر ایک رکعت ہے کیونکہ حقیقت میں ایک ہی رکعت وتر ہے اُس کے ساتھ دو رکعتیں اس لیے طاقی جاتی ہیں تاکہ ایک رکعت تنہا ہو۔ جس کو بعض احادیث میں پھیرا۔ کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبیراً سے منع فرمایا ہے۔ جب وتر کے ساتھ دو رکعتوں کا اضافہ ضروری ہے تو یہ کیا بھیجے ہے کہ وتر تین رکعت ہے۔ ہر حال اس اختلاف کے ثبوت کے کام پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ اُن کا یہ مدعا برہان میں ثابت ہے کہ اگر تھا ایک رکعت کو بھی ناز کیا جاتا ہے ورنہ ظہر۔ اس کی تائید فقہاء خلیفہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے اللہ لا، صلی اللہ علیہ وسلم میں ناز نہ پڑھوں گا تو جب تک وہ ایک رکعت پڑھ کر پڑھے گا حاث نہ ہوگا۔ جب ایک رکعت پڑھ لے گا حاث ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک رکعت سے کم ناز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک رکعت کو ناز فرمایا گیا ہے۔ ۱۰

عنہ فی اصل ویظہر فیہ من الحکمۃ ان المولیٰ سبحانه لما نقص من الصلوة لضعف
نامہ اصل جلالہ الخوفہ تعجبت حدی والصیح ان المولیٰ علیہ اللہ علیہ وسلم الخافہ ۱۰

ایک دس بڑا کر، ثواب کو کامل کر دیا کہ اب ان ۵۴ نفل رکعتوں کے پڑھنے والے کو حقیقی پچاس نازوں کا ثواب ملے گا۔ اگرچہ تنہا پانچ فرض بھی پچاس نازوں کے برابر ہیں۔ کیونکہ ہر ناز کا ثواب دس کے برابر ہے۔ مگر وہ ملے پچاس ہیں۔ حقیقی نہیں واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲۔

یہاں ایک لطیف گفتگو ہے وہ یہ کہ یہ اُمت (محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) دوسری اُمتوں پر گواہ کیوں بتائی گئی؟ جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے:

وَكُنَّا لَكَ جَنَّاتٍ مَّوْءَاظٍ وَسَّالَىٰ عَنِ الْكَوْنِ أَشْهَادًا عَلَيَّا نَسُ
وَكُنَّا لَكَ جَنَّاتٍ مَّوْءَاظٍ وَسَّالَىٰ عَنِ الْكَوْنِ أَشْهَادًا عَلَيَّا نَسُ

۱۰ اور یہاں ہی ہم نے تم کو امت وسطیٰ (مشرقی اُمت) بنایا تاکہ تم اور لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تمہارے اور پر گواہ بنیں ۱۱

اُمتِ محمدیہ دوسری اُمتوں کیوں افضل ہو گئی حالانکہ یہ اُن سے کمزور ہے

حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو (شبِ معراج میں) سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا تھا کہ میں بنی اسرائیل کو بہت زیادہ چمیل چکا ہوں، اُن پر وہ فزین فزین کی گئی تھیں وہ اُن کو بھی پھر کی طرح ادا نہ کر سکے، اور آپ کی اُمت اُن سے کمزور ہے (وہ) اس کی (یعنی پانچ نازوں کی) طاقت نہیں رکھتی تو (جواب یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا کہ ہمارے آقا (سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو درجہ کمال کی توفیق عطا فرمائی کہ جو عدد والا مطلوب تھا اس کو (خود) آپ نے ہی پورا کر دیا۔ اور اُمت کو بھی اس کی ترغیب دی، تاکہ گواہوں کا تذکرہ (کامل ہو جائے) کیونکہ تذکرہ و عدالت گواہی کی شرط ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس اُمت کا تذکرہ (اچھی طرح) ظاہر ہو گیا (کہ دوسری اُمتیں باوجود قنوت کے دو نازوں کو بھی پورا نہ کر سکیں اور یہ اُمت باوجود ضعف کے پچاس نازی ادا کرتی ہے۔

ترقی کے دو دروازے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو باوجود اس کے صفت کے اسی پر نہیں چھوڑ دیا، بلکہ آپ نے پہلے لیے ترقی کے دو دروازے اور کھول دیئے۔ ایک تو اپنے اس ارشاد سے کہ وحید اللہ عبد الصمد اربعاً قبل اربعاً وصل ارباب بعد اربع ومن صلی بین العشا ثلین اثنی عشر رکعة بحمدہ لہ قعرانی الجنة ۲۔ اللہ اس بندے پر دم فرمے جو چار رکعت والے (رمن) اسے پہلے چار رکعتیں (نفل) پڑھے اور چار رکعت والے (رمن) کے فرض کے بعد بھی چار رکعتیں (نفل) پڑھے اور جو شخص مغرب و عشاء کے درمیان چار رکعتیں پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں عالی شان محل بنائیں گے ۳۔

اس حدیث سے ظہور و عطاء کے پہلے اور پیچھے چار رکعتیں پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوئی۔ مگر عصر کے بعد نماز نفل کی کائنات احادیث مشہورہ متواترہ میں وارد ہے اور یہ حدیث اُن کے برابر نہیں اس لیے بعد عصر کو اس حدیث سے مستثنیٰ کیا جائے گا۔ ترمذی نے بسند حسن روایت کی ہے وحید اللہ امرأ صلی قبل العصر ادبھا۔ اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے۔ اس میں عصر کے بعد کا ذکر نہیں اس لیے نماز عصر سے پہلے ہی چار رکعتیں پڑھنا چاہئیں۔ بعد میں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۴۔ اور اس کے مشابہ دوسری احادیث بھی اس کے ہم معنی وارد ہوئی ہیں (جہ میں نوافل کی ترغیب ہے) اور وہ بہت حدیثیں ہیں ۵۔

جملہ افعال و اقوال میں تزکیہ کامل کی ضرورت ہے یہ ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز کے علاوہ ہمارے) بقیہ افعال و اقوال کے تزکیہ کامل کی ضرورت پر بھی اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے:

مما لم تنهہ صلوٰۃ عن الفحشاء والمنکر بعد جزاء من اللہ الام بعدا۔

” جس شخص کو اُس کی نواز بے حیائی اور بڑے کاموں سے نذر کے اُس کو اللہ سے بُد ہی بڑھے گا۔“

(قرب نہ بڑھے گا کیونکہ اس مُہرت میں اُس کی نواز نواز نہ ہوگی بلکہ صرف اُٹک بیٹک ہوگی جو غلبۃ النبی کے لائق نہیں بلکہ اس کے متافی ہے اور یہ دہید اُس وقت ہے جبکہ یہ شخص گنہوں سے نادم ہو کر توبہ بھی نہ کرتا ہو۔ اگر توبہ کر لیتا ہو اور دل میں ندامت ہو تو بُد نہ ہوگا بلکہ اُمید ہے کہ کسی وقت گنہوں سے بالکل الگ ہو جائے گا۔ غرض گنہ سے ندامت ہو ماحقہ کی توفیق ہو تا بھی نواز کی برکات میں سے ایک برکت ہے۔)

پس اسے مشہدات اور شہوات کے ماضی تجھے اللہ کی قسم! کچھ تو اپنی جان کی خبر لے۔ اپنے کو اس مقام رفیع اور عظیم الشان درجے سے محروم نہ کر۔ اپنے نفس کو ذلت اور ملامت کے مقام میں کھڑا کر (اَشہوات پرستی میں آزاد نہ چھوڑ) کیونکہ جو شخص اپنی خواہش نفس کا اتباع کرتا ہے اس کی مروت (اُدیت) زائل ہو جاتی ہے اور دین بد نما ہو جاتا ہے۔ جس کی یہ حالت ہو اُس کا عمل برباد ہے اور جہنم اُس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم (برابر) دوزخ و مکہ یہاں تک کہ (مکہ کو) تاخت کی طرح (داخل) ہو جاؤ اور راتوں کو نواز پڑھو یہاں تک کہ کمان کی طرح (خمیدہ) ہو جاؤ۔ مگر تم اسے اندر وداع (اور تقویٰ) نہ ہو جو رحمت سے (دو کئے) والہ ہو تو یہ اعمال تم کو جہنم سے نہیں بچا سکتے یہ اور جو ان آدمی جب اپنی شہوتوں کو چھوڑ دیتا ہے تو اب اس کا نفس حمد و قصد کے حاصل کرنے کی توقع کرتا ہے (وہ ان اعمال میں کوشش کرنے لگتا ہے جو جنت میں پہنچانے والے اور جہنم سے روکنے والے ہیں)۔

نوافل کی ترتیب اور تفریق کی حکمت
تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عیب حکمت میں غور

تو کہہ کہ آپ نے ان (نفل) نمازوں کو کس عجیب ترتیب کے ساتھ متفرق اوقات میں رکھا ہے۔ اگر آپ ان سب کو ایک ہی وقت میں رکھ دیتے یا ان کا درجہ مقرر فرما دیتے جس میں زیادتی یا کمی نہ ہو سکتی ہو تو اس میں (راست کو) مشقت ہوتی اور شاید بہت لوگ ان رکے پورا کرنے کی قدرت نہ پاتے۔ مگر آپ نے (ایسا نہیں کیا بلکہ) ان میں سے بعض (فواضل) کو تو فرض نمازوں کے ساتھ رکھا اور جو بعض (فواضل فرض) نمازوں کے ساتھ نہیں ہیں ان کا وقت (بہت) دیر ہے۔ مثلاً رات کی نماز (یعنی تہجد) ایک جانب میں ہے (جس کا وقت بہت ہے) اور چاشت کی نماز طلوع آفتاب سے زوال تک (ایک جانب میں) ہے (اور یہ بھی کافی وقت ہے) پھر اگر کوئی قیام السیل (یعنی تہجد) اور چاشت کی نماز سے عاجز ہو وہ ان نمازوں سے تو عاجز ہو گا جو فرضوں کے ساتھ ہیں۔ یہ تو سب ہی آدمیوں کو آسان ہیں۔ چنانچہ ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کوئی غامی فرض نماز کو ادا کرتے ہوئے اُس سے پہلے اور نیچے نفل نماز نہ پڑھتا ہو اور اگر کوئی ایسا ہو تو وہ (شاذ و نادر کے حکم میں ہے) (اور نادر بشرطہ معدوم کے ہے) جس کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

تم اس لطیف اشارہ پر بھی نظر کر دو کہ جب ہم سے اولاً پچاس نمازوں کا مطالبہ کیا گیا پھر فرض پانچ رہ گئیں تو اصل فرض تو یہ پانچ ہی ہیں مگر کمال کا درجہ پچاس ہیں تو جتنی اُس اصل میں جو حکم قطعی سے ثابت ہے کمی رہ گئی تھی اُس کو دوسری اصل سے جو اون مطلوب تھی پورا کر دیا گیا یعنی پانچ فرضوں کے ساتھ پہلے اسیں رکعتیں ملا کر ان کو پچاس کر دیا گیا اور ان کا نام نفل رکھا کیونکہ یہ حتمی (اور لازم) نہیں (بلکہ درجہ کمال حاصل کرنے کے واسطے ہیں) اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل جلالہ فرمائیں گے میرے بندہ کی نماز کو دیکھو مگر وہ فرض کو پوری طرح بھالایا ہو فیماوردہ دیکھو کہ اگر اس کے پاس کچھ نفل ہوں تو فرض (کی کمی) کو ان سے پورا کر دو۔ تو اُس اصل کو جو فرض ہے دوسری اصل سے جو کہ اولاً وضع کی گئی تھی پورا کر دیا جائے گا۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ

ارشاد ہر طرح (صادق آئے گا۔ عابد ل القول لدی۔ کہ میرے یہاں بات نہیں بدلا کرتی۔ چنانچہ گو فرمن نازیں اس وقت پانچ ہیں مگر وہی پچاس بھی ہیں کیونکہ ان کو پانچ کا ثواب پچاس کے برابر کر دیا گیا۔ پھر ان پانچ کی کمی کو بھی نوافل سے پورا کر دیا گیا حالانکہ نفل فرمن کے برابر نہیں مگر چونکہ اتلا پچاس نازیں نفل ہوئی تھیں اس لیے ۵۴ نفلوں کو بھی فرمن کا درجہ دے دیا گیا۔ اس پر شاید یہ سوال وارد ہو کہ کیا ۵۴ رکعات سے زیادہ کو فرمن کا درجہ نہ دیا جائے گا۔ کیا ان سے فراموش کی کمی کو پورا نہ کیا جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ قیاس کا مقتضی یہی تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمام نوافل کو فرمن کا مکمل بنا دیا ہے۔ کیونکہ نفل ہونے میں یہ ۵۴ اور اس سے زیادہ سب برابر ہیں۔

(واللہ ذو الفضل العظیم) قوله اوجه الاول هذا الذي جاء عنه عليه السلام من صفة هذا التنفل هل هو تعبد لا يعقل الى قوله في الوجه الثاني في جواب قوله تعلق عابد ل القول لدی۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ شارح نے حکمت نفل کے متعلق جس عظیم عقلم کو ظاہر کیا ہے یہ اُن علم میں سے ہے جو صوفیہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور دراصل یہ اسرار کشفیہ ہیں جن کے بیان سے زبان اکثر قاصر رہتی ہے اسی لیے ممکن ہے کہ اس تقریر کے بعض مقامات اہل علم کی نظر میں مخدوش ہوں مگر علوم کشفیہ خود تہ کو مقامات و دلائل کی حاجت نہیں۔ صاحب ذوق کا انشراح صدر اس کے لیے کافی ہے۔

یہاں سے اُن لوگوں کی غلط داغ ہو گئی جو سنن مؤکدہ کے بھالنے میں بھی قابل اور مکمل سے کام لیتے ہیں اُن کو تنبیہ ہو جائے چاہیے کہ وہ اپنے کو بہت بڑے درجے سے محروم کر رہے اور اپنی بھلائی سے غفلت کر رہے ہیں ایسا نہ ہے جو فراموش کو نہ کہ دو کاست خود ہی طرز بھالنا ہو کہ نفل سے اُن کی تکمیل کا محتاج نہ ہو۔ پہلے زمانہ میں ایسے نازی شاؤ و ناوہ تہی نہ دتے تھے جو فراموش کے پہلے اور

بچے کہ نوافل نہ پڑھتے ہوں مگر آج کل ایسے لوگوں کی کثرت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ
 اُن کو ہدایت دیں اور ہمیں اور سب مسلمانوں کو تکلیفِ معلوۃ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین
ف یہاں سے سائیکس کو بہت لین چاہیئے کہ اُن کو پانچ فرضوں کے علاوہ کم از کم
 دو رکعتیں نوافل کی مع وتر کے پڑھنا چاہئیں تاکہ حقیقتاً دیکھنا ہر طرح ۵۰ نمازیں
 ادا ہو جائیں کیونکہ طریقِ سلوک، بہادہ، اور کثرتِ عبادت پر منحس ہے ان کو پختہ کس
 رکعات سے کم نوافل نہ پڑھنا چاہئیں۔ جس کی ایک عورت قودہ ہے جو حضرت شداد
 نے بیان فرمائی۔ دوسری عورت یہ ہے کہ سننِ مؤکدہ کی بارہ رکعتوں اور وتر کی تین رکعتوں
 کے علاوہ تیس رکعتیں اور پڑھی جائیں۔

حنبلہ کے نزدیک سننِ مؤکدہ کی تفصیل یہ ہے کہ نماز فجر کے پہلے دو رکعتیں فجر سے
 پہلے چار اور اُس کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد، دو رکعتیں عشاء کے بعد دو رکعتیں
 ہیں۔ ان کے ساتھ وتر کی تین رکعات ملانے سے مجموعہ عدد پندرہ ہوا۔ ان کے
 علاوہ تیس رکعات نوافل اس طرح پڑھ لی جائیں کہ مغرب کی سنتوں کے بعد معلوۃ الاذان میں
 چار رکعات، تہجدِ فرشب میں آٹھ رکعات۔ معلوۃ الاشراق چار رکعات، عصر سے
 پہلے دو رکعتیں اور اسی میں خیرۃ المسجد کی نیت کر لی جائے۔ معلوۃ الغنم چار رکعات، ظہر کی
 سنتوں کے بعد دو رکعتیں، عشاء سے پہلے دو رکعتیں۔ عشاء کی سنتوں کے بعد دو رکعتیں۔
 اس طرح مجموعہ عدد رکعات نوافل و سنن مع وتر کے پختہ پائیس ہو گا۔ ان کے ساتھ پانچ
 فرضِ نوافل مکمل پائیس سے پچاس نانوں کا عدد نچڑا ہو جائیگا۔ اگر آفرشب میں تہجد کے
 لیے بیدار ہونے کی امید نہ ہو تو عشاء کی سنتوں کے بعد وتر سے پہلے یا پچھے ۲ رکعتیں
 تہجد کی نیت سے پڑھ لی جائیں۔

ف جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ صرف ایک رکعت پر بھی نماز کا اطلاق ہوتا ہے تو ۵۰ نمازیں
 پورا کرنے کی ایک محنت یہ بھی ہے کہ پانچ فرض اور وتر کی رکعات کا مجموعہ
 بیست رکعات ہے۔ ان کے علاوہ تیس رکعتیں اور پڑھ لی جائیں جن میں بارہ رکعات
 تو سننِ مؤکدہ کی ہوں اور چار اشراق کی اور ظہر کی دو سنتوں کے بعد دو رکعتیں۔ عصر سے
 پہلے چار رکعتیں مغرب کی سنتوں کے بعد چار رکعتیں۔ عشاء کی سنتوں کے بعد دو رکعتیں،

وتر کے بعد نہایت تہجد دو رکعتیں ۔

اگر کسی کو یہ شریب آسان نہ ہو تو جس وقت فرصت زیادہ ہو اُس میں تعداد رکعات بڑھا کر تین کا عدد چار کر دے ۔ مگر جو صورت ہم نے بیان کی ہے وہ بعض احادیث کے موافق ہے ۔ مثلاً ایک حدیث قدسی میں ہے :-

ابن آدم اور کبھی ابی ایوب دیکھتے ہیں اول انہما رکعتان آخرہ ۔

” اے ابن آدم ! تو دن کے شروع میں ایسے پلے پلے رکعتیں پڑھ لیا کر ۔ ”

تیری حالت کروں گا ۔

اکثر علماء نے اس حدیث کو غلطاً شراق پر محمول کیا ہے ۔ قرذی کی حدیث میں ہے رحمہ اللہ امرأتی قبل العصر اربعہ ۔ جس کا ترجمہ گند چکا ۔ نماز عشاء اور عصر کے بعد چار رکعتوں کی فضیلت ایک حدیث میں گند چکا ہے ۔ صلوة اللہ ابین کے بارہ میں غفلت ہے کہ چار رکعات عشاء سنت مغرب کے ہیں یا مغرب کی سنتوں کے ساتھ ، اگر کسی کو مغرب کے بعد چار غفلتوں کا وقت نہ ملے تو وہ عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھ لیا کرے کہ ایک حدیث میں جو اوپر گزر چکی ہے عشاء سے پہلے بھی چار رکعتیں پڑھنے کی فضیلت وارد ہے ۔ اسی طرح بعض روایات میں وتر کے بعد دو رکعتیں کو تہجد کا قائم مقام بتلایا گیا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

ف تو ترکیب صلوة کی صورت بھی اسی پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے بلکہ جملہ افعال و اقوال میں ترکیب کا اہتمام کیا جانے اسی کا نام درج اور تقویٰ ہے جس کے لیے اصطلاح نفس کی ضرورت ہے جو شیخ صوفیہ کی تربیت و تعلیم سے حاصل ہوتی ہے کہ وہی امر حق قلب کے طیب ہیں ۔

نفس خیر کشت لافل پر

دامین آن نفس کشت است گیر

حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی سنتیں مسجد میں

نہ پڑھتے ، بلکہ گھر میں پڑھتے تھے ۔ اسی طرح جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے

تھے۔ اس میں دانشاظم حکمت یہ تھی کہ مغرب کا وقت تنگ ہے اور مشغولی کا وقت بھی ہے۔ بعض لوگ مزدوری کاموں کو اوجھڑا چھوڑ کر نماز کے لیے آجاتے ہیں جن کو نماز مغرب کے بعد جلدی پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مغرب اور جمعہ کے بعد مسجد میں سنتیں نہ پڑھنے کی حکمت

بعض لوگ اس وقت تھکے ماندے اور بیٹے روزہ دار ہوتے ہیں۔ اگر وہ بول اندھ علیہ السلام مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھتے تو صبا بھی مسجد کے پابند رہتے جس سے بعض کو تکلیف ہوتی جو آپ کو گوارا نہ تھی۔ حضورؐ نے تو فرض مغرب کے متعلق بھی یہ فرمایا ہے کہ اگر شام کا کھانا ماسخے مکہ دیا جائے اور نماز کی اقامت ہونے لگے تو پہلے کھانے سے فارغ ہو جاؤ۔ تو نوافل کے لیے اُن کو مسجد کا پابند بنانا آپؐ کیسے گوارا فرماتے؟ اس لیے مغرب کی سنتیں گھر میں پڑھتے تھے تاکہ اہل عبادت فرض پڑھتے ہی اپنے گھر چلے جائیں اور مزدوری کاموں سے فارغ ہو کر یا کسی قدر راحت و آرام کے سنتیں پڑھ لیں اور جمعہ کے بعد مسجد میں سنتیں اس لیے نہ پڑھتے تھے کہ ماواقف لوگ یہ خیال نہ کریں کہ یہ دور کثرتِ ظہر کی چادر کشتیں پوری کرنے کے لیے پڑھی جاتی ہیں۔ پھر روزہ ملتے بہ اعتقاد نہ ہو جائے کہ یہ رکعتیں فرض ہیں۔

جیسا بعض علماء کا قول ہے کہ جمعہ کا خطبہ ظہر کی دو رکعتوں کا قائم مقام ہے حالانکہ خطبہ کو نماز سے بظاہر کچھ نسبت نہیں تو ان دو رکعتوں کو تو مزدور ظہر کی دو رکعتوں کا قائم مقام سمجھ لیا جلتا۔ کیونکہ نماز کو نماز سے پوری نسبت ہے۔ اب اس میں علماء نے غفلت کو ہے کہ مغرب کی سنتوں کا اور جمعہ کے بعد دو رکعتوں کا مسجد میں پڑھنا کیسا ہے؟ سو اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کے بعد مسجد میں سنتیں پڑھنا جائز ہے کیونکہ بول اندھ علیہ السلام نے جس علت کی وجہ سے ان کو گھر میں پڑھا ہے وہ علت دوسروں کے حق میں مفقود ہے۔ لیکن انفل یہی ہے کہ اُن کو گھر میں ہی ادا کیا جائے۔ کیونکہ فضیلت حضورؐ کے اتباع ہی میں ہے۔ اگرچہ علت میں بعض حضرات ان سنتوں کو

مسجد میں پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔
 بعض نے مسجد میں پڑھنے سے منع فرمایا ہے بعض نے جائز کہا ہے۔ مگر جائز کہنے والے بھی
 یہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے متصل نہ پڑھے بلکہ ایک دروازہ سے نکل کر دوسرے
 دروازہ سے مسجد میں آکر پڑھ سکتا ہے یا جس جگہ فرماں جمعہ ادا کیا ہے اُس جگہ سے ہٹ
 کر یہ رکعتیں پڑھے اور اگر جگہ بدلنے میں دشواری ہو تو کم از کم جمعہ کی نماز کے بعد کچھ دیر
 بیٹھا رہے اور پھر یہ دو رکعتیں پڑھے تاکہ وہ مشبہ جاتا ہے کہ یہ دو رکعتیں نماز ظہر کی
 چادر چھڑی کرنے کے لیے ہیں اور اس میں تو کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ اُن کا افسر ہیں
 پڑھنا ہی افضل ہے۔ یہ خلاصہ ہے اُس تقریر کا جو علامہ شارح نے اسی مقام پر
 بیان فرمائی ہے۔

علماء زمانہ کی شکایت

اس کے بعد اُنہوں نے اپنے زمانہ کے علماء پر
 افسوس ظاہر کیا ہے کہ وہ جمعہ کی نماز کے متصل
 یہ رکعتیں پڑھتے ہیں۔ نہ جگہ بدلتے ہیں نہ کچھ توقیف کرتے ہیں۔ گویا اُنہوں نے اس
 حدیث کو اور مسلم کی اس حدیث کو سنا ہی نہیں جس میں وارد ہے کہ ایک شخص جمعہ کی
 نماز سے فارغ ہو کر اسی جگہ نفلیں پڑھنے لگا تو حضرت عمرؓ نے اُس کو اپنی طرف
 کھینچا اور فرمایا بیٹھ جاؤ پہلے اُنہیں اسی سے برباد ہوئی ہیں کہ وہ نمازوں میں فصل
 نہ کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے قول کی تقریر و تصدیق
 فرمائی۔ یہ دونوں حدیثیں صحت حدیث کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں۔ پھر بھی علماء
 زمانہ ان کی معذرت پر غور نہیں کرتے۔ پس علم اور اہل علم کہاں پہلے گئے؟
 اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

دین میں کیسی نئی نئی باتیں پیدا ہونے لگیں؟ جن کا زیادہ حق اس جماعت
 کے ہاتھوں پیدا ہو رہا ہے جو علم کی طرف منسوب ہے۔ ان کے پاس بجز الفاظ
 نقل کر دینے اور زبردستی بحث و مباحثہ اور فقر و مباحثات کرنے کے کچھ نہیں رہا۔
 یہ بات علم اس طرح حاصل نہیں ہوتا نہ اس کا یہ طریقہ ہے۔ علم تو اتنا عسست سے

حدیث

غزوۃ بنی قریظہ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ظہر کے بعد) غزوۃ احزاب سے (خارج ہو کر) واپس ہونے تو آپ نے ہم سے فرمایا کہ کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے۔ مگر بنو قریظہ (کے محلہ) میں (پہنچ کر یعنی وہاں جوں پہنچو۔ نماز عصر کی وجہ سے تاخیر نہ کرو۔ نماز وہیں جا کر پڑھو) تو (صحابہ یہ حکم سنتے ہی روانہ ہو گئے جن میں سے اکثر تو نماز عصر کے وقت بنو قریظہ کے محلہ میں پہنچ گئے اللہ ایک جماعت کو راستہ ہی میں عصر کا وقت ہو گیا تو (ان میں دو فریق ہو گئے) بعض نے کہا کہ ہم تو عصر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھیں گے ماسے میں نہ پڑھیں گے۔ (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد یہی تھا کہ بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے۔ پس ہم کو اس ارشاد کی پوری تعمیل کرنا چاہیے) بعض نے کہا ہم تو (راستہ ہی میں) نماز پڑھ لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہ تھی کہ نماز کو قضا کر دو یا وقت مکروہ میں ادا کرو۔ بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ نماز عصر کی وجہ سے رواجی میں تاخیر نہ کی جائے۔ سو ہم نے رواجی میں تاخیر نہیں کی بلکہ حکم کے ساتھ ہی روانہ ہو گئے اور جب ہم نے حکم کی تعمیل کر دی ہے تو اب راستہ میں نماز پڑھنا اور بنو قریظہ کے محلہ میں نماز پڑھنا برابر ہے) پھر (دونوں فریق کی)

اس گفتگو اور معاملات رائے) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ نے اُن میں سے کسی کو طاعت نہیں فرمائی ۛ

ظاہر حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف شہسرج جانے کا حکم دیا اور صحابہ نے اس حکم کی تعمیل میں سبقت کی اس پر چنہ درجہ سے کام ہے ۛ

اس حدیث کے فوائد پر گفتگو کرنے سے پہلے واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف جانے کا حکم ہوا تھا۔

سودا واقعہ یہ ہے کہ جب صحابہ غزوہ احزاب سے خلاصہ واقعہ غزوہ خندق واپس ہوئے دجس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔

کیونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی حفاظت کے لیے شرقی جانب میں بڑی گہری اور چوڑی خندق کھدوائی تھی کہ اسی طرف سے مدینہ میں دشمن میں آنے کا راستہ تھا باقی ستیس ہزاروں، ٹیلوں اور لوگوں کے مکانات کی وجہ سے محفوظ تھیں۔ فوج اُدھر کو نہیں آسکتی تھی۔ ایک ایک دو دو آدمی آسکتے تھے تو اُن کے روکنے کو تیراٹناڑوں کی مختصر جماعت کافی تھی۔ یہ لڑائی سحر میں ہوئی ہے اُس کے بانی یسود بنی نفیر تھے جو چند سال پہلے مدینہ سے جلا وطن کئے گئے اور خیبر میں جا بے تھے۔ اُنھوں نے کمر ہا کر قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اُجماعاً اور یقین دلایا کہ خیبر کے یہودی بھی تمہارے ساتھ ہوں گے اور یہود بنو قریظہ بھی جو مدینہ میں رہتے ہیں ہماری موافقت کریں گے۔ چنانچہ اہل مکہ نے اپنی پوری جمعیت کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا۔ اطراف و جوانب کے دیہاتی بھی اُن کے ساتھ ہو گئے۔ مدینہ پہنچتے پہنچتے اُن کی تعداد دس بارہ ہزار ہو گئی۔ بنو قریظہ نے اُن کی کثرت پر بھر دسمہ کر کے مسلمانوں سے فدا رسی کی اور نقصان عمدہ کر کے قریش کے ساتھ ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا پسند فرمایا

شرکے اندر وہ کہی مقابلہ کا حکم دیا۔ حکم قریش نے خندق کے پاس قیام کیا۔ کیونکہ شرمیائے مکہ نے کہا کہ اگر خندق کا عرض و ملک دیکھ کر اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس کا مجبور کرنا آسان نہ تھا۔ دو چار ہبادوں نے خندق میں گھوڑے ٹالے بھی مگر مسلمانوں کی تیر اندازی نے اُن کو پار ہونے کی سلت زد دی۔ ایک دو ہباد ہمت کر کے پار بھی ہوئے تو حضرت علی اور حضرت زبیرؓ جیسے ہبادوں کی تلواروں نے اُن کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب قریش نے خندق کے کنارہ سے مسلمانوں پر تیر بردارنے شروع کئے تو مسلمانوں نے بھی تیر بازی سے اُن کو جواب دیا۔ کئی دن تک اسی طرح مقابلہ رہا۔ سردی کا موسم تھا۔ قریش کا لشکر کھلے میدان میں بڑی سے پریشان تھا۔ اُدھر سامانِ زندگی ختم ہونے لگا تو قریش نے جو قریظہ پر تقاضا کیا کہ تم دینہ کے اندر سے مسلمانوں پر حملہ کرو تاکہ وہ تمہاری طرف متوجہ ہوں اور ہم خندق کو مجبور کر کے شرمیائے مکہ میں آئیں۔

جو قریظہ نے قریش کی کمزوری اور بے بسی دیکھ کر ان کی موافقت سے پہلوتھی کی اور دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کرنا چاہی ابھی وہ پیام صلح نہ بھیجنے پائے تھے کہ اُسی رات ٹھنڈی ہوا بڑے زور سے چلی جس سے قریش کے غیموں کی فانیں ٹوٹ گئیں۔ کھلے میدان میں غیموں کی پناہ بھی باقی نہ رہی تو سب سے پہلے ہوسنیان اپنی سائڈنی پر سوار ہو کر گدگد کی طرف بھاگے اُن کو بھاگتا دیکھ کر تمام لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ کھج مکہ میدان ہاسل صاف تھا کہ کفار میں سے ایک بھی دینہ کے آس پاس نظر نہ آتا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا النِّعَةَ الَّتِي عَلَيْكُمْ إِذْ بَاءَؤُكُمْ بِحُنُودٍ
فَارِسَاتٍ لَّيْسَ لَكُمْ فِيهَا جُنُودٌ أَلَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا
إِلَى قَوْلِهِ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغِيظِهِمْ لَمَّا بَلَغُوا خَيْرَ الْأَمْرِ
إِنَّ اللَّهَ الْمُؤْمِنِينَ الْقَاتِلِينَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا

(سورۃ الاحزاب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے اس فیسی اعداء پر لکڑاؤ فوج ادا کر لیا اور پھر دو دن تک احتیاطاً وہاں قیام کر کے حدیث کا رکھ لیا (اس وقت مسلمانوں میں کچھ لوگ زخمی بھی تھے جن کو قریش کی تیر بازی سے زخم کالہ لگا تھا آپ ان کو ساتھ لے کر واپس ہوئے) اور بدن سے ہتھیار رکھوں کر فصل کرنے کا ارادہ فرمایا کہ اسی وقت جبریل علیہ السلام ہتھیار بند تشریف لائے اور کہا کیا آپ ہتھیار رکھنا چاہتے ہیں **ہو کہو** مگر ابھی تک ہتھیار بند ہیں (آپ نے فرمایا اب کیا کام رہ گیا ہے جس کے لیے ہتھیار بند رہنے کی ضرورت ہے) جبریل علیہ السلام نے کہا بنو قریظہ پر حملہ کرنا اور ان کو غزاری کی سزا دینا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم پہنچا کہ اسی وقت (بنو قریظہ کی طرف) چلے ابھی ہتھیار نہ کھولے اور جتنے مسلمان احزاب کے مقابلہ کو گئے تھے ان کو بھی حکم دیجئے کہ اس وقت (بنو قریظہ کی طرف) روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ صحابہ روانہ ہو گئے۔ ان میں جو زخمی تھے وہ بھی دو دو آویس کا سامان لیے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ دشمن اسلام (یعنی احزاب قریش) نے (رات کی سوئی سے بے تاب ہو کر اگرچہ راہ فرار اختیار کر لی تھی مگر دھوپ نکلنے پر حواس درست ہوئے تو اپنی اس حرکت پر خاموش ہوئے اور دوبارہ لوٹ کر) حدیث پر حملہ کرنے کی طبع کرنے لگے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ تیر بازی سے مسلمان بہت زخمی ہو چکے ہیں (اور چارے بھاگنے کی خبر سن کر خندق سے پہرہ بھی اٹھایا گیا ہو گا۔ اب ہم کو دلخذا مدینہ میں شمس جانا دشوار نہ ہو گا اور زخم خوردہ لشکر اسلام کو ہمارے مقابلہ کی سکت نہ ہوگی) وہ یہ خیالات ہی پکارتے تھے کہ دفعۃً دیکھی جا سوس وغیرہ کی زبانی (یہ خبر سن کر کہ مسلمان (خندق سے واپس ہوتے ہی) اسی وقت (بنو قریظہ کے مقابلہ کو) نکل کھڑے ہوئے ہیں تو اللہ عزوجل نے ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا (ان کو معلوم ہو گیا کہ لشکر اسلام باوجود زخم خوردہ ہونے کے ان کی طرح بزدل اور کمزور نہیں ہوا) اُس کے وہی دم غم باقی ہیں) تو سب (کٹہری کو) واپس بھاگے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے (اپنی عنایت اور رحمت سے) مسلمانوں کے سر سے وہ بھانسا لدی

جوان لوگوں نے مزید پر لوٹ کر حملہ کرنے کی قدرت میں ڈالنا چاہی تھی (یہ تو مختصر حکایت واقعہ تھی اب سمجھو کہ اس سے کیا فائدہ حاصل ہوئے)۔

کامیابی اور امدادِ غیبی کا بڑا سبب اقبالِ امر ہے

اس سے معلوم ہوا کہ نصرت (اور کامیابی) کا بڑا سبب اقبالِ امر ہے (کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالایا جائے) کیونکہ یقیناً یہ زخمی مسلمان جو دو دو آدمیوں کے حملے سے نکلے تھے نہ (دشمن سے) ڈرنے کی طاقت رکھتے تھے نہ کسی کو دفع کر سکتے تھے (معنی تعمیلِ حکم کے لیے نکل کھڑے ہونے تھے) تو جب انہوں نے حکم کے آگے گردن نہجکا دی اور معاملہ کو اللہ کی قدرت کے حوالہ کر دیا (اور زبانِ حال سے کہہ دیا کہ جتنا ہماری قدرت میں تھا ہم نے کر دیا آگے جو کچھ ہو گا آپ کی قدرت سے ہو گا) تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی ایسی مدد کی کہ ہر دن لڑے کامیاب ہو گئے۔ ان کو کچھ بھی نہ کرنا پڑا حضرت صحابہ نے اس بات کو خوب سمجھ لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے مرث اپنے حکم کی تعمیل چاہتے ہیں اور نصرت (و کامیابی) محض اللہ کے (فضل و) انعام سے ہوتی ہے جو وہ اپنے اس ارشاد کی تصدیق کے لیے عطا فرماتے ہیں: دکانِ حفاہینِ نصرۃ فیض

”مسلمانوں کی مدد کرتا ہر سے قدر لازم ہے“
(جس کا معنی اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ نے قدر لیا ہے۔ اس میں بندہ کا کچھ دخل نہیں۔ اس کا کام تو تعمیلِ حکم ہے۔ انقیاد اور تسلیم کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کامیابی عطا فرماتے ہیں) اور اپنے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ قیامت تک یہی رہے گا کہ جو اُس کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اُس کی مدد کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بات سے بڑھ کر کس کی بات سچی (ہو سکتی) ہے؟ (اس پر سنت اللہ بدل نہیں سکتی اگر کسی جگہ دشمن کے مقابلہ میں باوجود مجاہد اسباب کامیابی جمع ہونے کے مسلمان ناکام رہے ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ بھلا اور نئی حکام میں اُن سے کوتاہی ہوئی ہے، بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مدد یہی ہے کہ

اُس کے حکم کی تعمیل کرے اور جس بات سے منع کر دیا گیا ہے اُس سے پرہیز کرے۔
 (اور درحقیقت یہ خود بندہ کی طرف سے اپنی مدد ہے کیونکہ تعمیل احکام اور اجتناب حرم سے
 جو کچھ منع ہے بندہ ہی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ اس کی اطاعت سے کچھ نفع نہ مصیبت سے
 کوئی نقصان، مگر یہ بھی اُن کی طرف سے نعمت پر نعمت ہے کہ اس کو اپنی نصرت فرما دیا۔
 حالانکہ وہ اس سے بری ہیں کہ کوئی اُن کی مدد کرے)

ف ہمارے جڑ گونا کار شاد ہے کہ شمر غائبندہ سے عمل مقصود ہے۔ کامیابی مقصود
 نہیں کیونکہ کامیابی اس کے اختیار میں نہیں اس کے اختیار میں عمل ہے۔ پس
 عمل ہی کو مقصود کہنا چاہیئے۔ ثمرات پر نظر نہ کرنا چاہیئے۔ جس شخص کا عمل مرضی الہی کے
 موافق ہے وہ ظاہری ناکامی کی حالت میں بھی کامیاب ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی
 کامیابی رضائے حق ہے اور وہ اس کو حاصل ہے۔ اس بات کو ہمیشہ نظر رکھنے سے
 تمام پریشانیوں کا تلخ قلعہ ہو جاتا ہے۔ سائیکین میں زیادہ تر پریشانی وہ ہیں جو عمل
 کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ خاص حالات و کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں جن کو وصل اور
 وصول اور کامیابی کا لقب دے رکھا ہے۔ حالانکہ یہ حالات اور کیفیات بندہ کے
 اختیار میں نہیں اور امور غیر اختیار کے درجے ہونا پریشانی ٹھول لینا ہے۔ پس اُن
 کو تکمیل اعمال کا اہتمام کرنا چاہیئے جو اُن کے اختیار میں ہے جس کا ان کو مکلف
 کیا گیا ہے۔ جب عمل کامل ہو جاتا ہے تو عاۃ اللہ یہ ہے کہ وصول و کامیابی عطا
 ہو جاتی ہے اور تکمیل اعمال کا طریقہ یہ ہے کہ آداب ظاہرہ کو بھی ادا کیا جائے جو
 علمائے شریعت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور آداب باطنی کی بھی پوری رعایت کی
 جانے جو مشائخ طریق سے معلوم ہوں گے۔

آداب باطنی میں بڑا آداب یہ ہے کہ عمل دیا سے پاک ہو۔ رضائے حق کے سوا
 اُس سے کچھ مقصود نہ ہو اور عمل کے بعد دل میں تواضع ہو۔ جب پیدا نہ ہو کہ میں
 نے اتنا بڑا کام کیا بلکہ عمل کو اللہ کا فضل سمجھے اپنا کمال نہ سمجھے۔ اعمال صالحہ سے طبعاً
 فرصت اور مسرت کا ہونا عجب نہیں یہ تو عمل صالح کی خاصیت ہے کہ اُس سے فرصت

دنیا ط اور عبادت باطن حاصل ہوتی ہے۔ قل بفضل اللہ وبرحمۃ اللہ فبذلک فیلظہوا
جیسا کہ وہ کی یہ غایت ہے کہ اُس سے عوس کے دل کو رنگ اور پریشانی ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے :

”اذا امرت بالحق والعدل فانت ہون“

مجب یہ ہے کہ عمل کو اپنا کمال سمجھے۔ جس کا لازمی اثر یہ ہے کہ دوسروں سے
جو اُس کے برابر عمل نہیں کرتے اپنے کو افضل سمجھے اور یہ آداب ظاہر و باطن جیسا
مباہرہ باطن میں ہیں۔ اسی طرح عباد ظاہر میں بھی ہیں۔ مسلمانوں کو جہلو ظاہر میں
بھی ان آداب کی رعایت کرنا چاہیئے۔ شفا ظاہری ادب یہ ہے کہ فتویٰ شرعی سے
جماد کی اجازت ہو اور جن شرائط کے ساتھ جماد مشروط ہے وہ سب ملحوظ ہوں اور
باطنی ادب یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے جو کچھ مقصود نہ ہو۔

یہاں سے سیاسی جدوجہد کرنے والے مسلمانوں کو بھی سبق لینا چاہیئے کہ
ف نعرۃ الحق کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کے حق میں اقبال حکم ہے۔ مسلمان
نہی اسی طرح کامیاب ہو سکتا ہے مگر ہمارے سیاست دان اس سب سے بڑے سبب
کا تو اہتمام نہیں کرتے۔ دوسرے اسباب کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

یہاں شاید یہ سوال پیدا ہو کہ بعض دفعہ مسلمان بھی تو باوجود اصلاح اعمال کے ناکام
ہو گئے ہیں کامیاب نہ ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں۔ ایک انفرادی جو
بر شخص کی ذات سے الگ جگہ متعلق ہیں۔ ان میں ہر شخص اپنے عمل کی اصلاح سے
کامیاب ہو جاتا ہے۔ دوسرے اجتماعی جو مسلمانوں کے اجتماع سے متعلق ہیں۔ انفرادی
اعمال میں مسلمان کسی ناکام نہیں ہوتے جبکہ اشتغال حکم میں انہوں نے کوتاہی نہ کی ہو
اور اجتماعی اعمال میں کامیابی کے لیے تنہا مسلمان کا اصلاح عمل کافی نہیں بلکہ جماعت کی
جماعت کا عمل درست ہونا چاہیئے یا کم از کم ان میں سے اکثر کا عمل درست ہو۔
اگر یہ نہ ہو اکثر کا عمل مضمی حق کے خلاف ہو تو نفرت و کامیابی لازم نہیں۔
لیکن اس صورت میں اگر ناکامی ہوئی تو جماعت ہی کو ناکام کہا جائے گا ہر شخص کو ناکام

ذکرا جانے گا۔ کیونکہ جن کا عمل مرضی حق کے موافق متادہ اُس وقت بھی حقیقت نہ
کا نیاب ہوں گے۔

چنانچہ ایک بزرگ نے ایسے ہی موقع پر ایک شخص کو جواب دیا تھا جس نے بطور
طنین کے دریافت کیا تھا کہ آپ کے بزرگوں کی جدوجہد سے کیا حاصل ہوا؟ فرمایا ہے
سودا قمار عشق میں شیریں کسے کوہ کن
بازی اگر چلے نہ سکا سر تو کھو سکا
کس مزے لپے آپ کو کتنا ہے عشق باز
اسے دوسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

دہا یہ سوال کو جماعت کی جماعت کے اعمال کی اصلاح تو بہت دشوار ہے۔ اس
شرط کے تو یہ معنی ہونے کہ مسلمان کسی وقت بھی کسی اجتماعی عمل میں کامیاب نہ ہو سکیں گے،
جواب یہ ہے کہ کسی اجتماعی عمل میں کامیابی کے لیے زمانہ ماضی اور مستقبل میں اعمال کا
درست ہونا شرط نہیں اگرچہ کمال نلاح اسی سے وابستہ ہے بلکہ حالت موجودہ میں
اصولاً عمل شرط ہے اور یہ کچھ دشوار نہیں کیونکہ سچی توبہ سے ایک منٹ میں پچھلے گنہ
معاف ہو سکتے ہیں۔

پس جب مسلمان کسی اجتماعی عمل کو شروع کرنا چاہیں اُس وقت سب سے
پہلے اُن کا امیر حق تعالیٰ کی جناب میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے۔ پھر
سب مسلمانوں سے کہے کہ ہر شخص سچے دل سے توبہ کرے، اس کے بعد حالت عمل
میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں۔ گناہوں سے الگ رہیں انشاء اللہ
کامیابی اُن کے قدم پڑے گی۔ پس جہاں دوسرے اسباب کے لیے جدوجہد
کی جاتی ہے اس سب سے بڑے سبب کے لیے بھی تھوڑی سی کوشش کرنی جایا
کرے تو کیا حرج ہے؟

شاید اس مقام پر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ امام حسین علیہ السلام
جماعتِ جریہ کے مقابلہ میں کیوں ناکام ہوئے۔ وہ تو انتہائی مقام میں اُس وقت

سب سے بڑے بٹے تھے اور اُن کے ہمراہی بھی سب ملوث تھے۔ جواب یہ ہے کہ اگرچہ نفرت اور کامیابی کے لیے امثالِ حکم بہت بڑا سبب ہے مگر تنہا یہی کافی نہیں بلکہ دوسرے اسباب کا مجتمع ہونا بھی ضروری ہے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اہل حق کی جماعت سے اہل باطل کی جماعت دو گنی سے زیادہ نہ ہو۔ اہل حق کے پاس مسلمان رسد وغیرہ کی کمی نہ ہو۔ اگر اہل باطل کی جماعت دو گنی سے زیادہ ہو یا اہل حق کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ ہو۔ نہ کہیں سے مسلمان رسد کے آنے کی امید ہو تو اُس وقت اہل حق کو میدان سے بھاگ جانے یا دشمن سے ذب کر صلح کر لینے کی اجازت ہے اور صبرِ دفعہ ایسا کرنا واجب ہے جبکہ مقابلے سے مسلمانوں سے نفع پہنچنے کی امید نہ ہو اور ظاہر ہے کہ حضرت امام کی جماعت اہل باطل کی جماعت کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ بچے بڑے سب طاہر و پاک تھے اور لشکرِ یزید چار ہزار سے بھی زیادہ تھا۔ پھر حضرت امام کی جماعت کا پانی بند کر دیا گیا تھا۔ سب کے سب پیاسے تھے۔ اس حالت میں مقابلے کے جملہ اسباب مجتمع نہ تھے۔ اس لیے حضرت امام کو شرعاً وہاں سے بھاگ جانے یا صلح کرنے کی اجازت تھی۔ بھاگنے کا تو راستہ بند تھا کیونکہ دشمن نے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھا، صلح کے لیے حضرت امام نے پیام بھیجا تو غلاموں نے اس کو بھی ٹھکرا دیا۔

اب حضرت امام کے سامنے دو ہی راستے تھے یا یزید کی بیعت قبول کرنا یا اپنے اور اس حالت میں شرعاً اس کی اجازت تھی۔ چنانچہ بہت سے صحابہ نے اسی وجہ سے اُس کی بیعت قبول کر لی تھی کہ اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ پاتے تھے یا باطل کو نہ بچا دکھانے کے لیے اپنی جان پر کھیل جاتے شرعاً اس کی بھی اُن کو اجازت تھی۔ کیونکہ اس صورت میں اگرچہ بظاہر اہل حق کو کچھ فائدہ نہ تھا۔ مگر باطل اہل حق اور اہل باطل سب کو یہ نفع پہنچنے کی توقع تھی کہ اہل حق کو باطل کے سامنے سرنگوں ہونے سے ہمیشہ کے لیے نفرت ہو جائے گی۔ ان کہ ہمیں اللہ حق کے لیے بلند ہو جائیں گی اور جماعتِ یزید کو اپنا برسرِ باطل ہونا واضح ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ نے اسی دوسری صورت

کی اختیار فرمایا اور تاریخ شاید ہے کہ قتل امام حسینؑ کے بعد یزید اور جماعت یزید سب کے سب عائد اہل سلام کی نظروں میں ایسے ذلیل و خوار ہونے کہ ان کو کسی سے اٹکھ ملانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ بہر طر سے اُن پر نفرت و نفرت کے گولے برستے تھے و شرم کے باد سے کسی جگہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔

شہادتِ امام نے اہل باطل کا باطل پر ہونا اچھی طرح دنیا پر روشن کر دیا اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اسر بالمعوت وخی عن المنکر میں اگر جان کا خطرہ ہو تو صاحبِ حق کو تنہا اپنی جان پر کھیل جانے کی اجازت ہے اس کو لقا، نفس فی ہتھک نہ کیا جائے گا کیونکہ اس سے گونا گویا ہر جس اہل حق کو نفع نہ ہو مگر ہاٹن مسلمانوں کو اصلاح عقیدہ کا فائدہ حاصل ہو گا کہ منکر کا منکر ہونا اور بدعت کا بدعت اور قبیح ہونا سب مسلمانوں پر واضح ہو جائے گا۔ کفار کے مقابلے میں اس طرح جان پر کھینا جائز نہیں کیونکہ اس سے نہ مسلمانوں کو کچھ نفع ہے نہ اصلاح عقیدہ کفار کی توجیح اور اگر کسی وقت کوئی نفع منظور ہو۔ مثلاً یہ کہ اس سے کفار کے دلوں میں ہیبت و رعب قائم ہو تا ہو یا اُن کی افاعت ہو کہ مسلمانوں کی جان بازی سے اُن کے دل جلیں تو وہاں بھی اس کی اجازت ہے۔ تفصیل کتب فقہ سے معلوم کی جائے۔ امید ہے کہ اب اس مقام پر کوئی اشکال باقی نہ رہا ہو گا۔ نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امتثال احکام سے نفرت کا وعدہ کفار کے مقابلہ میں ہے مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں۔ اگر مسلمان باہم قتال کریں تو صلحاء کا غلبہ لازم نہیں۔ و فیہ حافیہ و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یہاں سے یہ بھی معلوم
(۱۱۲) فحوی کلام بھی بمنزلہ نص کے ہے

طرح عمل واجب ہے جیسا نص پر عمل کرنا واجب ہے۔ فحوی کلام وہ ہے جو کلام کی قوت (الذہن تکیہ اور قرینہ عمل) سے سمجھا جائے۔ چنانچہ اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ سے یہ فرمایا کہ جو قرینہ کی طرٹ و دانہ ہو جائیں تو وہ سمجھ گئے کہ مقصود

آل کے لیے ٹھکانا ہے اس لیے آپ نے مقصود کو ملاحظہ بیان نہیں فرمایا۔ کیونکہ قربت کا نام سے صحابہ آپ کا مطلب سمجھ گئے تھے۔

جہاد نفس اور جہاد شیطان میں کامیابی کا طریقہ التجا ہے

یہ تو جہاد صغریٰ کے متعلق حکم تھا جس میں دشمن سے (یعنی کافروں سے) مقابلہ ہوتا ہے۔ یہی حکم جہاد اکبر کا ہے جس میں نفس کے ساتھ جہاد ہوتا ہے۔ کہ اس میں بھی امداد فیہی اور کامیابی کا بڑا سبب امتثالِ امر ہے، اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے :

و اما یَنْفِقْ مِنْكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعًا فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۔

اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی دوسرا پریشان کرے تو اللہ

کی پناہ طلب کیجئے ۛ

اس میں جہاد نفس اور جہاد شیطان کے لیے اللہ کی طرف التجا کو کامیابی کا سبب بتلایا گیا ہے کیونکہ، حالت جس قدر سنگین ہوتی ہے اُسی کے مناسب کامیابی کا ذریعہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ چونکہ شیطان اور نفس کا معاملہ زیادہ سنگین ہے تو اُس کے مقابلے میں کامیابی کا ذریعہ محض التجا قرار دیا گیا ذکر اللہ کی پناہ طلب کرو، اللہ کی طرف ہر لمحہ متوجہ ہو جاؤ، جیسا نفس کے مقابلہ میں کامیابی کا طریقہ یہ ہے کہ شریعت کے موافق مجاہدہ کیا جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَالَّذِينَ جَاهِدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

”اور جو لوگ ہمارے واسطے (اپنے نفس سے) مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے

دروغ اور قرب کے واسطے نکال دیتے ہیں ۛ

اور اس مجاہدہ میں امداد (فیہی) کا ذریعہ یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے نئے دل سے مدد مانگو (تو اس کا مال بھی استمناؤہ والتجا کی طرف پُورا) چنانچہ ارشاد ہے :

اِنَّ نَعْدَدُ اِيَّاكَ نَسْعِينِ اَسَے اللہ : ہم آپ ہی عبادت کرتے ہیں دیر تو

مہابہ دُفُض ہوا) اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں (یہ التجا ہوئی جو مہابد میں کامیابی کا وسیلہ ہے) اسی لیے بسن اہل توفیق نے فرمایا ہے کہ جب تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے (خدا کی قسم کی ہو) (ظاہری یا باطنی) تو میں التجا میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ پھر اُس کی پرواہ میں کرتا اور التجا کے چند طریقے ہیں ایک یہ کہ ذکر اللہ اور عبادت میں ہمہ تن مشغول ہو جائے اور معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ارشاد فرمایا ہے :

من شغلہ ذکرى من مثالى أعطى ثوابه فضل ما اعطى السائلین

• جو شخص میری یاد میں ایسا مشغول ہو جائے کہ مجھ سے مانگنے (اور دعا کرنے) کی بھی

اسے فرصت نہ ہو انہیں اُس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں ۲

(اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ اور عبادت میں ہر تن مشغول ہو جانا بھی التجا کی ایک فرد ہے) ایک شخصت یہ ہے کہ صدقہ (خیرات) کرے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے استعینوا علی حوائجکم بالصدقۃ اپنی حاجات میں مدد لے کر لینا ہونے کے لیے) صدقہ سے مدد لو۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ دعائیں مشغول ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من الھدء اللہ عاء فقد فتم علیہ ابواب الخیر۔ جس کو دعا کی توفیق ہو گئی اُس پر خیر کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور اگر ان (تینوں) کے مجہود کو اختیار کر لیا جائے پھر تو کیا پوچھنا؟ کیونکہ اہل توفیق کامشاہدہ ہے کہ خیر (حاصل ہونے) کا جو سبب بھی ہے وہ عین خیر ہے قولہ ابو جہ

الخاص نیرہ دلیل علی ان فخری الکلام الی قولہ هو عین الخیر۔

یہ معنوں آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے جو لوگ اللہ نے سلوک میں کسی عیب میں مبتلا ہو جائیں یا اور کسی قسم کی پریشانی پیش آئے اُن کو اسباب سے کام لینا چاہیے۔ ان شاء اللہ بہت جلد کامیابی نصیب ہوگی۔ جنتنا اللہ معن جنتہ منظرنا بلراد منصور و جنتنا کو باخاک لکھا ہوا و منشورا۔

(۱۱۳) **نفس کا مُردہ ہونا، اسی حیات سے** کی کمی دین ہے کیونکہ وہ فراتے ہیں کہ نفس کا مُردہ ہی اُس کی زندگی ہے۔ جو شخص حیات کا غالب ہو اُسے مُردہ بن جاہ چاہئے (اس مطلب کو اس عنوان سے بھی بیان کیا جاتا ہے موتِ قبیلان سے موتِ اُمر، مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ۔

یعنی ظاہری موت سے پہلے ہی اپنے آپ کو مُردہ بدست زندہ بنادو۔ اپنے ارادہ و اختیار و تجویز اور دعوے کو فنا کر دو (کیونکہ حضراتِ مصابہ کی نظر میں جب اپنے نفس کی کچھ وقتِ ذرہ ہی اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں موت پر راضی ہو کر غل کھڑے ہوئے۔ کیونکہ جو شخص اس حالت سے نکلے گا جو ہم نے مصابہ کی حالت اُوپر بیان کی ہے وہ موت ہی کے ارادے سے نکلے گا تو وہ اُسی وقت نصرت (اور کامیابی) اور ثواب و سلامتی کے کامیاب ہو گئے۔

جس نے جو دولتِ باطنی پائی ذلتِ نفس سے پائی

یہی اہل توفیق کا حال ہے کہ انہوں نے جو کچھ پایا اسی سے پایا ہے کہ اُن کی نظروں میں اپنے نفس کی کچھ قدر و قیمت باقی نہیں رہی اور وہ دہر رقت اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی جان دینے کو تیار رہے ہیں اور اہل دنیا اپنے نفس کی محبت سے ذلیل ہو گئے۔ اُن کے لیے یہاں بھی ذلتِ لازم ہو گئی اور وہاں بھی۔

حدیث میں وارد ہے کہ ہر زندہ کے سر میں اُس کی (عقل و) حکمت ہے (جس کی باگِ مع) لرزش کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ ہڑائی اور بے بسی کا

عہد میں کوئی نقصان نہ پہنچا دیا جائے۔ اُنہی ذوق سے اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔

فان کان سواہ فممنع اللہ ومن دسولہ وان ان سطا فممنع ومن الشيطان ۱۳ ظ

دعوت کرنے لگتا ہے تو فرشتہ اُس کے سر پر چوٹ لگا کر کہتا ہے :
 ” بہت ہو جا خدا تجھے ذلیل کرے !! اور اگر تواضع اختیار کرے تو فرشتہ
 — کہتا ہے :
 ” بلند ہو جا ! خدا تجھے رفعت (وعزت) دے ۔
 اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل سے وہ دولت عطا فرمائیں جس سے اللہ تعالیٰ
 ہم کو اپنا مقرب بنالیں ۔ (آمین)
 قوله الوجه السادس في دليل موثق الى قوله من الله
 غلبنا بسابه يقربنا اليه بمعنه ”



باب پنجم دہنتم

حدیث

السنة يوم عيد الفطر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میدگاہ کو) عید الفطر کے دن اُس وقت تک نہ جاتے جب تک چند چھوڑے نہ کھا لیتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ اُن کو عدد طاق کی رعایت سے تناول فرماتے (مثلاً تین یا پانچ یا سات)

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ عید الفطر میں سنت یہ ہے کہ کوئی شخص عید گاہ کو چاروں کچھ کھائے نہ جائے اور مستحب یہ ہے کہ چھوڑے کھائے جائیں اور اُن میں عدد طاق کی رعایت کی جائے۔ اس پر چند وجوہ سے غلام ہے۔

(۱۱۴) چھوڑے (اور کھجور) بدینہ والوں کے لیے سب چیزوں سے زیادہ آسان (اور سہل الحصول) ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز کو پسند فرماتے تھے جو آسان (اور سہل الحصول) ہو (اس لیے آپ عید کے دن چند چھوڑے خوش فیر کر ناز کو چلے جاتے)

اس سے یہ مسئلہ معلوم کھانے پینے میں تکلف خلافِ سنت ہے ہوا کہ اس دن اشتہ

سے افضل امانۃ الدم (یعنی قربانی کرنا) ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پا جئے تھے کہ جس چیز کو اللہ تمہارے پسند فرماتے ہیں اسی کو پہلے تناول کیا جائے (اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ بعض دلوں اُن افعال میں بھی ثواب ملتا ہے جو خواہش نفس کے موافق ہیں۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ یہ ضرور عین کہ ثواب اُسی کام میں ملتا ہے جو نفس کے خلاف ہو)۔

یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے گوشت و جگر کیوں کھاتے تھے؟ تو واللہ اعلم اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل جنت کے ساتھ تشبہ ہو جائے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ پہلا کھانا جو خلیفہ کھائیں گے اُس پھل کا گوشت و جگر ہو گا جس پر تمام زمینوں کا مدار ہے (اور یہ بھی احتمال ہے کہ کبھی جلدی تیار ہو جاتی ہے گوشت کے پکے میں دیر ہوتی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرما لیتے تاکہ زیادہ دیر تک بھوکا رہنے سے تکلیف نہ ہو۔

مذمت مخالف سنت و ترمیم عادت یہاں سے معلوم ہوا کہ آج کل کے اہل تنم دنیا داروں کا یہ طریقہ یہ کہ عید الاضحیٰ کی رات میں پہلے سے گوشت تیار کرتے اور قسم قسم کے کھانے پکاتے اور قربانی کا جانور ذبح کرنے سے پہلے ہی کھا لیتے ہیں سنت کے خلاف ہے۔ یہ تو اُن کا حال ہے جو قربانی کرتے ہیں اور بہت سے تو قربانی چھوڑ کر سنت کی مخالفت کرتے ہیں کہ (باوجود صاحب نصاب ہونے کے قربانی نہیں کرتے) غرض بعض دفعہ شریعت کے اچھے کام بھی اُن بدعتوں اور مخالفتوں سے رنگ مینے جاتے ہیں جن کو لوگوں نے اپنا دستورِ عمل بن لیا ہے (چنانچہ قربانی کرنا سنت ہے مگر اس کو سنت کے موافق ادا نہیں کیا جاتا کیونکہ دواج کے موافق ادا کیا جاتا ہے کہ قربانی سے پہلے ہی انواع و اقسام کے کھانے تیار کر کے کھانے جاتے ہیں حالانکہ سنت یہ ہے کہ سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھایا جائے) اور یہ لوگ بطور بہت کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ لوگوں کی عادت (اور قوم کا دواج) یوں ہی ہے مگر ایسے لوگوں

کو ہم آدمی کس طرح کہیں جو اپنے نبی کی سنت کو چھوڑتے اور اپنی بُری عادتوں کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں۔

قوله الوجه اما انت فيه من الغفلة ان حقيقة الخير هو نفس الامثال
ان قوله ويؤثرون عادة نفوسهم اذ ميمنة -

یہ ہے نعمتِ حقیقی کہ آدمی اپنی اصل میں بھی اتباعِ سنت کا اہتمام کیا جائے۔
ف صوفیہ متقیین کے نزدیک وہ لوگ آدمی نہیں جو سنتِ نبویہ کو چھڑ کر دم دردمی
کو اُس پر ترجیح دیں۔ واللہ المستعان۔

یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو ثواب کا مدار مخالفتِ نفس ہی پر
کچھ بٹوتے ہیں۔ حالانکہ مدارِ فضیلتِ امثالِ سر ہے خواہ نفس کے موافق ہو یا غلط
ہو خوب سمجھ لو۔



باب پنجاہ دہم

حدیث

العمل فی ایام التشریق

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی زمانے میں عمل کرنا ان دنوں کے عمل سے افضل نہیں اور ایام تشریق ہیں) صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! اور جہاد بھی نہیں فرمایا! جہاد بھی نہیں مگر یہ کہ کوئی شخص اپنے جان و مال کو خطرے میں ڈال دے پھر کچھ ٹیکرٹا پس نہ ہو۔
 ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ کسی زمانے میں عمل کرنا ایام تشریق کے عمل شہرح کے برابر نہیں اور وہ یوم النحر کے بعد تین دن ہیں : اس پر چند وجہ سے کلام ہے۔

ایام عید عبادت کے لیے ہیں اور ولعب کے لیے نہیں ہیں
 اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایام اگرچہ عید کے دن ہیں مگر عبادت کے لیے (۱۱۹) ہیں اور ولعب کے لیے نہیں : تو آج کل جو سیر و گیاں ان دنوں میں کی جاتی ہیں وہ اس حدیث سے ٹوٹا ہیں۔

اب اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اجتماع کرے لکھنا عید و نہ دلاؤ عید نا۔ ہر امت کی ایک عید (چھٹی) ہے اور یہ دن

ہماری عید کا ہے تو (اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے ساتھ) اُن کاہنوں کو بھی تو بتلادیا ہے جو ان دنوں میں جانزکے گئے ہیں۔
 (اتنے ہی پرکتھانیں کیا کہ یہ دن ہماری عید کا ہے) چنانچہ ارشاد فرمایا :
 انعامی ایام اکل و شرب و ذکر اللہ ۔ بس یہ دن کھانے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے ہیں ۛ

جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی عید دوسری قوموں کی عید کی طرح نمود و لعب کی عید نہیں بلکہ ذکر اللہ کی عید ہے (نیز ارشاد فرمایا افضل ما یعمل فیہا اور افضل اللہ ماہ سب سے افضل عمل جو ان دنوں میں کیا جاتا ہے خون ہانا (یعنی قربانی کرنا) ہے اور اس میں سخت یہ ہے کہ اپنی قربانی میں سے خود بھی کھائے۔ صحت بھی کرے (دوستوں عزیزوں کو) ہدیہ بھی دے۔ غرض ان دنوں میں سب سے اعلیٰ عبادت مشروع کی گئی ہے یعنی ذکر اللہ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :
 ما عمل آدمی عبداً لہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ ۔

ۛ آدمی کوئی عمل اللہ کے عذاب سے زیادہ نجات دینے والا ذکر اللہ سے بڑھ کر نہیں کرتا ۛ

اور قربانی میں مال کا خرچ کرنا بھی مشروع کیا گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تناضوا فی الشانہا فلما مطاکہ الی الجنۃ ۔ قربانی کی قیمتوں میں دل کو مل کر خرچ کیا کرو کیونکہ وہ جنت کے (پہنچانے کے لیے) تہدی سواریاں ہیں۔ اور قربانی میں صدقہ بھی مشروع کیا گیا اور صدقہ جیسا حدیث میں ہے تطفئ غضب الرب اللہ کے غصہ کو کم کرتا ہے۔ بس ان دنوں میں جس بہانہ نفس سے منع کیا گیا ہے وہ مرت و روزہ ہے اور کچھ نہیں۔ باقی عبادات سب معہوب ہیں خواہ وجرنا یا استنجابا کیونکہ فرض (واجب) تو بشرط قدرت کسی وقت بھی ساقط نہیں ہوتا نہ عید میں نہ اور دنوں میں اور یہ حدیث (جو اس باب میں مذکور ہے) تمام مستحبات کی ترفیع دیتی ہے اور ان ایام میں اُن کے ادا

کرنے کو دوسرے ایام سے افضل بنکا رہی ہے جس سے تاکید مقصود ہے کہ ان ایام میں دوسرے دنوں سے زیادہ سجدات کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ ان ایام کا ہر عمل جہاد سے بھی افضل ہے۔

اوقات غفلت میں عبادت کرنا افضل ہے یہاں ایک سوال ہے کہ ان ایام میں اعمال کی فضیلت کسی علت کی بناء پر ہے یا تشبہ محض ہے (جس کی کوئی علت نہیں) تو (جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ ایک علت کی وجہ سے ہے وہ یہ کہ قواعد شریعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اوقات غفلت میں عبادت کرنا افضل ہے جیسا مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھنے کی فضیلت وارد ہے کیونکہ یہ لوگوں کی غفلت کا وقت ہے اسی طرح قیام طویل (اور تنہا) کی فضیلت کہ وہ بھی غفلت کا وقت ہے لوگ اس وقت غفلت اور زنیہ میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح نماز چاشت کی فضیلت کیونکہ اس وقت بھی لوگ اپنے اسباب (معاش) میں غافل ہوتے ہیں۔ غرض ایسی بہت نظیریں ہیں (جن سے اوقات غفلت میں عبادت کی فضیلت ثابت ہے) تو چونکہ یہ ایام عید بھی کہلنے پینے اور نفس کی راحت کے دن ہیں اس لیے ان دنوں میں لوگوں پر زینہ اور غفلت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے (تو جس شخص ان دنوں میں عبادت اور ذکر میں لگا رہے گا اس کو بہت بڑی فضیلت حاصل ہوگی۔)

عیدین یا نکاح میں دفن بجانا جائز ہے یا نہیں ؟

باقی آج کل تو نیک کاموں سے دفن ہی اُٹھ گئی۔ اب تو ان دنوں کو لمبوس اور حرام کاموں کے لیے خاص کر لیا گیا ہے اور حجت کے طعہ پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عید کے دن) حضرت عائشہ کے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے پاس قبیلہ بنو النجار کی چھوکیاں لگا رہی اور (دن بجا رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف پشت کر کے اپنے بستر پر لیٹ

مجھے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں آئے تو توڑکیوں کو دھمکایا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ شیطان کا باجہ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ ان کو (اپنے حال پر) رہنے دو۔ کیونکہ یہ عید کا دن ہے (ان کو بھی اپنا جی خوش کرنے دو) اگر یہ حدیث سچا ہو تب بھی اس میں (جواز لہو و لب کے لیے) کچھ حجت نہیں کیونکہ (بظاہر) واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے۔ اُس وقت تو شراب بھی حلال تھی، سود بھی حلال تھا، جوا بھی جائز تھا اور بہت سے فرائض اس وقت تک فرض نہ ہوئے تھے۔ پھر حکم اس کے خلاف جاری ہوا اور شراب و ربا و قمار حرام کر دیئے گئے اور بہت سے فرائض لازم کئے گئے) کیا تم نہیں دیکھتے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

انفاہشت بکس الدف والمزمار "نہیں توڑو ہیرنوں اور باجوں کو توڑنے کو مہوٹ ہوا ہوں"۔

یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم (مجلس سے) نکلے اور بچوں کے ہاتھوں سے دف اور ہارے چھین کر توڑنے لگے تو جن چیزوں کی اباست ابتدائے اسلام میں حسن لہو و لب سے معلوم ہوتی ہے پھر بعد میں اُن کی حرمت ثابت ہو گئی۔ اُن احادیث سے یہ بہت قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ سنو بخ ہو چکی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے :

لہو المؤمن لا یكون الا فی ثلاث فی رعبہ من قعہ و تلذیہ لفرسہ و ملاعبۃ لاهلہ ۔

• کہ مومن کا لہو (و لعب) تین چیزوں کے سوا نہیں ہوتا (۱) کان کے ساتھ تیر اندازی کرنا (۲) اپنے گھوڑے کو شائستہ کرنا (۳) اپنی بیوی سے دل لگی کرنا (اُس کے ساتھ کھینچنا) پھر ان تین پر چوتھی چیز کا اضافہ کیسے ہو سکتا ہے !

عہ احقر کہہ کر یقیناً کہہ خدا انکرمہ الشیطان وغیرہما = ۵

اور اس معنوں میں بہت حدیثیں (وارد) ہیں (کہ ان تین کے سوا) (لو ولعب ہل ہے) اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

ومن الناس من يَشْرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
.. بعض لوگ (لو) (ولعب) کی باتیں اختیار کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے گمراہ کریں یا

پس (لو) شرفاً ممنوع ہے عیدین ہو یا غیر عیدین سوا اُس کے جو ہم نے ابھی بیان کیا (اور وہ بھی بعض صورتوں میں ہے حقیقتہً (لو) عینیں۔ کیونکہ تیر اندازی اور گھوڑے کی سواری جملہ میں کار آمد ہے اور بچوں کے ساتھ دل لگی ہنسی کرنے میں اُس کی دلجوئی ہے جس سے محبت میں ترقی ہوتی ہے اور زوجین میں باہم تعلق محبت ہونا مصالح نکاح کی بنیاد ہے)

الوجه الاول معنا ان فيه دليل على ان هذه الايام وان كانت ايام عید
الی قولہ فالله ورسوله شرعا الا ما كرهنا فانها -

مزا میر کی حرمت پر تو فقہاء کا اتفاق ہے اور دن کے متعلق جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ عیدین میں اور نکاح اور خوشی کے موقع میں جائز ہے بشرطیکہ دیسے ہی بے قاعدہ بہادیا جائے۔ قواعد موسیقی کے طریقہ پر طریقہ کے ساتھ نہ ہو کیونکہ آثارِ صحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی مواقعِ سرور میں بالخصوص نکاح میں دن کی اجازت دی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو لڑکیاں دن بجا رہی تھیں وہ باقاعدہ گانے والیاں نہیں تھیں۔

حدیث میں تصریح ہے وجادیتان تغنیان ولیتا بہ غنیتین کہ دو لڑکیاں گاد رہی تھیں اور وہ گانے والیاں نہ تھیں۔ اور فتح مکہ کی حدیث میں غنیاؤں کا لفظ نہیں ہے بلکہ سازت کا لفظ ہے اور معازف وہ باجا ہے جو ہاتھ سے بجا یا جاتا ہے جیسے ستار، ڈھولک، ساز لگی، باد مونس وغیرہ اور مزامیر وہ

ہام جو منہ سے بھایا جانے لگے۔ نفیرتی اور بین وغیرہ۔ دقت کو معاذت میں علم حور سے شمار نہیں کیا جانا وہ الگ چیز ہے۔ یہ فقہاء حنفیہ و شافعیہ کا مسلک ہے اور احوط وہ ہے جو شارع نے بیان کیا ہے کہ سب ہی سے احتراز کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی معلوم ہو گئی جو ایام تشریق میں عیدت کا اہتمام نہیں کرتے۔ اُن کو کچھ لینا چاہیئے کہ اسلامی عید دوسری قوموں کی عید سے جدا ہے۔ اسلامی عید کا حاصل یہ ہے کہ سال بھر جو نفس کو مجاہدہ اور خلعت کے ساتھ عبادت میں مشغول کیا تھا چند دنوں سے خوش کر کے بھی عبادت میں لگا دیا جائے تاکہ مجاہدہ سے جو بعض دنسرایب قسم کی افسردگی پیدا ہو جاتی ہے اُس کی کٹائی ہو جائے۔ ایام عید میں جب نفس کو اچھے کھانوں، اچھے کپڑوں اور ددعتوں کی کٹانوں سے خوش کیا جائے گا تو اب وہ انشراح اور خوشی کے ساتھ عیدت میں لگے گا۔ یہی ایام عید میں بھی نفس کو آزاد نہ چھوڑا جائے بلکہ اُسے خوش کر کے کام میں لگایا جائے۔ اگر عید کے دنوں میں آزاد رکھا گیا تو وہ چند دن اور بھی آزاد رہنا چاہے گا اور اس طرح آزادی کا راستہ کھولنے سے سال بھر عبادت میں خلل رہے گا۔

ف یہاں سے حق کل کے الہی سلام کو بھی سبق لینا چاہیئے کہ وہ سلام میں اُن آلات لموسے کی پرہیز نہیں کرنے جن کی حرمت پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ دیگر ادب سلام کی فوکیار عایت کریں گے کہ سامعین سب اہل ہوں۔ ناخس کوئی نہ ہو۔ مسئلے والا بھی اہل ہو۔ صاحب دل ہو۔ مضمون بھی لغو نہ ہو ورنہ ہو بلکہ حمد و ثناء یا کلام معرفت ہو اور سلام بھی بحالت اضطراب ہو یا ہوا کہ بدن اُس کے قبض کسی طرح مرتفع ہی نہ ہو گا ہو۔ وغیرہ مثل من الشرط الحق ذکرھا الغم الزین مستحسن القول یتقبلون احسنہ ط

ایام تشریق کو ایک اور فضیلت (۱۱۷) ایام تشریق ابتلاء و امتحان کے ایام ہیں بھی ہے کہ یہ ایام حضرت

خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتلاء و امتحان کے ایام ہیں (پس ان میں اس ابتداء کو یاد کر کے نمود و لعب سے بچنا چاہیئے) پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر حکم فرمایا کہ محنت (دوام و مشق) کو نعمت سے اور کمتری بڑی نعمت سے بدل دیا کہ جنت سے ایک ذنبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے یہ میں آیا اور حضرت ابراہیمؑ کو بانی سنت انجیل بنا دیا گیا کہ اب قیامت تک کی تمام خرابیوں کا ثواب اُن کو بھی ملتا رہے گا۔)

ان دو دھڑوں کی وجہ سے یہ ایام تمام ایام سے افضل ہو گئے اور اللہ سبحانہ جب اپنے بندوں میں سے کسی پر کوئی احسان فرماتے ہیں اس کو نازل نہیں کرتے پس اُن کے لیے اس فضیلت کو باقی رکھا اور اس میں یہ زیادتی فرمائی کہ نعمت کو بھی باقی رکھا یعنی (ہمیشہ ہمیشہ کو) اُن کے لیے قربانی اور اُس کے متعلقات مشروع کر دیئے گئے (کہ نماز بھی پڑھیں۔ بکسیر بھی عید کی نماز میں زیادہ کیوں اور ہر نماز کے بعد بلند آواز سے بکیرات تشریق کی پابندی کریں) اور محنت (و مشقت) کو بھی اُن سے مرتفع کر دیا۔ یعنی بچوں کے ذریعہ کرنے (کے حکم) کو (قبل از عمل ہی منسوخ کر دیا گیا۔ اب ان کی ہر جائیدادوں کی قربانی واجب کر دی گئی)۔

کیا ایام تشریق میں ہر عمل دوسرے ایام کے اعمال سے افضل

ہے؟ یا خاص اعمال ہی افضل ہیں؟

یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و احادیث میں اللہ و لام جنس کا ہے کہ اس فضیلت میں زائسن و مستحبات علی اختلاف الدرجات سب مساوی ہیں یا لام حمد ہے جس سے مخصوص اعمال مراد ہیں؟ تو لفظ کا صیغہ (اور اس کی صورت) دونوں کو ممکن ہے۔ پس ان ایام میں جو فرائض ادا کئے جائیں گے وہ بھی دوسرے ایام کے فرائض سے افضل ہوں گے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے متعلق فرمایا ہے من شعثہا فی

جلسۃ فکاحہ مقام لیلۃ * جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی گویا اُس نے رات بھر نماز پڑھی * اور عشاء کے متعلق فرمایا ہے : من شہد حافی جلسۃ فکاحہ مقام نصف لیلۃ * جس نے عشاء جماعت سے پڑھی اُس نے گویا اُدھیں رات نماز پڑھی * تو دیکھو یہ بھی جماعت کے ادا کی گئی ہے اور وہ بھی مگر دونوں کے ثواب میں اُدھوں کو کافرق ہے۔ اس کی وجہ بجز اُس کے کچھ نہیں کہ صبح کی نماز میں عشاء کی نماز سے زیادہ مشقت ہے۔ کیونکہ صبح کے وقت بہت لوگ جنازہ کی حالت میں اور غفلت کی نیند میں ہوتے ہیں۔ عشاء کے وقت یہ بات نہیں ہوتی۔

اسی طرح ایام تشریق کے اندر لوگ کھانے پینے اور راحت کرنے، بیویوں سے مشغولی ہونے کے سبب زیادہ غفلت میں ہوتے ہیں۔ اس علت پر نظر کر کے یہ ایام اور دنوں سے افضل ہو گئے اور ان میں عمل کرنا مطلقاً جماد کے مشابہ ہو گیا کیونکہ جماد کی بھی دو قسمیں ہیں۔ فرق اور نفل، اور ان ایام میں بھی ہر طرح کے اعمال ادا ہوتے ہیں۔ فرائض بھی سنن و مستحبات بھی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ نام عدد کے لیے ہو جس سے اُن اعمال پر اشارہ ہو گا جو احادیث میں مذکور بیان ہوئے ہیں کہ یہ دن کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں اور بہتر یہی ہے کہ نفل کو مومن پر رکھا جائے کہ اس میں زیادہ نافع ہے۔ اس صورت، میں ان حدیثوں کا جو خاص اعمال پر دلالت کر رہی ہیں۔ مطلب یہ ہو گا کہ ان دنوں میں فرائض کے بعد جن اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے اُن میں سب سے مقدم وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔ یعنی قربانی کرنا، ذکر اللہ کرنا، صدقہ کرنا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے سوا اور اعمال نہ کئے جائیں۔ بخاری اس بات، کا تا ئید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جامعہ اودھی افضل دیکھی اُدھی نے ان ایام میں کوئی عمل قربانی سے افضل نہیں کیا، تو آپ نے ان مخصوص اعمال کو فضیلت کے

طور پر بیان فرمایا ہے اور جن اعمال کو افضلیت کے طریقہ پر بیان کیا جائے۔
 اُن کے ساتھ دوسرے اعمال بھی جمع ہو سکتے ہیں اور اگر کوئی ان اعمال (مخصوص) پر
 قادر نہ ہو (مثلاً قربانی کی وسعت میں مدد دے کر مکتا ہے) تو فرائض سے زیادہ
 کچھ نیک کام کر لے۔ جسے اپنے کو عزم نہ رکھے (مثلاً ذکر اللہ اور تلاوت قرآن
 اور نوافل بھی کی کثرت کرے)۔

قولہ فی الوجہ الاول وفضلت ایضا من نوع انفرادی ایام
 التشریع الی قولہ فلا یجلی فیہ من الخیر الملائم علی التفاضل -

(۱۱۸) فضیلت جہاد و مجاہدہ
 حدیث میں فضیلت جہاد پر بھی دلائل
 دایم تشریح کے عل کی فضیلت سن کر (عزم کیا ولا الجہاد (یا رسول اللہ !
 اور کیا جہاد بھی اس... ہے افضل نہیں) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
 سے فضیلت جہاد ثابت نہ ہو چکی ہو تو مجاہد اس طرح سوال نہ کرتے (معلوم
 کہ جہاد کی فضیلت اُن کو پہلے سے معلوم تھی) اور اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی وارد ہے :

اعمال البر فی الجہاد کبیرۃ فی البحر -

• نیک اعمال جہاد کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے سامنے ایک گلی پانی
 یہاں ایک سوال ہے وہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی
 چند قسمیں قرار دی ہیں اور جہاد کی اعلیٰ قسم میں اُس صورت کو بیان فرمایا
 جو دوسرے گونہوں میں شریعتاً ممنوع ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (الادجل) خرج یحظر
 بنفسه و عیالہ - مگر وہ شخص جو جہاد میں نکلا اور اپنی جان و مال کو خطرے
 میں ڈال دیا، حالانکہ دوسرے مواقع میں جان و مال کو خطرے میں ڈالنا ممنوع
 ہے۔ پھر اس پر سب نہیں بلکہ اس صورت کی افضلیت کو اس پر موقوف کیا گیا
 کہ ان کو خطرے میں ڈال دینے کے بعد ہلاکت متحقق بھی ہو جائے۔ چنانچہ

ارشاد ہے فلم یرجع بشئ (کوہرمان میں سے کچھ لے کر واپس نہ ہوا) حالانکہ ارشاد آئے
 فرماتے ہیں : ولا تقوا ما یذککم الی التعلکة اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو
 (جس سے معلوم ہوا کہ جان و مال کو قصداً ہلاکت میں ڈالنا ممنوع ہے)۔
 مامور بہ میں اُسی کی نوع سے زیادتی کرنا محمود ہے۔ چنانچہ یہ ہے کہ جو
 اُسی کی نوع سے کچھ زیادتی کرتا ہے وہ زیادہ تعریف و مدح کا مستحق ہوتا ہے جیسا
 توکل مامور بہ ہے کہ شرط ایمان ہے۔ اس میں جتنی زیادتی ہوگی اتنی ہی مدح ہوگی۔
 چنانچہ ارشاد ہے :

من توکل علی اللہ حق توکلہ = جو اللہ پر توکل کرے پورا توکل :۔
 اسی طرح تقویٰ کے بارے میں ارشاد ہے "اتقوا اللہ حق تقاۃ" اللہ
 سے ڈو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے (اسی طرح ایثار خصال ایمان سے ہے۔
 اُس میں بھی اُسی درجہ مدح ہوگی جبکہ زیادہ ارشاد کیا جائے۔ چنانچہ حق تقاۃ فرماتے
 ہیں : ویشرون علی انفسہم ولو کان بهم خصاصة = اور وہ دوسروں کو
 اپنے اُمور ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود بھوکے رہیں) اور اس کا نتیجہ کیا جلتے قویّت
 فکیریں ملیں گی۔ اب سمجھو کہ جہاد کا شروع ہوا چھوٹا جہاد نفس کی طرف : بعضی ہے۔
 تو جو نفس جہاد کے موقع پر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالے۔ اس کو دوسروں پر
 فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ یہ مامور بہ میں اُسی کی نوع سے زیادتی ہے اور
 مامور بہ میں زیادتی کرنا اخلاقی اور صدق کی دلیل ہے اور اخلاص و صدق تمام خصال
 سے بلند تر ہیں۔ نیز خدا نے خداوندی مامور بہ کو پوری طرح بھالانے سے حاصل
 ہوئی ہے تو اُس میں زیادتی کرنا طلبِ رضا میں نثری کرنا ہے۔ جیسا کوئی مٹنے
 (حق تقاۃ سے) غرض کیا تمنا و عجلت الیل و لب لثمنی (اے اللہ ! اور
 میں آپ کے پاس جلدی کر کے آگیا تاکہ آپ راضی ہوں۔ اس سے بھی معلوم ہوا
 کہ مامور بہ میں زیادت موجب زیادتِ رضا ہے اور اسی پر زیادہ مدح ہوتی ہے)

اسی لیے جب شاہ سوار کی تعریف کی جاتی ہے تو کہتے ہیں خدس احق بڑا احق
سوار ہے اور یہ اُس کی اعلیٰ درجہ کی مدح ہے۔ کیونکہ اہمیت کی وجہ سے کو خطرہ نہیں ڈالتا
ہے اور اسی سے اُس کی شہسوار کی ظاہر ہوتی ہے :

احوال فیفسہ بدوں مجاہدات کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس میں سوہنے
ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ تم احوال فیفسہ تک بدون نفس نفیس کے ہلاک کرنے
اور مجاہدات سے اُس کو خطرے میں ڈالنے کے عیس پہنچ سکتے۔ اسی سے تم
اشما کو پہنچ سکتے ہو۔ جب (اس فرما رہا) کہینہ دُنیا کا طالب یوں کہتا ہے چی
احاول ملکا ادا موت فلعذرانی میں ملک لے لے ہوٹا حیا ای
کی طلب میں مر جاؤں گا۔ اگر مقرر شمار کیا جاؤں۔ حالہ کہ دُنیا کی مسکنت
میں بہت بوجھ ہے تو کام الہ فناء ہونے والی ہے (اس کو بقاد میں) اور اگر ت
میں (مکومت کا) غالب انجام یہ ہے کہ اس سے بدشہر کی کلفت ہی نصیب
ہوگی۔ نواب۔ مہارے نزدیک اس شخص کی طلب کا کیا حال ہو چاہیے جو
دربار قریبی پہنچ کر مقصد ہونے سے توجہ دات بادشاہ کے نزدیک۔ سرور
ہو از سلطنت بادشاہ کا طالب : وہ تو یوں لے گا :

دعوتی یا عدالی فی حوالہ خدمت شہادی وید کرام عللونی فتقواء شہادی
فذلوما طایا اعمال حیثۃ للجوار وبالنفوس جودا بلا تلثم منکم ولا تلکم
والیقنوا بوصول الحبيب عندین الکدام الغزار

(ترجمہ) اے سلامت گرو (نامحوا) مجھے پیوڑ دو۔ میں نے اُس کی خدمت
میں کیا کو ہلے طاق رکھ دیا ہے۔ اسی کے ذکر سے میرا دل بہلاؤ گی اُس کا تقویٰ
ی ہر شاہ ار ہے اور اعلیٰ کی تیراں تیار کر لو جو ترپ (حاصل کرنے) کے لیے
بیزاری کے ماتھ پٹنے والی ہو، اور اپنی جانوں کو بدون کسی رکاوٹ اور اٹکاو کے

ہمیشہ ہار رہے اور انسوئوں کے بننے کے وقت وہ اہل محبوب کا یقین رکھو۔ قولہ الحجۃ
 الثانیۃ فیہ دلیل علی فضیلة الجہاد الی قولہ عند ضیغ الا دھم الغزاد۔
ف جان کو خطرہ میں ڈالنا جہاد کے سوا اور سب موافقہ میں ہاں نہیں۔ جہاد کے
 موافقہ پر جائز ہے کہ اگر جہاد کا موضوع ہی یہ ہے کہ قتال کے ذریعے اللہ کا
 رول بکھرا جائے اور دنیاں بدن جان کی بازی کے شیں ہو سکتا تو وہاں خطرے میں
 اپنے کو ڈال دینا جائز ہو کہ محمد بن ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے
 جہاد کے موقع پر تنہا ہزاروں پر حملہ کیا۔ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور جہتوں کو ار
 کر نکل آئے۔ یہ تادمہ ہست ہی نہیں ہے کہ ماحد بہ میں اُسی کی نوع سے زیادتی
 کہ محمد ہے۔ دوسری نوع سے زیادتی کرنا محمود نہیں۔ لہذا غار میں جتنا بھی خضوع و
 خضوع ہو گا محمود ہو گا۔ مگر اوقات میں زیادتی کرنا کہ جن اوقات میں سرِ رعیت
 کے خلاف سے منہ کیا ہے اُن میں بھی غار پڑھنے لگے مذموم ہے کہ یہ دوسری نوع کی
 زیادت ہے اسی طرح فرائض کی رکعات میں زیادتی کرنا مذموم ہے کہ حدود
 سے تجاوز ہے۔ دعتی ہذا القیاس۔



حدیث

جواز التنفل علی الدابة فی السفر

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں اپنی سواری پر رات کی نماز (یعنی تہجد) پڑھا کرتے تھے۔ بعد چھٹی اُس کا رُخ ہوتا اور سر سے اشارہ کرتے تھے۔ مگر فرائض (سواری پر) نہیں پڑھتے۔ دتر اُس پر پتھر یا کرتے تھے۔

ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ سواری پر فطیں پڑھنا سفر میں جائز ہے خواہ حمار شرح کا نزع قبل کی طرز ہو یا نہ ہو۔ اس پر ہند و جوہ سے کلام ہے۔

حدیث سے نفل نماز پڑھنے کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے (۱۴۱) نماز نفل کی فضیلت کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں بھی نماز نفل کو ترک نہیں کیا۔ حالانکہ سفر میں بوجہ مشقت کے فرائض کے اندر تخفیف ہو جانی اور اُن کی ہیئت بدل جاتی ہے۔ پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نفل کو بدستور سابق مستحب قرار دیا اور اُس کے لیے نماز کا تمام باقی رکھا جس کا بھاننا مطلوب ہے۔

نماز کو کسی وقت کیوں ساقط نہیں کیا گیا یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ نماز کو مرنے اور نعت اور سفر

میں کیوں باقی رکھا گیا۔ حالانکہ اُس کی صورت (ان خندوں کی وجہ سے) بدل جاتی ہے
 جیسا کہ معلوم ہے مگر کسی حالت میں بھی جب تک عقل باقی رہے نماز چھوڑنے کی اجازت
 نہیں دی گئی تو (جواب میں) ہم کہتے ہیں واللہ اعلم اس میں دو حکمتیں ہیں ایک یہ کہ
 نماز کفر و ایمان میں فارق (الذمیز) ہے اور ایمان کی علامت ہر حال میں مطلوب ہونا
 چاہیئے جیسا ایمان ہر حال میں مطلوب ہے مگر یہ کہ عقل ہی زائل ہو جائے تو اُس
 وقت انسان مکلف نہیں رہتا اسی طرح نماز بھی بجز ذوال عقل کے کسی حال میں
 ساقط نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز بندہ اور حق تعالیٰ کے درمیان وصلہ ہے یعنی
 اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے (اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے بندہ اور
 درمیان وصلہ برائے اس کا (ہر حال میں) بندہ ممتاز ہے اسی لیے نماز ہر حالت میں)
 باقی رکھی گئی اور مقرر کے موافق طرح طرح سے اُس میں تخفیف کر دی گئی۔ جیسا
 سب کو معلوم ہے (کہ سفر میں چار فرض کے روزہ جاتے ہیں۔ جماعت اور شن
 مؤکدہ کا آکر ساقط ہو جاتا ہے۔ بیماری میں قیام کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر بیٹھنے کی
 طاقت نہ ہو نو لیٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔)

اسی حقیقت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واستعينوا
 بالصدقة والرحمة وخلق من الدابة - مرد حاصل کر و شیخ کے وقت اور
 شام کے وقت اور رات کی تاریکی میں کچھ عبادت کر کے (اس سے بھی یہی مراد
 ہے کہ ان اوقات میں نماز کا کچھ معمول ہونا چاہیئے۔) کیونکہ بندہ ضعیف کے
 لیے بڑی استغاثت اُسی چیز سے ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کے
 تعلق کو بڑھانے وال ہو۔ اسی سے اُس کو اپنی اُمید کے موافق بہترین ثاویر
 حاصل ہو گا۔

اور جو کچھ ہم نے نماز کے بارے
 عبادت کسی بھی وقت ساقط نہیں
 میں کہا ہے اسی کے شاہ جہد

کی شان بھی ہے، ذکر وہ بھی کسی وقت ساقط نہیں بلکہ بندہ کو ہر وقت عبادت میں رہنا چاہیئے) کیونکہ حکمت، ہدایت اس کو مقتضی ہے کہ ہم سے عبادت اور اس کا ورام مطلوب ہو۔ اسی کے واسطے ہم پیدا کئے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَتِي**۔ میں نے جن و انسان کو بس اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، حالانکہ حق تعالیٰ ہم سے بھی مستغنی ہیں اور ہماری عبادت سے بے۔ لیکن کسی وجہ سے جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں حکمت اس کو مقتضی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

”یعنی وہی جانتا ہے آسمان و زمین کے پیدا کرنے کی حکمت کو“

اسی طرح ہمارے پیدا کرنے اور تمام مخلوقات کے پیدا کرنے کی حکمت کو بھی وہی جانتے ہیں درہا یہ کہ حکمت اس کو مقتضی کیوں ہوئی۔ اس کے متعلق لوگوں نے جو مختلف باتیں بیان کی ہیں ان میں ہر ایک کے لیے دلیل عقلی کی ضرورت ہے اور دلیل قطعی نبوت، ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے اور نبوت کے ذریعے اس باب میں کچھ وارد نہیں ہوا۔ پس ہمارے ذمہ اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے مستغنی ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے ایک ذرہ کو بھی بدون کسی حکمت کے عین پیدا کیا۔ اب اگر کسی نے طریق سے یا احتمال کے طور پر کوئی حکمت (کسی کی) عقل میں آجائے اور اصول شریعت کے دائرہ میں نہ ہو تو اس سے ایمان میں قوت ہوگی۔ چنانچہ اگر اس معاہدے موافق ایمان لایا جائے جو ہم نے ابھی بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے مستغنی ہیں اور تمام چیزیں کسی حکمت کی وجہ سے پیدا کی گئی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو (مزدور و حاجت اور غرض سے) منزہ اور

عہ اور مجبور ہے وہ محمد بن کے نزدیک بے اصل ہے لیکن کثرتاً مخفیاً تخلقت المخلوق لا یعرف اگرچہ محققین کے نزدیک اس کا محرم صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲۸

پاک بھی سمجھا جائے جیسا ان کی شان کے مناسب ہے تو یقیناً اس سے ایمان اس قدر ترقی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی یہ دولت عطا فرمائیں۔

(اس تمہید کے بعد) پھر اسی مضمون کی طرف عود کرتے ہیں جس پر ہم نے اشارہ کیا تھا کہ ہم کو جس کام کے لیے پڑایا گیا اور جو ہم سے مطلوب ہے وہ دوام عبادت ہے۔ مگر ایک تو نظرۃ انسان ضعیف البشیان ہے پھر اُس کو بشری ضرورتوں کی بھی احتیاج ہے۔ جیسے کھانا، پنا (سونا) وغیرہ جس کو ہم اپنے اندر بذاتہ محسوس کرتے ہیں تو دابہ تکوین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کو کسی لطیف حکمت کے ساتھ جمع فرمادیا ہے جس پر بدون انبیاء و انی اور اللہام درحمانی کے کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی تھی۔

ذکر اللہ تمام عبادات میں اعلیٰ ہے یہ کہ قواعد شریعت سے معلوم ہو چکا ہے کہ تمام عبادات میں اعلیٰ اور عذاب الہی سے زیادہ نجات دینے والی چیز ذکر اللہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلیٰ عبادت یعنی ذکر اللہ کو ہماری تمام حرکات و سکنات میں مقرر فرمادیا جن میں سے بعض (مقامات) میں تو ذکر اللہ واجب ہے۔ بعض میں مستحب ہے اور مستحب میں بن بعض کا استحباب مؤکد ہے بعض کا غیر مؤکد۔ چنانچہ آپ نے ہمارے لیے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ کھانے پینے، جماع کرنے، کپڑا پہننے، کپڑا اتارنے، بستر پر بیٹھنے، ٹہریں داخل ہونے، قضاء حاجت کو جانے، وہاں سے نکلنے اور شکار کرنے اور حلال جانور کو زبا کر لے اور کسی جگہ سفر کر کے جانے اور منہم بالشان مسالے میں گفتگو کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر لیا کریں اور ہر موقع کے مناسب ذکر کرنے کا طریقہ بھی آپ نے بتلا دیا۔ ان میں سے بعض مقامات ایسے ہیں کہ اگر وہاں اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ شے ہم پر حرام ہو جاتی ہے۔ اُس کا کھانا جائز نہیں ہوتا۔ جیسے حیوان کو ذبح کرتے ہوئے یا شکار پر کتا یا تیر جھوڑتے ہوئے بسم اللہ کن ضروری ہے،

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَلَا تَاْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اِلَّا اللّٰهُ عَلَيْهِ

۞ اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اُسے مت کھاؤ ۞

اسی لیے اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے واسطے حلال کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے مگر اللہ تعالیٰ کو مانتے اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں اُن کو بھی ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے کا حکم دیا ہی ہے جیسا ہم کو ہے اور محسوس اللہ کو نہیں مانتے (کیونکہ وہ مشرک ہیں اور مشرک کے ساتھ بھلا کا ماننا نہ ماننے کے حکم میں ہے) تو اُن کا ذبیحہ ہمارے واسطے ہرگز حلال نہیں کیونکہ نسبت میں تباہ ہو گیا ہے۔ اور بعض لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا سنت ہے جیسے بیت اللہ میں جاتے ہوئے، گھر میں داخل ہونے کے وقت، بستر پر لیٹتے ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

بعض احوال میں اللہ کا نام لینا مستحب ہے جیسے کسی کا کام بناتے ہوئے خداداد دنیا کا کام ہو یا دین کا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب اُن کے پاس کوئی کام کرنے والا آتا جیسے کپڑا سینے والا یا اور کوئی نیکو کرنے والا اور آپ اُس کے حوالہ کوئی کام کر دیتیں تو درمیان میں دریافت کرتیں کہ تو نے کام کرتے ہوئے اللہ کا نام بھی لیا ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں بسم اللہ کر کے میں نے کام شروع کیا ہے تو اُس کو کام پورا کرنے دیتیں اور اگر یہ کہتا کہ میں نے بسم اللہ کر کے کام شروع نہیں کیا تو کام پورا کرنے سے پہلے ہی اُس کو اٹھا دیتیں کہ اللہ کا نام پہلے کیوں نہیں لیا تو ان مواقع میں اور جو اُن کے مشابہ ہوں اللہ تعالیٰ کا نام لینا مستحب ہے اسی طرح زندہ سے بیدار ہونے کے وقت وغیرہ وغیرہ۔

تم اس عجیب حقیقت اور رسل و مطہرات طریقہ میں غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ضعف کی رعایت کر کے کتنا آسان راستہ عبادت کا مقرر کر دیا کہ

بندہ ہر وقت جہد میں بھی مشغول ہو سکتا ہے اور اپنی ضروریات زندگی کو بھی پورا کر سکتا ہے) اے یلحد من علق دھو اللطیف الخیرۃ۔ کیا جس نے پیدا کیا وہ بھی (تمہاری حالت کو) نہ جانے کچھ حالانکہ وہ تو بڑا باریک ہیں اور خبردار ہے۔ مگر یہ مقام اُسی کو حاصل ہوتا، بلکہ اُس کی بُجھ بھی وہی پاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اتباع سنت نبویہ کی توفیق عطا فرمائی ہو۔ پھر جس حقیقت کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید کو اپنے اس ارشاد سے اور بڑھا دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا ہے۔

من ذکرنی فی نفسہ ذکر تہ فی نفسی ومن ذکرنی فی ملأ

ذکر تہ فی ملأ فینہ ومن تقرب الی بشیر تقریب منہ

ذرا من تقرب الی ذرا من تقریب الیہ بلعا من امانی یمنی ایتہ

حرو لہ۔ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اُس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے میں اُس سے بہتر جماعت میں اُس کا ذکر کرتا ہوں اور جو میری طرف ایک بات آتا ہے میں اُس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں۔ جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے میں اُس کی طرف دو ہاتھ سے زیادہ بڑھتا ہوں جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں ۛ

(مطلب یہ ہے کہ بندہ جب میری طرف متوجہ ہوتا ہے میں اُس سے

زیادہ اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اس مقصود کو سمجھانے کے لیے اس عنوان خاص سے بیان کر دیا گیا جس کا ظاہر مروجہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ دل سے مسافت سے اور حرکت و سرعت سے منزہ ہیں) نیز قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وحلی جنوبہم (وہ اہل

عقل کون ہیں؟ وہ ہیں) جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوتے ہوئے بھی بیٹھتے ہوئے بھی، لیٹتے ہوئے بھی، اس اشارہ میں غور کرو کہ ذکر پر ایسا دوام ہونا

چاہیے) کہ بندہ کی کوئی حالت بھی ایسی نہ ہو جس میں وہ مستقل عبادت میں مشغول نہ ہو۔ اگر عبادت کا یہ طریقہ (یعنی ذکر) مشروع نہ ہوتا تو دنیا سے بالکلیہ علیحدگی کے بغیر دوام عبادت کا تصور ہی نہ ہو سکتا اور یہ صحت ہماری فطری احتیاج کے منافی عملی قواعد تھے۔ اس لیے اس عجیب طریقہ کے ہماری احتیاج کے ساتھ عبادت کو جمع فرمادیا کہ ذکر کو بھی عبادت کی اعلیٰ قسم بنا دیا، اور اس طرح ہم کو تمام جہلاتوں کی طرف اپنے فضل و رحمت سے آسان اور نزدیک راستہ سے چمپا دیا اور یہ جو ہم نے بیان کیا ہے کہ کمانے کے وقت اللہ کا نام لینا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔

اس باب کی حدیثیں ہم نے یہاں بیان نہیں کیں۔ کیونکہ یہاں ہمارا مقصود اس غیر کی طرف رہنمائی کرنا اور (مخاطب کے) دل میں اس (اہم مضمون) کو زندہ رکھنا کہ اس کی قدر کی جائے ورنہ جتنی حالتوں کے متعلق ہم نے ذکر کی تاکید کی ہے ان سب کے بارے میں متعدد وجہیں وارد ہیں۔ ایک (دوم) نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے (ہماری) عمر و راز کی اور توفیق الہی نے مدد کی تو انشاء اللہ ان سب حادثات کو مستقل کتاب میں لکھیں گے تاکہ واقفیت حاصل کرنے والوں کو آسانی ہو۔ بعونہ و فضلہ ان شاء اللہ تعالیٰ اور اسی حقیقت کی وجہ سے صوفیہ کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہوئی کیونکہ وہ ہمیشہ ذکر میں مشغول اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اس خاص حالت ہی کی وجہ سے اُن کو خواص کہا جاتا ہے۔ اس لیے صوفیہ نے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کہا ہے کہ اگر تم ہماری محبت میں رہتے ہو تو عاشق تو جہاں بھی جاتا ہے محبوب کے ذکر کے ساتھ جاتا ہے (ہم تم کو بھی ہر حال میں ہمارا ذکر کرنا چاہیے) کیونکہ دوام ذکر سے اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی اور عہد سلوک نہیں وہ کتاب حضرت شاذانہ لکھی ہے یا نہیں؟ اللہ اعلم ہے تو یہاں ہوتی ہے یا نہیں؟ لیکن اس باب میں صحن صحن بہت کچھ کتاب ہے کہ حضرت حکیم الامت نے تہذیب قرابت عند اللہ و صلوات الرسول میں اس کا بہت اچھا خلاصہ جمع فرمادیا ہے۔ (نماز عبادت مقبل میں ناشر۔)

حضور (دُرُوب) حاصل ہوتا ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا ہے انا جنس من ذکر فی میں اس کا ہر نشیمن ہوا ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ پس اگر تجھ کو کچھ فعل ہے تو سمجھ لے کہ تجھ سے کیا قصہ کیا گیا ہے اور اے مسکین تو کیا ہے اور کون ہے (تو اللہ کا محبوب ہے یا نہیں) اور محبوب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی دلیل بھی تیرے پاس ہے یا نہیں؟
 قوله الوجه السادس فيه دليل على افضلية التفضل الى قوله
 ومن انت يا مكين -

ف سہولت ذکر اور دوام ذکر کا طریقہ شارح نے اس مقام پر جس کی طرف اشارہ کیا ہے اس کو واضح کرنے کی ضرورت ہے اس لیے اس کو کھول کر بیان کرنا چاہتے ہوں کہ تم فوراً اپنے ذہن کو تو دیکھو کہ یہ ایک لحظہ خیالات، ضرورت، خواہش اور دماغوں سے خالی بھی رہتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریا بہہ لگاؤ چلا آ رہا ہے۔ ایک لامتناہی مبداء سے نکل رہا ہے۔ اس کی کیفیت میں غور کرو تو معلوم ہو گا کہ یا تو اچھے خیالات ذہن میں آتے یا بُرے؟ اس کی آمد کسی طریق سے روکی نہیں جاسکتی۔ کون سی فرت اس کو روک سکتی ہے؟ کسی خیال کو محض ارادہ کی قوت سے پیدا نہ ہونے دینا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

خیالات ایک نامعلوم سرزخم سے ظہور کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فسانہ ان کے پیدا کرنے پر قادر ہے، نہ ان کے فنا کرنے پر۔ لیکن انسان کو انہی طاقت ضروری گئی ہے کہ اپنی توجہ بُرے خیالات کی طرف سے ہٹا کر اچھے خیالات کی طرف مبذول کر دے یا علم نفسیات کی اصطلاح میں یوں کہیں گی خیالات کو ایجابی خیالات میں بدل دے یہی بجا ہدہ کی حقیقت ہے۔ ذہن میں سلبی خیالات اضطراری طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ اب یہ آپ

کے اختیار میں ہے کہ ان خیالات کو گلے لگالیں اور معزز سماں کی طرح عزت و وقار سے دل میں جگہ دے دیں یا یہ کہ ان کے ذہن میں اُتے ہی ایجابی خیال کو ان کی سرکوبی کے لیے لے آئیں اور نور کی قوت کو ظلمت کی طاقت کے مقابل کر دیں۔

ان الدین اتقوا اذا سجد طائف من الشیطان تذکروا فاذا مضی صبرون۔
 ظاہر ہے کہ نور و ظلمت کے مقابل میں نور ہی کامیاب ہو گا۔ کیونکہ ظلمت نور ہی کی غیبت کا نام ہے۔ نور کے نہ ہونے ہی سے ظلمت پیدا ہوتی ہے جہاں نور ہو وہاں ظلمت کیسے آسکتی ہے؟

شروع علیہ السلام نے یہی طریقہ ہم کو بھیایا ہے کہ تم اس پر تو قادر میں ہو کہ سبھی خیالات کو ذہن میں نہ لے دو مگر اس پر قنہ ہو کہ ایجابی خیال کو ان کے مقابل کر دو۔ ایجابی خیالات میں سب سے زیادہ ایجابی خیال حق تعالیٰ کا خیال ہے جو تمام محامد و محاسن کے جامع اور تمام خوبیوں اور کمالات کا سرچشمہ اور طہائنت و سرور اور علو و قوت و عزت و سلطنت کے مبداء ہیں۔ اگر تم اپنے قلب کو تمام سلبی خیالات سے خالی کر کے حق تعالیٰ کے خیال کو اُس میں جانے کی کوشش کرو گے تو ہندو دوز میں حق تعالیٰ کی صفات کا اپنے اندر ظہور دیکھو گے۔ فطرت انسان کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جس کے خیال اور ذہن میں رہتا ہے وہی ذلت و ذنوت اُسی کی خواہش میں پیدا ہونے لگتی ہے۔ اس قانون کو ماننے کے بعد تم ہرگز سلبی خیالات پر توجہ کو زیادہ مرکوز نہ کرو گے بلکہ ایجابی خیالات ہی کو دل میں جانے کی کوشش کرو گے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ حق تعالیٰ سے بہتر کوئی اور چیز ہو سکتی ہے جس سے تم ایک لحظہ کے لیے بھی حق تعالیٰ سے غرض نہ کر سکتے ہو؟

کیست زو بہتر بگو اے بیچارے

تا بدین دل شاد باشی یک نفس

اگر چشم بصیرت کھل ہوئی ہے تو پھر کیا حق تعالیٰ کی توبہ سے بہتر اور کسی کی توبہ ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں! حق تعالیٰ کو چھوڑ کر خلق میں محویت گو وہ بظاہر

کسی ہی طہریب اور دل کش کیوں نہ ہوں نور کو چھوڑ کر ظلمت میں گرفتار ہونا ہے۔ اور ظلمت سے ضیق۔ غم و وزن اور غم کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہے۔ ظلمت میں کوئی چیز بھی اپنی صحیح خود و خال میں نظر نہیں آ سکتی۔ پس ظاہر نظر میں اشیاء کی یہ دلفریبی نفس کا دھوکہ ہے۔ التباس ہے قرب و اہم کی اختراع ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد غم کا سایہ قلب پر چھا جاتا ہے۔ ابھی اعتماد تھا ذرا دیر بعد خوف طاری ہو جاتا ہے۔ طبیعت میں استقلال و استحکام نہیں ہوتا۔ کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آتی۔ اگر چشم بصیرت کھل جائے اور ظلمت کی جگہ نور دل میں جلوہ گر ہو جائے تو تمام اشیاء اپنی اصلی حالت پر نظر کرنے لگیں گی۔ حیاتِ طیبہ نصیب ہو گی۔ طہیضت و برہوت قلب حاصل ہو گی خوف و وزن زائل ہو جائے گا۔ استقلال و استحکام عطا ہو گا۔

الاب ذکر الله تطلئن القلوب من عمل صالحا من ذکر و انشئ و
هو مؤمن فلتنجين في جنة طيبة ط

پس ہم کو نور قلب حاصل کرنا چاہیے جس کا ذریعہ ذکر اللہ سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ پھر حق تعالیٰ کی یاد کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کا ذکر زبان پر جاری رہے غاد کروا اللہ ذکر اکثر احوال و کلا یزال لسانک دہان ذکر اللہ پر توجہ اہل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے یہی مشغلہ ہو اور مقصود اس سے رضاء و قرب الہی کے سوا کچھ نہ ہو۔ جب دل کی توجہ ذکر الہی کی وجہ سے خرافات دنیا سے ہٹ کر ایک مرکز پر مرکوز ہوگی تو خود بخود فاسد اور پریشان کن خیالات و وساوس کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ خیالات کی پراگندگی موقوف ہوتے ہی ایک روحانی کیفیت اور طہانیت سے قلب معمور ہو جائے گا۔

اس دور کے حاصل ہو جانے کے بعد تمام چیزوں سے استغناء ہو جائے گا نہ کسی چیز کے حصول سے لذت ہوگی نہ کسی چیز کے ضائع ہونے سے رنج۔ ہاں کسی چیز سے لذت ہوگی تو اللہ کی نعمت سمجھ کر ہوگی۔ اگر رنج ہوگا تو اللہ کی ندامتی کے خیال سے ہوگا۔

مگر اللہ تعالیٰ کی رضا و عدم رضا کا طریقہ مشہور ہی وحدیث میں تمہارے سامنے ہے
اپنے اعمال کو اُن سے جانچ لینے کے بعد پھر دُنیا کی کسی چیز کے فتنے سے
رجح نہ ہو گا۔

اذا نصیت منی کرام عشیقہ فلعل غلبا نا علیٰ انہا
ایک طریقہ کا ذکر یہ ہے کہ مختلف حالات مختلف اوقات کے متعلق جو دعائیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں اُن کی پابندی کی جائے اس طرح
کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ سے غفلت دل میں راہ نہ پائے گی۔ کیونکہ اُن کی پابندی
اُسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں جھی رہے۔ پہلے پہل
اس پابندی میں کسی قدر دشواری اس لیے ہوتی ہے کہ قلب میں اللہ تعالیٰ کی
یاد پوری طرح نہیں جھی۔ پھر ہر موقع پر دل میں خود بخود اس دُعا کا تقاضا پیدا
ہونے لگتا ہے جو حضورؐ نے اس موقع کے لیے ارشاد فرمائی ہے۔ ان دُعاؤں
کا خاص فائدہ یہ ہے کہ اپنی ہر حالت ہر کیفیت اور دُنیا کی ہر شے کے متعلق یہ
عقیدہ دل میں راسخ ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اور ہو رہا ہے اللہ کی مشیت
سے ہو رہا ہے۔ دُنیا میں جو چیز بھی ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور محکوم ہے۔
وہی رب اور حاکم ہیں۔ اُن کے سوا کوئی رب ہے نہ مؤثر نہ نفع دینے والا ہے
نہ ضرر دینے والا۔ چونکہ ہمارا سابقہ رات دن ان ہی اشیاء سے رہتا ہے۔
یہی ہمارے سامنے ہیں۔ یہی ہمارے دل و دماغ میں بسی ہوئی ہیں۔ ان ہی
کی محبت سے ہمارے قلوب بہرے ہوئے ہیں۔ مگر سب قالی اور ذوال پذیر ہیں
ان کا زوال و فنا ہمارے گھون و غم کا باعث ہوتا ہے تو ہم کو چاہیے کہ مخلوق
کو دیکھ کر خالق کی طرف ذہن کو منتقل کریں تاکہ ہر طرف حق تعالیٰ ہی کا جلوہ
نظر آئے۔ ہر شے کی سببی جہت سے توجہ کو ہٹ کر ایجابی جہت یعنی جہت حق کی
طرف انتقال کریں۔ اس طرح یاد حق دل میں قائم ہونے لگے گی۔ اب ہمارے
ذہن میں شے نہ ہوگی حق ہوگا اور اُن تمام انوار سے قلب معمور ہونے لگے گا

جو اللہ تعالیٰ کی طرف دُعا کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اور بہت جلد معلوم ہو
جانتے گا کہ سادت و مسرت کا سرچشمہ خود ہمارا دل ہے۔ حق تعالیٰ کا جلوہ گاہ
خود ہمارا قلب ہے۔ کسی اپنی دل نے کہا ہے ۛ

شونے جاناں بھی آنکھ اٹھاتا ہے باہر دل
مگر دن بھکائے دیکھ رہا ہوں بہا بہر دل

دوسرا کہتا ہے ۛ

بیابا و تماشا نے خوش نظارہ کن !

چرخ شگفتہ بدل از نسیم کوئے جیب

عابد شیرازی کہتے ہیں ۛ

خلوت گزیرہ را تماشا چہ حاجت

جون کوئے دوست بہت بھرا چہ حاجت

آفاق میں حق تعالیٰ ظاہر ہیں ہر شے کے ساتھ جنت حق کو جو ہے مگر علم صحیح
کے استعمال سے وہم و التباس کو دور کرنے اور نظر کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات و اوقات کے لیے جو خاص خاص اذکار
و اذکار تعلیم فرمائی ہیں اُن کا مقصد یہی ہے کہ اُن کی پابندی سے نظر کی اصلاح ہوئی
نقطہ نظر بدلے تو معلوم ہوا کہ نفس و آفاق میں حق تعالیٰ نماں و عیاں ہیں۔ اُن سے
ہی تعلق قائم کرنا اُن ہی کی یاد کا دل میں جمانا تمام مشرتوں اور سعادتوں کا
حاصل کرنا ہے۔ اللہ سے غفلت و ذہول اور غفلت میں استغراق و انہماک تمام
بلاؤں اور آفتوں میں گرفتار ہونا ہے ۛ

عشق با مردہ ناسد پا نزار عشق را با حی و باقیوم دار

مگر گریزی براسید راسخ ہم ازا بنما پشت آید آفت

نہ بکے بے دود بے دام نیست جو بخلوت گاہ حق آرام نیست

مگر سے باہر قدم نکالو تو اللہ کو یاد کرو۔ پا نزار میں جاو تو اُس کو یاد کرو

دکان کو لو تو اللہ کو یاد کرو۔ سب میں تدم رکھو تو اللہ سے دُعا کرو۔ باہر ڈو تو اُسی سے فضل کی درخواست کرو۔ بیوی بچوں کو دیکھو تو اُسی کی نعمت کا شکر کرو۔ کھانا کھاؤ تو اللہ کے نام سے شروع کرو۔ کھانا کھا چکو تو اُسی کی نعمت کا شکر یہ یاد کرو۔ سونے کا ارادہ کرو تو موت کو یاد کر کے اللہ کی حفاظت کا دامن پکڑو۔ جاگو تو نئی زندگی عطا ہونے پر اللہ کی حمد کرو۔ اسی طرح ہر حالت ہر وقت اور ہر کیفیت میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت اور حکومت و طوت کا مشاہدہ کرو خود اپنی ذات کو اپنی ہستی کو بھی اللہ کی مخلوق و محکوم سمجھ کر دیکھو۔ اللہ سے غافل ہو کر اپنی ہستی پر نغز نہ کرو۔ یہ مراقبہ راسخ اور کامل ہونے کے ساتھ ہی خایینا تو لو انتم وجہ اللہ اور غمت اربابہ من اجل العید کے معنی کی ابتدائی فہم حاصل ہونے لگے گی اور زبان حال سے یوں کہنے لگو گے۔

مُحْسَنِ خُوشِ اَز دُونِ خُوبَاں اَشْکَا دَا کَر دُ
پسِ بَحْشِیمِ عاشقَاں خُود رَا تَا شَا کَر دُ

جعلنا اللہ وایاکم من راقب اللہ فوجدہ جہاد امین !



أشراط الساعة

علمِ حقیقی وہ نور ہے جس کو ربیع اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضانِ فہم ہوتا ہے جس کے اندر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

(فیضان) فہم ہوتا ہے۔ کیونکہ کہیں تو ہمیشہ رہیں گی بلکہ زیادہ ہوتی رہیں گی۔ لیکن فہم دہش میں نہیں ہوتا ہے گا۔ یہاں تک کہ (کسی وقت) بالکل ہی اٹھ جائے گا۔ اس پہلے بھی ہم ایک حدیث کی شرح میں گفتگو کر چکے ہیں۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہ اٹھائیں گے کہ لوگوں کے دلوں سے اُس کو نکال دیں (بلکہ اس طرح اٹھائیں گے کہ مخلوق کو دنیا سے اٹھا لیا جائے گا) قولہ منہا هذا العلم الذی یقبض حالہ ما لہ الی قولہ ینزعہ من العباد۔

ف معلوم ہوا کہ علم حقیقت میں نور ہے جو دل میں حل اور تقویٰ کی برکت سے پیدا ہوتا ہے۔

(۱۳۱) آیات الیہ سے عبرت حاصل کرنا چاہیے رسول اللہ کا یہ ارشاد کہ زلزلے کثرت سے آئیں گے۔ اس پر سوال یہ ہے کہ اس میں (یعنی) خیامت کے قریب بکثرت زلزلے آنے میں، کوئی ایسی حکمت ہے جس کو ہم سمجھ سکیں یا ہم کو وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ جواب یہ ہے کہ حکمت تو یقیناً ہے اور (اللہ تعالیٰ کی) علوت جاریہ کے مقتضی پر نظر کر کے وہ حکمت ظاہر بھی ہے مگر یقین کے ساتھ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں یہی حکمت ہے (اس کے سوا کچھ نہیں۔ ممکن ہے کہ جو ہم نے سمجھا ہے وہ نہ ہو کچھ اور حکمت ہو) بہر حال شریعت کے قبض (اور اُس میں غور) کرنے سے ہمیں زلزلہ کی دو حکمتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ عادیۃ اللہ نون جاری ہے کہ زلزلہ دو وجہ سے آتا ہے ایک انتقام کے لیے جب وہ کسی سے انتقام لینا چاہیں۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ زلزلہ سے بہت لوگ ہلاک اور برباد ہوئے ہیں حتیٰ کہ ہمارے زمانے تک بھی ایسا ہو رہا ہے۔ چنانچہ جس وقت میں افریقہ میں تھا تو قواتر کے ساتھ یہ خبر پہنچی کہ افریقہ کی ایک بستی میں زلزلہ آیا جس سے وہاں کی پوری آبادی زمین میں دھنس گئی اور وہ لوگ

اسی قابل تھے کیونکہ اُن میں فساد بہت بڑھ گیا تھا۔ دوسرے اُن لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کرنے کے لیے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ کیونکہ زلزلہ بھی قدرت کی (نشانیں) میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہاں رسول بالافیات الا تنو یفا (اور ہم ان نشانوں کو ڈرانے ہی کے واسطے بھیجتے ہیں) اور یقیناً قرب قیامت میں فساد بڑھ جائے گا تو اُس وقت زلزلے بطور عذاب کے بھی آئیں گے اور اس لیے بھی کہ جن کی تقدیر میں سعادت ہے وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ قیامت بہت بڑے زلزلے کے ساتھ آئے گی۔ جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فَذُکَّا ذُکَّةً وَحُذُّهُ نَزْحٌ مِّنْ عَالٍ فَرَّانَہِ : وَلَقَدْ أَخَذْنَاھُمْ بِالْعُنَابِ فَمَا اسْتَکَانُوا رُجُوعَہُمْ وَمَا تَضَعُونَ حَتّٰی اِذَا فُتِحْنَا عَلَیْھِمْ بَاہَاذِ عَذَابٍ شَدِیدٍ اِذَاھُمْ فِیْہِ مَبْلُوٰنَ ۔

وہ اور ہم نے اُن کو عذاب سے پکڑا اسودہ اپنے رب کے سامنے نہ بھیجے نہ عاجزی نہ داری کہنے لگے۔ یہاں تک کہ جب ہم نے سخت عذاب کا دروازہ اُن پر کھولا یا تو اب وہ سٹ پٹائے رہ گئے ۛ

مطلب یہ ہے کہ اول اُن کو معمولی عذاب سے پکڑا گیا تاکہ حجت تمام ہو جائے اور (اپنی حرکتوں سے) باز آجائیں۔ جب اس پر بھی باز نہ آئے تو عذاب سنگین نے اُن کو آلیا۔ پس (صانع) حکیم کی مُنت ہی ہے کہ پہلے تھوڑا سا عذاب بھیجتے ہیں تاکہ جس میں غیر کی اہلیت ہو وہ اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اور جو عذاب ہی کے لائق ہیں اُن پر تھوڑا عذاب نازل ہو۔

اسی قاعدہ کے موافق قیامت سے پہلے بہت زلزلے آئیں گے۔ کیونکہ حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ بندوں کو اول ڈرا دیا جائے۔ اگرچہ اس سے اُن لوگوں کو نفع نہ ہو گا جس کے لیے عذاب ناگزیر ہے وہ برابر اپنی بدی میں ترقی کرتے رہیں گے تو اُن کو سخت بلا کا سامنا ہو گا حکمتہ بالغۃ فما تَغْنٰی النذر عن من قیامت

کا زلزلہ بہت سخت ہو گا جس سے تمام زمین ایک دم ٹکٹے ہو کر دیزہ دیزہ ہو جائے گی تو اس سے پہلے بہت سے زلزلے آئیں گے تاکہ اُنہ کی کثرت سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسی قسم کا ایک بڑا زلزلہ بھی آنے والا ہے۔ قولہ ویکتزلزل کل فہل ہذا فیہ محض من الحکمۃ الی قولہ بیعد الزلزلۃ العظمیٰ من چنسا۔ آیات النیر سے عبرت حاصل کرنا صوفیہ کا خاص مذاق ہے وہ ادنیٰ ادنیٰ فضا ہے بھی گہرا کہ اشک طرن دجوا کہتے ہیں۔

(۱۲۲) ایمان و عمل صالح سے وقت میں بھی برکت ہوتی ہے اور عمر و مال میں بھی

زمانہ کے قریب قریب ہونے (اور گھٹنے) کا کیا مطلب ہے آیات نقصان حتیٰ ملاو ہے یا نقصان باطنی؟ دونوں احتمال میں اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں ہی مراد ہیں کیونکہ آثار میں دونوں پہلے الگ الگ اشارہ وارد ہے۔ نقصان باطنی تو واقع ہو چکا ہے اب ہم کو نقصان حتیٰ اور نقصان باطنی (کی حقیقت) کے بیان کرنے کی ضرورت ہے اور آثار میں جو اشارہ دونوں کے متعلق وارد ہے اُس کو بھی بتانا ہے تو (مجھ کو) نقصان باطنی کا مطلب یہ ہے کہ عمل میں نقصان واقع ہو گا۔ کیونکہ انسان کی عمر ہی اُس کا راس المال (اور قیمتی سرمایہ) ہے اور اس کا نفع یہ ہے کہ عمل اچھا ہو اگر با برکت کاموں میں کمی ہونے لگے تو زمانہ ناقص ہو گا کیونکہ اُس سے فائدہ کم ہو گا۔ جیسے درخت اور پھل کی حالت ہے کہ اگر پھل میں کمی ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ درخت ناقص ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَسْیَلُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

”ہم تم کو کمزور آدائیں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال و جان اور

ثمرات کے نقصان سے“

(معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا نقصان بڑی مصیبت ہے جو بطور ابتلا کے اللہ تعالیٰ

کی قسم سے درد ہوتی ہے بطور نعمت کے نہیں آتی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں جس دن میرے علم کے اندر کچھ ترن نہ ہو اور نہ میں کسی پر کوئی احسان کروں تو اُس دن آفتاب کا طلوع ہونا میرے واسطے ناممکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی بغیر عمر کی کوئی قیمت نہیں ہوتی (کہو نہ) وہ اُس میں اپنی بگڑی کو بنالیت ہے اور بگڑی کو بنانے کا طریقہ ہجر توبہ اور عمل صالح کے یہاں ہے کہ اس سے ذریعہ وہ اپنے نقصان کی تلافی کر سکتا ہے اور توبہ عمل کا نشانہ۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ قلوب پر دُنیا کی محبت تذاب ہو اور اسی میں دال ٹخنوں پر دُنیا کو آخرت کے کاموں پر ترجیح دی جاوے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک حدیث میں) اس حقیقت پر متنبہ فرمایا ہے :

بقولہ انتم فی زمانہ و ذکر من صفات اہلہ انہم یدعون اہلہم
قبل اہوائہم و سیأتی زمان و ذکر من صفات اہلہ انہم یدعون
فیہ اہوائہم قبل اہلہم ۔

”تم ایسے زمانے میں ہو جس میں خواہش (نفس) پر عمل (صلح) کو مقدم کیا جاتا ہے پھر ایک زمانہ آنے کا جس میں خواہش (نفس) کو عمل (صلح) سے مقدم کیا جائے گا۔“
وقال علیہ السلام من ابتداء بحفظہ من دنیا فانه حفظہ من آخرۃ ولہ
مثل من دنیا لا ما کتب لہ ومن ابتداء بحفظہ من آخرۃ نال من
آخرۃ ما احب ولہ یفتنہ من دنیا و ما کتب لہ ۔

”نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص دنیا کے حق کو مقدم کرے گا اُس سے آخرت کا حق فوت ہو جائے گا اور دُنیا میں سے اُن ہی نے گنجائش کے لیے مقدم ہے اور جو آخرت کے حق کو مقدم کرے گا اُس کو اوت میں سے کسی خواہش کے موافق ملے گا اور دُنیا بھی جتنی مقدم ہے فوت نہ ہوگی۔“

وقال علیہ السلام من شر ما لیس فیہ و ذکر فیہ و یقن العمل ۔

نیز فرماتے صحابہ قیامت میں مجھ کا بیان فرمایا ہے کہ اُس وقت عمل کم ہو جائے گا۔

دیکھو نہ بیچہ موڑ کر چلو اور اسے اللہ کے بندہ! میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن اپنے بھائی مومن کے لیے وہی چاہتا ہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے: اللہ فی ہون العبد ما کان العبد فی ہون اخیه۔ اللہ تعالیٰ (اپنے) بندہ کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد کرتا رہتا ہے۔ یہ حضرات ملت کا بڑی طریقہ تھا۔

ہمدی اور خیر خواہی خلق سے مال میں برکت ہو کا عجیب واقعہ

چنانچہ میں نے ایک تاریخ میں دیکھا ہے کہ ایک بادشاہ نے کسی ملک پر قبضہ کیا تو خزانہ میں گیسوں کے دانے بھی دیکھے جو اُس گیسوں سے بہت بڑے تھے جو عام طور پر لوگوں کی نظروں میں رہتا ہے۔ بادشاہ نے اُس کے متعلق تفتیش کی مگر یہ گیسوں کس نے خزانے میں رکھے اور کس لیے رکھے، تو ایک بوڑھے نے جس کی عمر لمبی ہو گئی تھی بتلایا کہ میں اس کی حقیقت سے واقف ہوں۔

بات یہ ہے کہ ایک جوان اور بوڑھے نے شرکت میں کھیتی کی مٹی جب کھیتی کٹ گئی اور فرس تیار ہو گئی تو دونوں نے اس کے دو حصے کر لیے (پھر) ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس غلہ کو باری باری اٹھانا چاہیئے۔ ایک دوسرے اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھا کر گھر پہنچاؤ۔ میں اپنے اور تمہارے حصہ کا پہرہ دوں گا۔ پھر میں اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھا کر گھر پہنچاؤں گا۔ تم میرے اور اپنے حصہ کا پہرہ دینا۔ چنانچہ اس قرار داد کے مطابق اول بوڑھے نے اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھایا اور جوان پہرہ پر رہا۔ بوڑھے کے بال بچے بہت تھے تو جوان اپنے دل میں کہنے لگا یہ بوڑھا آدمی ہے اس کے بال بچے بھی ہیں مجھے اس کی مدد کرنا چاہیئے تو وہ اپنے ڈھیر میں سے کچھ گیسوں نکال کر اُس کے ڈھیر میں ڈال دیتا۔ پھر جب جوان کے اٹھانے کی باری آئی اور بوڑھا پہرہ پر جو اُن اُس نے اپنے دل میں کہا یہ جوان آدمی ہے لوگ اس کے پاس ملنے لانے کو زیادہ آتے ہیں۔ مجھے اس کی مدد کرنا چاہیئے۔ اُس نے بھی اپنے ڈھیر میں سے گیسوں

نکال کر جو ان کے ڈھیر میں ڈال دیئے۔ غرض دونوں یہی کرتے رہے کہ جو ان اپنے پہرہ کے وقت بٹسے کے ڈھیر میں اپنے گیسوں ملنا دبا اور بڑھا اُس کے ہتھ میں اپنے ہتھ سے ڈالنا دبا تب جو یہ ہوا کہ (دونوں باری باری گیسوں اُٹھاتے رہے اور غلّہ (میں برکت ہونے لگی کہ پہلے سے) بڑھنے لگا حتیٰ کہ گیسوں کا دانہ بھی بڑا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ برکت ہوئی) دونوں ڈھوٹے ڈھوٹے خاک گئے غلّہ کے اُٹھانے سے عاجز ہو گئے اللہ یہ بھی دیکھا کہ غلّہ کا دانہ بہت بڑھ گیا ہے۔ عام طور پر جتنا بڑا ہوتا ہے اُس کی حد سے بھی نکل گیا ہے تو ہر ایک نے دوسرے سے قسم دے کر پوچھا کہ تو میرے پیچھے کیا کرتا رہتا ہے (جو غلّہ میں اتنی برکت ہو گئی) تو ایک نے دوسرے کو بتلایا کہ میں تو میرے پیچھے ایسا کرتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ میں بھی یہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ قطعہ بستی میں مشہور ہو گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کو بھی خبر پہنچی تو اُس نے کسی کو بھیجا تاکہ اس گیسوں میں سے تھوڑا سا بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔ جب بادشاہ نے یہ گیسوں دیکھا تو کہا اس میں سے کچھ انگوٹھ کے طور پر، شاہی خزانہ میں رکھ دیا جائے تاکہ بعد والوں کو اس سے جہرت اور نصیحت حاصل ہو تو دیکھو جب ان دونوں نے ادب کے ساتھ حقیقتِ ایمان کا حق ادا کیا تو ان پر ایمان کی برکتیں نازل ہو گئیں۔ حق تعالیٰ شاد فرماتے ہیں :-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرْءَانِ اٰمَنُوْا وَتَقَوْا لَفَقَّحْنَا عَلَيْهِمُ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

۱۰۰ اور اگر ان بستیوں کے باشندے ایمان لے لیتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے ۱۰۱

ادب نہ دیا ایمان ہے نہ دیا تقویٰ تو وہ پہلی سے برکتیں بھی نہیں دے رہا حتیٰ نقصان تو وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا کیونکہ رات اور دن کے گھنٹے بدستور اپنے حال پر ہیں اگرچہ یہ فرق ضرور ہو گیا ہے کہ ان گھنٹوں میں جتنا کام پہلے لوگ کر لیتے تھے اب اتنا کام نہیں ہو سکتا (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حتیٰ نقصان کی بھی اطلاع دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ سالِ مہینہ کے برابر ہو

جانے گا اور سینہ ہفتہ کے برابر اور ہفتہ دن کے برابر اور دن ایک گھنٹہ کے برابر ہوگا (الیٰ اخرا لہ ریٹ) اس عادت کا تصور ابھی باقی ہے۔ و قولہ ویکثر الزلازل فہل هذا فیہ معنی من الحکمۃ الی قولہ فہذا مبالغی خروجہ !!

ف اعمال صالحہ اور تقویٰ سے وقت میں برکت ہونا صوفیہ کے نزدیک جیسا ہے ہے۔

مستبرط مرتبہ کیا ہے کہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی عہد کی نماز کے بعد قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور مغرب تک ختم کر لیتے تھے بعض ہزرگان سلسلہ نے غوثی عمر میں اس قدر کام کیا ہے کہ ان کی تصانیف کے اوراق کو ان کی عمر کے ایام پر تقسیم کیا گیا تو ہر دن ہزار صفحے ہوئے۔ آج کل تو اتنے صفحات کا مسودہ سے نقل کرنا بھی دشوار ہے۔ ان حضرات نے ان کو لکھا بھی تھا اور تصنیف کے طور پر لکھا تھا جس میں عبادت، آفرینی اور تہ تیرو تامل اور تلاش و تحقیق کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ان ایام میں سے بچپن اور طالب علمی اور سفر و مرض کے ایام بھی نکال دیئے جائیں جن کا مستثنیٰ کرنا ضروری ہے تو یہ اوسط ایک ہزار صفحہ روزانہ سے بھی بہت زیادہ ہو جائے گا۔

(۱۳۳) عظیم شریعت اور دین داری قتل جیسا کہ مانع ہے اور علم فطرت دین کی جڑ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ قتل کی کثرت ہوگی۔ اس سے قتل ناحق مراد ہے کیونکہ حدود الدنیا کی وجہ سے قتل ہونا تو بہتوں کے لیے بھی رحمت ہے اور مخلوق کے لیے بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی زمین میں اللہ کی حدود میں سے ایک حد کا قائم کیا جائے اس سے بہتر ہے کہ اس پر سینہ بھر بارشس ہوتی رہے۔ ایک روایت میں (سینہ بھر کی جگہ) چالیس دن وارد ہے اور قتل ناحق کی کثرت علم اللہ دین کی کمی ہی سے ہوتی ہے اور قیامت کے قریب یہ دونوں کم ہو جائیں گے تو قتل ناحق کی کثرت ہونے لگے گی، اس کی تائید رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی ہے کہ قاتل کو خبر نہ ہوگی کہ اُس نے کیوں قتل کیا اور مقتول کو پتہ نہ ہوگا کہ اُس کو کس وجہ سے مارا گیا۔ قولہ علیہ السلام ویکثر المرحوم وھراقتل الی قولہ ولا المقتول فیما ذاق قتل۔

ف اے کل قاتلِ ناسخ کی جس قدر کثرت ہے بیان سے باہر ہے۔ کافر سلطنتوں کا یہ حال ہے کہ باہمی جنگ میں صرف فرج ہی پر حملہ نہیں کرتے بلکہ کھلی ہتھیوں پر بے دریغ بم برساتے ہیں۔ جس سے سختی ہے کُن وہ رحمتِ بلا وجہ تباہ ہو جاتی ہے۔ جس میں عورت و مرد، بڑھے، جوان، بچے اور بڑے سب ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ یہ تو کافروں کا حال ہے۔ اب مسلمانوں کا کہنیے۔ اُنہوں نے بھی کافروں کی دیکھا دیکھی یہی طریقہ عمل اختیار کر لیا ہے۔ جب کوئی ہمارے کسی بات پر حکومت کے برسرِ پیکار ہوتی ہے تو وہ ریلوں کی پٹریاں اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے جس سے ریل گاڑی گر پڑتی ہے حالانکہ اُس میں ناکرہ مگن و مسافر سوار ہوتے ہیں۔ کوئی اُن سے پوچھے کہ مسافروں نے تمہارا کیا ہنگامہ اٹھا جو اُن کے ہلاک کرنے اور ٹوٹنے کو تم نے جائز سمجھ لیا

یہاں سے معلوم ہوا کہ علمِ دین اور سچی دین داری ہی سے دُنیا میں امن و امان قائم ہو سکتا ہے۔ علوم و دیوبند سے دُنیا میں فساد ہی بڑھتا ہے۔ آج کل علومِ دُنیا کی اشاعت ہر جگہ بہت زیادہ ہو رہی ہے۔ جاہل اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہیں مگر کسی طرح فساد میں کمی نہیں آتی۔ بلکہ دن بدن بڑھتی ہے اگر اس کی جگہ علمِ دین اور دینداری کو ترقی دی جاتی تو یقیناً دُنیا فساد سے پاک ہو جاتی۔ ظہر الفساد علی السہر

والبحر بما اکبت ایدھا الناس لبذ یقہم بعض الذی علما العلم یرجعون۔ اس حقیقت پر سب سے زیادہ یقین و اعتقاد حضرت موفیہ کو ہے اُن کے نزدیک اعمالِ سیئہ اور قلبِ دین سے آفات و بلیا سے کانٹری اور اعمالِ صالحہ و تقویٰ و استغفار و توبہ سے ان کا منہ بچ ہونا بدیہیات سے ہے۔ پہلے زمانے میں عامہ مسلمان کو بھی اس کا پختہ اعتقاد تھا۔ مگر اب اس میں ضعف پیدا ہو گیا ہے

مولانا فرماتے ہیں :

ابرنا بد اپنے منع زکوٰۃ و زنا افتد بلا اندر جہات

(۱۲۴) غلبہ حرم کے ساتھ کثرت مال بڑا فتنہ ہے رسول اللہ

کایہ ارشاد کہ تمہارے اندر مال کی اتنی کثرت ہو جانے کی کر سننے لگے۔ یہاں مال سے چاندی سونا ملو ہے اور کچھ نہیں۔ اگرچہ عرب کے محاورہ میں اُونٹ پر بھی مال کا اطلاق ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اپنے عرت میں دوسری چیزوں کو بھی مال کہتے ہیں اور اس شخص کی ایک دلیل تو اسی حدیث میں موجود ہے اور ایک دوسری حدیثوں میں ہے۔ اس حدیث میں تو حضور کایہ ارشاد ہے کہ مال بننے لگے گا اور یہ صفت حقیقتہً اُن ہی چیزوں میں استعمال کی جاتی ہے جو زمین سے نکلتی ہیں۔ مال ہو یا پانی (وغیرہ) کبھی بھانڈا اور چیزوں کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے مگر حقیقت چھوڑ کر لفظ کو بھانڈا پر بلا دلیل محمول نہیں کیا جاتا۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ لفظ کو ظاہر پر محمول کیا جائے جب تک کوئی مصادیق شرعی موجود نہ ہو اور یہاں کوئی بھی مصادیق نہیں ہے۔

دوسری حدیثوں میں جو دلیل ہے وہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ نذرنا (کا پانی ایک جگہ) سے (بچے گا اور ہاں) سونے کا پاٹھا ہر ہو گا۔ لوگ اُس پر باہم قتال کریں گے۔ یہاں تک کہ ہر شخص میں سے ننانوے قتل ہو جائیں گے عرت ایک بچے گا۔ نیز یہ بھی آیا ہے کہ زمین اپنے غنائوں کو اگل دے گی مگر یہ اُس وقت ہو گا جبکہ لوگوں میں حرم بڑھ جائے گی اور حرم کی وجہ سے مال کم ہو جائے گا۔ پھر مشرقی زمین کو حکم دیں گے کہ اپنے خزانے نکال دے اور اُس وقت مال بھر پڑے گا، یہاں تک کہ ہڈی اپنا صدقہ (اور زکوٰۃ) لے کر نکلے گا تو اُس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا جس کو دینا چاہیے گا وہ کہہ دے گا کہ اگر تم یہ صدقہ لکھتے تو ہم لے لیتے آج تو ہمیں اس کی حاجت نہیں۔ ان حدیثوں سے مال کے

ظاہر ہونے اور پہنے کی کیفیت بھی معلوم ہو گئی کہ زمین اپنے خزانے اٹھ دے گی اور سونے کا پہاڑ (نہروں سے) نکلے گا اور اس کی جو قلت بتلائی گئی ہے مینی حرم کے ساتھ مال کی قلت وہ تو ہر زمانہ میں موجود ہے (تو اس فقرہ کے ظہور کا ہر وقت اندیشہ ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آفتاب بھی طلوع نہیں ہوتا مگر اُس کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں اُن میں سے ایک تو کہتا ہے اللہ اعطاً لمنطق غلغلاً اے اللہ! مال خرچ کرنے والے کو (اُس کے مال کا) عوض دیجئے۔ دوسرا کہتا ہے اللہ اعطاً لمنطق تلفاً اے اللہ! مال بچ کرنے والے کو بربادی دیجئے۔ یہ سوال نہ کیا جائے کہ جب قلت مال کا سبب حرم ہے تو پھر (غلبہ حرم کے وقت) مال (زمین سے) کیوں نکلے گا (کیونکہ اس قلت کا مقتضا، تو یہ ہے کہ جب تک لوگوں میں حرم کا غلبہ پائی ہو مال کی کثرت نہ ہو بلکہ قلت ہی رہے) جواب یہ ہے کہ مال کے ظاہر ہونے اور زیادہ ہونے میں فقرہ زیادہ ہے بالخصوص جبکہ اُس قلت کو بھی اُس کے ساتھ ڈالیا جائے جو اوپر مذکور ہوئی کہ صدقہ قبول کرنے والا بھی کوئی نہ ملے گا۔ اس سے بڑھ کر فقرہ کیا ہو گا کہ مال کے پاک ہونے کی کوئی صورت ہی نہ ہوگی محض وبال جان ہی ہوگا، اور خود مال کا زیادہ ہونا اور پہنے لگنا بھی بہت بڑا فقرہ ہے (کَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَاسِغْفِرٌ إِلَّا رَاحَةً يَشْتَرِي) بے شک انسان سرکش ہو جاتا ہے جب وہ اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے تو جب تک غلبہ حرم کے ساتھ مال کی قلت ہو فقرہ کم ہے۔ اگر مال زیادہ ہو فقرہ زیادہ ہوگا، اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں (قیامت کی) جو علامات بیان کی گئی ہیں اُن کی تصدیق کی جائے اور ان امور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یقین کر کے ایمان کو قوی کیا جائے اور ان فقروں سے بچنے کے لیے وہ عمل کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ آپ نے ایک دفعہ فقروں کا ذکر فرمایا تو عرض کیا گیا آپ ہیں کیا حکم دیتے ہیں اگر ہمارے سامنے یہ فقے آجائیں تو آپ نے فرمایا اجتہدوا الی الاموال والاعمال الصالحات تم ایمان لےو اعمال کرو کی پادھ و ضرر نہ ہو۔ چنانچہ ان میں سے اکثر علامات اب ظاہر ہو چکی ہیں تو کیا صلیق صدق

میں اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق کوئی اپنی بھات کی تیاری کرنے والا ہے؟
 یہاں ایک نمونہ دیکھو بھی ہے وہ یہ کہ جب ان حضرات کو معلوم ہو گیا کہ ان
 بڑے بڑے فتنوں سے بھی بھات ایان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ ہوتی ہے تو انہوں
 نے یقین کر لیا کہ چھوٹے چھوٹے فتنوں سے تو اعمال صالحہ اور ایان کے ذریعہ بدرجہ اولیٰ
 بھات حاصل ہوگی تو انہوں نے ایان اور عمل صالحہ کے سوا کسی کام میں اپنے کو
 مشغول نہ کیا بلکہ ہمیشہ کے لیے اُن ہی میں لگ گئے۔ جب اُنہوں نے دیکھ لیا کہ
 اس دُنیا کا فائدہ لایہی ہے تو اُنہوں نے اول کو آخر کر دیا اور آخر کو اقل کر
 دیا دینی دُنیا کو مؤخر اور آخرت کو مقدم کیا، اس لیے فرمایا ہے کہ جب یہ دُنیا کا
 گھر باقی نہ رہے گا تو اس کا سامان بھی فائدہ ہوگا۔ پس ایسے گھر کے لیے کام کرو
 جس کو فنا نہیں اور جس کا سامان بھی باقی رہنے والا ہے اور اپنے اوقات
 کو نفع سے آباد رکھو۔ اُن کو (عمل سے) خالی (چھوڑ کر برباد) نہ کرو۔

وَقُلْ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَقٌّ يَكْتُمُ كَلِمَاتٍ مَّا لَيْسَ فِيهِ خِلَافٌ

المراد به الفضلة والذهب الى قوله ولا تدعه بحالیا۔

حضرت شریفی کا حرم و ہوا سے منزہ ہونا اور کثرت مال کا طالب نہ ہونا
 ف مشاہدہ ہے۔ یہ حدیث اُن کے مذاق کی تائید کرتی ہے۔



باب شصت ویم

حدیث

ان لنفس علیٰ حقہا لاملک علیٰ حقہا

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا مجھے یہ نہیں بتلایا گیا کہ تم رات بھر نماز میں اقیم کرتے اور ہر دن روزہ رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا بے شک میں ایسا کرتا ہوں۔ فرمایا۔ اگر تم ہمیشہ ایسا کرو گے تو تمہاری آنکھیں (اندکھ) گڑ جائیں گی اور تمہارا بدن لاغر ہو جائے گا۔ (جس سے تکلیف ہوگی) اور تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے گمراہوں کا بھی تم پر حق ہے پس روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو (رات کو نماز میں) اقیم بھی کیا کرو اور سوا بھی کرو۔

شرح ظاہر حدیث ہمیشہ رات بھر نماز پڑھنے اور ہر دن روزہ رکھنے سے منافعت پر دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ بشر اس سے عاجز ہے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۲۵) بدو ن تحقیق کامل کے کسی پر کوئی حکم نہ لگانا چاہیئے

کسی شخص پر کوئی حکم پوری تحقیق اور تفتیش کے بعد لگانا چاہیئے کیونکہ راوی نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ عبداللہ بن عمر رات بھر نماز پڑھتے اور ہر

دن روزہ رکھتے ہیں۔ تو حضورؐ نے عبد اللہ بن عمرؓ پر اس روایت سے کوئی حکم نہیں لگایا بلکہ پہلے اُن سے دریافت کیا۔ اگرچہ حضورؐ جانتے تھے کہ جس نے آپؐ کو خبر دی ہے وہ بھی سچا ہے کیونکہ حضرات صحابہؓ کے سب مقام صدق اور دیانت پر فائز تھے مگر تحقیق کا ایک پہلو باقی تھا کہ خود اُس شخص سے بھی دریافت کیا جائے تو حضورؐ نے اس پہلو کو نہیں چھوڑا بلکہ اُن سے دریافت کرنے کے بعد جب اُن کی زبان سے خود سُنی لیا تب یقین کیا۔ پس آپؐ کے اس دریافت کرنے میں چند مسائل شرعیہ پر مہلت ہے ایک تو وہی جس پر ابھی اشارہ کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ تحقیق روایت کے مستحق قاعدہ شرعیہ مقرر کر دیا جائے کہ ملوی لٹہ اور صادق بھی ہو جب بھی دوسرے پر کوئی حکم اُسوقت تک نہ لگایا جائے جب تک خود اُس سے مسائل کی تحقیق نہ کر لی جائے (اور تیسرے) یہ کہ یہ مظلوم کیا جائے کہ اس وقت اس عمل کے متعلق اُس کی کوئی خاص نیت تھی جس کو زبان سے ظاہر نہیں کیا اور اسی لیے وہ نقل میں نہیں آئی یا کوئی خاص نیت نہ تھی۔ نیز یہ بھی مظلوم ہو جائے کہ یہ عمل کسی شرط پر متعلق تھا یا نہیں؟ اور اس شرط کا علم داوی کو تھا یا نہیں یا مروی حضرت سے یہ بات ویسے ہی کہہ دی تھی اس پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ نہ تھا یا سلیے آپؐ نے دریافت کیا تاکہ یقین کے ساتھ معلوم ہو جاوے کہ آئندہ کے لیے کیا ارادہ ہے۔ اس کے سوا اور بھی بہت احتمالات ہیں جن کو رفع کرنے کے لیے سوال کیا گیا واللہ اعلم۔ اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ سنت کی چند قسمیں ہیں۔ اُن میں سے ایک سنتِ تروہ ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے گو اُس کے ثبوت کا یقین نہ ہو۔ مثلاً دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کرنا کیونکہ اُن کے متعلق غلطی کا بھی احتمال ہے اور سچا ہونا بھی ممکن ہے مگر ہم کو اُن کی شہادت پر حکم نافذ کرنے کا امر ہے جبکہ اُن کا معاملہ ہونا متیقن ہو۔ پس جو شخص کسی حکم کو اس حال میں نافذ کر دے کہ شریعت کے موافق اس کے سبب کا پورا ثبوت نہیں ہوا تو اُس کا یہ فعل سراسر گمراہی ہے اگرچہ نفس الامر میں اُس کا فیصلہ بعینہ حق کے موافق ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ہم کو غیب پر حکم لگانے کا امر نہیں کیا گیا۔ بجز اللہ عزوجل پر ایمان لانے کے کہ یہاں غیب پر حکم لگانے کا امر کیا گیا ہے۔

قوله الوجه الاول منها ان الحكم لا يكون الا على اكل وجود التحقيق والتثبت في قوله
الاف الايمان به عز وجل حيث امرنا به -

ف حضرت موفیہ میں جو علم ظاہر و باطن کے جامع ہیں وہ روایات پر عمل کرنے
میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ بدون تحقیق کامل کے کسی پر کوئی حکم نہیں
دلائے۔ معنی موفیہ جو علم ظاہر کے جامع نہیں ہیں، حُسنِ سخن کی بناء پر روایات میں
تساہل کر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتابوں میں ضحاک اور احادیث موصوٰفہ و کثرت
سے پائی جاتی ہیں مگر محققین موفیہ کی یہ شان نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲۶) ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحتوں کے جزئیات احوال سے باخبر رہنا چاہیئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کی نگرانی میں کچھ رعیت ہو خواہ چھوٹی رعیت
ہو یا بڑی اُسے اپنی رعیت کے جزئیات احوال کو معلوم کرنا چاہیئے اور رعیت میں سے
جس کو بھی کسی کے احوال کی کچھ خبر ہو اُس پر واجب ہے کہ سردار کو اُن احوال سے مطلع
کر دے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث میں) عبد اللہ بن عمرو سے
فرمایا ہے کیا مجھ کو یہ نہیں بتلایا گیا کہ تم مات بھرنا نہ پڑھتے ہو۔ الخ اگر آپ نے خود
اس کو دریافت نہ کیا ہوتا اور صحابہ کے نزدیک یہ بات سنے شدد نہ ہوتی کہ اُن کو
اپنے اور دوسروں کے جن احوال کا علم ہو اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
مطلع کرتے رہیں تاکہ اُس کے متعلق حکم الہی معلوم ہو جائے تو حضور کو کوئی بھی یہ خبر
نہ پہنچاتا کیونکہ آپ کی ہیبت صحابہ کے دلوں میں بہت غمی یہاں تک کہ وہ اس تنہا
میں رہا کرتے تھے کہ کوئی دیہات اگر اچھے کچھ دریاں کرے تو حضور جو کچھ جوب میں
فرمائیں اُس کو سنیں اور اُس سے فائدہ حاصل کریں۔ (تو بدون آپ کے دیانت
کئے کسی کی مجال نہ تھی کہ ایک دوسرے کی بات حضورؐ: پہنچاتا) قوله الوجه الثالث فیہ
دلیل علی من من کاہ مستطی بعبۃ صغریٰ و کبریٰ الی قولہ فیستفیدون۔

و اس دلیل و استدلال میں نذر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت کے

مستحق حضرت علی کا یہ ارشاد موجود ہے **مَنْ رَأَى هِدَايَةَ هَابِهِ وَمَنْ خَالَطَ بِشَاشَةَ آجِهِ**۔ جس سے واضح ہو گیا کہ بروقت کے پاس رہنے والوں پر زیادہ ہیبت غالب نہ ہوتی تھی بلکہ محبت غالب ہوتی تھی۔ احادیث و سیر کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہے کہ حضرت صحابہ بلا تکلف آپ کے سامنے ہر قسم کی باتیں کر لیا کرتے تھے نہ کہ غلام اور باندیاں اور مسلمانوں کے بچے بھی آپ سے بے تکلف تھے اور یہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ اس تنہا میں رہتے تھے کہ کوئی دیبائی ان کو آپ سے کچھ سوال کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ ہیبت کی وجہ سے آپ کے سامنے بات نہ کر سکتے تھے صرف یہ معلوم ہوا کہ سوالات نہیں کر سکتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کے بمعین بے تکلف سوالات سے ایک وفد آپ کو ایذا پہنچا تھی کیونکہ وہ سوالات بے عزت تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدِّلُكُمْ تَسْأَلُوا عَنْهَا** جس میں اس قسم کے سوالات سے ممانعت کر دی گئی۔ اس کے بعد صحابہ سوالات میں احتیاط کرنے لگے اور کسی مائل دیبائی کے آنے اور سوال کرنے کی تنہا کرنے لگے تھے۔ کیونکہ دیبائیوں کے سوالات سے ضد پر کھڑی نہ ہوتی تھی۔ دیباہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح ہوئی سو اس کے متعلق کثر العیال میں تاریخِ حاکم کے حوالہ سے مذکور ہے کہ اُن کے والد حضرت عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی کہ عبداللہ رات بھر ناز پڑھتے ہیں اور رات کو روزہ رکھتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے عبداللہ رات کو نماز بھی پڑھا کر دے اور سو یا بھی کرو (اور دن میں) روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کیا کرو اور اپنے باپ عمرو بن العاص کی اطاعت کرو۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو کی والدہ نے بھی اُن کی شکایت کی تھی کہ عبداللہ نے تو دنیا کو ترک ہی کر دیا ہے اُس سے کچھ واسطہ نہیں۔ بیویوں کو چھوڑ دیا ہے اُن سے کچھ مطلب بھی نہیں رہا۔

خدا تعالیٰ آپ کو فخر دیکھتا ہے کہ آپ کی ہیبت غالب ہو کر رسول کو مل کر مل کر رہے ہیں اور آپ کی ہیبت غالب ہو کر

گوشت کھاتے ہیں۔ ص ۶۶۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن مسعود کے جزئیات احوال کو خود دریافت نہیں کیا بلکہ اُن کے والدین نے شکایت کی تھی اور اُن کے والدین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب اور قرابت کا ایسا تعلق تھا کہ حضورؐ کی ہیبت اس قسم کی باتوں سے اُن کو مانع نہ تھی۔ یہ تو اس دلیل و استدلال پر کلام تھا باقی حضرت شاری کا مدعا اس دلیل پر موقوف نہ نہیں۔ دوسرے دلائل سے یہ مدعا ثابت ہے کہ ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحتوں کے احوال و اقوال کی خبر گیری کرنا چاہیے البتہ تجسس سے پرہیز کرنا چاہیے کہ قرآن و حدیث میں تجسس سے نسی وار د ہے۔ ماتحتوں کے احوال و افعال کی خبر گیری کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام اُن کے سپرد کر کے بے فکر نہ ہو جائے بلکہ تحقیق کرتا رہے کہ وہ اس کام کو کس طرح انجام دیتے ہیں اور اگر اُن کے دوسرے احوال کے متعلق کوئی شکایت پہنچے تو اُس کی پوری تحقیق کر کے اُن کو تنبیہ کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۷۷) عبادت میں فرائض کو مقدم کرنا چاہیے حدیث سے معلوم میں فرائض (مستحبات و نوافل پر) مقدم کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ تمہاری جان کا تم پر حق ہے۔ تمہارے گھروالوں کا تم پر حق ہے (تو آپؐ نے حقوق نفس اور حقوق اہل کو شب بیداری اور صوم دہر پر مقدم کرنے کا امر فرمایا ہے)

اس جگہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نفس کے حق سے کیا مراد ہے؟ اسی طرح اہل کے حقوق کیا ہیں؟ اور اہل سے یہاں کون مراد ہے؟ سو حق نفس کے بارے میں حضرت فقہاء اور اہل معاملات (یعنی صوفیہ کرام) میں اختلاف ہوا ہے۔ فقہاء تو یہ فرماتے ہیں کہ حق نفس یہ ہے کہ جن مخلوق کی وجہ بشریت کے نفس کو عبادت ہے اُن کو پورا کیا جائے (جیسے کھانا پینا، سونا، بیوی کے پاس ملنا اور کسی وقت نفس

کو راحت بھی دی جائے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دوسری حدیث) میں فرمایا ہے رَدُّوْا الْقُلُوْبَ سَاعَةً۔ دلوں کو کچھ کچھ دیر کے بعد آرام بھی دیا کرو۔ نیز آپ کا ارشاد ہے اِنَّ الْمَحَبَّتَ لَا يَنْفَعُ تَقْلِيْمَ وَلَا تَهْرَاجَ بَعْضٍ۔ تیز دوڑانے والے نے نہ تو مسافت بھی کوٹے کیا نہ سواری کو سلاست رکھا (کیونکہ برابر تیز دوڑانے کا نتیجہ بھی ہوتا ہے کہ جانور چلنے سے رہ جاتا ہے) مگر ان حضرات کے نزدیک بھی اس حلقے کے پورا کرنے کی شرط یہ ہے کہ کُفُوف کے موافق پُورا کیا جائے اور اہل معاملات (مونیہ کرام) فرماتے ہیں کہ نفس کا تم پر حق یہ ہے کہ اُس کو مولیٰ کے ہوا سے الگ کر دو (اس صورت میں یہ حدیث ایسی ہوگی) جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الصِّرَاطُ ظِلُّهُ اَوْ مَظْلُوْمًا (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم) اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اُس کو ظلم سے روک دے (حالانکہ ظلم سے روکنے میں کوئی گنہگار ہو گا مگر اُس کا حق نفرت اسی طرح ادا ہو گا اس کی ناگواری کی پرواہ نہ کی جائے گی۔ اسی طرح نفس کو اللہ تعالیٰ کے ہوا سے منقطع کر دینا اگرچہ اس کو ناگوار ہو گا مگر اس کی خیر خواہی کا حق اسی طرح ادا ہو گا خوب سمجھ لو) اور دونوں قولوں کو جمع کرنا بھی ممکن ہے۔ اس صورت میں تقریر یہ ہوگی کہ تعلقات قلبیہ میں تو حق نفس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہوا سے اُس کو منقطع کر دو اور اسباب (ظاہر) میں حق نفس یہ ہے کہ خلاف شرع اسباب سے اُس کو مجبور کر دو۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ قلوب کو تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے ہوا کی سے لگاؤ نہ رہے (یہ طرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہے) اور اسباب ظاہر میں جو تعصبات بھی جو شرعیات کے مطابق ہو جس کی رفعت شان پر سب کا اتفاق ہے۔ اس طریقہ کی شاہد آثار نبویہ میں حضرت مساکین کی حدیث ہے جب اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ مین بیجا تاکہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ چنانچہ یہ دونوں وہاں پہنچے اور لوگوں کی تعلیم کے لیے ایک ایک سمت کو روانہ ہو گئے جیسا کہ اُن کو امر کیا گیا تھا۔ پھر کسی موقع پر دونوں کا اجتماع ہوا تو ایک نے دوسرے سے پوچھا تم قرآن کس طرح پڑھتے ہو؟ حضرت

ابوموسیٰ نے فرمایا: میں اس کو (نماز میں) کھڑا ہو کر بھی پڑھتا ہوں۔ بیٹھ کر بھی پڑھتا ہوں۔ لیٹ کر بھی پڑھتا ہوں۔ وقفہ وقفہ سے پڑھتا رہتا ہوں۔ رات بھر نہیں سوتا۔ حضرت مساند نے فرمایا کہ میں تو درات کو نماز میں کھڑا ہو کر پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور جیسا تیمام سے ثواب کی امید رکھتا ہوں اسی طرف سونے میں بھی ثواب سمجھتا ہوں۔ پھر دونوں اس اختلاف کا خود فیصلہ نہ کر سکے اور کسی نے دوسرے کی بات کو افضل نہ مانا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس اختلاف کا ذکر کیا تو حضورؐ نے فرمایا اے ابوموسیٰ! مساند تم سے زیادہ سمجھدار ہیں جو قیام (نیل) بھی کرتے ہیں اور سوتے بھی ہیں (اسی کے مناسب) بعض بزرگان طریق کی حکایت ہے کہ ایک دفعتان کو مناجات اور نفل (خداوندی) کی خاص حالت میسر ہوئی تو دعا کی کہ یہ حالت میرے لیے ہمیشہ رہا کرے تو اُن سے (بطریق الہام کے) کہا گیا کہ تم بشر نہیں ہو اور بشریت کے دہیتے ہوئے یہ حالت ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔

در بزم عیش یک دو قدح در کش و برود یعنی طبع دار دو سال دوام را (معاذ) پس جب تم ہمارے حکم اور نئی کی طرف رجوع کرتے ہو ہمارے حکم کو بالالذہ اور جس نفل سے تم کی گئی ہے اُس سے باز رہو (تم ہمیشہ ہمارے پاس رہو گے) یعنی قرب کا مدار احوال پر نہیں بلکہ اعمال پر ہے۔ تم اپنے اعمال کو شریعت کے موافق رکھو بہر حال میں مقرب رہو گے۔ احوال ہوں یا نہ ہوں اگرچہ عادت اللہ یہ ہے کہ استقامت اعمال سے استقامت احوال بھی عطا ہو جاتی ہے مگر احوال کے لیے دوام لازم نہیں۔ رہا یہ کہ یہاں اہل سے کون مراد ہے تو یہ بھی احتمال ہے کہ یہوی بچے وغیرہ جن کا نفع مرد کے ذمہ ہے سب ہی مراد ہوں کیونکہ اگر فسان ہر وقت عبادت میں مشغول رہے گا۔ ان کے حقوق کا ادا کرنا دشوار ہو جائے گا۔ حالانکہ ان حقوق کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں اہل سے صرف یہوی مراد ہو کیونکہ شوہر و عورت کا حق یہ بھی ہے کہ اس سے مقارب کرے اور روزہ اور شب بیداری کی کثرت اس میں کمی کا باعث ہوگی جس سے ایک حق واجب

میں غلط واقع ہو گا۔ مگر عام معنی پر حدیث کا محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ فائدہ ہے (اور اس حدیث میں بل کو زہر پر محمول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اولاد اور ماں باپ وغیرہ کا حق بندہ کے ذمہ نہیں بلکہ یہ کہا جانے لگا کہ چونکہ صحابی کے والدین نے خاص طور پر یہ شکایت کی تھی کہ عبداللہ کو تو نہ دنیا سے واسطہ نہ بیوی سے مطلب۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خصوصیت کے ساتھ بیوی کے حق کی تاکید فرمائی بقیہ حقوق میں کوتاہی کی کسی نے شکایت نہ کی تھی تو یہاں اُن کے ذکر کی حاجت نہ تھی۔ دوسرے مواقع پر بہت احادیث میں حضور نے جملہ اہل حقوق کے حقوق پر تنبیہ فرمادی ہے) قول: لوجه السادہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الاولیٰ فی العبدۃ تعدیہم الا فرأی انی قوله وحملہ علی الامہ لانہ اکبر فی العاقبۃ

وہ ہے اصلی اور حقیقی تقصوت کہ فراموشی کو فواہل و مستحبات پر مقدم کیا جائے لیکن آج کل کے جاہلوں کا تقصوت یہ ہے کہ نماز قضا ہو جاوے، روزہ قضا ہو جاوے مگر پیر کا بتلایا ہوا وظیفہ قضا نہیں ہو سکتا۔ بیٹھے جاہل حرفی اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے تیس برس سے بیوی بچوں کی کفالت نہیں دی تھی۔ بیٹھے اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم سے کسی بزرگ کا کوئی عرس فوت نہیں ہوتا برابر ہر عرس میں شریک ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس کی وجہ سے اُن کی صد ہا نمازیں ریل کے سفر میں قضا ہو جاتی ہیں یا بے وضع پن سے پڑھی جاتی ہیں۔ مگر ان جاہلوں کے نزدیک نماز روزہ میں وہ ثواب کہاں جو عرس اور قوالی میں ہے استغفر اللہ وکلاہن ولا قوۃ الا باللہ۔ ان لوگوں نے کیسا شریعت اسلامیہ کو مسخ کیا اور کس بُری طرح تقصوت کو بدنام کیا ہے۔ یاد رکھو نہ یہ لوگ مٹوئی ہیں نہ ان کو تقصوت کی ہوا لگی تقصوت تو اس کا نام ہے کہ دل نذر ذکر سے غافل ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ سے غافل نہ رہے اور احوال میں شریعت کی پوری پوری موافقت ہو۔ جس کو یہ دولت حاصل ہے وہ مٹوئی ہے ورنہ مذمتی اور جاہل ہے۔

وہ یہاں سے معلوم ہوا کہ مدارقرب احوال پر نہیں بلکہ اعمال پر ہے۔ یہ بات اب ضرور

کھنے کہ ہے۔ حضرت حکیم الامتہ دہم مجدد ہم نے اپنے سوا غذا و مٹونمات میں بار بار اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ سالک کو اپنے اعمال کی اصلاح اور تکمیل میں سستی کرنا چاہیے کہ قرب اسی سے عطا ہوتا ہے۔ ایک دندہ بھان اشرار دل سے غلوں کے ساتھ کھنے سے تو قرب ہو گا مگر گھنہ بھر کے استفراق اور دن بھر کے جوش و خروش سے کچھ بھی قرب نہ ہو گا۔ کیونکہ احوال کو قرب میں دخل نہیں وہ تو صرف سموات اعمال کے لیے عطا ہوا کرتے ہیں تاکہ سالک کی ہمت مل کے لیے بلند رہے خود مقصود نہیں۔ ان کی ایسی مثال ہے جیسے دسترخوان پر چٹنی کہ وہ غذا کے لیے نہیں ہوتی ہے خود مقصود نہیں ہوتی۔ انسان کو چٹنی کے ذریعہ غذا سے پیٹ بھرنا چاہیے۔ اگر کوئی چٹنی کی لذت پا کر اُسی سے پیٹ بھرنے لگے تو یقیناً نقصان اٹھائے گا اور سب اس کو احمق بتلائیں گے۔

(۱۲۸) حدیث میں (انسان کی) بشری کمزوریوں پر بھی دلالت ہو رہی ہے کہ تکلف کے ساتھ قدر تحمل جیسی سے زیادہ عمل کرنا اکثر ضرر اور نقصان کا سبب بن جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے ان پر متنبہ فرمایا ہے (فانك ان فعلت ذلك، هجعت عينك و نقصت نفسك) (اگر تم ایسا کرو گے تو ہتھاری آنکھیں (اندرو کو) گڑ جائیں گی اور تمہارا جسم کمزور ہو جائے گا۔ اس کلام کا پرشکوہ عنوان بتلا رہا ہے کہ طبیعت انسانی اپنے ضعف کی وجہ سے اس عمل کا مکمل نہیں کر سکتی جس کا ان صحابی نے ارادہ کیا تھا۔ اس کی ایک نظیر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صحابہ کو وصال موم سے منع فرمایا تھا (و مال موم یہ کہ دنگا مار روزہ دنگا چلا جائے۔ درمیان میں رات کو بھی کچھ نہ کھائے) صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ تو ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ مجھے رات کو اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ حسی طور پر آپ (نبی) کھانا کھاتے تھے کیونکہ اس مرتبہ میں آپ کا وصال باقی نہ رہتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی قوت عطا فرماتے ہیں جیسی کھانے پینے والے کو (غذا سے) حاصل ہوتی ہے۔ اسی بناء پر ایک بزرگ صیب وصال کا ارادہ کرتے ایک روٹی

اپنے ٹیکے کے نیچے دکھاتے تھے۔ ایک دن وہ کسی ضرورت کے باہر گئے تو کسی درویش نے وہ روٹی ٹیکے کے نیچے سے نکال لی۔ جب بزرگ واپس آئے اور ٹیکے کے نیچے روٹی کو نہ پایا تو بڑھا چلا یہاں سے روٹی کہاں گئی؟ درویش نے کہا حضور! آپ جیسے شخص کو اس روٹی کی ضرورت ہی کیا ہے (وہ تو کئی دن سے ویسے ہی رکھی ہوئی تھی، ہم نے اُس کو الگ کر دیا کہ جب کھاتے نہیں تو فضول رکھنے سے کیا فائدہ؟) فرمایا ادب کی رعایت کرو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس وقت میری جو حالت تم دیکھ رہے ہو یہ میری طبیعتی (اور فطری) حالت ہے (ہرگز نہیں) بلکہ محض فضل الہی اور فیض ربانی (اس کا سبب) ہے تو اگر کسی وقت مجھے حالت بشری کی طرف لوٹا دیا جاوے (اور یہ فیض و برکت روک دی جائے) اس وقت اگر میرے پاس یہ روٹی ہوگی تو میں اس سے دشمن کو روٹی نہ سکوں گا (یعنی بھوک کو جو کبھی ہلاکت کی طرف منطقی ہو جاتی ہے اسی لیے اس کو دشمن کہہ دیا گیا یا شیطان کو دفع کر سکوں گا جو فیض و مدد باطنی کے بند ہونے کے وقت سالک کو بہکاتے آتا ہے کہ لو تمہاری محنت و ریاضت کی وہاں یہ قدر کی گئی کہ مدد بند کر دی گئی اب تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ تو اُس وقت روٹی ٹیکے کے نیچے سے نکال کر اُس کے دوسرے کو دفع کر دیا جائے گا کہ میرے مالک نے ایک مدد بند کر دی تو دوسری مدد تو اُس کی طرف سے موجود ہے کہ اُس نے مجھے روٹی کھانے کو دی ہے جس سے بھوک کو دفع کر کے قوت حاصل کر سکتا ہوں)

اسی حقیقت کی بناء پر احکام کو اصلی اور اثری حالت پر مبنی کیا گیا ہے۔ مثلاً عین وقت کے فائدے کے بعد مُردار کو حلال کر دیا گیا کیونکہ طبیعت انسان کی اصلی وضاحتی کمزوری کی وجہ سے اس مقدار سے زیادہ فائدہ کا تحمل نہیں کر سکتی۔ اگر اس سے زیادہ کا تحمل کیا جائے گا تو انسان کی حالت میں خلل واقع ہو گا جس سے بعض دفعہ موت کی نوبت آجائے گی اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۔

• اللہ تعالیٰ کو تمہیں تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے اگر تم شکر کرنے رہو

اور ایمان لے آؤ ۛ

تو کسی حالت میں انسان کو ہلاکت میں پڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب خدا نے اجازت دے دی ہے بے تکلف مُردار کھا کر اپنی جان بچائے اور قوت حاصل کر کے ایمان اور عمل صالح میں ترقی کسے۔ عہدیت اور ہندگی اسی کا نام ہے۔ اس وقت طبعی نفرت پر عمل کر کے مُردار سے احتراز کرنا اور جان کو ہلاکت میں ڈالنا خدا کی بندگی نہیں بلکہ اپنی طبیعت کی بندگی ہے۔ عاشق کی شان یہ ہونا چاہیے۔

سچوں طبع خواہد ز من سلطان دیں

خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

عشق و محبت کی شان یہ ہے کہ اگر ایک وقت محبوب سر پر تاج شاہی رکھے تو جیسا اُس وقت خوش ہو کر محبوب کا شکر یہ ادا کرتا ہے اسی طرح اگر دوسرے وقت تاج شاہی سر سے اتار کر ایک ہنگی کے ملنے مجبور و نیاز کا حکم دے تو اس حکم کو بھی خوشی سے جلا چوں و چرا بہالائے۔

عاشقی چیت بگو بندہ جانوں بدون

دل بدست دگرے داؤں و حیران بودن

پھر اگر انسان کو کسی وقت اس سے زیادہ قوت عطا ہو جائے (کہ تہی وقت سے زیادہ فائدہ کرنے سے بھی اُس کو منفع اور کمزوری نہ ہو) تو یہ معنی فضل و احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لیے دوسرا دروازہ کھول دیا ہے۔ کیونکہ جیسا اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے لیے کھانے پینے سے قوت عطا کر کے کا قانون مقرر کیا ہے اسی طرح اپنے خاص بندوں کے لیے بدون کھانے پینے کے قوت اور ہمت عطا کرنے کا قاعدہ جاری کر دیا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہوا کسی کی طرف التفات نہ کریں۔ تو جو شخص اس شان کو (یعنی وصالِ صوم کو) اختیار کر کے ان لوگوں کی حریم کرنے لگے ملاحظہ کریں اس کو یہ فیض حاصل نہیں ہوا تو اُس کی حالت میں ضرور غلط واقع ہو گا اور یہ شخص اس آیت کا مخاطب ہو گا وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْنَةِ اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ مگر یہ کہ کسی کے ساتھ اس وجہ سے

لطفت (کامیاب) ہو جانے کے بزرگوں کے ساتھ اُس کو شبنم ہے۔ اُن کی حالت کی تصدیق (اُس کے دل میں) ہے تو اور بات ہے لیکن غالب یہی ہے کہ اس شخص کو (ابتداء میں) دشواری پیش اُسے گی۔ پھر بزرگوں کی حرمت کی وجہ سے دشواری اُٹھادی جائے گی۔

قوله في الوجه السابع فيه دليل على ضعف البشرية
الى قوله ثم يميل عنه للحرمة -

(۱۲۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین میں جس عمل کو مستحب کہا گیا ہے وہ بھی ہر حال میں مطلوب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
صعد وانظر وقع و نزل و روزه بھی رکھو افطار بھی کرو۔ رات کو اٹھو بھی اور سوؤ بھی۔ اس کے اشارہ سے مستحب کا مطلوب ہونا مفہوم ہو رہا ہے اور اشارہ کلام اور غوی کلام کا وہی حکم ہے جو نص کا حکم ہے۔ مجھے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہوتا تو گو یاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام کے ضمن میں یہ فرما رہے ہیں کہ اداء حقوق (زور و غیرہ) میں ایسے مشغول نہ ہو کہ مستحبات کو بالکل ہی نظر انداز کر دو بلکہ فرض اور مستحب دونوں کو بھالائے نہ ہو۔ اگر تم قواعد شریعت میں غور کر دے گے تو سب کو اسی انداز پر پاؤ گے (کہ فرائض اور مستحبات دونوں ہی کے اہتمام کا حکم کیا ہے)

پس جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا ہے وہ اپنے محبوب پر نظر رکھتا ہے (کہ فرائض میں کوتاہی ہو رہی ہے یا مستحبات میں) جس سے کامیابی کا راستہ اُس کو نظر آ جاتا ہے۔ اس لیے (ایک بزرگ نے) فرمایا ہے کہ تمہارا اپنے نفس پر نظر کرنا جو اسے حجاب ہو جاتا ہے (یعنی ایسا شخص دوسروں کی خبر گیری اور نصرت نہیں کرتا نہ اُن کے حقوق ادا کرتا ہے) اور اپنے نفس کے جو دوسری چیزوں میں مشغول ہو جانا اپنے نفس سے حجاب ہو جاتا ہے (کہ ایسا شخص اپنے نفس کی اصلاح و تکمیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتا دوسروں ہی کی فکر میں رہتا ہے۔ پس مذہب حق

blogspot.com

دوسروں میں مشغول ہونہ بہتر تن اپنے نفس میں مشغول ہو، بلکہ دوسروں کا حق بھی ادا کرے اور اپنی اصلاح کا بھی اہتمام کرے (پھر اگر تم کو اپنے نفس کی اصلاح و فکر سے مجب ہونے لگا (اپنے کمالات پر نظر کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگا) تو دوسروں سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا اور اگر (اصلاح نفس میں اس طرح لگے رہے کہ) اپنے نفس (کے کمالات) سے اندھے بن گئے تو اپنی ذات سے بھی تم کو خیر حاصل ہوگی اور دوسروں سے بھی فائدہ پہنچے گا۔

قوله الوجه الثامن فيه دليل على ان المندوب على الدين
مطلوب على كل حال الى قوله كانت خيرها وخير ما سواها -

ف اپنے نفس سے اسی کو نفع پہنچتا ہے جو اس کی فکر اصلاح سے محنت نہ کرے اور ہمیشہ اس کو ختم سمجھے اور دوسروں سے نفع اس کو پہنچتا ہے جو اپنے کو سے کمتر سمجھے۔ پانی نشیب کی طرف جاتا ہے، بلندی کی طرف نہیں چڑھتا اور اگر کسی اتفاق سے بلندی پر جاتا بھی ہے تو نشیب کو بھر کر جاتا ہے یہی حال فیض باطن کا ہے۔

ہر کہا پستی سے آب آسما رود
ہر کہا مشکل جواب آئند رود



باب شصت و دوم

حدیث

الاستخارة فی الامور

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم (اس تاکید سے پہنچاتے تھے جیسا قرآن کی سورت (اہتمام کے ساتھ) سکھایا کرتے تھے۔ فرماتے کہ جب کسی کو کسی کام کا فکر (وترود) ہو تو دو رکعتیں نفل پڑھے اُن کے بعد یہیں کہے :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغِیْرُكَ بِطِبِّكَ وَ اَسْتَعِیْذُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ اَسْتَدْفِعُكَ مِنْ قُضِیَّتِكَ الْعَلِیْمَةِ فَاِنَّكَ تُعِیْذُ وَلَا اَقْدِرُ وَ تُعْلَعُ وَلَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَدَامُ الْغُیُوبِ . اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا اَمْرٌ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ قَالَ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَ اَجَلِهِ فَاقْدُرْ لِّیْ وَ یَسِّرْ لِّیْ ثُمَّ بَارِكْ لِّیْ فِیْهِ وَ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا اَمْرٌ مُّكْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَ اَجَلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْ عَنِّیْ مَا وَاقَدْتُ لِّیْ الْخَیْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَوْضِیْئْ بِہٖ . قَالَ وَ یَسْمٰی حَاجَتَہٗ ۔

ترجمہ : اے اللہ! میں آپ سے تجریر طلب کرتا ہوں آپ کے علم کے وسیلے سے اور قدرت طلب کرتا ہوں آپ کی قدرت کے طفیل اور مانگتا ہوں آپ سے آپ کے بڑے فضل کا ہر چیز کیلئے کہ آپ قادر ہیں میں قادر نہیں آپ جانتے ہیں اللہ میں نہیں جانتا۔ آپ تو علم کامل الہیہ

ہیں۔ یا اللہ! اگر آپ کے علم میں یہ کام میرے لیے غیر ہو (یعنی مقصود کا نام لے یا مقصود کرے) میرے دین میں بھی دنیا میں بھی اور انجام کار میں بھی تو اُس کو میرے لیے تجویز کر دیجئے اور میرے لیے آسان بھی کر دیجئے۔ پھر اُس میں میرے لیے برکت (ترقی) بھی دیجئے اور اگر آپ کے علم میں یہ کام میرے لیے ضرور (یعنی مقصود کا نام لے یا مقصود کرے) میرے دین میں اور دنیا میں اور انجام کار میں تو اُس کو مجھ سے ہٹا دیجئے اور مجھے (بھی) اُس (کے خیال) سے ہٹا دیجئے اور جہاں کہیں بھی میرے اُس کو میرے لیے مقدر فرما دیجئے۔ پھر مجھے اُس سے راضی رکھئے۔“

فرمایا اور (درمیان میں) اپنی حاجت کا نام بھی لے (ترجمہ میں تو اُس کا موقع بتلا دیا گیا اور اصل دعائیں اُس کا موقع لفظاً هذا الامر ہے)

تشریح ظاہر حدیث بتلا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا نے استفادہ پر تشریح ترفیع دیا کرتے تھے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے :-

موصوفی نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی کام کے لیے استفادہ کیا اور اُس میں اللہ تعالیٰ نے (کسی جانب) کوئی فیصلہ کر دیا (مثلاً وہ مقصود پورا کر دیا یا اُس سے دل کو ہٹا دیا یا ایسے اسباب پیدا کر دیئے جس سے وہ مائل خود ہی ہٹ گیا) اور بندہ اُس فیصلے سے راضی نہ ہو تو یہ اُن کے نزدیک کبائر میں سے ہے (یعنی بڑا گناہ ہے) جس سے توبہ کرنا اور باز آنا واجب ہے کیونکہ یہ سودا و بے موصوفی کا یہ ارشاد ہے ظاہر ہے کیونکہ جب بندہ میسکین نے اپنے ایسے بڑے آقا نے جلیل کی طرف رجوع کیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اُس کے لیے جو صورت مناسب ہو تجویز کر دی جائے پھر اللہ کی تجویز سے کیوں راضی نہیں ہوتا؟ یہ حالت تو نفاق کے مشابہ ہے بلکہ یہی تو عین نفاق ہے کیونکہ اس نے اپنا فقر اپنی احتیاج علی ہر کی (اور زبان سے) مسائل کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور دل میں اُس کے خلاف تھا اس حالت کو اُس کے اس قول سے کیا تعلق اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخْبِرُكَ بِحَبْلِکَ ذَاکَ یا اللہ! میں آپ سے تجویز غریب کرتا ہوں آپ کے علم کے واسطے سے اللہ سے تجویز کی درخواست کرتا ہوں

اُس کی تجویز سے مامنی نہ ہونا دیکھ کر ہونا یہی تو نفاق ہے)۔ ایک حدیث میں یہ معصوم وارو چٹوا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں میں کسی پر اُس شخص سے زیادہ غضب ناک نہیں ہوتا جس نے مجھ سے کسی معاملہ میں استغاثہ کیا۔ میں اُس کے متعلق ایک فیصلہ کروں پھر وہ میرے فیصلے سے ناگوار ہی ظاہر کرے۔ اوکا قال

قوله بعد شرح الفاظ الحدیث وقد ذکر أهل الصوفية إنه من استغاثة في شئ إلى قوله قنانه فكرهه اوکا قال ۔

(۱۱۹) ہر لمحہ فقر و احتیاج و رجوع الی اللہ کو لازم کر لینا چاہیئے

اس میں صوفیہ کے لیے بہت بڑی دلیل ہے جو ہمیشہ کے لیے فقر و احتیاج اور ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی طرف کیسوتی کو اختیار کئے ہوئے ہیں کیونکہ جب خدا کی دیر کی احتیاج سے (جو استغاثہ میں ظاہر کی جاتی ہے) اتنا بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ بندہ کی دو رکعت ناز اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں شفیع بن جاتی ہے) تو اگر یہ حالت دائمی ہو جائے تو پھر کیا ہو گا؟ (خود ہی سمجھ لو) ۔

اُن دعاؤں پر خود و دیگر دست اُن دعاؤں پر دست اور دست
اُن دعاؤں پر کند چوں او فاست اُن دعاؤں پر اجابت از خداست
چوں خدا از خود سوال و گد کند پس خطے خوشین چوں و د کند
صوفیہ میں سے ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ جب کسی درویش کو کوئی حاجت پیش آتی وہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے (بہت جلد) پوری ہو جاتی۔ اس پر کوئی درویش عرض کرتا کہ حضرت اللہ تعالیٰ کی طرف التجا لے جانا بھی کتنی بڑی دولت ہے تو ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ تم اس سے ہٹے ہوئے کب ہو، جو اُس کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہو (التجا تو وہ لے جاوے جو اللہ تعالیٰ سے غافل و محجوب ہو اور تم تو ہر وقت

اُس کی طرف متوجہ ہو) ان بزرگوں کے الفاظ میں غور کر دیکھ کہ اس طرح اصول شریعت کے موافق حد اعتدال پر کسے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگرچہ اُن میں سے بعضوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس موقع کے لیے کیا تاحدہ ہے (کیا جواب مناسب ہے مگر اللہ تعالیٰ وقت پر اُن کی مدد فرماتے ہیں۔ اُن کی زبان سے وہی نکلتا ہے جو موقع کے مناسب ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کو جس دروازہ سے نکل دیا جائے اُسی کو نکال دے اور جب ساری غیر اللہ تعالیٰ کی طرف رجحان ہو لے تو اس دروازہ سے کسی وقت نہ ہٹنا چاہیے کہ رجحان کی ضرورت ہو۔ جیسا ان بزرگ نے فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا ہے من شغلہ ذکرک من مسائق اعطیہ افضل ما اعطی السائلین جس کو میری یاد مجھ سے سوال کرنے اور دُعا کرنے)۔ سے روک دے۔ میں اُس کو مانگنے والوں سے بھی زیادہ دینا ہوں۔ پس اپنی بعیرت کی آنکھ سے دیکھو کہ تم کس سے دروازے پر کھڑے ہو؟ اور کس (عظیم الشان) جنت کی طرف متوجہ ہو رہے ہو؟ اُس کا ادب ملحوظ رکھ کر دعا کرو اور جو مانگتا ہو مانگو پھر انشاء اللہ محروم نہ ٹوٹے)

قوله فهذا القوم دليل لاهل الصوفية الى قوله باب من تغت وانما جهة تقصده۔

۱۔ دہلئے استخارہ کے الفاظ کو بختم ادا کرنا اور میں طرح حدیث میں وارد ہیں اُسی طرح یاد کرنا چاہیے۔ معنی بھی یاد ہوں تو بہت اچھا ہے تاکہ عدل و انصاف کے ساتھ ہو۔

۲۔ استخارہ واجبات یا محرمات و مکروہات میں نہیں ہو سکتا کیونکہ واجب کا بھالنا ضروری اور محرم (مکروہ) سے بچنا لازم۔ پھر اُن میں استخارہ کا کیا مطلب؟ استخارہ صرف مباحات میں ہوا کرتا ہے اور مستحبات میں بھی ہو سکتا ہے جبکہ دو مستحب میں سے ایک کو کرنا چاہتا ہو اور یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کونسا میرے واسطے زیادہ بہتر ہو گا۔

مث مشورہ یہ ہے کہ استخارہ میں جس جانب دل مائل ہو اسی طرف خیر ہوتی ہے۔ اسی کو اختیار کرنا چاہئے۔ مگر حدیث میں اُس کا کچھ ذکر نہیں اس لیے استخارہ کے بعد جس شق کو بھی اختیار کرے گا اُس میں خیر ہوگی خواہ وہی جانب ہو جس کی طرف دل زیادہ مائل تھا یا دوسری جانب ہو۔ غرض استخارہ کے بعد جس جانب پہل کی توفیق ہوگی اسی میں خیر ہوگی۔ مث اس میں شک نہیں کہ اگر استخارہ کے بعد کسی جانب دل زیادہ مائل ہوگا کہ استخارہ سے پہلے اُس طرف زیادہ میلان نہ تھا تو بظاہر یہ علامت اس کی ہے کہ اسی جانب کو اختیار کرنا بہتر ہے۔ مگر وجہ اور لزوم کی علامت نہیں اس لیے اُس کے خلاف کو بھی اختیار کرنا جائز ہے۔ کچھ گنہ یا عذر کا اندیشہ نہیں۔ بعض لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ استخارہ کے بعد جس جانب دل زیادہ مائل ہو اُس کے خلاف کرنا جائز نہیں یا اُس میں عذر ہو گا غلط ہے اسی طرح جب تک دل کسی ایک طرف مائل نہ ہو استخارہ کو یکبار کہتے ہیں یہ بھی صحیح نہیں۔

مث استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ جب دو جائز یا دو مستحب کاموں میں تردد ہو کہ ان میں سے کس کو اختیار کروں تو استخارہ کر کے جس شق کو دل چاہے اختیار کر لے اُس میں عذر نہ ہو گا۔ پھر جس شق کو اختیار کر لیا اُس کو حق تعالیٰ کی تجویز سمجھ کر اُس سے راضی رہنا چاہئے اور یقین رکھنا چاہئے کہ اس میں خیر ضرور ہوگی جو اکثر تو مشاہدہ میں آجائے گی اور اگر کبھی اُس کے مشاہدہ میں نہ آئے تو سمجھے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب میں اُن کے علم میں بسرے لیے خیر ضرور ہے گو میری سمجھ میں نہ آئی ہو۔ استخارہ کے بعد جس شق کو اختیار کر لیا گیا اُس سے ناگوار نہ اور نا ماضی اور یہ خیال کہ مجھے دوسری شق اختیار کرنا چاہئے تھی اسی میں خیر ہوئی۔ بہت بُری بات ہے جس پر حدیث میں وحید وارد ہوئی ہے۔

باب ثمت دوم

حدیث

ما بین بیتہ ومنبر علی اللہ علیہ وسلم

”اور سر پہ وہ منبر پر اترے، اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میری طرف چڑھو گا“

تاکہ حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور منبر کے درمیان جنت شرح کا ایک دروازہ ہے اور منبر حوض پر ہے اس کے متعلق چند وجوہ سے کلام ہے آیا ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ یہ قطعہ جنت کا دروازہ ہے؟ کیا زمین کا یہ ٹکڑا بیسہڑیا سے جنت میں منتقل کر دیا جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ اس میں دنیا سے اٹل کرنے سے جنت میں ایک دروازہ کا استحقاق ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ اس باب میں مختلف ہیں کسی نے پہلے قول کو یا کسی نے دوسرے کو اور واللہ اعلم۔

بہتر یہ ہے کہ دونوں کو جمع کر دیا جائے کیونکہ ان میں سے ہر شے ہر دلیل قائم ہے اور نظر و قیاس سے بھی ہر ایک کی تائید ہو رہی ہے (تو اُس نے ترک کی کوئی وجہ نہیں) اور تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ قطعہ خود جنت ہی کا ٹکڑا ہو جیسا جبرود جنت کا بکھر ہے۔ نیل و زرات جنت کی شرب ہیں اور ہندوستان کے بعضے

عہد اس مضمون کا ترجمہ بطور تلامذہ کے اس لیے کر دیا گیا کہ مفید تحقیق ہے اور حجاز اس میں کوئی ثناء و تعریف کا نہیں ہے اس نے منبر نہیں دیا۔

(خوشبودار) چل (اور پھول) اُنہا پنوں سے پیدا ہوئے ہیں جو آدم علیہ السلام کے ساتھ (اُن کے بدن پر پھپھکے ہوئے) جنت سے اُترے تھے۔ غرض حکمت اس کو مفصلی ہو۔ ہے کہ اس دُنیا میں بھی جنت کے پانی اُس کی سچا اُس کے پتھروں اُس کے بوڑوں سے کچھ (معلوم نہ کرے) ہو یہ علم جلیل (اللہ جل شانہ) کی حکمت ہے جس پر قطعاً اس وقت بھی جنت کے باغوں میں سے ایک روضہ ہے اور آخرت میں بھی جنت کا روضہ ہو جاوے گا۔ جیسا پہلا تھا اور اس میں مل کر لے والے کو جنت کے روضہ کا شائق بھی ہو گا۔ یہی زیادہ ظاہر ہے۔ دُورِ وجہ سے ایک نورِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتِ شانِ دلِ وجہ سے۔ دوسرے اُس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے اُدھر بیان کی ہے اس مورد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ جیسا: ہو گی کہ جیسے اُن کو اللہ تعالیٰ نے جنت کا پتھر عطا فرمایا اسی طرح اپنے صاحبِ جنت کا روضہ عطا فرمایا۔

(۱۲۰) جمادات کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتِ شرف اور بزرگی حاصل ہوئی ہے

اس میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ جب بہ بہن چیزوں کو مرزا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے شرف حاصل ہوتا ہے تو اُس کے شرف کا کیا پوچھنا جو اقوال و احوال میں آپ کا تسبیح ہو فلا تعلیم نفس ما اخصی لہ من نورہ امین کی کو خبر نہ کہ اُن کے لیے کیا کچھ؟ کچھ کی جتنی کچھ تھی تھی ہے اسی وجہ سے حضرت غلامِ رانہ دینِ ربی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی انبی کو سجد میں دیکھتے ہیں تو پہلے سے نہ پہچانتے تھے اُس۔۔۔ نہ پہچانتے کہ میرے پاس قرآن کتنا ہے؟ پھر اُن کی حالت کے مافوقِ رعایت نہ اندر اُن کے مطابق مرتبہ عطا فرماتے

صحابہ کے نزدیک قرآن کے سوا بزرگی کا میاں کچھ نہ تھا۔

کیونکہ اُن کے نزدیک رفتِ اور بزرگی کا میاں قرآن کے سوا کچھ نہ تھا۔

۱۔ باب فضیلت کے تھے اُس میں تو سب برابر یا تو سب قریب تھے، اس لیے حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ نے جب دفتر (بیٹ الی) میں صباہ کے نام لکے تو سب یہ مقصود
 کو یہاں جواب میں رسول اللہ ﷺ دُعا سے زیادہ قریب تھے چہرۂ اکو جو ہجرت میں ستم
 تھے چہرۂ اکو جو ہجرت میں مقدم تھے۔ چہرۂ اکو (کو)، کو قرآن کے اعتبار سے مقدم و آخر
 یکا دکہ جس کے پاس قرآن کا جتنا حصہ ہوتا اسی۔ جو سوائے اُس کو دور ہو دیا جانا یہاں کہ
 کہ روایات میں آیا ہے کہ اُن کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ نے اللہ نے عرض کیا کہ آپ
 نے جبار بن ابی بکر کو کچھ پر فضیلت کیوں دی؟ فرمایا اس لیے کہ اُس کے باپ
 یحییٰ باپ سے پہلے اسلام لائے تھے۔ ان سب کے بعد اللہ و رسول کے ساتھ محبت
 کا حصہ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اے شخص! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
 نبوت کو دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ تو نے اس
 کے لیے کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہے؟ اُس نے انہیں نے قیامت کے لیے کوئی بڑا
 عمل تو نہ یاد میں کیا مگر میں اللہ سے اور اُس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا
 جبرہ جبار اُن کے ساتھ ہو گا جس سے تو محبت کرتا ہے۔

(تفسیر) لکھ لکھو ایمان ہو کہ تمہاری محبت محض دوسرے ہی کی محبت ہو۔ کیونکہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جن میں وہ ایمان کی عبادت پا
 لے گا اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ و رسول اُس کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں
 اس حدیث پر شروع کتاب میں کلام گزر چکا ہے۔ غرض بندہ کی مرتبہ کا مسلمان یا ان کو
 اتباع ہے پھر جس کا دل چاہے اپنے کو ذلیل کرے یا معزز بنائے۔

(۱۳۱) دنیا کی جو چیزیں ضروریات انسانی میں داخل ہیں وہ دنیا نہیں، بلکہ
 ثواب ہی ثواب ہیں جب کہ بقدر ضرورت ہوں۔

یہ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ضروریات بشریہ سے ہیں وہ دنیا میں اصلاً داخل
 نہیں، بلکہ ثواب ہی ثواب ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ اگر اللہ

میرا منبر (جس میں گمراہ منبر کو حضور نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور آپ کی طرف دُنیا منسوب نہیں ہو سکتی تو معلوم ہوا کہ گمراہ منبر دُنیا میں داخل نہیں) کیونکہ اگر توجہ کی ضرورت کی چیز ہے وہ آدمیوں سے اُس کو چھپاتا ہے اور بعض اوقات لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہونے کی ضرورت ہوتا ہے جیسے یحییٰ کے پاس جانا اور قضاء حاجت کرنا وغیرہ وغیرہ) اور بادشاہ اور دھوپ کی تخلیف سے پہنانا ہے اور اُس میں خلوت کے ساتھ اپنے لب کی عبادت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح دُنیا کے جس سامان کی بھی انسان کو ضرورت ہو جس سے آخرت کے کاموں میں مدد ملتی ہو وہ سب ثواب ہی ثواب ہے بشرطیکہ ضرورت کے موافق ہو (زیادہ نہ ہو) ورنہ خواہش نفس کے لیے ہوگا اور نفسانیات میں شامل ہو کر دُورِ قسم میں داخل ہو جائے گا۔ اس لیے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ازدواج مطہرات کے گھروں کو مسجد نبویؐ میں شامل کیا۔ عینِ مبارک نے فرمایا کاش! ان سکانات کو اُن کے حال ہی پر چھوڑ دیا جاتا (مسجد میں شامل نہ کیا جاتا) تاکہ اس اُمت کے پچھلے لوگ بھی اپنے نبی کے گھروں کو دیکھ لیتے کہ وہ کس شان کے تھے۔ (پھر ان کی سادگی اور بے تکلفی یاد قدر ضرورت کے موافق ہونے سے بہت حاصل کرتے) اُن کی بلند ی نہ آدم سے صرف ایک باخ کی لمبائی کے برابر زیادہ تھی۔ اس طرح آپؐ نے فرمایا ہے میرا منبر سو منبر جس سے اگرچہ کچھ ترخی ہے مگر حضورؐ نے منبر صرف دین کی ضرورت کے لیے بنوایا تھا تاکہ تمام حاضرین اللہ تعالیٰ کے احکام کو سن سکیں اس لیے وہ ثواب ہی ثواب تھا۔

غرض انسان کو جس چیز کی اپنے دین کے لیے احتیاج ہو اور اُس میں دین کی مصلحت ہو وہ دُنیا نہیں ہے اگرچہ ظاہر میں سامان دُنیا کے مشابہ ہو۔ اسی علت کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی اُسی وقت بنوائی جب آپؐ سے عرس کیا گیا کہ سلاطین روم کسی کے خط کو بدون صبر کے نہیں پڑھتے (اور دروغ و اسلام کے لیے سلاطین عالم کے نام خلوط بھیجنے کی ضرورت تھی) تو آپؐ نے اس (دینی) غرض کے لیے انگوٹھی بنوائی۔ اس لیے علماء نے انگوٹھی پہننے میں اعتدال کیا

باب شصت و چہارم

حدیث

کراہۃ الرسول ان یدیت عنہ ذلہ ذہب اویسی

عقبہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمر کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو وہی سے کھڑے ہو گئے اور اپنی اندھا دھن میں رہے کسی کے پاس تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کے چہرے سے آپ نے محسوس کیا کہ ان کو آپ کے جدی اٹھ جانے سے تعجب ہوا ہے تو فرمایا کہ مجھے نماز میں یاد آیا کہ ہمارے پاس کچھ سونا ہے تو مجھے پسند نہ ہوا کہ شام کو یا نماز کو وہ ہمارے پاس رہے اس لیے میں نے اس کے تقسیم کر دینے کا حکم دیا۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر جو بات یاد آئے اس پر عمل کرنا جائز ہے جب کہ وہ بات ایسی ہو جس سے نماز میں نقصان نہ آتا ہو بلکہ صلاح و کمال حاصل ہوتا ہو اور نماز کو فاسد کرنے والی بھی نہ ہو اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۳۲) ایک طاعت میں مشغولی کے وقت دوسری طاعت کو سوچنا جائز ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک طاعت میں مشغول ہوتے ہوئے دوسری طاعت کا ارادہ کرنا (یا اس کو سوچنا جائز ہے مگر اس میں تفصیل کی ضرورت ہے کہ کس چیز

کایا دکر نانا ناز کو فاسد کرتا ہے اور کس کا یاد کرنا فاسد نہیں کرتا جس کے لیے اُن
خواطر کا اذہم کا جاننا ضروری ہے جو ناز کے اندر انسان کے دل پر وارد ہوتے ہیں
اور وہ چار قسم کے ہیں۔ نفسانی شیطان
خواطر و وساوس کے اقسام

خواطر ربانی تو ناز کے قبول ہونے کی علامت ہیں اور ناز پڑھنے والوں کا
یہ اعلیٰ درجہ ہے۔ (کر ناز میں اُن کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات
وارد ہو) دنیا (کی زندگی) کے اعتبار سے یہی مناجات کی حقیقت ہے (اور آخرت
کے اعتبار سے مناجات کی حقیقت اس سے بھی اعلیٰ ہے) اور اس درجہ کا پایا
ہونے والے کچھ لوگ ہیں جو اس کو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ جو اسی شان
میں تھے اُن سے جب کوئی سرید یہ کتا کہ میں نے ناز میں یا ناز کے بہرہ ناز غرض کے
لیے دعا کی تھی تو وہ اُس سے دریافت کرتے کہ تو نے دُعا کے قبول ہونے کے
مستحق کوئی جواب اور حضورِ ناب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خطاب
بھی نہ آیا اگر وہ کتا کہ ہاں سُنا ہے تو سمجھ جائے کہ اس کو خصوصیت والوں کے
درجات میں سے کوئی درجہ حاصل ہے اور اگر کتا کہ میں نے تو کچھ نہیں سُنا تو اُس
کو وہاں میں شمار کرتے اور فرماتے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اذہم کے ساتھ
غلو بہ قلبی دعا کرے۔ یہ اور اپنی درخواست کا جواب نہ سنے یہ تو محال ہے۔ اُن کے
نزدیک یہ عزت و کرامت کی نہیں۔ سے تھی کہ اُن کا حال دُعا کی تھاکر کہ ان کو حضورِ ناب
کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب اور جواب مسرور ہوتا تھا اور اس محبت
میں ناز سے محاب کو جس قدر راحت ملے گی ظاہر ہے) اسی حقیقت کی بناء پر جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جعلت قرۃ عینی فی جملۃ۔ میری آنکھ کی
شہید کہ از میں رکھی جاتی ہے۔ نیز فرماتے ہیں ارعنا بعایا بلال اسے جل: ہم کو
ناز سے راحت پہنچاؤ۔ کیونکہ مجاہدہ کی پیاس شرب مناجات کی شہد کہ سے
بجھ جاتی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گری (شوق و محبت) کو

سکون ہوتا تھا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فكثر ما فيه الله
فقطعت ان يستجاب لكه۔

• بندہ کو اپنے رب کا زیادہ قرب سجدہ میں حاصل ہوتا ہے تو سجدہ میں دعا بت
کیا کرو یہ دعا اس آہل ہے کہ قبول کی جائے یا

کیونکہ اس میں قرب و اتصال (رک شان) ہے اس کو اہل قرب ہی سمجھتے ہیں اور
اُن ہی کے ساتھ یہ حال مخصوص ہے۔ اے اللہ! ہم آپ سے درخواست کرتے
ہیں کہ ہم کو بھی اس درجہ کا اہل بنا دے ورنہ (کم از کم) ہم کو اُس کی تصدیق سے
تو محروم نہ فرمائیے۔

اور خاطر ملے وہ ہے جو کسی خیر کی طرف انسان کو رغبت دلائے جیسے وہ بات
جس حدیث میں مذکور ہے۔ پھر یہ خاطر کبھی تو ایسا ہوتا ہے جس پر تم کو عمل کرنا چاہیے
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شغور کا سبب بن جاتا ہے اور یہ بھی نماز کا اعلیٰ درجہ ہے یا اُس
سے نماز کے اندر دوسرے شغل ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں نماز کا سن ہی زیادہ
ہو گا۔ جب محمول اس میں آنا مشغول نہ ہو کہ اُس سے نماز (کے ارکان و واجبات)
میں خلل واقع ہو جائے کہ اس صورت میں نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔ جیسا حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ ایک بار آپ نے حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم کو مغرب کی نماز
پڑھائی اور اس میں قرأت نہ کی۔ بعد میں آپ سے اس کے متعلق عرض کیا گیا کہ
آپ نے نماز میں قرأت نہیں کی (فرمایا) کوہ اور سجدہ کیا تھا کیا گیا اچھا تھا۔ فرمایا
تو پھر کچھ حرج نہیں۔ یہ: شام کی طرف ایک لشکر کے تیار کرنے (کے خیال) میں رہا
تو گویا کوئٹہ کے مقامات پر متعین کیا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے نماز کا
اعادہ فرمایا۔ اس لیے علماء میں اختلاف پڑا ہے کہ اگر دو کوہ و سجدہ پوری طرح ادا
ہو گیا ہو اور قرأت نہ کی گئی ہو تو نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں (ضعیف و شاذ)
کے نزدیک اعادہ واجب ہے کیونکہ قرأت بھی ارکان صلوٰۃ ہے جس کے ترک سے نماز

باطل ہو جاتا ہے) اور اگر رکوع و سجدہ میں کچھ نقصان نہ گی ہو تو اعادہ (بالا اتفاق) ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک اعرابی سے جس نے نماز میں رکوع و سجدہ پوری طرح نہ کیا تھا، جلدی جلدی نماز پڑھی تھی) فرمایا اور جمع فصل فائزہ لتصل لو تو پھر نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ کیونکہ اس صورت میں ارکان کے اندر نقص رہ گیا ہے اور اگر خاطر نفسانی ہو تو اگر وہ ایسا خیال ہے جو نماز کے منافی ہے جیسے کسی جائز خواہش کو سوچنا (خواہ کھانے پینے کی قسم سے ہو یا بیوی بچوں کا خیال ہو وغیرہ وغیرہ) تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ کیونکہ نماز سے اصل مقصود (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور حضور قلب اور لذاتِ نفس سے الگ ہونا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان الله لا يقبل عمل امرئ حتى يكون قبله مم جوارحه۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا عمل قبول نہیں فرماتے جب تک اس کا دل اعضاء کے ساتھ نہ ہو) کہ جس طرح اُس کے اعضاء قیام و رکوع و سجدہ وغیرہ میں لگے بٹھتے ہیں۔ اسی طرح اس کا دل بھی قیام و رکوع و سجدہ میں مشغول ہو کہ دل بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سماعت قیام عرفی معروض کرتا ہو۔ اللہ کے سامنے مجر و نیاز کے ساتھ رکوع و سجدہ کرتا ہو) اب اگر قلب ان مشغولوں میں مشغول ہو تو وہ کہاں اور نماز کہاں؟ ہاں اگر یہ نفسانی خطرہ ایسا ہو کہ دل میں آیا پھر الگ کر دیا گیا اور اُس کی طرف التفات نہ ہو ان شاء اللہ معزز ہو گا۔ بشرطیکہ تکبیر تحریرہ اعضاء کے ساتھ (حضور قلب سے) کہی گئی ہو۔ کیونکہ ہمیں بُرے خیالات کے دفع کرنے کا حکم ہے۔ نماز میں بھی اللہ نماز سے باہر بھی۔ مگر نماز میں اُن کے دفع کرنے کی زیادہ تاکید ہے۔ اُنہی علت کی وجہ سے جو اُوپر نہ ذکر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے احدث مع الذنب توبة السر بالسر والعلانية بالعلانية۔ گناہ کے ساتھ جلدی سے توبہ کرو۔ مخفی گناہ سے مخفی طور سے توبہ کرو اور علانیہ سے علانیہ کرو (پس جب کوئی بڑا خیال دل میں آئے

میں سے فوراً توجہ کو ہٹا لو یہی اُس کی توجہ ہے۔ اور اگر وہ خیال ناجائز شہوت (حرام خواہش) کا خیال ہو تو نواز بالکل نہ ہوگی۔ کیونکہ طاعت اور مصیبت جمع نہیں ہوتی ہیں۔ جب ہم سے حضور خدا کے فوت ہونے پر یہ کچھ کہا گیا ہے جس کا اُپر ذکر ہوا کہ اللہ نے ایسی نواز کو قبول نہیں فرماتے (تو اس بُری حالت کا تو کیا بُرہ پنا؟ اور اگر شیطان خطرہ ہو تو (اُس کی دو حالتیں ہیں) اگر اُس کی طرت دل میں ہوگی اسی میں لگ گیا اُس کی طرت توجہ ہوگی تو نواز ناسد ہے کیونکہ یہ بھی نفسانی خطرہ کی جنس سے ہے جو حرام خواہش کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ تاہم یہ ہے کہ جو خیال ظہورانی ہو وہ نفسانی ہوگا اور جو مصیبت کی قسم سے ہو وہ شیطان ہوگا۔ اور اگر اُس کی طرت انفات نہ ہو اُس سے استفادہ نہ رہا اور توجہ کو ہٹایا تو امید ہے کہ انشاء اللہ نواز ناسد نہ ہوگی (یہ دوسری قسم ہے)۔

خواطر کی ایک قسم وہ ہے جو بطلان اور جواز کے درمیان ہے یہ وہ خواطر ہیں جو کثرت کے ساتھ دل میں آتے ہیں اور ان کے دفع کرنے سے غفلت کی جاتی ہے اور ان میں (تعداداً) دل کو مشغول بھی نہیں آیا جاتا۔ ان کے متعلق ناس پر کوئی دلیل ہے کہ ان سے نواز ناسد ہو جاتی ہے نہ اُس کے قسم پر کوئی دلیل ہے۔

قرآن متعابجوازا لافرمادھن عمل طاعة وهو فی آخری الی قولہ
فقد دلیل لنا علی الفساد ولا علی ضدہ ۔

ف خواطر نفسانی کی ایک قسم سے اور خواطر شیطان سے مطلقاً نواز کا ناسد ہو جاتا مگر یہ کام نہ ہوتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک ان سے نواز ناسد نہیں ہوتی ناقص ہو جاتی ہے یعنی کامل درجہ میں قبول نہیں ہوتی اگرچہ درجہ سمیت میں قبول ہو جاتی ہے کہ اس شخص کو تہارک صلوٰۃ شمار نہیں کیا جاتا نماز ناسد جاتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک اگر مکان کے ترکہ سے نواز ناسد ہوتی ہے اور لاہیت کے ترکہ سے واجب اداء اور ترک شریعت سے مستحب الامارہ ہوتی ہے۔

ف شروع کا دینی درجہ یہ ہے کہ نواز میں تعدد کون دینی خیال نہ لیا جائے

بلکہ اپنی طرف سے نماز ہی کی طرف توجہ رکھی جائے۔ اگر بلا قصد دوسرے نے تو خوشحال کے لیے معز نہیں اور داخلی درجہ یہ ہے کہ ان قبیلہ اللہ کا نیک قراء اس طرح عبادت کر دیجے خدا کو دیکھ رہے ہو۔ ان دونوں کے درمیان بہت سے مددگار ہیں۔

(۱۲۳) نماز کے بعد کچھ دیر مصلے پر بیٹھنا چاہیے حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ نماز کے بعد (کچھ دیر) مسجد میں قیام کرتے تھے (نور مبین) سے گھر سے نہ ہو جاتے تھے۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلدی گھر میں تشریف لے جانے سے تعجب کیا۔ اگر یہ بات حضور کی عادت (شریف) کے خلاف نہ ہوتی تو صحابہ اس پر تعجب نہ فرماتے۔

قوله وفيه دليل على ان عادة سيدنا صلى الله عليه وسلم كانت للاقامة بعد الصلوة الى قوله لم يتعجب منه۔

اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت صحابہ بھی نماز کے بعد فوراً مسجد سے نہیں جاتے تھے۔ بلکہ کچھ دیر تک اپنی جگہ پر رہتے تھے۔ کیونکہ اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے واپس تشریف لائے ہیں تو صحابہ بہ ستور اپنی حالت پر تھے۔ یہاں سے حضرات صوفیہ اور محققین علماء کی تائید ہو گئی جو نماز فجر اور عصر کے بعد کچھ دیر تک تسبیح وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں اہل ظاہر نے جو اس عمل سے انکار کیا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اشارات کلام ملک و سائی نہیں اُن کا ظہر حدیث سے آگے نہیں بڑھتا۔

(۱۲۴) جو کسی بات کی طرف دعوت دیتا ہے وہی اُس پر غالب ہوتی ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جو کسی غیر کی طرف بلاتا ہے اکثر اوقات وہی غیر اُس پر غالب ہوتی ہے تاکہ عمل قول کے موافق ہو۔ چنانچہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیثوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی نماز کی جگہ بیٹھا ہے ملائکہ

اُس کو ڈھادیئے رہتے ہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ ایک ناز کے بعد دوسری ناز کا انتظار کرنا ربا ط ہے (یعنی سرسرا طام کی حفاظت کے مثل ہے) چنانچہ حضورؐ نے اس بات کی ترمیم دی ہے تو آپؐ کی حالت پر بھی اسی کا غلبہ تھا۔ مجاہد نے جب اس کے خلاف دیکھا تو اُن کو تنبیہ ہوا۔ **قوله وانی هذا دلیل علی ان یكون من یدھوالی تعمیر یطلب فیک الخیر علیہ الی قوله فلما رأوا منه غیر ذلک تمھبوا۔**

یہاں سے معلوم ہوا کہ جن باتوں کی دوسروں کو ترمیم دی جلتے اُس پر خود بھی اکثر اذیت مل کر تاپا جا رہی تھی۔

(۱۲۵) حتی محبت یہ ہے کہ اپنی محبت کی تشویش کو زائل کیا جائے

حدیث سے معلوم ہوا کہ عدوت کے خاتمہ کرنے سے دوستوں کو تشویش ہوتی ہے۔ جبکہ اُن کو اس کا جب معلوم نہ ہو۔ چنانچہ مجاہد نے اسی وجہ سے تنبیہ کیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ محبت کا حق یہ ہے کہ اپنی محبت کی کوئی تشویش کو بھی حتی الامکان مٹا دینے کی کوشش کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس واقعہ میں خود) واپس تشریف لائے اور مجاہد کو بتلادیا کہ اس وقت (خلافتِ عدوت، جلدی گھر والوں کے پاس لیکن تشریف لے گئے تھے۔

قوله وفیہ دلیل علی مخالفة العادة تقتضی التلویش علی الإخوان

الی قوله واخبارہم بسبب سرعة رجوعہ الی اہلہ۔

اس کا، بنامِ حضرت صوفیہ کو سب سے زیادہ ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ

ف حق معاشرت میں دین کا بڑا جزو ہے۔

(۱۲۶) ظاہری حالت کے موافق برتاؤ کرنا درست ہے

یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کی ظاہری حالت کے موافق برتاؤ کرنا درست ہے گو اُس نے صریح طور سے اپنی حالت ظاہر نہ کی ہو اور سوال بھی نہ کیا ہو کیونکہ سیدنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کے چہروں میں قہر کے آثار ملاحظہ فرمائے تو اُن کو اپنے ذہن کا سبب بتلا دیا۔

کیفیتِ قلب کا اثر چہرے پر ظاہر ہو جاتا ہے

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قلب میں جو کچھ ہوتا ہے اُس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ بات اُسی پر مبنی وہ کھتی ہے جس کے دل میں نور نہ ہو اور نور سے مراد وہ خاص نور ہے جو وارثانِ رسول کو عطا ہوتا ہے۔ وہ دنیویں تو ہر شے کو اپنے ایمان کے موافق کچھ نہ کچھ نور حاصل ہوتا ہی ہے مگر وہ حالاتِ قلبیہ کے اداسک میں کان نہیں ہوتا۔ اس کے لیے خاص نور، فرمودت ہے جو کمالِ ایمان سے حاصل ہوتا ہے (یہ اس سے منسوب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے چہروں پر نظر ڈال کر اُن کے دلوں کی حالت پر استدلال فرمایا۔ اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے الملوحت یہ منظر جنور اللہ (مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) جب وہ اللہ کے نور سے دیکھے گا تو چہرے کی علامات سے اُس پر دل کی حالت کھنسی نہ رہے گی۔ اب اگر اُس کا ایمان قوی ہو تو وہ اصحابِ کشف سے ہو گا نہ (دوسروں کے) دلوں کو اپنی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھنے ہی۔ جیسا چہروں کو سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

قوله وفيه دليل على العلم به ينظر من اشخص بدن انصاح رسول
الى قوله كمال بهرون انوجه باعين دؤسهر۔

اں کو راست نہا جاتا ہے جو احوال و نفسیہ میں سے ہے مگر مزاحمہ میں سے نہیں اس لیے جس کو عطا ہو جائے نعمتِ الہی کا شکر ادا کرے اور اُس کے فوت سے غمگین نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ حالات اور کیفیات اختیار سے باہر ہیں اور اختیار اختیار یہ کے درپے ہونا پریشانی کا سبب ہے۔ شکر کے حکم سے ثبہ ہوتا ہے کہ قوتِ ایمان کے لیے کشفِ الہی لازم ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ اہلِ طریقت

کا اتفاق ہے کہ وہ بت کے لیے کشف لازم نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

(۱۶۷) کسی ضرورت اپنے نیک عمل کا بیان کرنا ریا نہیں ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ (اپنے کسی) نیک کام کا ذکر کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے اور اس سے حالت اخفاء نہیں بدلتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سحابہ کی حالت (ضرورت) کا ذکر فرمایا تو ارناؤ تشریف کی ضرورت سے (اپنا وہ نیک کام ظاہر فرمایا جو آپ نے گھر جا کر کیا تھا تاہم ان کے قلوب مطمئن ہو جائیں کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو شخص کسی نیک کام کو چھپا کر رکھے پھر (بلا ضرورت) اس کو (لوگوں کے سامنے) بیان کر دے تو وہ عمل و فتنہ معاہدہ کی طرف مشتعل کر دیا جاتا ہے۔ ہے کہ اب وہ ثواب نہ ملے گا جو اخفاء عمل سے ملتا ہے بلکہ ملامت کا کام کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور اگر اس کو دوبارہ بیان کر دے تو وہ دفترِ ربیہ کی طرف مشتعل کر دیا جاتا ہے اب ثواب باطل ہو کر گناہ لکھا جاتا ہے) اور اگر کسی ضرورت سے ظاہر کیا جائے جیسی یہاں موجود تھی یا اس کے مشابہ اور کوئی ضرورت ہو اور اخفاء سے اپنی تعریف اور ثناء کی نیت نہ ہو تو اُمید ہے کہ نیک اپنی حالت پر رہے گی (ثواب اخفاء باطل نہ ہو گا)۔

شیطان کا ایک بڑا کید اہل توفیق نے تصریح کی ہے کہ شیطان کی چانوں میں کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ اس کو لوگوں کے سامنے بیان کر دے تاکہ تیری افتاء کی جگہ اور دوسروں کے عمل کا بھی تجھے ثواب ملے (چنانچہ وہ ایسا ضرور کرتا ہے اور اس طرح دیار میں بُستلا ہو جاتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ اس خیال میں رہتا ہے کہ مجھے ثواب ملے گا جو کہ حمل مرکب ہے۔

قولہ و فیہ دلیل علی جواز ذکر المعروف الی نیکون جہلا مرکبا۔

انتہاء کے لیے اپنے اعمال کا ظاہر کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ یہ اس کا کام ہے جس کی نظر مخلوق سے اٹھ جائے اور مدح و ذم اس کے نزدیک برابر ہو جائے۔

(۱۲۸) اپنے مال کو گھر والوں کی تحویل میں رکھنا جائز ہے۔ حدیث سے

کہ اپنے مال کو بیوند کے پاس رکھنا جائز ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے پاس کچھ سونا تھا مالا کہ وہ آپ کی بیوی کے پاس تھا اس لیے بعض اذراج کے پاس تشریف لے گئے اور اس کا (کسی حدیث سے) پتہ نہیں ملا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز ایسی بھی تھی جس کی آپ نے خود محتاجت کی ہو اور آپ کے سوا گھر والوں میں سے کسی کو اس کا بھرتہ ہو۔ اکثر یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک کام میں دوسروں کو نانب کر دینا جائز ہے۔ چنانچہ حدیث میں آپ کا ارشاد موجود ہے کہ میں نے اس کے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا (فوائد فقہیہ پر نیابت طاعت مال کے ساتھ مخصوص ہے)۔

قوله وفيه دليل على ان يترك ماله عند اهله الى قوله
معلن عليه دين اهله * وقوله فامرت بفسقة -

معنی حضرت مولیٰ کا اسی پر عمل ہے کہ وہ پیر پر یہ اپنے پاس نہیں رکھنے مگر **ف** والوں کی تحویل میں رکھتے ہیں۔ اگر ان کے گھر والے دیندار و پابندار ہوں تو ایسا کرنا درست ہے۔ جیسا حدیث سے معلوم ہوا اور خود حفاظت کرنا چاہیے۔ جیسا ولا تو قوا السنہاء اموالکھ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوقوفوں کو اپنے احوال نہ دوسرے کی تفسیر مھرتوں اور بھرتوں سے کی گئی ہے جس کو حفاظت مال کا سلیقہ نہ ہو۔

(۱۲۹) دن بھر مال کو اپنی ملک میں رکھنا خلافت زہد نہیں ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کو دن بھر اپنی ملک میں رکھنا جائز ہے اس سے متناہی نہ ہو گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ پسند نہ ہوا کہ شام کو یا صبح کو سونا ہمارے پاس رہے اور ایک دن رہنے سے آپ **ج** غراہت ظاہر نہیں فرمائی اور اس سے زہد کا مستحب ہونا بھی معلوم ہوا چونکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر مرث کر اہست کا اظہار فرمایا ہے اور کہیں کے در کتاب میں لکھا نہیں ہوتا جس سے مال جمع کرنے کا جواز بھی معلوم ہو رہا ہے۔ بشرطیکہ شبہ بھی مطلق نہ کرنا دہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ زہد باتوں سے نہیں ہوتا صرف حال سے ہوتا ہے اور مستی ہونا مطویٰ و زہد معنی تو یہ ہے کہ دل کو مال سے تعلق نہ ہو اور مستی یہ ہے کہ مال کو غنیمتہ کر دے مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کیا۔

قوله فيه دليل على بقاء المال على ملك صاحبه طول يومه الى

قوله واما الحسى فهو الخبز وجمعه كاخضر سيدنا صلی اللہ علیہ وسلم حنا۔

(۱۳۰) اُن مؤلفیہ کی دلیل جو رات کو اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے مؤلفیہ کی

دلیل ہے جو کسی معلوم شے پر رات نہیں گزارتے (یعنی رات کو وہ اپنے علم میں اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ ناگوار ہے کہ شام کو یا رات کو ہلکے پاس سونا رہے۔ میں نے اس طریق کے ایک بزرگ کو دیکھا ہے کہ دن میں اُن کے پاس جو کچھ نعمت آتیں رات کو اُن میں سے کچھ نہ رہتی تھی بلکہ دن اُن کی زیارت کو بڑی جماعت آگئی اور اُس دن نعمت میں بہت بڑی خوشیوں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں تمام نعمت کو شیخ بڑا بھر کر دوں گا تو اس جماعت کے لیے کچھ بھی نہ بچے گا وہ سب کو اپنے پاس سے الگ کر لیں گے اور یہ بہت بڑا مجمع ہے صبح کو ان کے ہاتھ کے لیے ہی کچھ نہ بچے گا جس دن کے واسطے ایک اچھی مقدار شیخ کو اطلاع کئے بغیر نہ لینا چاہیے جو اس کو انہیں کفایت کر سکے۔ چنانچہ اُس نے یہ فرمایا کہ اگر کچھ نعمت بچ جائیں اور ان کو ملنے کو دیا۔ لوگوں نے کہا یا اور جو کچھ سے بچا جائے اس کے موانع افراد و مائت میں اُس کے تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ جب شیخ کو ان کے پاس کچھ نعمت نہ آئیں اب وہ خادم کھڑا ہوا اور دسترخوان بھی کرا اُس نے بہت سا کانا مسافروں کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ نے یہ پہچان کر کے سے آیا؟ اُس نے سدا واقعہ بیان کر کے عرض کیا کہ حضرت اگر میں بمانہ کرنا اور اپنے

معمول کے موافق سارا بچا ہٹوا کھا نا خیرات کر دیتا) تو آج اس جماعت نے کھانے کو کچھ بھی نہ ہٹوا۔ شیخ نے فرمایا: (سبحان اللہ! کسی اُلتی سمجھ ہے) تمہاری اس حرکت نے ہی تو ہم کو آج کی فتوحات سے محروم کر دیا! اگر تم سب بچا ہٹوا کھا نا خیرات کر دیتے اور اللہ کے ساتھ جو معاملہ چاہا تھا اُس کو نہ بدلتے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا معاملہ نہ بدلتے جس نے کل اتنی بڑی جماعت کے کھانے کا اپنے خزانے سے انتظام کیا تھا وہ آج اس سے عاجز نہ تھا مگر تم نے غلاتِ معمول کھانا بچا کر آج کی فتوحات کا اندوازہ بند کر دیا! غرض جو کوشش کرتا ہے وہ (مقصود کو) پا ہی لیتا ہے اور جو غلوں سے کام کرتا ہے اُس سے اخلاص کے موافق معاملہ کی جاتا ہے پس (اخلاص کامل اختیار کر دو گونگہ) پرکھنے والا بڑی گہری نظر والا ہے اور معاملہ ایسے کریم کے ساتھ ہے جو وعدہ کا پورا اور فنی اور مہربان ہے۔ اس لیے کہ تم نے اُنابہ کے جس ماستہ سے چاہو پہنچو۔ اللہ تعالیٰ کو حقیقت کا پورا علم ہے (وہ دونوں کے سادروں اور فیتوں سے خبردار ہیں۔ مجلس اور غیر مجلس مومن اور منافق وہاں نہیں چھپ سکتا) قوله وفيه دليل واهل العرفه للذين لا يثبتون على معلوم الى قوله فقد بان الحق بالحقيقه علم۔

ف شیخ سے اختلاف حال کر کے غلاتِ خانقاہ کو بدلتا بڑا بُرم ہے اس سے فتوحاتِ بند ہو جائیں اور نظام میں بے بکنڈ پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کو اس خرید کی طرح اُندہ کے مشتق کوئی دوسرے پیدا ہو تو اسلام یہ ہے کہ شیخ کو اپنے دوسرے مسئلے کے یہ عرض کر دے کہ میری رائے میں کل کے واسطے کچھ بچا دینا سب ہے۔ اگر شیخ اس رائے کو قبول کرے بچائے نہ قبول کرے تو اُس کے قول پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ سے امید نہ لے کہ اُندہ آج سے زیادہ فتوحات ہوں گی اور اگر بالفرض فتوحات نہ ہوں تو ایک دن کے فاقہ سے موت تو نہ آجائے گا۔ اتنی سی بات کے لیے شیخ کے معمول کو بدلتا اور اختیارِ مال سے اُس کو مکند کرنا بے گزنا سب نہیں۔

باب شصت و پنجم

حدیث

قضاء النافلة في وقت الكراهة

کریب (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے
 (ام المؤمنین حضرت) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عصر کے بعد دو رکعتیں (نفل) پڑھنے
 کے متعلق سوال کیا (کہ یہ جائز ہے یا نہیں) حضرت ام سلمہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ اس سے منع فرماتے تھے۔ پھر میں نے (ایک دن)
 دیکھا کہ آپ نے جب عصر کی نماز پڑھ لی اور میرے گھر میں کثرت لائے تو دو رکعتیں
 پڑھنے لگے اس وقت میرے پاس انعام کے قبیلہ جو حرم کی کچھ عورتیں بیٹھی تھیں قرآن
 نور آپ کے پاس نہ جاسکی بلکہ میں نے ایک لڑکی کو آپ کے پاس بھیجا اور اس کو
 سمجھایا کہ تو صندوق کے پہلو میں (آپ کے پاس) جا کر کھڑی ہو جانا۔ پھر عرض کرنا
 کہ ام سلمہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ انہیں نے تو آپ سے یہ سنا تھا کہ آپ ان دو رکعتوں
 سے منع فرماتے تھے اور اب (میں) نہیں دیکھتی ہوں کہ آپ (عصر کے بعد) یہ دو رکعتیں پڑھ
 رہے ہیں؟ اس پر اگر آپ ہاتھ سے اشارہ فرمائیں تو پیچھے ہٹ جانا۔ چنانچہ لڑکی نے
 ایسا ہی کیا۔ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا تو وہ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی جب آپ
 نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا اے ابوسید! کی بیٹی (حضرت ام سلمہ) وہ ہیں؟ تم نے عصر کے
 بعد دو رکعتیں پڑھنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو بات یہ ہے کہ میرے پاس قبیلہ عبد قیس
 کے کچھ لوگ آئے تھے انہوں نے مجھے ان دو رکعتوں سے مشغول کر دیا جو غرض کے بعد

(پڑھی جاتی) ہیں سو یہ دو رکعتیں وہی (ظہر والی) ہیں (حصر کے بعد والی نہیں ہیں جن سے صحیح کیا گیا ہے)

مشاعر کا ہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حصر کے بعد نفل نماز جائز ہے جبکہ ہر تشریح کے بعد کی سنتیں فوت ہو گئی ہوں۔ امام شافعی کا مذہب تو یہ ہے کہ حصر کے بعد مطلقاً نفل نماز جائز ہے خواہ ظہر کے بعد کی سنتیں فوت ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں۔ مگر حدیث میں اس قول کے لیے کچھ حجت نہیں۔ درود بعد سے ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز دوسروں کی نفل جیسی نہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ جب کوئی عمل کرتے تھے اُس پر دوام کرتے تھے تو آپ کی نفل نماز دوسروں کی نفل نماز کے مثل (واجبہ ہوتی تھی)۔ دوسری حدیث کے کھریج الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا لوگوں نے مجھے ظہر کی دو رکعتوں سے مشغول کر دیا تھا تو میں نے اُن کی قضاء کی ہے اور قوت کلام کا درجہ اہل زبان کے نزدیک انھیں کے برابر ہے اور اس کلام کی قوت اور شوکت بیکار ہی ہے کہ آپ کا یہ نفل اُس نفل کا ناقص یا ناسخ نہیں ہے۔ جو حصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے مشق سے پہلے سے موجود تھی بلکہ آپ کا یہ نفل خاص علت کی وجہ سے تھا جو حدیث میں مذکور ہے اور نبی اپنے حال پر رہا ہے اُس کا حکم بھی دائمی ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی نقص

عہ نسائی اور بیہاوی کی روایت میں یہ بھی ہے قلت ید رسول اللہ افترضاہا اذا افتتننا حال ۵۰

حضور ام مکتومہ ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم بھی ظہر کی دو رکعتوں کی (حصر کے بعد) قضاء کریں جو کبھی ہم سے فوت ہو جاوےں۔ حضور نے فرمایا نہیں۔ کذا فی اعلام السنن ۴۵

عہ اس حدیث کی تشریح میں علامہ شلوان و علامہ علی قسری نے طویل کلام کیا ہے۔ میں نے اس کا خلاصہ بیان اس لیے بیان کر دیا تاکہ وہ میان جہتلہ کو معلوم ہو جائے کہ فقہ اور اجتہاد کے کئے میں محقق مرید کا اثر کر لینے سے اجتہاد کا درجہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ پس ائمہ مجتہدین کا قول کسی حدیث کے خلاف دیکھ کر اُن پر طعن کرنا زری جرات ہے کیونکہ وہ ظاہر میں ہی خلاف ہوتا ہے انتہا میں خلاف نہیں ہوتا ہے۔

اللہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے امام مالک (اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کا مذہب یہ ہے کہ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ آپ نے نوافل کو اپنے فرائض کا لازم کر لیا تھا۔ دوسرے ایسا نہیں کر سکتے اُن کو بھی پر عمل کرنا چاہیے جس کا حکم باقی اور مستمر ہے البتہ لفظ حدیث پر بحث کر کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر کے نوافل کو اپنے فرائض کا لازم کر لے۔ پھر کسی عذر کی وجہ سے ظہر کی رکعتیں رہ جائیں اور عذر اٹھا متدہ ہو جائے کہ ظہر کا وقت نکل جائے تو اُس کو عصر کے بعد اُن کی قضا کرنا جائز ہے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ تفسیر یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ابھی اقتداء ہے۔ لیکن اس شخصیت میں بھی ایک سوال پھر باقی رہے گا وہ یہ کہ عصر کے بعد نوافل ظہر کی قضا کرنا ہر عذر میں جائز ہے خواہ کیسا ہی عذر ہو؟ یا اسی عذر کے ساتھ خاص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ آیا تھا کہ آپ اُن لوگوں کو مشلمان کرنے میں مشغول تھے اُن کے دل میں اصولِ شریعت کو جا رہے تھے جس کے لیے آپ بھوٹ ہوئے تھے۔ اگر ہم عموم کے قائل ہوں تو ہر عذر میں اس فعل کو جائز کہا جائے گا اور اگر اسی عذر کے ساتھ حکم کو خاص کریں تو جب تک کسی کو ایسا ہی عذر واقع نہ ہو اس فعل سے منع کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو ایسا عذر پیش آنا شاذ و نادر ہی ہے خصوصاً اس زمانہ میں تو شاید ہی کسی کو ایسا عذر پیش آتا ہوگا اور اگر پیش بھی آئے تو اُس کی جگہ عذرِ مکرر و مسلسل کلام ہے کہ نوافل کو بطور نذر کے اپنے فرائض کا لازم کر لینا مناسب ہے یا نہیں؟ سمجھا ہوا ہے کہ جیسا کہ سترہویں باب میں اگر یہ صورت افضل ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت فجر اور عصر کے بعد نوافل سے منع فرمایا تھا اسی وقت یہ بھی بتا دیتے کہ اگر کوئی نماز میں بغفل پڑھتا ہے تو وہ نذر کے طور پر اپنے فرائض کو کھینچ لایا کرے پھر اُن کو اُن اوقات میں پڑھ سکتا ہے۔ صحابہ سے بھی اس کا ثبوت نہیں کہ انہوں نے نوافل کو بطور نذر کے اپنے فرائض کا لازم کر لیا ہو اللہ تعالیٰ اعلم حالاً۔

دوسرے اس خدمت کو انجام دینے والے بہت مل جائیں گے۔ ہاں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کسی کو دوسرا اس خدمت کا انجام دینے والا نہ ملے تو (جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے مگر) یہ بہت ہی نادر ہے اور (مثل مشہور ہے) التادر کا ملحد صحراس کے لیے کوئی حکم نہیں مقرر ہو سکتا۔ اسی بنا پر واللہ اعلم امام مالک (و ابو حنیفہ) نے اس حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے (اور نساہی کی حدیث میں جو زیادت ہے وہ اس تخصیص کی مرکا ثبوت ہے)

(۱۳۱) چھوٹے بڑوں کے فعل پر سوال وارد کر سکتے ہیں حدیث سے کہ مفعول فاضل پر (یعنی خود اپنے بزرگ پر) سوال وارد کر سکتا ہے جب اُس سے کوئی ایسی بات دیکھے جو اُس کی عادت مانہ (اور ہمیشہ کے معمول) کے خلاف ہے چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اسی بنا پر) استفہام کیا تھا اور (ظاہر ہے کہ) حضور کے زمانے میں اور بعد میں بھی سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھوٹے ہی ہیں۔

قوله فيه دليل على جواز استفهام المفعول على الفاضل الى قوله

بالنسبة اليه عليه السلام مفعولون -

مگر چوتوں کو بزرگوں کے کسی فعل پر سوال نہایت ادب سے کرنا چاہیئے جیسا حضرت ام سلمہ نے کیا۔ مگر یہ میں بعض حضرات فقال بالعرفت مشور میں وہ اپنے بزرگوں پر بھی گرفت کرتے تھے۔ یہ حدیث اُن کی دلیل ہے مگر یہ درجہ اسی کے لیے ہے جس کو طرق آداب کی رعایت معلوم ہو۔

(۱۳۲) سوال سے پہلے منشاء سوال کی تحقیق لازم ہے یہ بھی معلوم

سے پہلے منشاء سوال کی تحقیق کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ میں آپ کو عمر کے بعد دو درستیوں پڑھتا ہوں اذیکہ رہی ہوں اس قول سے تحقیق مانا ہی

معلوم تھی کہ اگر یہ نماز کوئی اور نماز ہے تو پھر کوئی اشکال نہیں اور غشاء سوال کی تحقیق اس لیے ضرور ہے کہ (شاید وہاں کوئی ایسی بات موجود ہو جو ظاہر میں کی غفرت مطلق ہو جس کے معلوم ہو جانے کے بعد سوال وارد ہی نہ ہو) جیسا یہاں (واقفہ) حدیث میں ہو گا کہ حضرت ام سلمہ نے حضور کی نماز کو عصر کے بعد کی رکعتوں پر معمول کیا تھا۔ جس سے مانست ہو چکی تھی۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ قضاء نماز تھی عصر کے بعد نفل نہ تھی۔

سوال میں تاخیر مناسب نہیں تاخیر مناسب نہیں بلکہ بعدی کرنا ہی بہتر حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال میں ہے (خصوصاً جب کسی فعل پر سوال ہو تو ابتداء فعل کے ساتھ ہی سوال کرنا چاہیئے۔ تاکہ اگر وہ فعل نسیان یا غفلت ہو رہا ہے تو اس کی تلافی ہو سکے۔ کام کر لینے کے بعد بجز استغفار کے تلافی نہ ہو سکے گی) چنانچہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلاتِ عادت ایک عمل کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے سوال میں تاخیر نہیں کی نہ اس کا انتقاد کیا کہ آپ نماز سے خارج ہو جائیں تو سوال کروں گا کہ اُس وقت سوال میں بعدی کی حاجت نہ وہ خود بھی مشغول تھیں کہ معانوں کی نگہداری کی وجہ سے خود دریافت کے لیے نہیں جاسکیں باندی کو بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز میں مشغول تھے (مگر سوال اس نماز ہی کے متعلق تھا اس لیے مؤخر نہیں کیا گیا۔ اگر کسی اور عمل کے متعلق ہوتا تو نماز سے فراغت تک مؤخر کرنا لازم تھا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس فعل پر انکار نہیں فرمایا تھا (تو ثابت ہوا کہ جس مسئلہ میں اشکال واقع ہو اس پر ابتداء عمل ہی میں سوال کرنا درست ہے)۔

قوله فيه دليل على ان الاستفهام لا يكون الا بعد التحقيق الى قوله والله ينكر هو عليه السلام عليها بعد -

(۱۲۳) نمازی سے اس کی نماز کے متعلق بات کر سکے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز

کی حالت میں نافذی سے نہیں ہانک کی نسبت سوال کیا جا سکتا ہے جس کا مرتبہ نماز کے بعد مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت امام مثنیٰ نے نماز ہی میں آپ سے سوال کیا۔ کیونکہ اگر نماز سے فراغت تک سوال کو ٹھیک کہا جاتا تو سوال سے دائرہ ہو جاتا (کیونکہ مقصود سوال سے یہ تھا کہ اگر آپ مجھ سے یہ نماز پڑھ رہے ہیں تو اس کو ترک کر دیں اور ظاہر ہے کہ یہ مقصود نماز سے بعد حاصل نہ ہو سکتا تھا)۔

نماز میں اشارہ سے بات کا جواب دینا درست ہے کہ نماز میں سوال کا جواب اشارہ سے دیا جاسکتا ہے۔ اس سے نماز ناسد نہیں ہوتی (اور ناسد بھی نہیں ہوتی) بشرطیکہ شعوراً سا اشارہ ہو (جس میں عمل کی شرک نہ ہو) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب باندی نے (نماز کے اثناء) جستگوئی تو آپ نے دست مبارک سے اُس کو اشارہ کیا کہ مجھے کھڑکی چڑ جائے۔

احکام شرعیہ دریافت کرنے کے لیے جاہل کو مقصد بنا سکے ہیں،

بشرطیکہ اُسے آداب بتلا دیئے جاویں یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ دریافت کرنے کے لیے کسی نادانقت (ان پڑھ) کو قاصد کہتے ہیں بشرطیکہ اُس کو اُن آداب کی تعلیم کر دی جائے جو اس حکم کے (دریافت کرنے کے) متعلق (شرعاً ضروری ہیں)۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے جب اس باندی کو بھیجا تو اُس کو سب کچھ بتلادیا کہ تجھ کو کیا کتنا چاہیئے اور کس طرح کرنا چاہیئے۔

تو نہ وہیہ دلیل علیٰ جواز السؤال لمن عرف فی العلوۃ الی قوادما
تقول وما تفضل۔

ف عادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہمان کی (جڑی) حرمت ہے (اُس کا احترام کرنا چاہیے) دیکھو حضرت ام سلمہ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے (اور بلا واسطہ سوال کرنے) سے اسی بات نے خود کو اکابرہ بن عوف (کی خاطر بدری) میں مشغول تھیں جو ان کی زیارت (اور ملاقات) کو آتی تھیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کا ایک دوسرے کی ملاقات کو جانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کسی محرم یا مکروہ کا ارتکاب نہ ہو۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو دیکھ لیتے جو آپ کے بعد عورتوں نے ابھد کی ہیں تو ان کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے تو جب (ان حرکتوں کی وجہ) ان کو مسجدوں سے روک دیا گیا تو اور مقامات سے بدرجہ اولیٰ روکا جائے گا۔

گھردالوں کے سامنے نفلیں پڑھنے میں ریاء کا اندیشہ نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ گھردالوں کے سامنے ضل نماز پڑھنا جائز ہے (یعنی اس میں ریاء کا اندیشہ نہیں نہ یہ خلوت کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عزت و علم کے سلسلے نماز پڑھنے کی قوائی کو آپ کی نماز کا علم ہی نہ ہوتا دہیں یہ جو کہا گیا ہے کہ نوافل مسجد میں نہ پڑھے جائیں بلکہ گھر میں پڑھے جائیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر میں گھردالوں سے چپ کر چھے جائیں اور راز اس میں یہ ہے کہ ریاء کا خلوص وہاں ہوتا ہے جہاں مل کے دیکھنے والے ایسے لوگ ہوں جن کا اپنے سے افضل ہونا طبعاً گوارا نہیں ہوتا بلکہ ان پر اپنی فوقیت اور نفیست کی طبعاً خواہش ہوتی ہے اور اپنے گھردالوں پر فوقیت و نفیست کی خواہش نہیں ہوتی بلکہ ان کا فضاہل و نیوہ یا دنیہ میں بڑھ جانا انسان کو طبعاً گوارا ہے۔ کسی کی جبری یا بچے اُس سے بھی زیادہ صاحب ولایت و نفیست بن جائیں تو اُس سے اُس کو طبعاً نفی ہوئی ہے ناگواری نہیں ہوتی اس لیے ان کے سلسلے نفلیں پڑھنے میں ریاء نہیں ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو مسجد اور گھر ہر جگہ برابر تھے آپ کو کسی جگہ بھی ریاء کا خلوص تھا مگر آپ کا مل اس طریقہ پر چوکرتا تھا جس کے اجتماع میں اُمت کے لیے

بھی کچھ خطرہ نہ ہو خوب سمجھ لو)

قوله فيه دليل على ان العيص حرمه الى قوله ما علمت به۔

ف حورقوں کا باہم ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے جانا عام حالات میں تو کچھ زیادہ بُرا نہیں بشرطیکہ غیبت و شکایت کی باتیں نہ کریں۔ نماز کو وقت سے مؤخر نہ کریں لیکن تقریباً ۱۵ من کا جمع ہونا مطلقاً سے غالی نہیں۔ اکثر بے پردگی بھی ہوتی ہے اور نمازی بھی برباد ہوتی ہیں۔

(۱۳۵) بلا ضرورت نمازی کے پاس کھڑا ہونا مکروہ ہے **حدیث**

بلا ضرورت نمازی کے پاس (کھڑا ہونا یا بیٹھنا) مکروہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کو اشارہ کیا کہ آپ کے پیچھے کھڑی ہو جائے اور معلوم ہے کہ اُس سے کچھ نہ کچھ تشویش (ضرورت) ہوتی ہے۔

قوله فيه دليل على كراهة القرب من المصل الى قوله تشویش ما۔

ف آج کل لوگوں میں عام مرض ہے کہ کسی سے ملنا ہوتا ہے اور وہ نماز میں مشغول ہے تو اُس کے پاس جا کر بیٹھ جاتے یا کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت حکیم امت دہلوی کا یہ قول بہت ناگوار ہوتا ہے۔ یہ حدیث اُن کی حجت ہے۔

(۱۳۶) اگر نمازی سے کوئی ضروری بات نماز ہی کے اندر

کہنا ہو تو اُس کے پہلو میں کھڑا ہو کر کہے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نماز ہی کی حالت

میں نمازی سے کچھ کہنا ہو تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ نمازی کے پہلو میں قریب جا کر بات کرے کیونکہ حضرت ام سلمہؓ نے باندی سے یہی فرمایا کہ حضورؐ کے پہلو میں کھڑے ہو کر عرض کرنا۔ قیاس فقہی بھی اسی کو مقتضی ہے کیونکہ اگر یہ شخص پہلو میں کھڑا ہو کر بات کرے گا تو نمازی کو مشغولیت سے دیکھ کر اسے پہچاننے کا

اور ادنیٰ اشارہ سے جواب دے دیکھا۔ اگر سامنے کھڑا ہو گا تو وہ اس کو اپنے
اُٹے سے ہٹائے گا کیونکہ وہ سامنے گزرنے والا ہو گا اور اس کے لیے دفع کا حکم
ہے) اور اگر پیچھے یا کچھ دور کھڑا ہو گا تو بعض دفعہ پہچانا دشوار ہو گا اور پہچان
بھی لیا تو دور ہونے کی وجہ سے اُس کی بات پر توجہ نہ ہو سکے گی جس سے نمازی
کو تشویش (اور پریشانی لاحق) ہو گی اور ایسی حالت میں اشارہ سے جواب دینا
بھی بعض دفعہ آسان نہ ہو گا۔

قوله فيا، على ان ادب من يسانى انى قوله لا تفك لاشادته الى الله بقشفه
سبحان الله: اى آداب هي جن کی شریعت نے تشویش اور پریشانی سے
بہانے کے لیے تعلیم کی ہے ان آداب کو دیکھ کر بے ساختہ ہر شخص شریعت
اسلام کی نسبت یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے ۔

زفری تا بقدم ہر کہا کہ می نگریم
گر کشد دامن دل می کشد کرجا اینجا

شریعت نے تو مسلمانوں کو ادنیٰ ادنیٰ تشویش سے بہانے کا اس قدر اہتمام
کیا ہے مگر اب حواس اور خواہش سب ہی اُس سے بے پرواہ ہیں اُن کی حرکات سے
کسی پر پریشانی کا پھانڈ بھی ٹوٹ پڑے تو پرواہ نہیں کرتے اسی کا نتیجہ ہے کہ باہم
وہ الفت و محبت باقی نہیں جو کبھی مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی قالہ اللہ سبحانہ :

(۱۳۷) عورتوں سے علم حاصل کرنا جائز ہے جبکہ اس کی اہل ہوں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں سے (شریعت یا طریقت کا) علم حاصل
کرنا جائز ہے۔ کیونکہ راوی نے حضرت ام سلمہؓ سے یہ مسئلہ (مذکورہ) دریافت
کیا اور اُن پر اُمت کو یقین دہانے کے لیے (عورتوں سے علم حاصل کرنے میں) یہ شرط ہے کہ اُن
میں اس کی اہلیت ہو چنانچہ حضرت ام سلمہؓ میں یہ اہلیت (بدرجہ کمال) موجود تھی اور
یہ شرط مردوں سے علم حاصل کرنے میں بھی ہے مگر ان میں بکثرت قابل ہوتے ہیں

اس لیے تعریض کی ضرورت نہیں۔ عورتوں میں قابل کم ہوتی ہیں اس لیے شرط کی تعریض کر دی گئی، اور اس سے حضرات سلف (صالحین) رضی اللہ عنہم کا اہتمام بہرین بھی ظاہر ہے کہ اُن کو دین کا کس قدر اہتمام تھا کہ راوی کو جس بات کا علم نہ تھا اُس کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا (بے فکری کے ساتھ اُس کو مالا نہیں، بلکہ حکم شرعی معلوم کرنے کی فکر میں رہے) اور یہ حضرات بھی ایسے ہی تھے خدا اُن سے راضی ہو کہ ایک ایک حدیث کے لیے کئی کئی دن کا (بلکہ مہینوں کا) سفر کرتے تھے اسی لیے کہی گئی ہے کہ اذکا کھلف بالحدیث اہتمام نفی العمان کھلف قدر دان اُضعت مَنّا خطرت فی الوجہ خطہ۔ جب تک تم کو دین کا اہتمام ہے تو بلند مقامات میں تمہارے لیے عزت ہے اور اگر دین کو براؤ کر دیا تو پھر جو حالت بھی تم کو پیش آئے اُس میں غمرو (بھی خطرو) ہے۔ قولہ وفیہ دلیل علی جوازہ: "العلم جہاننا" ان فوائد فدا خطرات فی الوجہ۔ بہ خطہ۔

اس سے اُن صورتیہ کی حجت ظاہر ہو گئی جنہوں نے بعض بزرگ عورتوں سے استفادہ کیا ہے پہلے زمانے میں جب مسلمانوں کے دن پہلے تھے عورتیں علوم ظاہرہ و باطنہ دونوں میں مردوں کی طرح کمال حاصل کرتی تھیں۔ آج کل مسلمان عورتوں نے علم کی طرف سے ایسی غفلت برتی ہے کہ گویا کبھی ان کو علم سے سُس ہی نہ تھا اگر کچھ عورتوں کو علم کا شوق ہوتا بھی ہے تو اسکولوں میں انگریزی پڑھنے کا شوق ہوتا ہے جو روز بروز ترقی پا رہا ہے مگر اس کو علم کتنا ہی علم کی توہین ہے آج کل جہل کا نام لوگوں نے علم رکھ دیا ہے جی۔

علیکہ رہ بکن تناید جہالت مست

مردوں کو بھی آج کل علم دین کا اہتمام نہیں البتہ اگر کسی کے دس پانچ لڑکوں میں کوئی کو دین بے وقوف ہوتا ہے جس سے استقامت پاس کرنے کی امید نہیں ہوتی اور اس لیے اس کی تعلیم بہرہ ور پیر فریب کرنا بھی گوارا نہیں ہوتا تو مری بکری خواہ مخضر کے نام اُس کو عربی پڑھنے اور علم دین حاصل کرنے کے لیے بھیج دیتے ہیں پھر ہمارے

بھائی شکایت کرتے ہیں کہ آٹھ کل رازی اور غزالی کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ بھلا ان نفلانوں اور بے وقوفوں کو کوئی رازی اور غزالی کیونکر بنا دے گا۔ جو علم دین کے واسطے چھانٹ چھانٹ کر بھیجے جاتے ہیں۔ قوم کو کچھ تو انصاف کرنا چاہیے اور اپنی اس غفلت اور بے حسنی پر کچھ تو شرمنا چاہیے کہ دین کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ ہو رہا ہے؟ اس بے پرواہی کا نتیجہ مست کچھ ہمارے سامنے آچکا ہے تو اس غلطی کا اعادہ نہ ہونا چاہیے۔



باب شصت و ہشتم

حدیث

سبعة اوامر وسبعة نواہی

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے دعایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات باتوں کا حکم فرمایا، اور سات سے منع فرمایا۔ جنازہ کے ساتھ چلنے کا ہم کو حکم دیا اور بیمار کی عیادت کا اور دعوت کرنے والی کی دعوت منظور کرنے کا (مراودہ میر کی دعوت ہے)، اور غلوٹم کی حد کرنے کا اور قسم پورا کرنے کا اور سلام کا جواب دینے کا اور چھینکے والے کو دُعا دینے کا (بشرطیکہ وہ بھی اول اللہ تبارک کی حمد کرے یعنی الحمد للہ کہے تو سننے والوں کو یہ حدیث اللہ کہنا چاہیے اگر وہ حمد نہ کرے یا اہستہ کرے تو دُعا دینا لازم نہیں۔ اور ہم کو چاندی کے برتن (استعمال کرنے) سے منع فرمایا اور سونے کی ٹھوگی (پھیننے) سے اور خمر و دیباچ اور پادچہ فسی و استبرق اور سرخ (ریشمی) ردائوں سے بھی۔

حدیث کا لاابری مطلب واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں شرح کا حکم دیا ہے اور سات سے منع فرمایا ہے (مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ امر و نہی کا ان ہی میں انحصار ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ صحابی کو اُس وقت ان امور کے متعلق حکم شرعی ظاہر کرنے کی ضرورت کسی وجہ سے زیادہ معلوم ہوئی تو اُن کے شمار کے ساتھ بیان فرمادیا کیونکہ شہادہ کر لینے سے مضمون کا یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے)

اب سوال یہ ہے کہ جن امور کا اس حدیث میں حکم ہوا ہے کیا سب کا ایک ہی درجہ ہے؟ اور وہ درجہ کیا ہے؟ وجہ ہے یا استحب؟ اسی طرح جن امور سے نئی وارد ہوئی ہے وہ سب حرام ہیں یا مکروہ؟ جواب یہ ہے کہ جن چیزوں کا یہاں امر ہوا ہے سب واجب نہیں بلکہ بعض واجب ہیں۔ بعض مستحب۔ چنانچہ جنازہ کے ساتھ جانا مستحب ہے کسی کو اس کو واجب کہنا معلوم نہیں ہوا۔ البتہ اگر جنازہ کا اٹھانے والا اور نماز پڑھ کر دفن کرنے والا کوئی نہ ہو تو جو لوگ اس حالت سے واقف ہیں اُن پر فرض میں ہو جائے گا۔ اسی طرح عید کی عبادت مستحب ہے اور اگر کوئی بیمار داری کرنے والا نہ ہو تو فرض کفایہ ہے (اور جن کو علم ہو جائے کہ کوئی بیمار کو نہیں پوچھتا اُن پر فرض میں ہے) دعوت کا قبول کرنا مطلقاً واجب نہیں مرنے و دعوت و لیمہ کا قبول کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہاں کوئی ایسا مسود لعل نہ ہو جو شرفاً حرام ہے۔ اگر ایسی شخصیت ہو تو دعوت قبول کرنا جائز نہیں اور جس شخصیت میں واجب بھی ہے اُس میں بھی کرنا واجب نہیں۔ مرنے شرکت واجب ہے کھانے میں اختیار ہے خواہ کھاؤ یا نہ کھاؤ (اور کھانا کر کے مبارکباد دے کر واپس آجاؤ کھانے سے حذر کر دو)

اس کے علاوہ اور دعوتوں میں تفصیل ہے بعض کا قبول کرنا مستحب ہے بعض کا مباح بعض کا حرام (تفصیل علماء سے معلوم کی جائے یا کتب فقہ کی مراجعت کی جائے) مظلوم کی مدد کرنا واجب ہے اسی طرح قسم کا پتہ کرنا واجب ہے (اگر اپنی ہی قسم ہے تو اُس کے واجب ہونے میں اختلاف نہیں۔ اگر دوسرے نے قسم دی ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ اُس کا پتہ کرنا واجب ہے یا نہیں اور حق یہ ہے کہ اگر اُس نے کسی امر واجب کی قسم دی ہے تو پتہ کرنا واجب ہے خلاف میں کہے کہ تجھے خدا کی قسم نماز ضرور پڑھا کر اور اگر کسی مستحب کام کی قسم دی ہے تو قسم کا پتہ کرنا مستحب ہے اور مکروہ یا حرام کام کی قسم دی ہے تو اُس کا پتہ کرنا مکروہ یا حرام ہے۔ سلام کا جواب دینا واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہوا البتہ اگر کسی نے

الحج کو سلام کیا ہے تو ہر اک پر جواب واجب نہیں سب پر فرما دیا ہے ایک کا جواب سب کی طرف سے جواب ہو جائے گا اور سب ہی جواب دے دیں تو بہتر ہے اور پیچھے والے کو دُعا دینا سُنتے ہو کہ وہ ہے جو شرفاً مطلوب ہے (اور معنی کے نزدیک واجب ہے اُسی تفصیل سے جو سلام کے جواب میں گُزری اور اسی شرط سے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اُس نے حمد بھی کی ہو)

اور جن چیزوں سے حدیث میں منع کیا گیا ہے وہ سب حرام ہیں۔ تحریر و دیباچہ ادرستی و استبرق۔ یہ سب دینی کپڑوں کی اقسام ہیں جو مردوں کے لیے حرام ہیں اور عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ اسی طرح سونے کا گونچی خوردوں کو جائز ہے مردوں کے لیے حرام ہے اور ریاں سے مظلوم ہو کر کسی عز یا مورد سے اشد ہو تا ہے (یعنی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز سے منع کرنا کسی کام کا حکم کرنے سے زیادہ سخت ہے) کیونکہ کسی عزت کو سب حرام ہوتے ہیں بشرطیکہ شی بطریق نفع کے ہو اور بدنامی سب واجب نہیں ہوتے بعض واجب ہوتے ہیں بعض مستحب تو وہ افعہ (اور صل) ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا اوتیکم باسرافاً فوامنہ ما استطعتم ومانہبکم عنہ فلا تقر بوا۔ جب میں تم کو کسی کام کا حکم کروں تو جتنا بجا ہو سکو بجا ہو اور جس سے منع کروں اُس کے پاس نہ جاؤ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جن باتوں کا امر کیا گیا ہے وہ سب واجب ہیں بلکہ بعض مستحب بھی ہیں۔ اور واجبات سب تمہاری طاقت و استطاعت کے موافق ہیں (طاقت سے زیادہ نہ ہو واجب نہیں کیا گیا) اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے لا یكلف اللہ نفساً الا ما یطاعہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کف نہیں فرماتے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ واجبات میں سے جس کو تمہاری طاقت چاہے ادا کرو اور جس کو جی نہ چاہے چھوڑ دو۔ یہ کوئی عقلمند بھی جسے دو کا ایک سے زیادہ ہو نا مظلوم ہے، نہیں سمجھ سکتا۔ تجھ پر کسی کے دل پر ہمارے نفس ہی غالب ہو گئی ہو (تو وہ جو چاہے کھائے)۔

اور اگر جو یہ قید لگائی گئی ہے کہ منی حرام ہیں بشرطیکہ منی بطریق لزوم کے ہو، یہ شرط اس لیے ہے کہ بعض دفعہ منی کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا ہوتا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ منی کراہت کی وجہ سے یا شفقت کی وجہ سے ہے جیسا (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کو) وصال سے منع فرمایا تھا (وصال یہ ہے کہ روزہ پر روزہ رکھا جائے۔ درمیان میں رات کو بھی کچھ نہ کھا یا جائے) اسی طرح اور جو منی اس کے مشابہ ہو کہ قرینہ سے اس کا شفقت کے لیے ہونا معلوم ہو جائے تو اس سے حوت ثابت نہ ہوگی مگر منی میں ایسا قرینہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اکثر منی لزوم ہی کے لیے ہوتی ہے اور امر میں ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ استحباب یا ارشاد کے طور پر حکم ہوتا ہے۔ اس لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ امر سے وجوب پر استدلال کرنے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہے اور منی سے استدلال کرنے کے لیے قرینہ کی ضرورت نہیں بلکہ منی حوت قرینہ کی محتاج ہے۔

اس میں غرض یہ کہ بھی دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ آٹا کے امر کا مستغنی (۱۳۸) یہ ہے کہ اس کی تعمیل کی جائے، کسی ثبوت سے بھی ہو (خواہ واجب کہ کر تعمیل کرو یا مستحب سمجھ کر) کیونکہ غلام کے ذلتے تو مولیٰ کے حکم کا بجا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں (غلام کو اس بحث کی ضرورت نہیں کہ امر وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے) چروہ اس سے آگے ایک قدم اور بڑھاتے ہیں کہ مولیٰ کے حکم کو غلاموں کے حق میں احسان اور رعایت سمجھتے ہیں کہ ان کا اتنا درجہ تو بڑا کہ ان سے سوال اور خطاب ہوا۔

جیسا حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی سے فرمایا کہ تجھے حکم ہو اے کہ تم کو (غلام سورۃ) پڑھ کر سنائوں۔ حضرت ابی نے عرض کیا اور میرا دیاں تو کر ہوا تھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر حکم دیا ہے) فرمایا ہاں تمہارا نام بھی لیا اور تمہارے باپ کا بھی۔ یہ سن کر حضرت ابیؓ اس خوشی میں کہ میرا اتنا درجہ ہو گیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ میرا نام لینے) رونے لگے

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے) اور کبھی خوشی کے جملے بھی انھوں
میں اُتسوا جاتے ہیں ۔

مفتش در صحن وصل این نالہ و فریاد حیت
گفت مارا جلوہ موشوق در این کار داشت

اور اسی لیے (کہ مثنوی کو محفل حق تہلے سے خطاب اور سوال و جواب کی تنہا ہے
در جہتِ عالیہ کی تنہا نہیں)

حضرت راہبہ رویہ نے (ایک بار) جبکہ بعض لوگوں نے اشتیاقِ موت پر اعتراض کیا
کہ موت کا اشتیاق تو اُس کو ہونا چاہیے جسے نہیں ہو کر مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتوں
گا ۔ جس کو یہ یقین نہ ہو وہ کیونکر موت کا اشتیاق ہو سکتا ہے) فرمایا تو کیا وہ مجھے
دھمکانیں لگے بھی ہیں یوں بھی نہ کہیں گے کہ یا امة السوء فطرت کذاہ کذا ۔
اسے بُری بندی اتو نے ایسا ایسا کیا تھا لوگوں نے کہا ہاں (اگر مواخذہ ہوا تو یہ تو
ہو گا ہی) فرمایا تو میرا مقصود یہی ہے (نہیں اس سے زیادہ کی طالب نہیں ہیں وہ
مجھ سے غلبہ کر میں پھر چاہے گالیاں ہی دے لیں ۔

ہم گفتی و خرسندم عتاک اللہ لکھو گفتی
جواب تجھی زید لب لعل شکر غارا

۔

اجبت حبیبین حب الہوی

و حب لائب اہل لذا کا

فاما الذمحب هو حب الہوی

منشغلن بذکر لک عبا سوا کا

واما الذمحب انت اہل لہ

فکشف لک المحجب حق ارا کا

نہیں آپ سے دو طرح کی بہت رکھتے ہیں ۔ ایک ماثقنا نہ (جس کا ثناء و دل

کا آپ پر اُجا ہے (دوسری محبت اس لیے کہ واقعی آپ محبت کے قابل ہیں۔
 سو پہلی محبت کا اثر تو یہ ہے کہ آپ کی یاد میں مستغرق ہو کر میں نے سب کو
 (دل سے) بھلا دیا ہے اور دوسری محبت کا مقصد یہ ہے کہ آپ میرے آگے
 سے پردے اٹھا دیں تاکہ آپ کو (میں بھر کے دیکھ لوں) یا یہ مطلب ہے کہ
 دوسری محبت اس لیے ہے کہ آپ نے میرے سامنے سے پردے اٹھا دیئے ہیں
 یہاں تک کہ میں آپ کو نگاہِ بعیرت سے دیکھ رہا ہوں اور مشاہدۂ قلب نے بے
 دیا کہ واقعی آپ ہی محبت کے قابل ہیں۔ دوسرا کوئی اس قابل نہیں مگر یہ کہ وہ آپ ہی
 تک پہنچانے والا ہو مانع نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم)
 قولہ ونبہ دلیل لاصل الصوفیۃ الی قولہ حتی ادا کا



باب ثمت و ہنتم

حدیث

وفات الرسول و فضل ابی بکرؓ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (وفات نبویہ کے قصہ میں) روایت ہے کہ حضرت ابوبکر (صدیق) رضی اللہ عنہ (حجرۂ نبویہ) سے باہر آئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے (جس کا ذکر آئے آئے کیا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا بس بیٹھ جاؤ۔ اُنہوں نے (بیٹھنے سے) انکار کیا (اور برابر تقریر کرتے رہے) تو ابوبکر صدیقؓ نے خطبہ دیا جس میں توحید و رسالت کی شہادت تھی تو سب لوگ اُن کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمر کو چھوڑ دیا یعنی اُنکی طرف متوجہ نہ ہوئے) شہادت توحید و رسالت کے بعد حضرت صدیقؓ نے فرمایا۔

۱۸۱ بعد۔ تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو (وہ) شہنشاہ ہے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تو و وفات ہو چکی اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو تو (وہ) جان لے کر) اللہ زندہ ہے وہ کبھی غم نہ کما۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں و ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الی الشاکرین۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں ہیں) اُن سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں لو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تم اپنی ایڑیوں کے بل (دین سے) لوٹ جاؤ گے اور جو (دین سے) پھرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان

نہ کرے گا اور (جو اس حالت میں مہر و شکر کرے گا تو) اللہ تعالیٰ شاکرین کو ضرور جزا دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (اس آیت کو کوشن کر) بہذا لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ گویا وہ جانتے ہی نہ سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو بھی نازل کیا ہے۔ یہاں تک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھا تب اُن کو یہ آیت یاد آئی، پھر تو لوگوں نے اس آیت کو کوشن کر یاد کر لیا۔ اس کے بعد ہر شخص اس آیت کو پڑھتا ہوا پھرنا تھا۔

شہرِ خاہر حدیث یہ ہے کہ صحابہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو حضرت عمرؓ پر ترجیح دی۔
شہرِ اس آیت کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

(۱۳۹) عارف اپنے مقامِ خاص کے مقتضا پر کلام کرتا ہے یہاں پہلے سوال پڑتا

ہے کہ اس نازک موقع پر ان دونوں حضرات میں اختلاف کیوں ہوا۔ حالانکہ دونوں جس درجہ پر ہیں ظاہر ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت کو تلاوت کیا تو صحابہ کو یہاں مظلوم ہوا کہ گویا اس آیت کو اس وقت سے پہلے کبھی سنا ہی نہ تھا۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے اختلاف کا سبب مسافت تک مظلوم نہیں ہو سکتا جب تک یہ نہ مظلوم ہو کہ دونوں کی حالت اس وقت کی تھی اور دونوں کا خاص مقام کیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو اور حالت تو اس وقت یہ تھی کہ جب ان کو سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا خبر دی گئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ازبہر ہلکا خبر سے گھبرا گئے تو حضرت عمرؓ نے تمنا فرمایا کہ اگر کسی کی زبان سے یہ بات نکلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے تو اس تمنا سے اُس کا غائر کردوں گا (حضرت کی وفات میں ہوئی بلکہ) اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو (بطور معراج کے) اُٹھالیا ہے آپؐ ابھی واپس آئیں گے اور بعض لوگوں کو قتل

کر دیں گے۔ بعض کے ہاتھ کاٹ دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (وفات کی خبر سُننے کے بعد) ذرہ بول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے نہ آپ کو دیکھا (بلکہ خبر سُننے ہی تو در نکال کر لوگوں کو اس قسم کی گفتگو سے منع کرنے گئے) اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس وقت (ایک ضرورت سے) مدینہ کے باہر گئے ہوئے تھے جب اُن کو یہ خبر پہنچی تشریف لائے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ آپ کے چہرہ مبارک کو کھول کر دیکھا۔ جھوڑ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے مرنے کے بعد بھی پاکیزہ ہیں اس کے بعد باہر آئے اور حضرت عمرؓ بار بار اپنی اُسی بات کو دُہرا رہے تھے۔ حضرت صدیقؓ نے اُن کو بیٹھ جانے کا حکم دیا (غرور نہ مانے) پھر حضرت صدیقؓ نے وہ خطبہ شروع کر دیا جس کا مضمون حدیث میں مذکور ہے (یہ تو اُن حضرات کی اس وفات کی حالت تھی) اور اُن نے اُنکے خاص خاص حالت وہ نئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں بتلائی ہے انا مدینۃ النساء و ابو بکر بابہا و انا مدینۃ الشیعات و عمر بابہا و انا مدینۃ الحیاء و عثمان بابہا و انا مدینۃ العلم و علی بابہا۔ دُہیں سخاوت کا شہر ہوں ابو بکر اس کا دروازہ ہیں، میں شجاعت کا شہر ہوں عمر اس کا دروازہ ہیں، میں حیاء کا شہر ہوں عثمان اس کا دروازہ ہیں، میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ ہیں۔

ف اس حدیث کی صحت میں محدثین کو کلام ہے اور (ظاہر ہے کہ) شجاعت سے مراد دین میں شجاعت (اور پہنچائی) ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فاروقی کا خطاب دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اسلام لانے کے دن ہی حق اور باطل میں فیصلہ کر دیا تھا کہ اُسی دن سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اعجاز ہوئے گئی اور (یہ بھی ظاہر ہے کہ) سخاوت کی زیادتی یقین کی قوت ہی سے ہو سکتی ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابو بکر زیادہ نماز اور روزے کی وجہ سے تم پر فوقیت نہیں لے سکتے بلکہ ایک چیز کی وجہ سے بڑھ گئے جو اُن کے

دل میں ڈالی گئی ہے اور وہ چیز کیا ہے ؟ قوت یقین ہی تو ہے اور جس کا یقین قوی ہو گا اُس کو حوادث کی قوت و شدت سے حرکت و اضطراب نہیں ہو سکتا۔ (وہ بر حالت میں کوہ و قار بنا رہتا ہے) وہ اپنے ہر کام کو یقین پر مبنی کرتا اور تمام حالات کی پوری تحقیق کر لیتا ہے اور جس کا مقام قوت دین ہو گا جس کا (دوسرا) تمام شجاعت ہے وہ اپنے ہر کام میں پوری احتیاط اور قوت کو ملحوظ رکھے گا (تمام حالات کی پوری تحقیق کے درپے نہیں جوتا بلکہ عمل میں ہر منزل پہلو کی رہایت کا اہتمام کرتا ہے) چونکہ حضرت عمر شجاعت اور قوت دین کے مقام پر تھے جب اُن سے کہ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے اور لوگوں کی حالت اضطراب کا شہادہ کیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گئے بلکہ ہر احتمال پر نظر کر اُن کو یہ بھی احتمال ہوا کہ حقیقتہً آپ کی وفات ہو گئی ہو اور یہ بھی احتمال ہوا کہ بطور صراح کے وفات ہو اور آپ واپس آ جائیں گے اور وقتی حالت کا مقتضایہ تھا کہ اس واقعہ کو اسی پہلو پر محمول کیا جانے جس میں پوری احتیاط ہو یعنی صراح کی حالت پر، تاکہ لوگوں میں جو اضطراب اور زلزلہ سا پیدا ہو گیا ہے وہ زائل ہو جائے اور اس احتمال پر نظر کر کے) اُن میں کسی قدر سکون پیدا ہو جائے۔ پھر (بعد تحقیق کے) اگر یہی پہلو صحیح نکلا جس پر واقعہ کو محمول کیا گیا تھا تو سبحان اللہ اور اگر وہ پہلا پہلو نکلا کہ حقیقتہً آپ کی وفات ہو چکی ہے تو یہ حقیقت سکون کی حالت میں اُن کے سامنے آنے لگی کیونکہ صدر کی بات پر جب کچھ مدت گزر جاتی ہے نفس کو سکون ہو جاتا اور دل مضبوط ہو جاتا اور (کسی قدر) مطمئن ہو جاتا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الصبر عند الصدمة الاولى (مبروہ ہے جو صدر کی ابتدائی حالت میں ہو۔ اسی وقت مستقل مزاج اور غیر مستقل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور جب صدر پر مدت گزر جاتی ہے تو اُس وقت تو سب کو بے اختیار مبرا آ جاتا ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے جس میں کچھ شبہ نہیں۔ اسی بات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکا بلکہ انہوں نے لوگوں کے سامنے

تقریر شروع کر دی تاکہ اُن کا اضطراب اور زلزلہ کم ہو جائے (اگر وہ پہلے حضورؐ کے پاس پہنچ جاتے اور حقیقی وفات کا مشاہدہ کر لیتے جیسا حضرت صدیقِ دینیؓ نے مشاہدہ کیا تو اُن کو اس بات کے کہنے کا موقع نہ رہتا (جس سے لوگوں کو اضطراب کی حالت میں سنبھال لیا گیا) کیونکہ اب یہ بات جھوٹ ہوئی اور حضرت عمرؓ اس سے بُستہ دور تھے۔ (کہ جھوٹ بات مُنہ سے نکالیں اور تحقیق سے پہلے ہر کچھ اُنہوں نے کہا اُس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی حضورؐ کی وفات تحقق نہیں ہوئی احتمال ہے کہ یہ بھی معراجی حالت ہو اور ممکن ہے کہ اس احتمال کے ہوا و مرا احتمال ان کے ذہن ہی میں نہ آیا ہو کیونکہ اُن کا خیال یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے هو الذی ارسل رسولہ بالحدیث وہ یمہ الخ لیظهر علی الدین کلمہ میں جس غلبہ کی خبر دی ہے، وہ حضورؐ کے سامنے ہی ہو گا جیسا آیت سے بتا دیا ہے اور وہ غلبہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا تو ابھی حضورؐ کی وفات نہیں ہو سکتی۔)

حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے قریب حضورؐ کی زیارت کر کے وہ باہر گئے تو فرمایا کہ موت کے وقت جو ہاتھ رکے (آرمیوں میں سے) جس قسم کی بُرائیاں کرتے تھے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے وہی اس وقت اُٹھ ہی ہے تو یہ حضرات تو وفات سے پہلے ہی موت کی بُرائی سے علامت کو پہچان لیتے تھے تو کیا حقیقی وفات کے بعد آپ کو دیکھ کر اُنہیں کچھ شبہ ہو سکتا تھا؟ یہ ناممکن ہے پس حضرت عمرؓ (اسی لیے خبر وفات سُن کر حضورؐ کے پاس نہیں گئے بلکہ آپؐ نے احتیاط کا پہلو اختیار کیا جو اُن کی اپنی اصلی حالت کا مقتضا تھا۔ جب صاحبِ یقین بزرگ تشریف لائے تو وہ اس حادثہِ عظیم سے مضطرب نہیں ہوئے۔ اُنہوں نے حقیقتِ حال معلوم کرنے سے پہلے کوئی بات نہیں کرنی چاہی (سیدھے) حضور ﷺ سے اس پہنچنے آپؐ کا چہرہ بدکھول کر دیکھا جب ان کو محقق ہو گیا کہ واقعی سچے سچے آپؐ کی وفات ہو گئی ہے تو غور کیا کہ اس کے وقت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم اُن کو اور سب مسلمانوں کو کیا ہے؟ تو فوراً قرآن کی آیت دل

میں مائی جس میں اس حالت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد حکم موجود تھا جو قرآن میں تلاوت کیا جاتا ہے۔ پس وہ حکم کے سامنے ٹھک جھک جھٹے اور دل سے منقاد ہو گئے۔ پھر باہر آکر لوگوں کو بھی اللہ کے حکم کے سامنے ٹھک جانے کی ترغیب دی۔ غرض دونوں جرہوں نے اپنے مقام ارفع کے مقتضی پر عمل کیا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں حضرات کی باتوں میں حکمت اور مصلحت رکھی تھی حضرت عمرؓ کی بات سے تو منافقین ہم بخود رہ گئے اُن کو یہ موقع نہ ملا کہ فوراً دشمنانِ دین کو اطلاع کر کے بھوکا دیتے اور حضرت صدیقؓ کے زبردست یلغ خطبے مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے۔ اضطراب جاتا رہا اور مردانہ وار اس صدر کو برداشت کر کے حکمِ الہی کی تعمیل میں سرگرم ہو گئے۔ اس لیے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ آیت پڑھتے سنا تو میرے پرچے نہ اٹھ سکے (فوزِ بکر پڑا)

کمالِ یقین کی عکاسی ہے کہ نازک موقع پر بھی سنتِ نبویہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے
 اس واقعے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دین کی قوت اور یقین کی عظمت معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایسے نازک موقع پر بھی مستقل رہے اور اتنے مستقل رہے کہ اپنے کلام کو اسی قاعدہ سے شروع کیا جو سنتِ نبویہ کا مقتضا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ ہمیشہ باتِ شانِ اہم میں کلام کو اللہ سبحانہ کے ذکر و ثناء سے شروع کرتے تھے۔

فیہ دیسل من قوۃ الی بکر حف الدین الی قولہ بذکر اللہ سبحانہ والثناء علیہ

باہم ایک دوسرے کا ادب کرنا بھی دین کا جز ہے صحابہ کا باہم ایک دوسرے کا ادب ملنا رکھنا بھی معلوم ہوا۔ یہ بھی دین کا جز ہے چنانچہ حضرت صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ (ناک میں کچھ بولوں) اس سے زیادہ کچھ نہیں

کہا کہ تم غلط کر رہے ہو۔ حضرت کی وفات معراجی نہیں بلکہ حقیقی وفات ہے تم نے دیکھا نہیں ہے میں حضورؐ کو دیکھ کر آیا ہوں وغیرہ وغیرہ اور بیٹھ جانے کو اس لیے کہا کہ اُن کی تقریر کے ساتھ اپنی تقریر شروع کر دینا ادب کے خلاف تھا۔ مطلب یہ تھا کہ میں تم کو جو کتنا تھا کہہ چکے اب میں کچھ کنا چاہتا ہوں آپ بیٹھ جائیں !

قوله وفيه دليل على تأدب الصحابة الى قوله وللعبد عليه فيقال شيئا

ضرورتِ دین کے لیے ترکِ ادب بھی ادب ہی ہے نیز اسی سے یہ کہ ادب کی رعایت اسی وقت تک ہے جب تک دین کی ضرورت (فوت) نہ ہو اور اگر (ادب سے) دین کی ضرورت (فوت ہوئی) ہو تو اب ادب کی رعایت نہ ہوگی بلکہ اس وقت ترکِ ادب ہی ادب ہو گا دیکھو جب حضرت عمرؓ نے حضرت صدیقِ رضی اللہ عنہ کی بات ممانی (اور خاموش نہ ہونے) اور حالتِ نازک تھی تو انہوں نے سیدھے سب پر جا کر اپنا خطبہ شروع کر دیا اور دین کی (ضرورت کی وجہ) سے اُن کا ادب چھوڑ دیا۔ (کیونکہ گفتگو کا ادب یہ ہے کہ جب تک ایک شخص بول رہا ہے دوسرا اپنی تقریر شروع نہ کرے مگر محدثِ حال کی نزاکت اور دینی ضرورت نے حضرت صدیقؓ کو مجبور کر دیا کہ حضرت عمرؓ کی گفتگو کے ساتھ ہی اپنی تقریر شروع کر دیں پھر بھی اتنا ادب ملحوظ رکھی کہ حضرت عمرؓ کے سامنے گفتگو کر رہے تھے حضرت صدیقؓ نے وہاں تقریر شروع نہیں کی بلکہ مسجد کے اندر منبرِ نبویؐ پر تقریر فرمائی) اور اسی دینی ضرورت نے حضرت عمرؓ کو حضرت صدیقؓ کا ادب ملحوظ رکھنے سے روکا تھا کہ جب انہوں نے ان سے خاموش ہونے کو فرمایا خاموشی نہیں ہوئے (برابر بولتے رہے کیونکہ وہ اپنے نزدیک اپنی گفتگو کو دینی ضرورت پر مبنی سمجھ رہے تھے کہ اس وقت منافقین کو دبانے کے لیے یہی کہنے کی ضرورت ہے کہ حضورؐ کا وصال نہیں ہوا جب سب کی زبانیں بند ہو جائیں گی اس کے بعد حقیقی کی جانے گی کہ حضورؐ کی واقعی وفات ہو گئی یا بیماری سے غشی آگئی ہے)

قوله وفيه دليل على تأدب الصحابة رضي الله عنهم بعضهم مع بعض الى قوله ويصمت حين اشد اليه بالسكوت .

بعض لوگ ادب کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے بزرگ کے خلاف کوئی بات زبان سے نہ نکلے۔ یہ صحیح ہے مگر خلاف کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات نہ کہے جس سے ظاہر ہو کہ کہنے والا اپنے بزرگوں کا مخالف ہے ان کو بزرگ نہیں سمجھتا یہ مطلب نہیں کہ شرعی مسائل میں ان کی رائے سے اختلاف بھی نہ کرے۔ اگر مسائل شرعیہ میں اختلاف کو بھی بے ہوشی میں داخل کیا جائے گا تو کیا نمود؟ اللہ امام محمد بن حسن اور امام ابو جعفر سے بے ادب تھے جنہوں نے اپنے شیخ امام ابو حنیفہ سے بات سے مسائل میں اختلاف کیا۔ یہ عا شاہد کلا یہ ہرگز بے ادبی میں داخل نہیں اسی طرح یہاں سمجھو کہ حضرت عمر کے نزدیک اس بات کی ضرورت تھی جو وہ کہہ رہے تھے اس لیے حضرت صدیق کے خاموشی کرنے سے خاموش نہ ہوئے اور حضرت صدیقؓ کے نزدیک حضرت عمر کی بات کی ضرورت اس وقت تک تھی جب تک حقیقت واضح نہ ہوتی تھی۔ حقیقت واضح ہو جانے کے بعد صحابہ کو سنبھالنے اور اطمینان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور کفن میں مشغول ہونے کی ضرورت تھی اس لیے آپ نے حضرت عمرؓ کو خاموش رہنے کے لیے فرمایا کہ اب تمہاری بات کا وقت نہیں رہا میں حقیقت پر مطلع ہو کر آیا ہوں۔ اب اس کے مقتضی پر عمل کرنا لازم ہے۔ پس ہر اک نے دینی ضرورت کو ادب پر مقدم کیا۔

ہمدے اکابر کمال بھی حضرات تھے ان کی اس سنت پر خاک وہ ضرورت دینہ کو ادب پر مقدم کیا کرتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اپنے بزرگوں سے بعض امور میں اختلاف کرتے تھے مگر مذہب کے عزائم سے تاکہ اختلاف رائے مخالفت کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ افسوس! آج کل اس طرز پر لوگ نہیں چلتے۔ اختلاف رائے کو مخالفت و مخالفت کا پیمانہ بنا لیتے ہیں اور تقریر و تحریر میں دوسرے کے ایمان و نیت پر بھی لاکر سنے سے نہیں چڑھتے۔ یہ لوگ دائرہ علم و تقویٰ سے غار ج ہیں خالی اللہ اللہ کی ۔

۱۴۲) پریشانی کے وقت کلام مختصر اور دلیل مستحکم بیان کرنی چاہئے

حدیث سے معلوم ہوا کہ فصاحت و بلاغت اور دین کی پہنچ کا متعنا یہ ہے کہ مشکلات کے وقت کلام موجز (مختصر) کیا جائے اور حجت (دلیل) مؤثر و مستحکم بیان کی جائے۔ دیکھو حضرت صدیق کا یہ خطبہ من کان منکم یعدہ محمدان محمد احمد اقدمت الخ کس قدر بیخ اور غایت درجہ بیخ ہے مگر مختصر بھی ہے (طویل نہیں اور قاعدہ ہے کہ جس پر حقیقت شکست ہو جاتی ہے وہ زیادہ فیہ جوڑی باتیں نہیں کیا کرتا چند جملوں کی میں حقیقت کو داغ کر دیتا ہے) اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین و اسلام کے لیے سب سے بڑی نقصی حجت کتاب اللہ ہے اگر یہ بات نہ ہوتی اور اسکی پر حق کا مدار نہ ہوتا تو صحابہ سب کے سب سر خم نہ کر دیتے اور ان ہی آیتوں کو بار بار نہ دہراتے۔

قوله وفيه دليل على ان من النضاعة والبلاغة الى

قوله يكررون الاكس -

۱۴۳) حتی واضح کرنے کے لیے کلام کو حق و باطل میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کلام کو حق و باطل میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے تاکہ حق اچھی طرح واضح ہو جائے دیکھو حضرت صدیق نے ایسا ہی کیا ہے فرمایا کہ تم میں جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر چکے ہیں اور جو اللہ وحدہ کی عبادت کرتا ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو دیوم ہیں وہ نہیں مر سکے۔ حالانکہ حضرت صدیق کو قطعاً معلوم تھا کہ صحابہ میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنے والا نہ تھا مگر آپ نے ایسی بات کو جو یقیناً محال تھی ایسی بات سے مل کر بیان کیا جو سب کے نزدیک محقق اور یقینی تھی تاکہ اسی طرح حق ملے اور ابن حق ثابت قدم ہو جائیں۔ قوله وفيه دليل على جواز تقسيم الكلام بين

الحق والی الی قولہ تاکید الحق وتنسیب لاهلہ ۔

یہ بھی حضرات صوفیہ کی دولتوں میں سے ایک دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ بوجہ قوت دین انہی کے فصاحت و بلاغت کلام بھی عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ مولانا دہلوی، مولانا جامی، شیخ احمدی، حافظ شیرازی وغیرہم کی فصاحت و بلاغت معلوم ہے۔ ہمارے زمانہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی فصاحت و بلاغت کا دُنیا نے مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت کے برابر مؤثر بیان کسی کا نہ ہوتا تھا بلاغت اسی کلام ہے، رنگینی الفاظ کا نام نہیں دقل لعلہ طیف النضہ قولاً بلیغاً حضرت کی شان میں یہ شعر بالکل سچا ہے ۔

ومن لبیان فی القلوب مؤثر وہبک قول القائلین فضول

”اب ایسا بیان کون کرے گا جو دلوں میں اثر کرتا چلا جائے۔ آپ کے بعد تو بولنے والوں کی باتیں فخر، ہی کی ہیں ۔“

اس مقام پر حضرت صدیق کو حاکم قطعاً معلوم تھا کہ صحابہ کے سب سے بڑی کی عبادت کرنے والے ہیں مگر حضورؐ کی خبر و ذات سن کر جو ان کے ہوش اڑ گئے اور ایک حالت اضطراب پیدا ہو گئی اس پر اس عنوان سے تنبیہ فرمائی کہ یہ حالت قوائس کی ہونی چاہیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کو اس قدر پریشان و مضطرب نہ ہونا چاہیئے۔ اہل بلاغت سمجھ سکتے ہیں کہ اس موقع کے لیے اس سے بہتر عنوان حقیقت کو واضح کرنے والا اور گزرتوں کو سنبھالنے والا نہیں ہو سکتا تھا۔ احقر نے اپنے قصیدہ نمونہ ”وسيلة النظر“ میں اسی واقعہ کو اس عنوان سے بیان کیا ہے ۔

ماکان اثبتہ لکل مہمة	کادت تزدل لها فوات محبوب
من کان یعبداً احداً فرد بکمد	حات الحبيب ولا حین تکبر
من کان یعبده ذبہا لاله	الولع القیوم خیر نصیر
هذا الشیث فذل صحت بمثلہ	هذا الوقار وکان خیر وقور

حضرت صدیق ہنر مشکل موقع پر جہاں پہاڑ بھی پہنے کو ہو جائیں جیسے ہی ثابت قدم تھے اُن کے اس بیخ شکمہ پر تعجب کرو جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر دیا تھا جبکہ بڑے بڑے صابر و عبرا اُٹھے تھے فرمایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو وہ سننے کے محبوب تو مر چکے اب اس سے نکلا کی گنجائش نہیں اور جو رب محمد کی عبادت کرتا ہو وہ سننے کے اللہ واحد قیوم زندہ ہے اور بڑا اچھا مددگار ہے۔ یہ ہے ثابت قدم تم نے کیوں اس کی نظیر سنی ہے یہ ہے وقار و استقلال اور واقعی حضرت صدیق بڑے صاحب استقلال تھے۔ حضرت صدیق میں یہ استقلال ان کے مقام یقین کا ثمرہ تھا اور اسی لیے ان کو سب سے پہلے علیہ منتخب کیا گیا کہ اس وقت ایسے ہی صاحب استقلال کی مسلمانوں کو ضرورت تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبائل عرب میں ایک بھل پھل پیدا ہو گئی تھی اور بعض مرتد ہو گئے تھے تو درختا وقت کو بند کرنے کے لیے بڑے صاحب استقلال علیہ کی ضرورت تھی چنانچہ حضرت صدیق نے سب سے پہلے اسی فتنہ کا سر پکٹا اور اللہ نے ان کی مدد کی۔ آپ نے مرتدین کو ذرا مسلت نہیں دی حالانکہ وقت نازک تھا۔ فارس اور روم کی طرف سے مدینہ پر حملہ کا خطرہ تھا۔ چنانچہ اسی نزاکت حال کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے یہ مشورہ دیا تھا کہ مرتدین عرب کو اس دقت چھوڑ دیا جائے ان کو بعد میں دیکھ لیا جائے گا پہلے بیرون دشمنوں کا انتظام کیا جائے تاکہ لوگوں کی گھبراہٹ کو سکون ہو جائے وہ اس سے پریشان ہیں کہ اپنے ملک میں بھی جنگ کریں اور باہر والوں سے بھی مقابلہ کریں۔ حضرت صدیق نے اس مشورہ کو سختی کے ساتھ مد کیا کہ انہیں کے سانپے فطرت برتا رہے گزند سب نہیں ان کی ہر کوئی سب سے پہلے ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ اس میں آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ حضرت صدیق نے فرمایا، تمہاری سن نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسی میرے ساتھ ہو اور کوئی نہ ہو۔ یہ بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جو اُن کی مدد کے لیے بھیج دیا کہ دندہ تمام مسجد بنوا سے بھر گئی اور جو لوگ حضرت

صدیق کی رائے کے خلاف تھے اُن کے چہروں پر خاص طور سے ہوائے ننگریاں
 بدیں جس سے گہرا کردہ سب سب سے باہر نکل گئے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ
 تعالیٰ نے اس قتال میں حضرت صدیقؓ کا شروع صدر کر دیا تو میں سمجھ گیا کہ یہی حق ہے
 پھر اُنہ نما نے میرا بھی شروع صدر کر دیا۔ چنانچہ ایک سال میں سرحدین کا فتنہ فرو ہو
 گیا۔ پھر حضرت صدیقؓ نے ایک ہاتھ فارس کی طرف بڑھایا ایک۔ ہاتھ یام کی طرف
 اندرون طاقتوں سے مقابلہ شروع ہو گیا۔ نقشہ جنگ حضرت صدیقؓ ہی نے
 بنادیا تھا۔ اس کی تکمیل بعد میں ہوئی حضرت عمرؓ کا مقام شجاعت اور شجاعت
 لی الذین تھا تو حضرت صدیقؓ کے بعد مسلمانوں کو اُن کی حاجت تھی تاکہ حضرت صدیقؓ
 کے بعد ہونے والے فتنے پر نزات کی ساتھ بڑھنے پڑے جائیں۔ چنانچہ آپ کے زمانے
 میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں۔ اسلام تمام اطراف میں پھیل گیا اور بلند ہو گیا۔
 پھر قاعدہ ہے کہ ہر چیز کو کمال کے بعد زوال ہوتا ہے تو حضرت عثمانؓ کی خلافت
 کی طرف مسلمان محتاج ہوئے کیونکہ ان کی خلافت میں چھ سال کے اندر بہت زیادہ
 فتوحات ہوئیں اور مملکت اسلام کمال درجہ پر پہنچ گئی پھر آخری ۱۰ سال میں زوال
 کے آثار پیدا ہونے لگے اور زوال شروع ہونے کے وقت مقام صبر و تقسیم و حیا
 کی ضرورت ہے اور یہ حضرت عثمانؓ کا خاص مقام ہے۔ انہوں نے رعایا کی آراوی
 اور قلب الامت اور بے باکی اور قلب احترام خلیفہ پر کر دی زوال کا سرچشمہ ہے۔
 غایت علم سے کام لیا جو کمال حیا و کاستی ہے پھر باغیوں کی بغاوت پر صبر و تقسیم
 سے کام لیا خود اپنی جان دے دی۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار نہیں اٹھائے
 اور جس نے ایسا کرنا چاہا اس کو روک دیا اس میں اُمت کو سبق تھا کہ جب دمایا
 میں بے باکی و آزادی پیدا ہونے لگے اس وقت خلیفہ کو علم سے کام لینا چاہیے۔
 اور رعایا باغی ہو جائے تو اپنی اسلامی برادری۔ یہ جنگ دکرنا چاہیے۔ پھر حضرت علیؓ
 کی خلافت کے مسلمان محتاج ہوئے کیونکہ ان کا مقام علم تھا اُمت کو ضرورت تھی کہ باغیوں
 کے عقل منقلب احکام کا علم ہو۔ آخر میں اسی طرح نقل ہوتا رہا وقتاً بعد میں یہ ہو جائے گا۔

لوگ ہنات کیا کریں گے اور خلیفہ کو قتل کر دیا کریں گے تو خلیفہ اور خلافت کا رُعب جلتا رہے گا اور بہت جلد حکومت اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا اس وقت حضرت علی نے اہل تاویل سے قتال کیا اور مسلمانوں کو تفصیل کے ساتھ اہل تاویل اور بدعتین وغیرہمیں کے احکام سے مطلع کر کے قولا وعلما میں کو داغ فرمایا یہاں تک کہ ائمہ کے لیے احتمال وجمال باقی نہ رہے۔ غرض ہر شخص کا ایک مقام معلوم ہے اور مسلمانوں کو سب ہی کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی برکت سے ہم پر بھی فضل فرمائیں اور ایسے اعمال کی توفیق دیں جن سے ہم اُن کے قریب پہنچ جائیں اور قیامت میں اُن ہی کے ساتھ ہمارا حشر ہو اور متقین کی جماعت میں بلا منت و مشقت کے عافیت کے ساتھ اپنے فضل سے داخل فرمائیے آمین (اس تقریر کا اثر حقہ حضرت شریح کے کلام سے ماخوذ ہے چنانکہ اس میں کوئی مسئلہ نفوت کا نہ تھا مگر مضمون عجیب تھا اس لیے فائدہ کے ضمن میں بیان کر دیا گیا۔ سبحان اللہ حضرت شریح نے بڑی خوبی سے مقاماتِ خلافت و ارباب پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیان رہ گیا کہ وہ بھی خلیفہ راشد ہیں اور ان ہی کی خلافت پر تیس سال مدتِ خلافت علی منہاج السنۃ تام ہوئی ہے تو کتنا چاہیے کہ حضرت علیؑ کے بعد مسلمانوں کو امام حسن کی خلافت کی طرف احتیاج ہوئی جن کا خاص مقام سیادت تھا جس کا مقتضایہ ہے کہ جب قوی نزاعات کا طاقت سے خاتمہ نہ ہو تو سردار اپنی سے معالاز و روش سے اس کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ امام حسنؑ نے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کو اپنی شانِ سیادت سے صلح و اتفاق و اتحاد کی طرف واپس کر دیا۔ اپنے کو خلافت سے معزول کر کے حضرت علیؑ کو خلافت سونپ دی۔ اسی لیے اس سال کو عام الجماعت کہا جاتا ہے کہ اس سال مسلمان پھر سے متفق و متحد اور مجتمع ہو گئے جس کی برکت سے صدرِ عالمِ خلافت اسلامی باقی رہی اور ترقی کرتی رہی و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۱۴۵) معائب میں بڑی تسلی قرآن کی تلاوت دیکھ کر سے ہوتی ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ معائب میں تسلی کا سب سے بڑا ذریعہ بار بار قرآن کی آیات کو دہرانا (اور کثرت پڑھنا) ہے یہی حق ہے اور ٹھیک ہوتی بات ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **يَوْمَ نُنْزِلُ مِنَ الْقُرْآنِ صَاحُوشًا وَ دُجَّةً لِلْمُؤْمِنِينَ**۔ ہم قرآن میں وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو مؤمنین کے لیے شفاء اور رحمت ہیں اس کی ایک شاہد و غایہ بھی ہے کہ غم اور پریشانی کے وقت اس سے تسلی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ (اسی لیے) معائب نے بار بار اس آیت کو دہرایا شروع کر دیا (۱۴۶) حضرت صدیق نے اپنے غلبہ میں پڑھی تھی کہ ایک شخص بھی ایسا مددگار جس کی زبان سے وہ آیت نہ سنی گئی ہو۔ کیونکہ اس آیت کو سن کر انہیں اللہ کا حکم تو معلوم ہو گیا تھا پھر بار بار دہرانے اور تکرار کرنے میں اس کے سوا کیا فائدہ تھا کہ وہ اس سے اپنے رنج و غم میں تسلی حاصل کرنا چاہتے تھے۔

قوله فيه و ليس على ان اكبر التسلي في المعائب قوله لو كتب الله الى

قوله اما التسلي بها على ما هو فيه من الحزن واليأس

فذكر الله تعالى التسلي حاصل ہونا صرف اللہ کا مشاہدہ ہے وہ الہامی ذکر اللہ تعالیٰ القلوب کا کھل آنکھوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ذکر اللہ کی اعلیٰ فروغ اور تلاوت قرآن ہے اور مصیبت کے وقت خصوصیت کے ساتھ آیت اللہ وانا الیہ راجعون کا تکرار اور معنی و مطلب سمجھ کر بار بار پڑھتے رہنا بڑی تسلی کا ذریعہ اور دل کو سنبھالنے والا ہے۔

(۱۴۶) مخاطب کو اسکی مصلحت کی بات بتلانا چاہیے اگرچہ وہ جانتا بھی ہو

یہاں سے معلوم ہوا کہ جن بات میں مخاطب کی مصلحت ہو اسے بتلانی چاہیے اگرچہ ہم کو معلوم ہو کہ وہ اس بات کو پہلے سے جانتا ہے کیونکہ حالات ہمیشہ آنے

کے وقت انسان کا دل حادثہ سے ایسا پریشان ہو جاتا ہے کہ جانی پہچانی بات سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ دیکھو صحابہ کو کبھی کو یا اکثر کو یہ آیت معلوم تھی اس کے نزول کا دن اور شان نزول بھی معلوم تھا مگر حادثہ (وفات نبویؐ) کے دفعہ پیش آ جانے سے قلوب ایسے پریشان ہو گئے کہ اسی آیت سے ذہول ہو گیا جو پہلے سے جانی ہوئی تھی۔ ہر اس شخص کا تو کیا حال ہو گا جسے پہلے سے کچھ بھی خبر نہ تھی اور ایسی مصیبت کا سامنا ہو گیا جو تحمل سے باہر ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

میں عزیٰ مصابا فلہ اجر لعاب۔ جس نے مصیبت زدہ کو تسلی دی اسے بھی اس مصیبت زدہ کے برابر ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کو وہ باتیں یاد دلانا ہے جو اس وقت یاد کرنی چاہئیں جس سے اس کا غم ہلکا ہو جاتا ہے تو اس کی تسلی سے جتنا اس کا غم ہلکا ہو گا اسی قدر اس کو ثواب ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ علم فرماتے ہیں کہ اگر اس کو یہ مصیبت پیش آئی اور اس پر صبر کرتا (تو جتنا ثواب اس وقت ملتا وہی مصیبت زدہ کو تسلی اور دلدادہ دینے سے ملے گا کہ اس نے اس کو صابر بنا دیا ہے اور کسی کو صابر بنا دینے کا بھی وہی حکم ہے جو درد صبر کرنے کا ہے:

لَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الدَّالِ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلُهُ اُسی کے مناسب معنی حکماء کا یہ قول ہے جو حکمت پر مشتمل ہے کہ آدمی چار قسم کے ہیں ایک تو وہ جو عالم ہے اور اس کو اپنا عالم ہونا بھی معلوم ہے (یہ مطلب نہیں کہ علم کا مدعی ہے بلکہ اس کو احکام شرعیہ مستحضر ہیں اور ان پر نظر ہے اور جانتا ہے کہ اس وقت کے متعلق شریعت کا یہ حکم ہے) اس سے علم حاصل کرو، دوسرا وہ جو جاہل ہے اور اسے اپنا جاہل ہونا معلوم ہے اس کو بتاؤ اور تعلیم دو۔ تیسرا وہ جو جاہل ہے مگر اسے اپنے جاہل کی خبر نہیں (بلکہ اپنے کو عالم سمجھتا ہے) اس سے دور بھاگو کہ اس کی فلاح کی اُمید نہیں یوں کسی کو غلط حالت میں فلاح نصیب ہو جائے تو اور بات ہے۔ چوتھا جو عالم ہے مگر اسے اپنا عالم ہونا معلوم نہیں (یعنی پریشانی یا اور کسی وجہ سے اس کا ضمیر اس کے ذہن میں حاضر نہیں رہے اس لیے وہ حالتِ حاضرہ کے متعلق اپنے

کو جاہل سمجھتا ہے) تو اس کو یاد دلاؤ اس سے تم کو بھی نصیح ہو گا (اور اس کو بھی)۔
 قوله وفيه من اللّٰقه ان يذكرو الشخص بالشئ الذي له فيه معلية الى
 قوله فذكروه تستقوا به ۔

ف حضرات مولیہ کا اس پرچہ راعی ہے وہ برابر موت اور قیامت و جنت و
 نار کی یاد دہانی کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو
 قصور مل سکیں گے ان چیزوں کا علم ہے مگر غلبہ اشتغال و زیورہ کی وجہ سے ان سے
 ذہول ہو جاتا ہے ۔

(۱۴) امتحان کے وقت دل کی حالت کھل جاتی ہے

یہاں سے معلوم ہوا کہ امتحان کے وقت انسان کے دل کی حالت کھل جاتی ہے۔
 دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جو (مسلمانوں کے لیے) بڑی مصیبت تھی اُس
 نے سب لوگوں کے دلوں کی حالت کو واضح کر دیا کچھ لوگ (جو برائے نام مسلمان ہوئے تھے)
 مرتد ہو گئے اور بہت لوگ (جو سچے مسلمان تھے) ثابت قدم رہے۔ بعض لوگ کسی قدر
 غمزدگی میں مبتلا ہوئے پھر وہیں آئے تو آزمائش سے زبانی وعظوں کی حقیقت کھل جاتی
 اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہو جاتی ہے **آلہم احب الناس ابا بکر** کو
ان يقولوا آمنا وھم لا یقتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللّٰھ الذین
صدقوا ولعلمن: لکذٰلک جینا آلہم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کو اتنا کہ
 دینے پر کہ ہم ایمان لے آئے چھڑ دیا جائے گا اور ان کی آزمائش دکھی جائے گی۔
 (غزور آزمائش ہوگی) اور ہم نے ان سے پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی ہے **ہر نقبنا اللہ تعالیٰ**
تحنن کو جھوٹوں سے الگ کر کے رہیں گے۔

اس میں مرنے کی جُت ہے جنہوں نے اپنے طریق کو امتحان اور میری پر قائم
 کیا ہے کہ انسان راحت اور تخلیف ہر حالت میں ثابت قدم رہے اسی لیے فرماتے
 ہیں جس کو یہ خوشی حاصل کرنا ہو کہ اس کو کبھی کسی ناگواری کا سامنا نہ ہو تو کسی ایسی

چیز سے دل کو وابستہ نہ رکھے جس پر خدا کا لہ بڑھ ہو (مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے دل کو اور اپنی توقعات کو وابستہ نہ کرے) کیونکہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہونے والی ہے (مگر اللہ غیر اللہ ہے اللہ غیر اللہ وہ ہے جو تعلق مع اللہ سے مائل ہو پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دل کو وابستہ کرنا منع نہیں کہ آپ سے وابستگی تو اللہ تعالیٰ سے وابستگی ہے مگر حضور سے اللہ تعالیٰ کے برابر وابستگی نہ ہوگی۔ کیونکہ آپ بھی تو واسطہ ہی ہیں اصل مقصود تو حق تعالیٰ ہیں۔ پس اصل اور واسطہ میں فرق ہونا چاہیئے اسی طرح مشائخ طریق کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مائل نہیں بلکہ سوسل ہے مگر وہ بھی معرفت و وصل کا واسطہ ہیں تو یہاں بھی اصل اور واسطہ کا فرق ہونا چاہیئے۔ خوب سمجھ لو)

قوله وفيه من الفقه ان هذا لا متعان يعرف المرأما احقى عليه
جنانہ الی قولہ لان ما سواہ مزدجل مفقود۔

ف صوفیہ کے طریق کا امتحان پر مبنی ہونا یہ ہے کہ مشائخ طریق غالبین کے امتحان کرتے ہیں کبھی طلبہ دلچسپی کے لیے سختی کرتے ہیں کبھی اعتیاد و قوایح کا امتحان کرنے کے لیے سختی کرتے ہیں۔ ایسے مواقع پر طالب معلق ہی ٹھہرتا ہے ٹھوکانیں ٹھہرتا۔ دوسرے یہ کہ صوفیہ خود اپنا امتحان بھی کرتے ہیں۔ بعض دفعہ کسی غریب آدمی کی خدمت کر کے دلچسپی میں کہ نفس میں ناگواری پیدا ہوتی یا اپنے حال پر رہا۔ بعض دفعہ عمدہ لباس پہن کر غور کرتے ہیں کہ نفس میں ٹھیکر عیا ہو یا اپنے حال پر رہا وغیرہ وغیرہ۔ مگر شریعت کے خلاف کام کر کے نفس کو آزمائش نہیں۔ مثلاً عورتوں کو گھومنے لگے کہ دیکھو نفس میں شہوت پیدا ہوئی یا نہیں دھڑلے۔ اسی شریعت نے جس کام سے منع کر دیا ہے اس کا ارتکاب امتحان کی واسطے بھی حرام ہے اور جن بزرگوں سے ایسا منقول ہے یا روایت غلط ہے یا غلط حال تھا جس کی تقلید جائز نہیں۔

ف ایک بد صورت مرد، گلگلی لے فرمایا کہ اگر راحت چاہتے ہو تو اللہ کے سوا کسی سے توقع نہ رکھو۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے بھی توقع نہ رکھو۔ یہ وہی بات ہے

جو حضرت شدر نے یہاں بیان فرمائی ہے اور اس کا مطلب اُوپر لکھ دیا گیا کہ اصل توقع اللہ تعالیٰ سے رکھنا چاہیئے۔ باقی سب سے اسی قدر تعلق اور توقع رکھی جائے جو واسطہ کے مناسب ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اصل مقصود نہیں بلکہ مقصود تک پہنچانے والے ہیں پس فرق مراتب کا لحاظ ضروری ہے لا الہ الا اللہ لا ادب سواہ۔

ف استخوان کو قوت دل کی اصلی حالت کا کھل جانا مثلاً ہر ہے بعض لوگ اسی وقت تک اللہ اور رسول کے عاشق ہیں جب تک راحت و آرام میں ہیں اور اگر کبھی کوئی مصیبت پیش آگئی تو ایسے کلمات زبان سے نکالتے ہیں کہ ایمان ہی رخصت ہو جاتا ہے۔ آج کل مسلمان ایسی آزمائش کے دوسرے گزر رہے ہیں۔ بعض جگہ پر مسلمانوں پر سخت مظالم و مصائب کا نزول ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ادب مسلمانوں کے ایمان کو سلامت و محفوظ رکھے۔

اللہم اماننا من العنوا والعاغیة فی الدنیا والاخرۃ ۔



باب شخصیت دہشتم

حدیث

جواز بکاء الرحمة علی المیت

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عاجزادی نے آپ کے پاس پیام بھیجا کہ میرا ایک بچہ مرد رہا ہے آپ ہمارے پاس تشریف لائیے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس سے میرا سلام کو اور (میری طرف سے) اکہدو کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ ہی کا ہے جو وہ لے لیں اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ دے دیں اور اللہ کے پاس ہر چیز کی منت مقرر ہے۔ پس تم صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔ عاجزادی نے پھر پیام بھیجا کہ میں آپ کو قسم دیتی ہوں آپ ضرور تشریف لائیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور حضرت سعد بن عبادہ اور صفاؤ بن جبل اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور بہت لوگ آپ کے ہمراہ چلے (جب گھر پر پہنچے) تو بچہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا راوی کا گمان ہے کہ صحابی نے یہ بھی فرمایا کہ اُس کا سانس پرانی مشک کی طرح (لول رلا) تھا تو وہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (ببادک) آنکھیں (آنسوؤں سے) بہہ پڑیں تو حضرت سعد نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیا؟ فرمایا یہ رحمت ہے، جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ودیعت کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے غم دلوں ہی پر تو رحمت فرماتے ہیں۔

شرح ظاہر حدیث اس پر مال ہے کہ رحمت کی وجہ سے روٹنا جائز ہے اس حدیث پر چند وجوہ سے مکتوب ہے۔

(۱۴۸) کسی کی موت کے وقت بزرگوں کو بلانا چاہیئے موت کی تکلیف کے وقت

بزرگوں کو بلانا چاہیئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے صدمہ کو بھڑپا کہ اُن کے بیٹے کی موت کے حادثہ میں تشریف لائیں اور (ظاہر ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت میں اور ہر زمانے میں تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

قوله منها استحضار ذوق افضل من معالجة الموت الى قوله افضل للباد۔

(۱۴۹) مصیبت زدہ کی تسلی کی جائے مصیبت زدہ کو مہر کی تلقین کی جائے اور اس کو تسلی دی جائے

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادی سے فرمایا قلتصبر و لتختب پس مہر کرو اور ثواب کی طلب کرو۔

قوله دليل على مراجعة صاحب المصيبة بالتصبر الى قوله و لتختب۔

یہ امور صوفیہ کے اخلاق میں داخل ہیں اُن کی دینیت ہے کہ میت کے پاس نزع کے وقت کسی عاتل و صالح کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے حاجی کلب

کے ایک مرید کا انتقال ہونے لگا تو وہ نزع کی حالت میں اپنے بھتیجی کا رو بار کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ لوگ کلمہ کی تلقین کرتے تھے مگر وہ اپنی دکان اور تجارت کی باتوں میں مشغول تھے۔ اُن کے بھائی بہت ہوشیار کھڑے تھے۔ انہوں نے کان پر مرنے لگا کر کہا بھائی صاحب کیا باتیں کر رہے ہو؟ حاجی صاحب تم کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ پس حاجی صاحب کا نام سن کر فہرہ ذہن دوسری طرف منتقل ہوئی۔ کہا حاجی صاحب کے لیے قالمین بچھاؤ و تعظیم سے بٹلاؤ پھر جو ذکر و فعل حاجی صاحب نے بٹلا دیکھا تھا اس میں مشغول ہو گئے اور ذکر اللہ کرتے کرتے ختم ہو گئے۔ پس بزرگوں کو کسی کی موت کے وقت بلانے میں بڑی مصلحت ہے ان کی میت

کو بھی قوت حاصل ہوتی ہے اور اہل بیت کو بھی تقویت ہوتی ہے۔

(۱۵۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کو بُلا یا جانے تو اس کو یہ بھی بتلادیا جائے کہ کیوں بُلا جا رہا ہے کیا کام ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ و سلم کی صاحبزادی نے اس طرح پیام بھیجا کہ میرا بچہ مر رہا ہے آپ تشریف لائیے تو انہوں نے تشریف آوردی کی درخواست بعد میں کی پہلے بچہ کی حالت سے اطلاع دی۔

قوله وفيه دليل على ان من السنة ان يخبر الذي يستدعي الى قوله
الا بعد ما اخبرته بعوت بنها۔

فمن ساهرت اور ادب کلام بھی اسلام کا بڑا جزو ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے کو اصلاح دیشانی اور کلفت نہ ہو المسلم من سلم المسلمون من لسانه و بعد میں ادب کلام بھی داخل ہے کہ بات صاف، ہولی چاہیئے، ہر معاملہ صاف ہونا چاہیئے۔ اس جزو کی طرف عوام تو عوام بہت سے غصہ کو بھی توجہ نہیں جھڑا اقدس حکیم ہمارے قدس سرہ نے اپنے تجدیدی کارناموں میں جہاں اور بہت ہی عظیم الشان ہے وہ آج بھنے دم بھرم اور دست بردارم کے حضرت کے علیہ السلام تو قدس سرہ اور نور و شرف و تہ سے کیا جا رہا ہے کیا کون اس دلت مل پر کیا گزری ہے۔

تغیر تعلیم از رائیٹ راجا و کلت لہاشم الجبال خزل کے دم خاک نہ ہوں گے وہ کے خاکہ کو بھیجیم نظر نہ کیے گئیں وہ کہ بڑا دل ہی بھیجئے وہ بھیجیم مت سہلئے وہ مہر و طری ہدیٰ وہ جو اپنے تھے دولہ دل سے مکان اپنی فرح گئے

۱۶ رجب شرف سے آنے والی بات کو دو ٹوک کی مغرب کے بعد مشاؤ کے وقت آفتاب شہدائیت غروب ہو گیا۔ دروازے کھلتے حضرت زیر زمین نکلے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب کون بہت و شفقت کے لیے سے ہوا نظر کر کے لے پکڑے گا۔ کون دست شفقت سر پہ میرے گا۔ کون ملی دلی کوتاہیوں پر تجھ کرے گا۔ اور کون عظیم قہار اور مہربان بلکہ کی تجھ کو ملی نے گا۔ کون اپنی بابرکت ہنس اور تضحیٰ مغزلفات سے تھیک دلوں کو کند کرے گا۔ ہاتھ پائے اللہ وانا الیہ راجعون۔ ہ فدر نفوسا لوکان یبقی لکان لہ عقل وھیل + اب بجز اس کے کہ دینا ما شہدائے صوفیہ

اسی غد میں اہتمام دی ہیں اُن ہی میں سے ایک کھانا سر یہ ہے کہ باب حسن معاشرت کو زور دے فرمایا۔ اس کے لئے کذاب معاشرت کے ہم سے مستقل کتاب تالیف فرمائی۔ ”بہشتی زبیر“ اور تعلیم الدین“ میں سلیقہ کی باتوں اور کذاب کے لیے جواب قائم فرمائے۔ اپنے قیمتی مخطوطات میں شب و روز اس پر تنبیہ فرمائی۔ انتہا یہ کہ وصال سے چند گھنٹے پہلے قریب مغرب کے دریافت فرمایا کیا وقت ہے؟ کیونکہ حضرت کو محسوس ہو گیا تھا کہ مغرب کے بعد وصالی محبوب کی گھڑیاں آنے والی ہیں (کسی نے جواب دیا: دس منٹ باقی ہیں۔ فرمایا مغرب کے آنے میں یا جانے میں؟ عالم نزع میں بھی ادب کلام کی تعلیم زبان فصیح ترجمان سے جاری رہی کہ اتنا کہ کافی نہیں کہ دس منٹ باقی ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ مغرب کے آنے میں دس منٹ باقی ہیں۔ اللہ اللہ اصلاح و تعلیم اور پابندی اصول اخیر لٹریچر حیات تک بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔ واقعی آپ کے لیے بجا طور پر اللہ تعالیٰ نے غلوب و حال میں لقب حکیم الامت محمد زالمات العا فرمایا تھا۔ ایک حکیم امت اور مجدد کی یہی شان ہونا چاہئے تھی کہ جس کام کے لیے دُنیا میں تشریف لائے تھے آخری وقت تک اس کو انجام دیتے رہیں۔ حقوق العباد اور امانات کا جس قدر اہتمام تھا زبان کی طاقت سلب ہونے سے پہلے اس پر بھی تنبیہ فرمائی۔ مطلق حالت و واقعات کے لیے احقر کا رسالہ حیات اثرات ملاحظہ فرمائیے اللہ عزوجل کسی رسالہ میں شائع ہو جائے گا۔

بہر حال حدیث میں کلام کے اس ادب پر تنبیہ ہے کہ جب کسی کو بُلا یا جائے تو اس کو جہ بھی بتا دی جاوے کہ کیوں بُلا یا جا رہا ہے؟ محض اتنا کہ کافی نہیں کہ آپ کو بُلا یا ہے اس سے متنبہ والے کو پریشانی ہوگی کہ نہ معلوم کیوں بُلا یا ہے اور میں کام کو بُلا یا ہے وہ ایسا کام ہے بھی یا نہیں جو بدو نہ ہو سکتا ہو اسی طرح بعض لوگ حضرت حکیم الامت (علیہ السلام) سے ملنے حضرت کے تذکرہ سے دل بہلائیں اور حضرت کے پیرائے درجہ اور ترکیب متاع کثرت کریں اور حضرت کی عظمت و فیض کو شعلہ وادہ بنا کر قہقہے کی کاسورت ہے۔ ایسی حالت میں علماء و محدث و تصنیفات کے دوازدہ ہزار اور دھڑے بھائی زندہ ہیں۔ اہل مسلمانوں میں سب کا احترام کرنا اور کعبہ حرم کی خدمت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ جنت ۷۴

قدس سرہ سے صرف اتنا عرض کرتے کہ توبہ دے دو یا ایک توبہ کی ضرورت ہے تو صاف فرمادیتے کہ میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔ جب وہ اپنی لٹلی پر تبتہ ہو کر عرض کرتا کہ فلاں کام کے لیے توبہ کی ضرورت ہے تو فرماتے کہ تم نے پہلے اس طرح کیوں نہیں کیا تھا؟ جانو آدمہ گھنٹہ کے بعد پوری بات کہہ کر توبہ مانگنا۔ آپ نے دیکھا کہ اس آداب کی تعلیم حدیث میں موجود ہے۔ مگر حدیث پڑھنے والے ان احکام کو اس سے نہیں سمجھتے بس! میں رفیع یدین اور قرأت فاتحہ وغیرہ اختلافی مسائل ہی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ان اتفاقی مسائل پر توجہ نہیں کرتے۔

(۱۵۱) چھوٹا بڑے کو قسم دے سکتا ہے جسے کو بھی قسم دے سکتا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ چھوٹا اپنے چنانچہ حضورؐ کی صاحبزادی نے دوسری مرتبہ جو پیام بھیجا اس میں قسم دے کر عرض کیا کہ آپ کو قسم ہے ضرور تشریف لائیے۔ اس کو باب حلفت اور یمن میں شمار نہ کیا جائے گا بلکہ طلب اور رغبت میں داخل کیا جائے گا۔ یہاں ایک سوال تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وسلم دوسرے پیام کے بعد بعض قسم دینے کی وجہ سے تشریف لے گئے یا اور کوئی وجہ تھی یا دوسری وجہ کے ساتھ یہ بھی ایک وجہ تھی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ پہلی بار کے جلنے پر آپ کیوں تشریف نہیں لے گئے حالانکہ آپ تو غیر صلہ کے ساتھ بھی رکت اور حسن خلق کا معاملہ فرماتے تھے اپنی بیٹی کے ساتھ نوازدہ زیادہ اس کا تصور ہونا چاہیئے تھا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وسلم کا پہلی بار جلنے پر نہ جانا اس لیے تھا کہ آپ کو یہ مسئلہ بتلانا تھا کہ ایسے موقع پر بتایا جائے تو جانا واجب نہیں اس کو دعوت نکاح اور دعوت ولیمہ پر قیاس نہ کیا جائے (کہ وہاں دعوت کے بعد جانا ضروری ہے) دوسرے آپ کو یہ بھی خیال ہوا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا (بلند) درجہ ہے کہیں اس کی وجہ سے صاحبزادی کو یہ گمان نہ ہو کہ آپ کے آنے سے بچنے کی موت تل جلنے کی یا کچھ دنوں کے لیے حضور

ہو جانے گی۔ اس لیے اذنا آپ نے اُن کو بتلادیا کہ اس معاملہ میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ چنانچہ کلمہ سمجھا ان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل عندہ باجن صبی اللہ تہلے جو کچھ لے لیں وہ بھی ان ہی کا ہے جو کچھ دیں وہ بھی ان ہی کا ہے اور ہر شخص کی ایک مدت اُن کے یہاں مقرر ہے۔ پھر ان کو اس موقع و حالت کے احکام بھی بتلادیتے کہ تم کو صبر کرنا اور ثواب حاصل کرنے میں کوشش کرنا چاہیئے۔

اسام باکث نے موطا میں (اسی کے مناسب) ایک روایت بیان فرمائی ہے کہ ایک عالم کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی، اُس کا انتقال ہو گیا تو اُن کو سخت صدمہ ہوا حتیٰ کہ لوگوں سے ملنا بھٹنا چھوڑ دیا (افادۂ علی کا دروازہ بند کر دیا) حالانکہ وکال (علم و فضل کی وجہ سے لوگ اُن کے (بہت) محتاج تھے۔ اب یہ حال ہو گیا کہ ان کے پاس سوالات آتے تو خادم سوالات کو لے کر گھریں جاتا اور ان پر جواب لکھوا کر لاتا اور لوگوں کے حوالہ کر دیتا۔ جب کچھ مدت تک یہی حال رہا تو ایک عابدہ نیک بلی کو بھی اطلاع ہوئی وہ اُن کے دروازہ پر پہنچی اور غلام سے کہا کہ مجھے ایک ضروری بات پوچھنی ہے مگر بالمشافہ پوچھوں گی بواسطہ نہیں کہہ سکتی۔ غلام نے کہا کہ میں تم کو اندر نہیں بھیج سکتا۔ چنانچہ سب لوگ تو (اپنا اپنا جواب لے کر) چلے گئے۔ یہ بلی دروازہ ہی پر بیٹھی رہی۔ غلام نے فریاد سے ان کو بھی جانے کے لیے کہا مگر وہ وہاں سے نہ نکلیں اور کہا جگہ حضرت سے ملنا ضروری ہے جب دیر تک بیٹھی رہیں تب خادم نے (مجبور ہو کر) شیخ کو اس کی اطلاع دی احمد نے گھریں آنے کی اجازت دی تو عرض کیا حضرت میرے کچھ چڑوسی ہیں جن سے میں نے کسی شادی میں جانے کے لیے چند زیورات عاریت لے گئے تھے انہوں نے مجھے وہ زیورات عاریت دیدیئے۔ پھر اُس شادی کے بعد بھی ایک مدت تک میرے ہی پاس وہ زیورات چھڑوئے گئے کہ ان کو استعمال کئے جانوں اور اپنا بناؤ سنگار کرتی رہوں۔ پھر اب وہ مجھ سے اپنے زیورات طلب کرتے ہیں مگر میرا دل واپس کرنے کو نہیں چاہتا (کیونکہ مدت تک پاس رکھنے سے مجھ اُن کی بہت سی ہر گئی ہے) بیٹانے فرمایا کہ اب تم کو ان کا اپنے پاس رکھنا

جائز نہیں۔ کیونکہ وہ تو عاریت تھے (تقداری ملک نہ تھے) اور عاریت کو بھنسا دیا کرتا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ کیا حضرت! میں نے تو ایک دن کے لیے مانگے تھے (انہوں نے برسوں میرے پاس رکھ پھڑسے) اب کیونکر وہ اب تو مجھے اُن سے محبت ہو گئی ہے) فرمایا اب تو واپسی میں اور جلدی کرنا چاہیے کیونکہ انہوں نے احسان پر احسان کیا (کہ ایک دن کی جگہ برسوں تمہیں استعمال کرنے کی اجازت دی) ان بی بی نے کوشش کی کہ وہ کچھ تو گنجائش نکال دیں مگر وہ سختی پر سختی کرتے چلے گئے (کہ اب انکار کی اصطلاح نہیں) تو ان بی بی نے عرض کیا حضرت! پھر آپ کی بیوی بھی تو اللہ تعالیٰ کی عاریت ہی تھی جو چند روز کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی تھی۔ پھر اپنی چیز لے لی۔ تو آپ کا یہ رنج و غم اور لوگوں سے الگ ہو کر بیٹھ جانا کس لیے؟ (آپ نے اللہ کی امانت کو خوشی کے ساتھ کیوں واپس نہیں کیا؟ رنج و غم کو لے کر کیوں بیٹھ گئے؟) اس پر ان بزدل نے اپنی حالت میں خود کیا دلائل بھجوائے کہ میں نے غلطی کی (اور بی بی کا شکریہ ادا کیا اور اسی وقت سے گھر کے باہر آنے لگے) اور افاداتِ علمی کا دروازہ کھول دیا۔ سبحان اللہ! حضراتِ مصلحت کی عورتیں بھی کسی بھگداز میں کہ بڑے بڑے علماء کو سبق دیتی تھیں اور اس زمانے کے علماء بھی کیسے تھے کہ ایک عورت کے متنبہ کرنے سے اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے تھے۔ اب تو ہم اپنے شیخ کے کہنے سے بھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے فالی اللہ المشتکی من فساد القلوب (-)

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی بار بکالنے پر نہ جانا اس لیے تھا کہ اپنے اور پرانے سب کو یکساں طور پر حکمِ شرعی سے مطلع فرادیں (کہ ایسی دعوت پر جانا لازم نہیں) اور دوبارہ بکالنے پر تشریف لے جانا اپنی بیٹی کی قسم پورا کرنے کے لیے بھی تھا اور اسی شفقت و رحمت کے مقتضاء پر عمل کرنے کے لیے بھی جو آپ کی فطرت میں ودیعت تھی اور عاجزِ ادبی کے لیے بھی جبکہ اس بات سے اطمینان ہو گیا جس کا پہلے احتمال پڑا تھا اس میں اپنی طرفی کی بھی دلیل ہے (جودلدی اور)

جز تقویٰ کے قائل ہیں (مگر دلدادی کے لیے یہ حدود بھی ہیں جن پر حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ اول منسہ مختلہ کا انسداد کر دیا جائے پھر دلدادی کی جائے۔)
 قوله وفيه دليل على جواز القسم على الخل الى قوله يقولون بجهلنا بالتقوىٰ۔

(۱۵۲) اہل فضل کے کرم سے قطعی طور پر نا اُمید نہ ہونا چاہیئے

حدیث میں اس پر اشارہ ہے کہ اہل فضل کے فضل (و کرم) سے قطعی طور پر نا اُمید نہ ہونا چاہیئے۔ اگرچہ وہ (ایک دوبارہ) جواب بھی دے چکے ہوں۔ چنانچہ حضورؐ کی صاحبزادیؑ نے قاصد کو دوبارہ بھیجا۔ مگر مکر رسول اللہ ﷺ نے سلام پہلی بار انکار فرما چکے تھے مگر وہ اس انکار سے قطعی مایوس نہ ہوئیں۔ دوبارہ پھر درخواست کی (یہ تو حقوق کے فضل و کرم کی طبعی حق تو اس ذات کے فضل و کرم کی طبعی کسی ہونے چاہیئے جس کا خل ہی کوئی نہیں؟ اسی لیے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ گنہگار بندہ (ایک دفعہ) اللہ جلّ سے دعا کرتا ہے وہ اعراض فرماتے ہیں۔ وہ دوبارہ پھر دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اب بھی اعراض فرماتے ہیں وہ پھر دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے فرشتو! کیا تم میرے اس بندہ کو نہیں دیکھتے؟ کیسا بار بار مجھے پکارتا ہا اور دعا کرتا رہا ہے؟ وہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی نہیں جس کو پکارے (اللہ جس سے کچھ مانگے) میں تم کو گواہ کرتا ہوں میں نے اس کو بخش دیا اور اس کی دعا قبول کی۔

فہم نے اللہ والوں کے فضل و کرم کا کھل آنکھوں مشاہدہ کیا ہے جو ان کو لگا پڑتا ہے وہ محروم نہیں رہتا۔

تا دم آخر دے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود
 بکھ اللہ وہ دم آخر میں بھی امیدواروں کو بشارتِ عالیہ و مبارک باد سے کامیاب فرما دیتے ہیں والحداف تکفیه الاشداد و دھج! بلغم میں صریح العبادۃ جب اللہ والوں کے فضل و کرم کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا کیسا پوچھنا؟ ان سے تو کسی حال بھی مایوسی جائز نہیں برابر عرض و معروض میں لگا رہنا

چاہیے۔ انشاء اللہ محروم نہ رہے گا۔ افسوس ہے کہ آج کل ہم لوگوں نے دُعا کی طرف سے بہت غفلت کر رکھی ہے حالانکہ حدیث شریف میں بڑی تاکید سے ارشاد ہوا ہے **لَنْ يَهْلِكَ مِمَّ الدُّعَاءُ أَحَدٌ**۔ دعا کے ساتھ ہرگز کوئی ہلاک نہیں ہو سکتا۔ دوستو! دعا کا التزام رکھو اور یہ جان کر دعا کرو کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جس کو پکارا جائے۔ کوئی نہیں جس سے کچھ مانگا جائے۔ کوئی نہیں جس کو حاجت دعا بکھا جاوے۔ کوئی نہیں جس سے مدد طلب کی جائے۔ انشاء اللہ محروم نہ رہو گے۔

(۱۵۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنی کے گھر میں بدون بلائے جانا جائز ہے بخلاف ولیم (وغیرہ خوشی کے مواقع) کے (کہ وہاں بدون بلائے نہ جانا چاہیئے) یہ احمد سے معلوم ہوا کہ سعد بن عبادہ و معاذ بن جبل و ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور جنہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ وسلم کے ساتھ چل کھڑے ہوئے حالانکہ حضورؐ نے ان سے کچھ نہ فرمایا نہ صاحبزادی نے اُن کو بلایا نہ ان حضرات نے اجازت طلب کی۔

افسوس ہے آج کل دنیا و غم کے گھر جانے کے لیے بھی بعض لوگ بلانے کے منتظر رہتے ہیں۔ حالانکہ گھر والا اس وقت خود اپنی پریشانی اور غم میں مبتلا ہوتا ہے اُس کو کسی کے بلانے کی فرصت کہاں ہوتی ہے؟ مسلمان آج کل ترقی کے تو طالب ہیں مگر اس کی بنیاد کو جو کہ اتفاق و اتحاد ہے خود اپنے ہاتھوں ہی سے کاٹتے جاتے ہیں۔

چھوٹ مسلم کو کر رہی ہے تباہ آہ! لوہے کو کھا رہا ہے زنگ
اڑ کے وہ آسمان پر پہنچے ہم ابھی تک اُٹھا ہے ہیں ہنگ

(۱۵۴) موت کی شدت یا خفت شقاوت یا سعادت کی علامت نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کی شدت اور خفت کو شقاوت یا سعادت کی علامت نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ بچہ (جس کی موت کا حال حدیث میں ہے) مکمل

ذمہ (بلکہ معصوم تھا) بایں ہمہ اس پر موت کی شدت ہو رہی تھی اس میں جو کچھ حکمت ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے موت فناء (اجانم کی موت) کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دو گروں میں سے ایک میں جبری پہنچا دیتی ہے (تو اس کو بری علامت نہ سمجھنا چاہئے اور بعض احادیث میں جو ایسی موت سے پناہ مانگی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں انسان کو وحیت وغیرہ کا موقع نہیں ملتا۔ نیز ایسی موت سے اندوں کے دلوں پر سختہ و سختی گئی ہے اُن کے دل دہل جاتے ہیں) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے جس پر وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچا تھا تو اس پر موت میں کٹتی کی جاتی ہے تاکہ اس درجہ پر پہنچ جائے۔

ف اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ اضطراب سے بھی ترقی ہوتی ہے فی جہت من قال بہ۔

(۱۵۵) ادب یہ ہے کہ بڑا آدمی گفتگو کی ابتداء کرے یہ ہے کہ بڑا آدمی پہلے گفتگو کرے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت سعد بن عبادہ نے اول گفتگو کی۔ حالانکہ جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا سب ہی دیکھ رہے تھے مگر ایک نے دوسرے کا ادب کیا۔ کیونکہ اُن کی عادت سے یہ بات معلوم ہے کہ گفتگو شروع وہی کرتا تھا جو سب مقدم (و مسلم ہو) پس حضرت سعد بن عبادہ نے گفتگو کا افتتاح کیا (کیونکہ وہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال میں ادب (و تہذیب) کی رعایت ضروری ہے اور یہ کہ سوال سے پہلے بزرگوں کا نام بھی (ادب سے) لیا جائے۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ما هذا؟ یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ تو پہلے حضور کا نام ادب سے لیا پھر ادب سے سوال کیا اور سوال میں بھی اختصار و ملحوظ رکھا اس فن پر کچھ زیادتی نہیں کی۔

(۱۵۶) آنسو نکلنے کی عام وجہ صبح نہیں بلکہ اس کی حقیقت رحمت و رستہ حدیث سے معلوم ہوگا کہ آنسوؤں

کی حقیقت اور اُن کے سبب کے متعلق جو باتیں لوگوں نے بیان کی ہیں سب انہیں لوگوں نے اس کے متعلق پانچ چھ باتیں یا اس کے قریب بیان کی ہیں جن میں سے ایک بات کو (عام طور سے) اچھا سمجھا گیا ہے کہ گناہوں کی شرمندگی سے دل کو پسینہ آتا ہے (وہ آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے نکلتا ہے) اسی سے اور باتوں کو بھی بتایا گیا ہے مگر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بتلادیا ہے کہ یہ بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک چیز ہے جس کو رحمہل بندوں کے دل میں ودیعت کر دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فانما رحمہ اللہ من عبادہ الرحماء (کہ اللہ تمنا لے اپنے بندوں میں سے رحمہلوں ہی پر رحم فرماتا ہے) اس بات کو بتلاتا ہے کہ یہ آنسو اس رحمت کی وجہ سے نکلتے ہیں جو رحمہل مومنوں کے دلوں میں رکھی ہوئی ہے تو جیسا کہ علوم میں کچھ (کی طاقت) اس نور سے پیدا ہوتی ہے جو علماء کے قلوب میں ہوتا ہے اسی طرح یہ آنسو ان رحمہلوں کی آنکھ سے بہتے ہیں جن کے دلوں میں رحمت ہے یہ بھی حکیم کی ایک حکمت ہے۔

فانما رحمہ اللہ من عبادہ الرحماء سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تمنا لے اسی پر رحمت فرماتے ہیں جن کے دلوں میں رحمت (کاملہ) ہے یعنی رحمہ والوں کے سوا کسی پر رحمت نہیں فرماتے۔ اب یا تو اس کو ظاہری پر رکھ جائے اور کلام کے حصر و رفل کر کے دوسروں سے رحمت کی نفی کر دی جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حصر مقصود نہ ہو بلکہ اہل رحمت کے لیے حکم رحمت کو ثابت کرنا مراد ہو۔ دوسروں سے نفی مراد نہیں۔ جیسے بولتے ہیں انما ابلیس یوسف بس حسین تو یوسف علیہ السلام ہیں۔ جس سے ان کے لیے من و جمال ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ دوسروں سے نفی کا قصد نہیں ہوتا (اہل بلاغت کی اصطلاح میں یوں کہنا چاہیے کہ حصر حقیقی مراد نہیں بلکہ حصر اضافی ہے یعنی دوسروں سے خاص درجہ حسن کی نفی مقصود ہے مطلق حسن کی نفی نہیں۔ اسی طرح یہاں پر رحمہلوں کے لیے خاص درجہ کی رحمت ثابت کر کے بے رحموں سے اس درجہ کی نفی کی گئی ہے مطلق رحمت

کی نفی نہیں کی گئی، اور کبھی ایسے کلام سے (جس میں لفظ انما لایا گیا ہو) صرف استحقاق کا بتلانا مقصود ہوتا ہے، صحر کا قصد نہیں ہوتا نہ حقیقتہً نہ اضافتہً (یسے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ان الذین آمنوا وھاجروا وجاهدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ۔ بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور ہاجر ہو گئے اور جنہوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، ان لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔) یہاں بھی کلام میں صحر بے کیونکہ خبر کے معرّف ہونے سے نفی صحر پیدا ہو جاتے ہیں مگر مطلب یہ ہے کہ ان کو وعدہ اللہ کی امید کا حق ہے اور دوسرے جو رحمت کے امیدوار ہیں وہ بلا وجہ امیدوار ہیں تو یہاں بھی دونوں معنی کا احتمال ہے (ایک یہ کہ صحر مقصود ہو مگر صحر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے کہ یہی لوگ اپنی اُمید میں حق بجانب ہیں۔ دوسرے کو امیدوار ہیں مگر اُن کی امید بلا سبب دوسرے یہ کہ مقصود صحر نہیں بلکہ) ان لوگوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ استحقاق رحمت کا حکم بیان کر دیا گیا۔ دوسروں سے نفی مقصود نہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے کچھ جھونکے (وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں جس کو اللہ چاہتے ہیں) ان کی ہوا، پہنچا دیتے ہیں (اس کے لیے مہاجرین و مجاہدین کو نا شرط نہیں بلکہ ایمان بھی شرط نہیں۔ بعض دفعہ کافر کو بھی رحمت کا جھونکا لگ جاتا ہے تو اس کو ایمان کی توفیق ہو جاتی ہے) خواہ اس میں رحمت (کا مادہ) ہو یا نہ ہو۔

نیز حدیث میں آیا ہے کہ (قیامت کے دن) انبیاء و رسل اور ملائکہ اور علماء و صالحین شفاعت کریں گے پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے انبیاء، شفاعت کر خیم، بلکہ شفاعت کر پچے نیک بندے شفاعت کر پچے۔ اب ارحم الراحمین کی شفاعت باقی ہے پھر اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر کر (اور بعض روایات میں ہے کہ تین دفعہ دونوں ہاتھ بھر کر) بعض ایسے آدمیوں کو جہنم سے نکالیں گے جن کو (انبیاء و رسل کے خیال میں) قرآن نے جہنم میں بیکس کر دیا تھا۔ یعنی یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو سب کے سب کافر سمجھا کر جہنم میں چھوڑ دیے گئے۔ اسی لیے کوئی اُن کی شفاعت نہ کرے گا مگر وہ واقع میں کافر

نہ تھے مومن تھے۔ لیکن ایمان اتنا کمزور اور نھنی تھا کہ انبیاء و صلحاء کو بھی ان کے ایمان کا پتہ نہ لگے گا۔ ارم الراحمین عالم الغیب ان کو خود اپنی رحمت سے کسی کی شناخت کے جنم سے نکالیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رحمتِ مطلقہ رحمدلوں کے واسطے مخصوص نہیں۔ البتہ اگر رحمت سے مراد ایمان ہو اور ایمان سے مراد ایمان کامل ہو تو یہی لوگ حقیقت میں رحمت کے مستحق ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اس رحمت کے ساتھ اہل ایمان ہی مخصوص ہیں یعنی کاملین اور ایسی رحمت سے خشوع پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خشوع کی مدح فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے وَالَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ پس حدیث اپنے ظاہری معنی پر معمول ہوگی کیونکہ اس صورت میں حکم ان ہی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر کیا جا رہا ہے اور دوسروں سے جن میں ایمان نہیں مطلقاً رحمت کی نفی ہے اور مومنین سے مطلقاً نفی نہیں بلکہ خاص رحمت کی نفی ہے۔ ورنہ مطلق رحمت ان کے لیے یقیناً ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ لِمَنْ يَشْرِكُ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔ اللہ تعالیٰ اس گنہ کو معاف نہیں فرمائیں گے کہ ان کے ساتھ (کسی کو) شریک کیا جائے اس کے سوا (اگر گناہوں کو) جس کے لیے چاہیں گے معاف فرمادیں گے (پس ہر مومن کے لیے استحقاقِ مغفرت ثابت ہے اور مغفرت بھی رحمت کا ایک فرد ہے۔)

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی کا نفاق کامل ہو جاتا ہے تو اس کی آنکھیں اس کے اختیار میں ہوتی ہیں جب چاہتا ہے ان کو ہٹا دیتا ہے۔ بقا ہر دونوں صورتوں میں تعارض ہے کیونکہ اُنسوا لیسوا برابر ہیں (ایک حدیث میں ان کا سبب رحمت کو قرار دیا گیا دوسری میں نفاق پر مبنی کیا گیا) جواب یہ ہے کہ ہاں ظاہر میں تعارض مسلم ہوتا ہے مگر شرط پر نظر کرنے کے بعد کچھ تعارض نہیں رہتا۔ کیونکہ جس اُنسوا کا سبب کمال نفاق فرمایا گیا ہے یہ وہ ہے جو بجا بھاپنے

اختیار سے نکالا جائے اور رونے کے موقع پر روک لیا جائے جیسے ہر زمانے میں لوگ ان مسکینوں کی حالت سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں جو غلطے بنا کر لوگوں کو جمع کرتے ہیں پھر اپنی حالت بیان کرتے ہیں کہ ہم ایسے تھے ہم ویسے تھے اور یہ تمام بیان غلط اور جھوٹ ہوتا ہے جس کا حمد ہوتا ان لوگوں کو جو ان کے اصول و فروع سے واقف ہیں اچھی طرح معلوم ہوتا ہے پھر جب وہ اپنا پورا حال بیان کر چکے ہیں تو بے تحاشا رونے لگتے ہیں۔ بادش کی طرح اُن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر نادانقت لوگ گمان کرتے ہیں کہ اُس نے جو کچھ کہا سچ کہا ہے (بھلا جھوٹ باتیں کر کے بھی کوئی اس طرح رویا کرتا ہے) پھر اس پر ترس لیا کہ ہر ذرت سے صدقہ و خیرات کی بادش ہونے لگتی ہے۔ ایسے واقعات ان لوگوں سے بہت منتقل ہیں چنانچہ وہ کتاب جو بنو ساسان کی طرف منسوب ہے جس میں اُن کے حالات (عروج و نزول) کا ذکر ہے وہی اس کے ثبوت کو کافی ہے (دکر رونما اختیاری بھی ہوتا ہے کیونکہ جو لوگ اس کتاب کو پڑھ کر روتے ہیں ان کا روننا بناوٹی ہے) لوگ اُن کی حالت کا برابر معائنہ کرتے ہیں اور جس رونے کی اس حدیث میں خبر دی گئی ہے (کہ اُس کا منشاء رحمت ہے) یہ وہ ہے جو کسی سبب سے پیدا ہو۔ مثلاً موت کو یاد کر کے یا کسی کے حال پر ترس کمانے سے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو اس موقع پر نکلے جبکہ آپؐ نے بچہ کو موت کی سختی برداشت کرتے ہوئے دیکھا۔ حالانکہ وہ کس (معلوم) تھا یا اللہ کے خوف سے رونانا ہے یا اور کسی حالت کے سوچنے سے رونے لگے۔ جیسا منتقل ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو وہ بہت زیادہ رورہی تھیں۔ پوچھا اے فاطمہ کیوں رورہی ہو؟ عرض کیا کہ میں قبر میں جانے کو سوچ کر رونے لگی (کہ دیکھئے وہاں کیا حال ہو؟ اللہ! اللہ نبی کی عاجز راوی کو تو قبر کا اتنا فکر اور ہم لوگ آج کل کیسے بے فکر ہیں) تو یہ سب ایک ہی قسم کا روننا ہے۔ جس کو ایمان کامل کی حقیقت متعین ہے اور یہیں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں کہ یہ اللہ کی رحمت ہے، نونا

پراشادہ کیا ہے، جنس پراشادہ نہیں فرمایا (مطلب یہ ہے کہ جو روٹا میرے اس روٹنے کی قسم سے ہو اُس کا منشاء رحمت ہے یہ مطلب نہیں کہ ہر روٹنے کا منشاء رحمت ہے۔ اب دونوں حدیثوں میں کچھ تضاد محسوس نہ رہا، جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سعد بن عبادہ اور جو صحابہ اُس وقت تھے ان میں سے کسی کی آنکھ سے بھی آنسو نہیں نکلا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی روٹے اور آپ کے روٹنے کا منشاء کمال ایمان تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق سب سے زیادہ کامل ایمان والے ہیں۔ اسی لیے آپ نے اپنے صاحبزادہ ابراہیم (علیہ السلام) والنجیۃ کے انتقال کے وقت فرمایا تھا قد مع العین ویحزن القلب ولا نقول ما یسخط الرب۔ ”آنکھیں رو رہی ہیں دل غمگین ہے مگر (زبلیں و دل) سے ہم ایسی بات نہ کہیں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناگوار کرے۔“ کیونکہ موقوفہ پر روٹنا اور غم کرنا ایمان کا مقتضی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی تلافی کے اسباب کو ترک کرنا ایمان کا مقتضی ہے۔

ف حقیقت یہ ہے کہ عطار کی طویل تقریر سے بھی یہ مقام پوری طرح حل نہیں ہوا۔ یہ اشکال ہنوز باقی ہے کہ اگر ایسے مواقع پر روٹنا کمال ایمان کا مقتضی ہے تو کیا یہ حضرات صحابہ ان صوفیوں سے بھی ناقص الایمان تھے جن کے روٹنے کو شاعر نے کمال ایمان میں داخل کیا ہے اور اس کا کوئی قائل نہیں ہو سکتا۔ حضرات صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ضرور ناقص تھے مگر دوسروں کی نسبت سے ہرگز ناقص نہ تھے۔ پس اگر ایسے موقوفہ پر روٹنا صوفیوں کے کمال ایمان کی دلیل ہے تو یہ دلیل صحابہ میں کیوں نہ پائی گئی۔ جو کچھ میر تقی میر میں حدیث کا مطلب آیا ہے وہ عرض کرتا ہوں۔ فان کان موہا فسن الله ورسوله وان کان خطاء فسن نفسی۔ میرا خیال یہ ہے کہ حضرات صحابہ بھی اس وقت دل سے ضرور روٹے اُن کے دلوں پر بھی رقت طاری ہوئی مگر انہوں نے یہ سمجھ کر کہ روٹنا کمال صبر کے منافی ہے شدت ضبط سے کام لیا اس لیے اُن کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلے۔ جب

دول اللہ علیہ السلام کو روئے ہونے دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ کیا (کیونکہ وہ تر روئے کو مطلق صبر کے خلاف سمجھتے تھے) حضورؐ نے بتلادیا کہ آنکھوں سے آنسو نکل آنا صبر کے خلاف نہیں صبر کے خلاف جزع فزع ہے کہ چلا کر روئے اور زبان سے بیان کرے اور ایسے موقع پر آنکھوں سے آنسو نکل آنا جبکہ اپنے عزیز کا انتقال ہو رہا ہو دلی ہمدردی اور رحمت کا متقاضی ہے۔ بعض دفعہ دل ہمدردی اور رحمت کے غلبہ سے آنسو نکل آتے ہیں۔ پس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ آنکھوں سے آنسو کا نکلنا رحمت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر اگر آنسو بہنے لگیں تو ان کا منشاء قلبی رحمت ہے اور اس سے حضراتِ مہابہ بھی خالی نہیں دل اُن کے پی پی کی دہے تھے مگر وہ ضبط سے کام لے رہے تھے۔ حضورؐ نے بتلادیا کہ اتنے ضبط کی ضرورت نہیں زبان کو اور دن کو قابو میں رکھنا چاہیے کہ دل میں اللہ کی شکایت پیدا نہ ہو، اس کے حاکم و حکیم ہونے کو دل میں مستحضر رکھے اور زبان سے کوئی بے جا بات نہ نکلنے پائے۔ پس اب حدیث پر کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ کیونکہ حاصل یہ ہوا کہ شرط کا ایان ایسے موقع پر دل سے رونما دل کا پسینا ہے اور صحابہ اس سے محروم نہ تھے آنکھوں سے آنسو نکلنا شرط کمال ایان نہیں کیونکہ وہ اختیار میں نہیں اور امور غیر اختیار یہ پر کمال ایان موقوف نہیں ہو سکتا لیکن اگر اس موقع پر آنسو نکل آئیں تو یہ بھی مذموم نہیں نہ صبر کے خلاف نہ بلکہ اُسی رحمت قلبی کا اثر ہے جو شرط کمال ایان ہے اور یقیناً دل میں اپنے عزیزوں، قرابت داروں اور بچوں کے ساتھ ہمدردی و رحمت کا ہونا کمال ایان کا متقاضی ہے۔ ان کی وفات پر دل مفرور گھبنا چاہئے ورنہ قنات ہوگی و ابعاد الناس من اللہ القلب القاسی سجد لآدی اللہ تعالیٰ سے بُت دُور ہے۔ اس تقریر کے بعد یہ اشکال بھی حدیث پر نہ رہا کہ دوسری حدیث میں تو آنسوؤں کو کمال نفاق سے سبب بتلایا ہے۔ کیونکہ حضورؐ کے اس ارشاد کا کہ یہ آنسو رحمت کے ہیں یہ مطلب نہیں کہ ہر آنسو رحمت ہی سے نکلتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر آنسوؤں کا نکل آنا رحمتِ قلب کی وجہ سے ہوتا

ہے۔ نیز حدیث میں آنسوؤں کی حقیقت کا بیان نہیں مگر سبب قریب کا بیان ہے۔ شاعر علیہ السلام کو ان چیزوں کی تحقیق سے کوہ غرض نہیں بلکہ سبب قریب بنگلہ دینا مقصود تھا تاکہ اس کو مبر کے خلاف کہنے کا شبہ دفع ہو جائے۔ واللہ اعلم

(۱۵۷) اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے کہ وہ گریہ زاری بہت کرتے ہیں۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے گریہ کو اس رحمت کا اثر قرار دیا ہے جو قلوب میں رکھی گئی ہے۔ چنانچہ بعض مثنویا سے منقول ہے کہ وہ بہت رو دیا کرتے تھے جس سے اُن کی آنکھوں میں آشوب ہو جی۔ لوگ کسی طبیب کو لانے اُس نے کہیں اس شرط سے علاج کر سکتے ہوں کہ جب تک آشوب کا اثر باقی رہے آپ دفنا موقوف کر دیں۔ فرمایا ایسی آنکھ کس کام کی جس سے رو یا نہ جائے۔ بخدا میں اس شرط کو منظور نہیں کر سکتا اور مجھے تمہاری دعا کی بھی ضرورت نہیں بلکہ روتے روتے مری جاؤں گا اور بھلا غزوہ کی تسلی کا سامان آنسوؤں کے سوا بھی کسی چیز میں ہے ؟

ف اور پر تلا یا جا چکا ہے کہ رحمت کا اثر حقیقت میں دل کا درنا ہے۔ انسوؤں سے
 درنا ضرور نہیں۔ اگر کسی کا دل روتا ہو آنسو نہ نکلتے ہوں اس کو پریشان نہ ہونا
 چاہیے کیونکہ مقصود حاصل ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر دل کے رونے کے
 ساتھ آنکھیں بھی رونے لگیں تو اس میں ظاہر و باطن کا اجتماع ہے اور یہ صورت
 افضل ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں گزر چکا ہے ورجل ذکر اللہ تعالیٰ
 ففاضت عینا لا کر قیامت میں جن سات شخصوں کو عرضش کا سایہ نصیب ہو
 گا ان میں ایک وہ شخص بھی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کیا تو
 اس کی آنکھیں بہنے لگیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھ کا درنا
 بھی پسند ہے اسکا لیے ایک حدیث میں ہے فان مد تبکون فتنبا کوا
 کہ اگر تم کو درنا آئے تو رونے کی صورت ہی بنالیا کرو۔ اسی وجہ سے
 ضوفیہ کو گریہ و زاری محبوب ہے اور اس میں وہ اپنی آنکھیں جاتی رہنے کا
 بھی پر راہ نہ کرتے تھے۔ ۱۰ مترجم

(۱۵۸) موت کو یاد رکھنا چاہیے جو یقیناً آنے والی ہے کا بڑا ناز و

یہ ہے کہ اس یقینی موت وقت کو یاد رکھا جائے (یعنی موت کو جس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا اور اس کے ملنے سے پہلے سامان کی تیاری کر لی جائے، کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے کسی عزیز سے موت کو نہیں روک سکے اور خود اپنے سے بھی نہیں روک سکے تو دوسروں کا کیسے ہو چکا؟ جس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے کل نفس ذائقة الموت کہ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ بعض حکماء نے خوب فرمایا ہے ۔

ولولایت الدنيا تدومنا هلها لكان رسول الله حيا و باقيا

فحبك يا هذا اذا كنت حاقلا مقبلا وكن فيها لوازل و داعيا

اگر دنیا کی زندگی کسی کے لیے ہمیشہ رہا کرتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور زندہ باقی رہتے۔ پس اگر تو حاقل ہے تو تجھے اتنا کافی ہے کہ دنیا کو قیلو ل کی جگہ سمجھ اور اس میں اپنے تو خڑا راہ کو محفوظ کر لے اور بدون سامان کے موت کے مزہ میں جانے سے بچتا رہ کہ تیرے ہاتھ ققو سے خالی ہو گا اور موت کا وقت آ جائے (اللہ کا تابعدار بندہ بن جا کیونکہ موت یقیناً کسی کی کسی وقت دفعہ آ جائے گی۔ قولہ و هذا اشارة و هي ان اهل الفضل لا يقطعوا يأس من بعد الى قوله فالحمام لك مناجاتي ۛ

ف مراقبہ موت و ذکر موت صوفیہ کا خاص شعار ہے، یہی چیز ہے جس نے اُن کی نگاہ میں دنیا کو حقیر کر دیا ہے۔ اسی نے اُن کے لیے ترک لذات و مہادات کو آسان کر دیا ہے۔ اس پر بعض نوجوانوں نے اعتراض کیا ہے کہ صوفیہ یہ فیلولو دہر کے پٹنے کو کتنے جی جھونکا تھوڑی دیر کے لیے ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ راحت کم کر دکھام زیادہ کر دو۔ ۛ

عہ شدہ ڈاکٹر ذکی مہدی صحری مصنف کتاب الاخلاق عن مغزائ ۛ

نے اسلام کا جو نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے یہ وہ اسلام نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پیش فرمایا ہے۔ وہ اسلام تو فتوحات اور حصولِ سلطنت کا دین ہے جس کے لیے علاقوں و دنیا کا بقا لازم ہے اور مصوفیہ نے جو اسلام پیش کیا ہے اس میں ترکِ علاقوں و دنیا لازم ہے جو رہبانیت ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دنیا کی محبت اور اُس کے علاقوں دل میں باقی رکھ کر فتوحات اور حصولِ سلطنت کی ہرگز تعلیم نہیں دی۔ بلکہ قلب کو حبِ دنیا اور اس کے علاقوں سے پاک کرنے کے بعد جہاد کی تعلیم دی ہے۔ اسی لیے حدیث میں وارد ہے واللہ اعلم بہن یقاتل فی سبیل اللہ فی خوب جانتا ہے کہ اس کے راستے میں جہاد کرنے والا کون ہے؟ یعنی جو شخص نام و نمود یا محبت قوم و ملت وطن کے لیے قتال کرتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ نہیں۔ اب ہم کو بتلایا جائے کہ یہ درجہ اخلاص و غلوں کو اُس شخص کو کیسے حاصل ہو سکتا ہے جس کا دل حبِ دنیا اور علاقوں و دنیا سے پاک میں۔ پس مؤیدِ جہاد فی سبیل اللہ کے شکر نہیں بلکہ نام و نمود اور غرضِ نفسانی کے لیے جہاد کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے چاہی وہ حالت بناؤ جو مما بہ کی تھی دجال لا تلہیہم تجادۃ ولا بیع من ذکواللہ و اقام الصلوۃ و اتوا الزکوۃ یتخافون یوما یتقلب فیہ القلوب و الابصار۔ وہ ایسے لوگ تھے جن کو بیع و شراء اور دنیا کے تمام کاروبار اللہ کی یاد سے نازک پابندی سے زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتے تھے۔ وہ اس دن سے ڈرتے تھے جس میں آنکھیں اور دل اُلٹ پلٹ ہو جائیں گے الذین مکناہم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ و امروا بالمعروف و نہوا عن المنکر۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر سلطنت عطا کر دیں تو نازکی پابندی کریں، زکوۃ دیں نیک کاموں کا امر کریں۔ بُرے کاموں سے روکیں۔ یعنی جہاد سے اُن کی غرضِ محض اللہ کا بولی بالا کرنا اور زمین کو فواہش اور فساد سے پاک کرنا تھی۔

واللہ اعلم باللہ علیکم اذکنتم اعداء قالعت بین قلوبکم فاصبحتہم ضیاعا و ان

اُن پر اللہ کا یہ انعام تھا کہ وہ پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اُن کے دلوں میں ایسی الفت پیدا ہو گئی کہ اللہ کے فضل سے سب بھائی بھائی ہو گئے اور یہ صفت بدوں اتفاق کے نہیں ہو سکتی اور اتفاق خود غرضی اور ذاتی منافع سے قطع نظر کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ محبت دنیا و علائق دُنیا سے پاک ہو جائے اس لیے ارشاد ہے لایوں احد کہم حتیٰ بحب لاغیہ حایب لفضہ۔ کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس نے اپنے بھائی کے واسطے وہی نہ چاہا ہے جو اپنے واسطے چاہتا ہے۔ صحابہ کی یہی شان تھی دینو ثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصامة۔ وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے اگرچہ خود ان کو کیسا ہی فائدہ ہو اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے واسطے کرتے تھے۔ وطنیت یا قومیت کے جذبہ سے نہ کرتے تھے۔ صوفیہ مسلمانوں کو ایسا ہمہ برد بنانا چاہتے ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کے واسطے کام کرنے والے ہوں۔ مگر لوگ اُن کی تعلیم کا ٹھکانہ اڑاتے اور دوسرے طریقوں سے کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ اور برابر ناکامی کا ٹنڈ دیکھتے ہیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ صوفیہ محققین رہبانیت کی تعلیم دیتے ہیں۔ بتلایا جائے کہ مسلمانوں کے طر وچ کا وہ کون سا زمانہ ہے جس میں صوفیہ جہاد سے الگ ہو کر بیٹھ گئے تھے ہندوستان میں تو صوفیہ نے بڑے بڑے کامائے کئے ہیں اور تاریخ گوہ ہے کہ اُن ہی کے دم سے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت زیادہ ہوئی ہے۔

ف یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ صوفیہ نے جو مہادہ نفس اور ترک لذات و ترک ملائق کی تعلیم دی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ساری طر ترک لذات اور ترک ملائق ہی میں گزار دے۔ بلکہ متوازنہ و دونوں کے لیے ایسا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں اچھی طرح پیوست ہو جائے۔ کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ کسی کام میں خواہش نفس کا نبیل نہ ہو جو کام ہو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ قل ان ملائق و نسکی و معیای و معانی

دکھ ہے۔ ایک نے مدرس کو اور تبلیغ و اشاعت اسلام سے کسی کو بھی سرکار نہیں۔ یہ جو دے شک خلافتِ سنت ہے۔ صوفیہ کو لازم ہے کہ اپنی خانقاہوں سے اصحابِ نفوسِ قدسہ کو مختلف مقامات میں تبلیغ احکام و اشاعت اسلام کے لیے تیننات کریں۔

قلماء پر فرض ہے کہ ایک جماعتِ بے‌غین کی تیار کر کے اطراف و جوانب میں روانہ کرتے رہیں جن کا کام تحصیلِ چندہ نہ ہو بلکہ خدمتِ اسلام و تبلیغ احکام ہو۔ اگر اس فریضہ کو اچھی طرح ادا کیا جائے تو اُمید ہے کہ محنتِ زندگی مٹی زندگی میں تبدیل ہو جائے گی۔



حدیث

الرؤیا فی تعذیب العصاة

سمرقہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (صبح) پڑھ کر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے رات کو کسی نے خواب تو نہیں دیکھا؟ اگر کوئی دیکھتا تھا تو عرض کر دیا کرتا تھا آپ کچھ تعبیر ارشاد فرمایا کرتے۔ عادت کے موافق ایک بار ہم سے پوچھا کہ رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کوئی نہیں۔ فرمایا آج کی رات میں نے دیکھا ہے کہ وہ شخص میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر ارض مقدس کی طرف لے چلے۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں لوہے کا زنجیر ہے، اس بیٹھے ہونے کے نکلے کو اس سے جبریں رہا ہے یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچتا ہے۔ پھر دوسرے نکلے کے ساتھ بھی یہی معاملہ کر رہا ہے اور وہ نہ اس کا دست ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ وہ دونوں شخص بولے آگے چلو، ہم آگے چلے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی پر گزر بٹھا جو لیٹا ہوا ہے اور اس کے سر پر ایک شخص بڑا بھاری پتھر لیے کھڑا ہے۔ اس سے اس کا سر زور سے چھوڑتا ہے۔ جب وہ پھر ملتا ہے پتھر لڑھک کر دھج جاتا ہے وہ اس کو اٹھانے کو جاتا ہے تو لوٹ کر واپس نہیں

۷۷ مراد بیت المقدس ہے۔ کلاں تاریخ ۱۲

آنے پا کر اس کا سرا جھا غما جیسے پہلے تھا ویسے ہی ہوا۔ آسے اور وہ پھر اس کو اسی طرح پھوڑا ہے۔ میں نے پُرچا یہ کیا ہے ؟ وہ دونوں بولے آگے چلو۔ ہم آگے پہلے اور ایک غار پر پہنچے جو تھوڑی طرف تھا نیچے سے پوڑا اُپر سے تنگ اس میں آگ جل رہی ہے اور بہت سے نکلے مرد اور ننگی عورتیں اس کے اندر (بھرے ہوئے) ہیں جس وقت آگ اُپر کو اٹھتی ہے وہ سب بھی اُپر کو اُٹھتے ہیں۔ یہاں تک کہ نکلنے کے قریب ہو جاتے ہیں۔ جب آگ نیچے کو نیچے جاتی ہے وہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں۔ میں نے پُرچا یہ کیا ہے ؟ وہ دونوں بولے آگے چلو۔ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک نر پر پہنچے جس میں خون بھرا ہے ایک شخص اس میں کھڑا ہے نر کے درمیان کندہ پر دوسرا شخص کھڑا ہے اس کے سامنے پتھر پڑے ہیں۔ جب وہ پہلا شخص کنارہ کی طرف آتا اور نر سے نکلنا چاہتا ہے دوسرا اس کے ٹھٹھ پر پتھر مارتا ہے اور جہاں سے آتا ہے اسی جگہ لوٹا دیتا ہے۔ جب وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے اسی طرح پتھر نر پر مار کر واپس کر دیتا ہے۔ میں نے کہا یہ کیا ہے ؟ بولے آگے چلو۔ ہم آگے چلے۔ یہاں تک کہ ایک سرسبز باغ میں پہنچے جس میں بڑا درخت تھا اُس کی جڑ میں ایک بزدل بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس بست سے نیچے تھے اور درخت کے پاس ہی ایک اور شخص تھا جن کے سامنے آگ تھی وہ اس کو بھڑکا رہا ہے۔ یہ دونوں مجھے لے کر درخت پر چڑھے اور ایک گھر میں لے گئے جس سے زیادہ خوبصورت مکان میں نے نہیں دیکھا اور اس میں بوڑھے اور جوان مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں بچے بھی تھے۔ پھر اُس سے نکال کر دوسرے گھر میں لے گئے، وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت تھا۔ اس میں بھی کچھ بڑھے تھے کچھ جوان تھے۔ میں نے کہا کہ تم دونوں نے مجھے رات بھر گھمایا۔ اب یہ بتلاؤ کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے یہ کیا تھا ؟ بولے ہاں اب بتاتے ہیں۔ وہ شخص جس کا کتہ چیرا جا رہا ہے وہ جھوٹا آدمی ہے جس کی ثبوت بات لوگ سن کر تمام جہان میں پھیلاتے ہیں۔ اس سے قیامت نکلا۔

یہی معاملہ ہوتا رہے گا اور جس کا سر پھوڑا جا رہا ہے یہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا۔ وہ اس کو چھوڑ کر رات بھر سوتا ہے اور دن میں بھی عمل نہیں کرتا۔ اس سے قیامت تک یہی معاملہ ہوتا رہے گا اور جن لوگوں کو آپ نے تنور میں دیکھا ہے وہ زانی ہیں۔ اور جس کو آپ نے خُون کی نہر میں دیکھا ہے وہ خودخور ہے اور درخت کی جڑ میں جن بزرگ کو دیکھا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے گرد جو بچے دیکھے یہ لوگوں کی اولاد ہیں (جو بچپن میں انتقال کر گئے) ان کی پرورش حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں، اور جو شخص آگ میں کاربایا ہے وہ مالک دارِ دفعہ جہنم ہے اور جس گھر میں آپ پہلے گئے تھے وہ علمِ نمونین کا مقام ہے اور یہ دوسرا گھر شہداء کا ہے اور میں جبرائیل ہوں۔ یہ دوسرے میکائیل ہیں۔ اب ذرا اپنے سر کو اوپر اٹھائیے۔ میں نے سر اٹھایا تو اپنے اوپر بادل کی طرح ایک چیز دیکھی۔ کیا یہ آپ کا گھر ہے۔ میں نے کہا۔ مجھے اپنے گھر میں جانے دو۔ کہا ابھی آپ کی کچھ عثر باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا۔ اگر آپ کی عثر پوری ہو جاتی تو اپنے گھر میں پہنچ جاتے۔

تشریح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز کے بعد صحابہ سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کسی نے خواب تو نہیں دیکھا؟ اور آپ اُن کی خواہوں کی تعبیر بھی دیا کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس دن حضورؐ نے اپنے اس خواب کو بیان فرمایا اُس دن کسی نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا، اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۵۹) خواب کا اور اُس کی تعبیر کا اہتمام یہاں چند سوالات ہیں
 (۱) نماز سے مراد پانچوں نمازیں ہیں یا کوئی ایک نماز۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صحابہ کے خواب دریافت فرمایا کرتے تھے اس میں کیا حکمت ہے؟

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب کس لیے بیان فرمایا ؟
 جواب یہ ہے کہ بظاہر نماز سے بچنے کی نافرمانی ہے۔ کیونکہ حدیث کے یہ الفاظ
 میں دائی منکھ الیلۃ مذویا۔ آج رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے ؟ بچنے کی
 نماز کے بعد ہی بولے جاسکتے ہیں اس سے یہ علی مسند بھی مستحب ہوا کہ امام غازیوں
 کی طرف منہ کر کے اپنی جگہ پر بیٹھ سکتا ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں یہ بھی قیام کے
 قائم مقام ہے بلکہ (جن نمازوں کے بعد سنت ہو کہ نہ ہو ان میں امام کا اپنی جگہ پر
 غازیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا) یہی سنت ہے اس سے اُن لوگوں کا رد ہو گیا جو
 کہتے ہیں کہ امام کو اپنی جگہ سے کھڑا ہو جانا لازم ہے۔ یہاں تک کہ بعض مشفق امام
 نماز سے فارغ ہوتے تھے ایسے (گھبرا کر) کھڑے ہوتے ہیں جیسے کوئی چوٹ کی
 ٹھکیت سے کھڑا ہوتا ہے اور اس کو وہ دہی کہتے ہیں۔ حالانکہ اس طرح دو
 عظیم اہتان غیر اُن سے فوت ہو جاتی ہیں۔ ایک تو ہلکے کا استغفار کرتا رہنا۔ جب
 تک نماز کی جگہ بیٹھا رہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہلکے ہر
 اس شخص کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں جو اپنی نماز کی جگہ میں بیٹھا رہے جب
 تک حدیث نہ کرے وہ کہتے رہتے ہیں اللھم اغفر لھ اللھم ارحمھ -
 اے اللہ ! اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ ! اس پر رحم فرما۔ دوسرے اس
 سنت کی مخالفت ہوتی ہے جو اسی حدیث میں ملاحظہ مذکور ہے کہ حضور جب نماز
 سے فارغ ہوتے ہماری طرف منہ کر کے بیٹھتے تھے۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ نماز پڑھ
 کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اگر حضور کھڑے ہو کر متوجہ ہوا کرتے تو حدیث میں اس
 کا ذکر ضرور ہوتا۔ کیونکہ حضرات صحابہ نے اس سے بھی چھوٹی باتوں کو بیان کیا ہے۔
 تاکہ اُنہیں آپ کی اقتداء کرے (اگر اس جگہ قیام ثابت ہوتا تو صحابہ ضرور بیان فرماتے)
 میں اُنہیں میں جن بڑے مقتدا علماء سے ملا ہوں ان کو نماز کے بعد قیام کرتے ہوئے
 نہیں دیکھا بلکہ وہ بدون قیام کے ہی لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے تھے (مترجم
 کہتا ہے کہ ہمارے اکابر علماء کاملین میں علماء ائمہ کے مطابق ہے ۔)

دہا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فعل پر دوام فرماتا رکھ ہمیشہ روزانہ لوگوں سے یہ پوچھتے تھے کہ آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواب اجزاء نبوت سے ہے (مگر ایک جزو کے وجود سے کل کا وجود نہیں ہو جاتا۔ کل کا وجود جملہ اجزاء کے اجتماع سے ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو قرآن کا ایک جزو یاد ہو جائے تو اس کو حافظ قرآن نہ کہا جائے گا۔ جب تک پورا قرآن حفظ نہ ہو خواب ہو گا)۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس کے اہتمام (اور نگہداشت) کی ترغیب دیتے تھے۔ کیونکہ جب حضور کو اس کا اہتمام تھا تو ہم پر آپ کا اتباع واجب ہے اگرچہ خواب نبوت کے اجزاء میں سے بھی نہ ہوتا چاہے وہ نبوت کے اجزاء میں سے ہے (تو اب تو زیادہ اہتمام چاہئے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ابتداء غیر اسی سے ہوئی ہے۔ کیونکہ نبوت سے (۶۹۷) پہلے آپ سوتے ہوئے تھے خواب دیکھتے تھے (جو کہ نبوت کی تسدید تھی) جیسا کتاب کے شروع میں پہلی ہی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے وحسب العهد من الایمان اپنے رفیق سے اچھا براؤ کرنا بھی ایمان میں داخل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر حسن عہد کی (رعایت) کرنے والا کون ہو گا؟ آپ کا ایمان تو سب سے زیادہ قوی کا مل ہے۔ رہا آپ کا (خواب شن کر) تعبیر دینا۔ سو اس میں صحابہ کو تعلیم تھی کہ کو تعبیر خواب کا طریقہ بتلانا تھا۔ کیونکہ جس کو یہ علم آجائے وہ بھی اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہے فلا تمنا علیہا علمنی دینی۔ یہ علم (تعبیر) ان علوم میں سے ہے جن کی میرے رب نے مجھے تعلیم دی ہے اور انسان کو جو بات علم یہی دہی کہ حضرت جبریل رحمۃ اللہ علیہ آخر تک تسبیح ہاتھ میں رکھتے رہے کسی نے پہچا کہ حضرت اب تو آپ کو تسبیح کی اہمیت نہیں دہی تو فرمایا اسی کی برکت سے تو عبادت نہیں دہی تو کیا اب اس رفیق کو چھوڑ دوں؟ او کا قال ۷۷ ط ۷۸

معلوم ہو جائے جس کا پتلے سے علم نہ تھا وہ اس کے حق میں ایک نعمت ہے۔
 رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی خواب بیان کرنا تو (اس کی وجہ ظاہر ہے کہ) آپ
 کا خواب وحی ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا ہر خواب باجماع علماء وحی ہوتا ہے
 اور وحی کو چھپانا آپ کو جائز نہ تھا۔ کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے
 لیے ایک حکم ہے اور حکم الہی کا پسپا نہ کرنا رسول اللہ پر لازم ہے۔ دوسرے اس خواب
 میں جیسا انشاء اللہ ہم بتلا میں گئے۔ ہمہ دار کے لیے بہت سے احکام فزوریہ اور
 فوائد مکر ہیں۔ تو حضور نے ان احکام اور فوائد پر (اُمت کو) مطلع کرنا چاہا۔

قوله صلاة هل المراد بها التعميم وهي الخمس او واحدة منهما الى قوله
فان اراد الاخير تجلت الاحكام والفرائد -

فہمیاں سے مزید کے اس عمل کی کہ وہ بھی اپنے منطقی کے خوابوں کو باہم سے
مٹھتے اور ان کی تعبیر دیتے ہیں اصل معلوم ہوگئی۔ کیونکہ جن لوگوں کا سلوک
موافق نبوی علیہ السلام ہے ان کو حصولِ نسبت سے پہلے دنیا سے حاصلِ مادہ بکثرت
نظر آتے ہیں۔ بعض دفعہ ان خیالوں میں عجیب عجیب علوم اللہ ہوتے ہیں تو مشائخ
ان خوابوں سے یہ کہہ لیتے ہیں کہ اس سالک کا سلوک سخت نبوی کے موافق ہے
اور مغرب اس کو نسبت مع اللہ حاصل ہو جائے گی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ
اس زمانہ فساد میں بعضے ذاکرینِ جہت بھی بولتے ہیں اور جوئے خواب گھر کر شیخ
کے سامنے ہمیش کرتے ہیں اور بعضے جھوٹ تو نہیں بولتے مگر ان کے خواب پریش
خیالات ہوتے ہیں۔ اس لیے مشائخ اہل تحقیق آج کل کے خوابوں پر زیادہ توجہ نہیں
فرماتے۔ خصوصاً یہ دیکھا جائے کہ لوگ اچھا خواب دیکھ کر ہی اپنے
عالمِ مال پر قانع ہو رہے ہیں تو سختی کے ساتھ خواب پر توجہ کرنے سے
منہ فرماتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ میں نے لوگوں کے ہزار ہا غواہوں میں سے ایک دو کو اس قابل پایا کہ اس کو خواب کما جائے ورنہ سب

افغانا احلام پریشان خیالات ہی پائے۔ اہ

بعض بھولے جہالے مشائخ جو اپنے زمانہ کی حالت سے واقف نہ تھے معنی سنت

موفق کہہ کر اپنے متعلقین کے خواب روزانہ اہتمام سے سُنا کرتے تھے اور اُن

کے متعلقین ایسے جوتے جوتے خواب روزانہ تعین کیا کرتے تھے کہ جن کے نام

نہ پاؤں۔ مگر وہ سب کی تصدیق کرتے تھے اور اگر کوئی مرید یہ کہتا کہ میں نے خواب

میں فلاں بزرگ کو دیکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنے ہر سے اتنی رقم لے کر

ہمارے مزار پر آؤ تو یہ حضرت نور احمد رقم اس کے حالہ کر دیتے تھے۔ پس خواب

کے معاملہ میں شیخ کو اس قدر بھولا نہ بننا چاہیئے۔ اگر حکیم الامت کے سامنے کوئی

ایسا خواب بیان کرتا۔ اول تو کسی کو اس قسم کی جرأت ہی نہ تھی تو وہ یقیناً یہ جواب

دیتے کہ وہ بزرگ جب خود مجھے حکم دیں گے اُس وقت رقم دوں گا۔ اس کی کیا وجہ ہے

خواب میں تم سے تو کہہ گئے اور مجھ سے کچھ بھی نہ کہا۔

ف اللہ کی نعمتوں کو چھپایا نہیں جاسکتا بطور شکر کے ان کا اظہار لازم ہے

واما بعدہ ر بٹ فہ رٹ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا

اظہار کرتا ہوں کہ اس ناچیز کے خوابوں کی بابت حضرت اقدس سیدی سیدی مرشدی

مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ماشاء اللہ مولوی ظفر احمد

کے خواب تو واقعات ہوتے ہیں اور حضرت سیدی حکیم الامت نور اللہ مرقدہ

نے بنہ کے معنی خواب اپنی مجلس میں بطور استدلال کے بیان فرمائے اور

متعدد خواب تربیت السالک میں نقل کرائے ہیں اور الحمد للہ کہ جہہ کو حق تعالیٰ

نے علم تعبیر سے بھی مناسبت عطا فرمائی ہے۔ الحمد للہ الحمد للہ

الشکر حمد انکبیرا کا محتب و ترضی۔

ف مولانا کہ ایا کس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرین و غات میں مجھ سے فرمایا

کہ مولانا ایسی تدبیر کر دو کہ مجھے نیند آئے کیونکہ آغا گل مجھے جب نیند آتی ہے

اچھا خواب آتا ہے اور اچھا خواب بہت کم چالیسواں صفر ہے۔ بعض لوگوں کو

غواب میں ایسی تر تہی ہوتی ہے جو ریاضت و تہجد سے بھی نہیں ہوتی۔ ان پر غواب میں علوم و کتب کا لقا ہوتا ہے۔ چنانچہ آج کل میرے اُپر غواب میں علوم کا لقا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ تحریک تبلیغ (بہارِ غامس) بھی غواب میں کچھ پر شکست ہوئی تھی۔

(۱۶۰) گناہ کا خیال آنے پر اُن وعیدوں کو یاد کرنا چاہیے

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے جن کو اس پر ایمان اور تصدیق حاصل ہے ایک بڑا فائدہ ہے بشرطیکہ تصدیق حقیقی ہو کہ سچے دل سے وہ حضورؐ کے اس غواب کو وہی الٰہی سمجھتے ہوں (وہ فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت نفس یا شیطان کی طرف سے (اُن گناہوں میں سے جن کا عذاب یہاں مذکور ہے) کسی گناہ کا ارادہ دل میں آئے اس وقت اس ہلاکت نیز منزل کو یاد کرے تو نفس سرکش سے رُک جائے گا اور ایسے ہی فوائد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس تفصیل سے مطلع فرمایا ہے۔ کیونکہ جس شخص کو عذاب کا بعض اجمالی علم ہو مقدار و کیفیت کی خبر نہ ہو وہ اُس کے برابر نہیں جو تفصیل سے باخبر ہے اس کو پلے سے زیادہ خوف ہو گا۔

چنانچہ ایک عابدِ ناہد کا قلعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان سے بعض شیطان آدمیوں کو حسد تھا وہ ان کی بابرکت حالت سے (دل ہی دل میں) جلتے تھے تو چاہا کہ (کسی ترکیب سے) ان کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیں تو اُنہوں نے ایک بہت ہی حسین جیلِ عورت کو (اس کام کے لیے) تیار کیا۔ اُس کو خوب چٹی پڑھادی کہ تو پلے اس سے یہ کہنا پھر آہستہ آہستہ اپنی طرف مائل کرنا اس کے بعد اُس کو بنا سنوار کر عابد کے پاس لے گئے (اور وہاں جا کر) اُس میں جھگڑنے اور لڑنے لگے جیسے یہ عورت اُن میں سے ایک کی بیٹی ہے اور اُس کے بد سے میں جھگڑا ہے (شوہر کہتا ہے کہ اس کو میرے گھر کیوں نہیں بھیجتے؟ باپ کہتا ہے کہ ابھی یہ رُفعت کے قابل نہیں اور تو نے بھی تو میری شریف پوری نہیں دیکھی؟)

پھر لڑائی جھگڑے کے بعد، عابد کے پاس آئے (اور کہنے لگے) کہ حضرت اُمّ ایک رات کے لیے آپ اس لڑکی کو اپنے گھر کے ایک کونہ میں جگہ دے دیں کل کو (جب ہمارا فیصلہ ہو جائے گا) ہم اُسے لے جائیں گے اور اسی قسم کی دوسری باتیں بنائیں۔ عابد نے انکار کیا تو یہ لوگ اصرار پر ہزار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ (مجبور ہو کر) عابد نے اُن کی بات مان لی اور محبت کی صورت تک نہ دیکھی (ویسے ہی بدون دیکھے اُس سے کہہ دیا کہ جاگھر میں کسی جگہ آرام کر۔

جب رات زیادہ گزر گئی اور یہ عابد برابر اپنی عبادت میں مشغول رہا (محبت کی طرف ذرا بھی التفات نہ کیا) تو وہ بناؤ سنگار کے ساتھ فتنہ اس کے پاس پہنچی اور یہ ظاہر کیا کہ مجھے تو گھر میں تنہا ڈر لگتا ہے۔ آپ کے پاس تنہا رہنا چاہتی ہوں۔ مقصود یہ تھا کہ اپنا چہرہ عابد کو دکھائے اور منہ کھول کے اُسکی کے پاس بیٹھے (تاکہ محبت دیکھ کر اس کی شہوت کو بھانج جائے) چنانچہ پاس بیٹھے کہ اس نے (دوسرا دھڑا کر کے) عابد کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ پھر کچلے لفظوں میں مقصود ظاہر کر دیا کہ میں تو آپ پر عاشق ہوں تنہا نہ وصل مجھے یہاں کھینچ کر لائی ہے۔ یہ لڑنے جھگڑنے والے میرے باپ یا شوہر کچھ نہیں ہیں بلکہ سب میرے دوست آشن ہیں۔ میں نے ہی اُن سے درخواست کی تھی کہ اس بہانے سے مجھے آپ تک پہنچا دیں، اور بے حیائی کے کلم پر اُس کو اُبلنے لگی۔

جب عابد نے اُس کی طرف سے اس قسم کی کوشش (اور کشش) دیکھی تو کہا اچھا شوری دیر کی مجھے سہلت دے۔ پھر جراثیم تیل ڈالا اور اس میں مولیٰ سی جتی ڈال۔ جب اس کی لوتیز ہو گئی تو اُس میں اپنی انگلی دے دی اور کچھ دیر تک برابر اُسے آگ میں رہنے دیا۔ جب انگلی خوب جلنے لگی اور آگ کی شعلیت ناقابل برداشت ہو گئی تو عابد چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔

محبت پر اُس کی اس حالت سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کے سچے معاملے سے رُعب طاری ہو گیا اور وہ بھی گناہ کے ادا سے بے رُک گئی۔

جب بُج ہوئی اور وہ شیطان آدمی اُسے اپنی ساتھ لے گئے تو رات کی کیفیت دریافت کی۔ عورت نے سارا ماجرا سُنا دیا (اور بتلادیا کہ واقعی اس شخص کا معاملہ خدا کے ساتھ سچا ہے اس کو پریشان کرنا اچھا نہیں) تو وہ شیطان بھی اپنے ارادہ سے باز آگئے۔ کسی نے (اسی مضمون کو) شعر میں اس طرح ادا کیا ہے ۔

نفسی مل البر دلیر تقویٰ دلا علی ایسر الحذر رقة

تکلیف تقویٰ - لحد ناد دُردھا الناصب والحد جارة

میرے نفس کو زمرودی کی سہار ہے نہ تھوڑی سی گرمی کی۔ تو اس کو اُس آگ کی کیونکر سہار ہوگی جس کا ایندھن آدمی ہیں اور پتھر۔

قوله وفيه فائدة كبرى القول ان من والحد جارة ۔

حضرت مخوفیہ کرام کی یہی تعلیم ہے کہ جب گناہوں کی حریت نفس کا میلان ہو تو ان آیات و احادیث کا مطالعہ کیا جائے جن میں گناہوں پر وعید اور عذاب شدید مذکور ہے اور نفس پر یاس و قنوط کا غلبہ ہونے لگے تو آیات رحمت اور ثواب جنت کو یاد کر کے خوف کو معتدل کرنا چاہیئے ۔ یہ حدیث ان کی توثیق ہے ۔

۱۶۷) قیام لیل واجب ہے یا مستحب

حدیث کا یہ جملہ کہ ”جس کا سر پھوڑا جا رہا ہے یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا ہے تو وہ رات کو اس سے اعراض کر کے سوتا ہے اور دن میں بھی اُس پر عمل نہیں کرتا قیامت تک اُس سے یہی معاملہ ہوتا رہے گا“ محل اشکال ہے۔ سوال یہ ہے کہ قیام لیل

عہ واد کا تجربہ عام طے سے ایسا کیسا کیا جاتا ہے اسکا صحیح تجربہ سنا ہے مگر جس سے اہل سکوت باقی ہے جیسے سنی اور باریک چھٹی وغیرہ کو جس طرح دنیا کی آگ ان چیزوں سے ٹپکتی ہے دوزخ کی آگ اذیت دہا اور پتھروں سے ٹپکتی ہے۔ لہذا باخلاق من حوان در من غضب الجبار و نسل العفراء

الحاقہ من العزیز الغافلین الدیوانی دارالقرآن آمین ۱۷۸ ۔

رات کو بھٹا، کے غازی میں قرآن پڑھنا) مستحب ہے اور ترک مستحب پر عذاب نہیں ہوتا تو ترک قیام میل پر عذاب کیسے ہو گا ؟

جواب یہ ہے کہ قیام میل کے واجب ہونے (نہ ہونے) میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اُس کے وجوب کے قائل ہیں مگر وہ بدر فراق ناقہ کو واجب کہتے ہیں زیادہ نہیں قدر فراق ناقہ اتنی مذت کو کہتے ہیں جس میں دودھ نکالنے سے پہلے اُونٹنی کے بچہ کو خن سے لگایا جاتا ہے تاکہ وہ دودھ اُتار دے۔ پھر جلدی سے اُس کو الگ کر دیتے ہیں اور یہ مدت عادت و دین منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی جس میں کم از کم دو تین رکعت ادا ہو سکتی ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے مابعد من قیام باللیل ولو قد فراق ناقہ قیام میل ضروری ہے اگرچہ فراق ناقہ کے برابر ہو) اس قول پر تو کسی سوال اور بحث کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ حدیث بھی اُن علماء کی ایک دلیل ہے (جو قیام میل کو واجب کہتے ہیں)۔

ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ قیام میل مستحب ہے۔ (مفسر و علماء) اسی طرف ہیں۔ اس قول پر بے شک وہ سوال وارد ہو گا کہ ترک مستحب پر عذاب کیوں ہو گا؟ سو اس کے دو جواب ہیں۔

ایک یہ کہ جب کسی کو کب ٹر پر عذاب ہو گا تو اُن کے ساتھ مناسبات پر بھی عذاب ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

ان تجتنبوا کثر ما تنظروا عنہ تکلف علیکم شیئا تکرہ -

”اگر تم اُن بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم کو منع کیا جا رہا ہے

تو ہم تمہاری شیات (مناسبات) کو معاف کر دیں گے“

جس سے (بطور مضموم مخالف کے) معلوم ہوا کہ اگر کبار سے نہ بچا گیا تو (مناسبات نہ ہوں گے۔ کیوں کہ اُن کے معاف ہونے کی شرط کبار سے بچنا ہے بلکہ اس صورت میں) سب پر عذاب ہو گا اور متفق علیہ مستحب کو چھوڑنا مختلف فیہ مستحب کے چھوڑنے کے برابر نہیں (بلکہ دونوں میں فرق ہے متفق علیہ

مستحب کا چھوڑنا تو گناہ کی کسی قسم میں داخل نہیں اور مختلف ذریعہ مستحب کا چھوڑنا ایک قول پر تو کچھ نہیں مگر دوسرے قول پر گناہ کبیرہ ہے، اس لیے ہم نے ترک قیام میل کو منافی میں شمار کر لیا ہے۔ اگرچہ اکثر علماء کے نزدیک وہ مستحب ہے، مگر بعض علماء اُس کو واجب بھی کہتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن (سب سے پہلے) بندہ کی نماز کو دیکھا جائے گا۔ اگر اُس کو (اچھی طرح) بھالایا ہو تبھا اور اگر نماز میں نقص ہو تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے (فرمائیں گے) میرے بندہ کے اس عمل کو (اچھی طرح) دیکھو۔ اگر اُس نے کچھ نوافل بھی ادا کئے ہوں تو اُن سے اُس کی نماز (کی کمی) کو پورا کر دو۔ اسی طرح تمام اعمال کے ساتھ معاملہ ہو گا کہ اگر فرائض کو کامل طور سے نہ ادا کیا گیا ہو اور اُس جنس کی نوافل موجود ہوں اُن سے فرض کی تکمیل کر دی جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (معنی) بخشش رحمت (کا معاملہ) ہے۔

تو جب اس شخص نے قیام میل کو ترک کر دیا جس سے اُن نمازوں کی تلافی ہو سکتی تھی جو اُس نے دن میں ضائع کی تھیں تو ترک قیام میل پر عذاب دیا گیا۔ کیونکہ اُس نے وہ کام نہیں کیا جس سے فرض کی تلافی ہو جاتی تو اس پر عذاب ہونا دراصل اُس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ عذاب تو درحقیقت فرض کے نقصان پر ہو گا مگر قیام میل سے اُس نقصان کی تلافی ہو کر عذاب مٹ جاتا ہے۔ جب عذاب کو مٹانے والا کام بھی نہ ہوا تو اُنسی کی طرف عذاب کو منسوب کر دیا گیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً اَوْ قِيْلًا -

”رات کا اٹھنا (نفس کو) بہت پھال کر تلہ ہے اور بات کو بہت صاف

(اور سیدھا) کرتا ہے۔“

(تجربہ ہے کہ رات کو اٹھنے میں بڑا بھادہ نفس پر ہے اور اُس وقت جو

کچھ پڑھا جاتا یا دُعا کی جاتی ہے یا ذکر کیا جاتا ہے سب دل سے نکلتا ہے اس لیے قیام میل کی بڑی فضیلت ہے اور یہ عمل ایسا ہے جس سے فرض نمازوں کی کوتاہی کی تلافی ہو جاتی اور عذاب ٹل جاتا ہے تو جس نے فرائض میں کوتاہی کی کہ اس افضل ترین مستحب کو بھی ترک کر دیا ہو اُس کے عذاب کو ترک فرض کے ساتھ اس مستحب کے ترک پر بھی حوالہ کیجئے گا، اور یہ جواب زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم؛ اسی لیے علماء نے ہر فرض کے ساتھ اسی نوع کے نوافل کی تکثیر کو مستحب فرمایا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے فرض میں کچھ کمی رہ جائے (تو نوافل سے پوری ہو جائے گی)۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ غام عندہ باللیل (وہ رات کو قرآن سے اعراض کر کے سوتا ہے) کا مطلب یہ ہے کہ وہ سو کر رات کی نمازیں فوت کرتا ہے تو گولفظ عام ہے مگر مراد خاص ہے، یعنی قیام میل مستحب کا ترک مراد نہیں بلکہ نماز فرض کا ترک مراد ہے کہ رات کو قرآن کے احکام سے اعراض کر کے عشاء سے پہلے سو رہتا ہے اور صبح کے بعد تک سوتا رہتا ہے۔ نہ عشاء کی نماز پڑھتا ہے نہ صبح کی۔ اس محورت میں عذاب ترک فرض پر ہوا نہ ترک مستحب پر۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ مقصود بطور کن یہ ہے کہ اس شخص کو خدا نے قرآن کا علم دیا تھا پھر وہ دنوں میں اُس پر عمل کرتا تھا نہ رات میں بعد یمن فیہ بالانہاد سے دن میں عمل نہ کرنے کو بتلایا گیا اور نام عندہ باللیل سے رات میں عمل نہ کرنا مراد ہے۔ کیونکہ کسی چیز سے اعراض کر کے سو رہنا کمال ترک پر دلالت کرتا ہے۔

قوله وهناحيث وهو كيف يقنع العذاب على ترك القيام

بالليل الى قوله لانه ابلغ في الترف

ف اور پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ حدیث معراج جسمانی سے مقدم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح نبوت سے پہلے تھے خواب بطور

تعمیدِ نیت کے نظر آتے تھے اسی طرح معراجِ جہانی سے پہلے خواب میں چند بار معراجِ روحانی ہوئی ہے تاکہ طبیعتِ معراجِ جہانی کی شکل جو جائے۔ یہ حدیث بھی غالباً معراجِ روحانی سے متعلق ہے اور معراجِ جہانی سے پہلے قیامِ یل ہی فرض تھا۔ جیسا سورۃ المزمل کی تفسیر واضح ہے، معراجِ جہانی کے بعد جب پانچ وقت کی نازیہ فرض ہو گئیں قیامِ یل کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ پس اگر مان لیا جائے کہ یہ مذہب ترکِ قیامِ یل ہی کی وجہ سے ہو تو یہ حکم اُس وقت ہے جبکہ قیامِ یل فرض تھا۔

اور چنانچہ جواب یہ ہے کہ قیامِ یل جمہور کے نزدیک بھی واجب ہے مگر قیامِ یل سے مراد تمہد نہیں جو عشاء کے بعد کچھ دیر سو کر جاگنے کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ کیونکہ حدیث شریفین میں وارد ہے ما کان بعد العشاء فہو من قیام الطیل۔ نماز عشاء کے بعد جو ناز بھی ہو وہ قیامِ یل میں شامل ہے اور نماز عشاء کے بعد نماز وتر حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، تو جو شخص عشاء کے بعد نماز وتر ادا کرے گا اُس کو تاکِ قیامِ یل نہیں کہا جائے گا تاکِ قیامِ یل وہ ہے جو عشاء پڑھ کر سو جائے اور وتر نہ پڑھے۔ حنفیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ نے اگرچہ وتر کو واجب نہیں کیا مگر فرائض کے بعد اُٹھنا (تتم سنوں سے زیادہ مؤکد) فرمایا ہے جس کے ترک کی وہ بھی اجازت نہیں دیتے تو اختلافِ معنی لفظی ہے۔ تتم سن مؤکد سے زیادہ مؤکد جو شے ہوگی وہ واجب ہی ہوگی۔ پس وعید ترکِ سب پر نہیں بلکہ ترکِ واجب پر ہے۔

ہمارے اکابر حضرت قاضی شاد اللہ صاحب پانی پتی و عمرہ اللہ علیہ نے دو سالہ مالا بد نہ میں ناز شہد کو سن مؤکدہ میں شمار کیا ہے اور مواظبتِ نبویہ سے اس پر استدلال کیا ہے اور غالباً اُن سے پہلے ابن ہمام نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا بھی کچھ مدت تک یہی قول تھا۔ لیکن جب اعتراف نے اعلا السنن میں دلائل سے ثابت کیا کہ یہ قول خلافِ اجماع ہے۔ فقہاء

اور ہمیں سے کوئی بھی اس طرف نہیں گیا، جملہ فقہاء نے تہجد کو نوافل میں ہی شمار کیا ہے اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ تہجد کو سنت غیر مؤکدہ ہے مگر قیام لیل بقدر و تر واجب ہے تو حضرت نے اس تحقیق کو پسند فرمایا۔ اہل علم اس بحث کو تحقیقاً اعلام السنن میں ملاحظہ فرمائیں گے تو زیادہ کلفت آئے گا۔

ف اس میں شک نہیں کہ صوفیہ کو تہجد کا بہت زیادہ اہتمام ہے اور اسی لیے حدیث کے اس فائدہ پر تنبیہ کر دی گئی کہ اسی سے صوفیہ کے اس اہتمام کی دلیل نکلتی ہے۔ اُن کا قول ہے کہ جس کو جو نعمت ملی ہے وقت تہجد ہی میں ملی ہے۔ عارف فرماتے ہیں سے

دوشس وقت سحر از غفۃ بہتہم دادند

وندان غفلت شب آب حیاتم دادند

اس لیے تہجد کا اہتمام مزید کرنا چاہیے۔ اگر کچھ عبادت کو اُٹھنے کی ہمت نہ ہو تو عشاء کے بعد ہی کچھ نفلیں زیادہ پڑھ لی جائیں کہ اگر تہجد حاصل نہ ہو تو قیام لیل ہی حاصل ہو جائے۔ قیام لیل اور تہجد کا ثواب قریب ہی قریب ہے۔ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام لیل کا بھی امر ہے۔ یا ایہا النائم قلہ الیل الا قلیلاً۔ اور تہجد کا بھی امر ہے۔ ومن اللیل فہجد بہ نافلۃ کثیرہ۔ تہجد یہ ہے کہ عشاء کے بعد کچھ دیر سو کر بیدار ہو جائے اور وضو وغیرہ کر کے نماز میں مشغول ہو جائے۔

قیام لیل کے لیے عشاء کے بعد سونا ضروری نہیں۔ فرضی عشاء کے بعد جو نذر بھی پڑھی جائے گی قیام لیل میں داخل ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ قیام لیل کی افضل صلوٰۃ تہجد ہے۔ مگر جس کو سونے کے بعد بیدار ہونے کی ہمت نہ ہو اُس کے لیے عشاء کے بعد ہی کچھ نفلیں پڑھ لینا مناسب ہے کہ یہ بھی قائم مقام تہجد کے ہے۔ چنانچہ حضرات صحابہ نے قیام لیلیٰ و رمضان (تراویح) کے لیے عشاء کے بعد ہی کا وقت رکھا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

قیام رمضان آخر شب میں کیا مگر چونکہ سب لوگوں کا آخر شب میں جمع ہونا دشوار تھا اس لیے تراویح کا وقت بعد عشاء کے دکھا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد نظلیں پڑھ لینا بھی تہجد کے قائم مقام ہے اگرچہ اُس کے برابر نہ ہو۔ تو جسے افضل مؤدت کی ہمت نہ ہو اُسے بالکل بھی تو تہجد سے محروم نہ ہونا چاہیے۔ اور پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے کہ جو شخص رات کو مؤدہ بقر کی دوائیوں کے ساتھ قیام کرے تو یہ دوائیاں اُس کے لیے تمام رات کے قیام سے کفایت کریں گی ۵

تو جو لوگ عشاء کے بعد تہجد پڑھنا چاہیں اُن کو دو رکعتوں میں سورہ بقرہ کی یہ دو آیتیں بھی ضرور پڑھ لینا چاہئیں (آمن الرسول سے آخر سورہ تک) انشاء اللہ وہ تمام رات کی شب بیداری کرنے والوں میں داخل ہوں گے۔ بشرطیکہ حدیث پر سچے دل سے یقین و اعتماد ہو۔ اسی واسطے میں نے لفظ انشاء اللہ استعمال کیا ہے ورنہ مجھے بعد اللہ اس میں ذرا بھی شبہ اور شک نہیں۔

(۶۲) علم کو حال بنانا چاہیے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اُس کو

ہر دم مستحضر رکھے اس حدیث کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں جو کچھ وعدہ اور وعید مذکور ہے اُس پر ایمان (اور یقین) کیا جائے اور نعمات کا سامان کرنے کے لیے کام کیا جائے۔ اسی فائدہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کے معانی پر مطلع فرمایا۔ اسی وجہ سے اہل طریق (صوفیہ کرام) کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ وہ علم کو حال بناتے ہیں (کسی حدیث یا آیت کو پڑھ کر سرسری طور سے نہیں گزر جاتے بلکہ اُس میں اس قدر تامل اور فکر کرتے ہیں کہ وہ دل پر جم جاتی اور ہر دم اُس کا معنوں مستحضر اور شبانہ نظر رہتا ہے۔ علم کو حال بنانے کا یہی مطلب ہے اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ قلب اُس حدیث یا آیت کے اثر سے رنگین ہو جاتا ہے

اور یہی علم سے مقصود ہے در نہ معنی لغلی علم ہو گا۔

چنانچہ ایک طالب علم کا واقعہ ہے کہ وہ بہت دنوں تک اپنے شیخ (کی مجلس) سے غائب رہا پھر ایک مدت کے بعد آیا تو شیخ نے فرمایا برخوردار! اتنی مدت تک ہم سے دور دور کیوں رہے؟ کہا حضرت میں نے آپ سے دو آیتیں سنی تھیں اُن پر عمل کر رہا تھا تاکہ اُن کو اپنا حال بنالوں۔ چنانچہ میں نے اس غرض کے لیے نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا۔ یہاں تک کہ خدا نے تمنا کے لیے مجھ پر فضل فرمایا اور ان دو آیتوں کو میرا حال بنا دیا یا اسی کے قریب کچھ اور الفاظ تھے۔ شیخ نے فرمایا برخوردار وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟ کہا۔ ایک تو یہ آیت ہے:

فَمَنْ يَعْلَمْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَحْمِلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا۔

دوسری یہ آیت ہے وَمَنْ دَعَا إِلَى زُخْلَمٍ نَّؤْتِهَا ذُتًّا وَيَلْعَلْ مُسْتَقَرًّا وَمُسْتَوْدَعًا۔ زمین میں چلنے والا کوئی جائزہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے دے اُس کا نفع ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُس کے قدر کی جگہ کو بھی اور اُس کی ودیعت گاہ کو بھی (جہاں وہ بطور ناست رہنا ہے)۔

معنی نے مستقر کی تفسیر ماں کے دم سے اور مستودع کی تفسیر باپ کی پشت سے کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ مستقر سے مراد وہ گھر ہو جہاں انسان ناست کو قرار پکڑتا ہے اور مستودع سے مراد جائے دفن ہو جہاں مرنے کے بعد رکھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ تو میں نے نفس کے ساتھ اس بات کے لیے مجاہدہ کیا کہ نیک کاموں کا التزام کرے اُن میں سے ذرہ برابر بھی نہ چھوٹے پاسے اور بُرے کاموں کو چھوڑ دے۔ اُن میں سے ذرہ برابر کا بھی ارتکاب نہ کرے اور میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ زمین پر چلنے والوں میں سے ایک جائزہ نہیں بھی ہوں تو میرا ذوق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ وہ مجھے بھی جانتے ہیں اور میرے

تھکنے کو بھی تو اب میں نے رزق کے ساتھ نفس کے تعلق اور رگہ کو قطع کر دیا اور تھکنے کے وعدہ جیل پر مجرماً کر کے۔ کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتے چنانچہ حق تعالیٰ عزوجل نے اب میرے لیے رزق کو آسان کر دیا ہے۔ وہ اپنے حسن طبع اور وعدہ کے موافق مجھے روزانہ رزق پہنچاتے ہیں۔

میں نے کہا بر غرور دایر میں ہمارا کہ ہو تم تو عابدین سے فوقیت لے گئے۔ آقاؤں کا غلاموں سے یہی تو مقصود ہے کہ غلام اپنے آقا ہی کے ہو کر رہیں اور اُدھر نظر نہ کریں) اسی لیے کسی کئے والے نے کہا ہے۔

اذا كان وعدك بالرزق لا يخلع وطلبك الامر من غير لا يعرف
فحبس تصديق وعد لا يخلع واشتغالي بامر غيره عني لا يعرف ۔

”جب رزق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ خلافی نہیں کر سکے۔ اور کسی دوسرے سے بھی کوئی چیز طلب نہیں کی جا سکتی تو تجھے اُس وعدے کی تصدیق کافی ہے جو خلاف نہیں ہو سکتا اور اُنکے ماہوار اللہ تعالیٰ کے کام میں مشغول پیری طرف سے نہیں ہوگی“

ف۔ صاحبِ حال کے لیے تادک اسباب ہونا ضروری نہیں

علم کو حال بنانا تو سب کے نزدیک ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث و قرآن کے وعدے اور وعید میں دل پر جم جائیں کہ ہر دم مستمعز اور پیش نظر رہیں، مگر حال کا یہ اثر کہ ہر صاحبِ حال تادک اسباب بھی ہو جائے ضروری اور لازم نہیں۔ حضراتِ صابغہ سے زیادہ کامل الیقین کون ہو سکتا ہے؟ مگر تم دیکھو گے کہ اجلہ صحابہ بلکہ قریب قریب تمام ترجمہ اسباب معاش میں مشغول تھے۔ کوئی تاجر تھا کوئی کاشت کار، کوئی صنعت و حرفت سے روزی کا تھا، کوئی بیت المال سے وظیفہ لیت تھا۔

ہر حال شریعت کا یہ مقصود نہیں کہ مسلمان اُن اسبابِ معاش کو ترک کر دیں

جو قدرت نے کسی حکمت سے اس عالم اسباب میں حصول رزق کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اسباب کو مؤثر نہ سمجھیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے قبضہ میں نفع و ضرر کی طاقت نہیں ہے اور جن اہل حال پر ترک اسباب کا داعیہ غالب ہوتا ہے اُن کو بھی اسباب یقینیہ کے ترک جائز نہیں۔ صرف اسباب ظنیہ کا ترک جائز ہے۔ تفصیل کے لیے قربت السالك علیہ السلام ملاحظہ ہو۔

ف۔ ترک اسباب کے شرائط ترک اسباب ظنیہ کے جواز کی چند شرطیں ہیں :-

(۱) قلب پر ترک اسباب کا شدید تقاضا ہو جس کی مخالفت دشوار ہو جائے یا سلیح کا حکم ہو۔

(۲) مخلوق سے نظر بالکل اٹھ جائے۔ کسی شخص کے بغرض ملکات ہونے پر یہ خیال دل میں نہ آنے پائے کہ یہ مجھے کچھ ہدیہ دے تو اچھا ہے۔

(۳) ایسا نہ ہو کہ ترک اسباب کے بعد ہر ہدیہ قبول کرنے لگے بلکہ قواعد شرعیہ سے جو ہدیہ واقعی ہدیہ ہو قبول کیا جائے ورنہ رد کر دیا جائے۔

(۴) تارک اسباب کا عزم اور حوصلہ اس قدر بلند ہونا چاہیے کہ سلاطین و اغنیاء سے زیادہ اپنے کو فنی سمجھے۔ کیونکہ اُن کی حاجتیں تو دوسروں کے ہاتھ میں ہیں اور تنوخل کی ہر حاجت خود اسی کے ہاتھ میں ہے کہ جہاں کوئی ضرورت پیش آئی ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور حاجت پوری ہو گئی۔

(۵) صاحبِ اہل و عیال کو ترک اسباب جائز نہیں مگر یہ کہ اُس کے اہل و عیال بھی اسی کی طرح صاحبِ حال ہوں اور اگر ترک اسباب کے وقت صاحبِ عیال نہ تھا۔ پھر حق تعالیٰ کی طرف سے باب فتوحات مفتوح ہو جانے کے بعد صاحبِ اہل و عیال بن گیا تو اس میں کچھ کراہت نہیں۔ گو اُس کے اہل و عیال صاحبِ حال نہ بھی ہوں۔ کیونکہ باب فتوحات مفتوح ہو جانے کے بعد

ظن غالب یہ ہے کہ اُس کے اہل و عیال کو ترک اسباب سے پریشانی کا سامنا نہ ہوتا اور ان احکام کا مدار ظن غالب ہی پر ہے۔

(۶) اگر کسی کے ترک اسباب سے اُس کے اہل و عیال کو تنگی اور پریشانی فاقہ وغیرہ کی پیش آنے لگے تو اُس پر اسباب میں مشغول ہونا واجب ہے۔ مگر یہ کہ اہل و عیال سب بالغ ہوں اور وہ بھی اس کی طرح صاحبِ حال ہوں تنگی اور فاقہ پر راضی ہوں تو اور بات ہے۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو اپنی موافقت پر مجبور کر کے پریشان کرنا جائز نہیں بلکہ اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے۔ اگر ایسا نہ کرے گا گناہ کا رہو گا اور اہل و عیال کو اپنے نفقہ کے لیے قاضی کی عدالت میں اس پر درخواست کرنے کا حق ہے۔ تفصیل کے لیے ایضاً العلوم باب التزکون ملاحظہ ہو۔

ف۔ شرائط توکل و ترک اسباب پر نظر کرنے کے بعد جو جوان تعلیم یافتہ طبقہ کا یہ کہنا کہ صوفیہ توکل کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ تعطل کی تعلیم دیتے ہیں بالکل غلط ہے جس حالت میں صوفیہ محققین توکل بصورت ترک اسباب کی اجازت دیتے ہیں اُس وقت یہ شخص ترک اسباب پر مجبور اور اختیار اسباب سے معذور ہو جاتا ہے۔ اسوقت وہ معتدل نہیں ہوتا بلکہ سلاطین سے زیادہ غنی اور مستغنی ہوتا ہے۔ چنانچہ اُن کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ ایک دفعہ محمد شاہ تھلک نے اپنے امراء و وزراء اور اہل دربار کو منہ کر دیا تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے یہاں کوئی نہ جانے پاس نہ کوئی اُن کو ہدیہ نہ دروازہ پیش کرے۔ اُس کا خیال یہ تھا کہ سلطان جی کا منکر خواستہ و سیج ہو رہا ہے کہ دونوں وقت تین چار ہزار درویش کھانا کھاتے ہیں اور مخلوق برابر اُن کی طرف کچی چلی آرہی ہے۔ اس کا مدار میرے امراء و وزراء و اہل دربار کے ہدایہ پر ہے۔ اگر یہ ہدایہ اور نذرانے بند ہو گئے تو منکر بند ہو جائیگا اور منکر بند ہونے کے بعد مخلوق کا میلان بھی اس طرف کم ہو جائیگا۔ چنانچہ ایک مہینہ تک تمام ہدایہ اور نذرانے بند رہے لیکن منکر چر بھی بند نہ ہوا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ترقی پر تھا۔

معلوم ہوا کہ ان حضرات کی فتوحات کا مدار انسانوں کے ہدایہ وغیرہ پر نہیں۔ اگر ساری مخلوق اپنا ہاتھ دھوکے میں نہ دے جب بھی اُن کے کام اُٹھنا شروع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی دوسری مخلوق کو اُن کی خدمت کے لیے مقرر نہیں کیا۔ وہ تو ہر ایک کے لیے مقرر ہیں۔ یہ تو قریم واقعہ ہے اور ہمارے سامنے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جبکہ تحریک خلافت کا ہندوستان میں بہت زور تھا اور حضرت حکیم الامتؒ شریعت ہندو کی وجہ سے اس سے الگ تھے تو بعض اہل خلافت نے یہ کوشش کی کہ حضرت مولانا کی خدمت میں جو لوگ ہدایہ اور نقد لے بیٹھے ہیں اُن کو اس سے روک دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس سال ہمیشہ سے بھی زیادہ ہدایہ اور نقد لے آئے کہ پہلے تو اوسط ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا تھا اُس سال تین سو روپیہ ماہوار کا اوسط ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو زیادتی کی تھی وہ برابر بڑھتی ہی رہی یہاں تک کہ اخیر میں ایک ہزار روپیہ ماہوار کا اوسط ہو گیا تھا۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ حضرت قدس سرہ کے یہاں قبول ہدایہ سے زیادہ رو ہدایہ کا اوسط تھا۔ وہ ہدایہ قبول کم کرتے تھے واپس زیادہ کرتے تھے۔ کیونکہ شرائط قبول سنت تھیں جن کی پابندی کرنے والے تھوڑے ہی ہوتے تھے اس پر بھی کسی کے کم کرنے سے اُن کی آمدنی کم نہیں ہوتی تھی سچ ہے۔ **وَمِنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا**۔



باب ہفت

حدیث

لاحد الاثنین

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 یقول لاحد الاثنین رجل آتاه اللہ مالا فسلطہ علی حدیثہ
 فی الحق ورجل آتاه اللہ حکمۃ فہو یقضی بہا ویعلمہا الناس -

ترجمہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ قابل رشک دو ہی (شخصوں کی) حالتیں ہیں۔ ایک وہ
 جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر اُسے (مادہ) حق میں فرج کرنے کی توفیق
 دی ہو۔ دوسرے وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ رمی ہو (یعنی قرآن و
 حدیث کا علم دیا ہو) پھر وہ اس کے موافق فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اُسکی
 تعلیم (بھی) دیتا ہے۔

شرح ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ ان دو صفتوں میں حسد جائز ہے ان کے ماسوا
 کسی اور صفت میں جائز نہیں۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے :-

(۱۶۳) حسد اور غبطہ کے احکام یہاں حسد سے کیا مراد ہے ؟
 بظاہر حقیقی معنی مراد نہیں، بلکہ
 مجازاً غبطہ (اور رشک) مراد ہے۔ جس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔
 و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔ رشک کرنے والوں کو اکی میں رشک

کرنا چاہیے۔ حسد کی حقیقت یہ ہے کہ جو شئی عادتہ ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔ اُس کا اپنی طرف منتقل ہونا اور دوسرے سے ذائل ہونا چاہے یہ جائز نہیں۔ اسی کے منتقلی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْلُوْا
اِلٰہَ مِنْ فَضْلِهٖ ۔

”مردوں کے لیے اُن کی کوشش (اور کسب) سے حق ہے اور عورتوں کے لیے اُن کی کوشش (اور عمل) سے حصہ ہے (تو ایک دوسرے کی حالت کی قضا نہ کرے) اور اللہ سے اُس کا فضل مانگو“

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی نعمت دی ہو تو اُس شخص سے اُس نعمت کو طلب نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگو کہ جس طرح اُس کو نعمت دی ہے تم کو بھی اپنے فضل سے عطا فرمائے۔ کیونکہ جس کے پاس بھی کوئی نعمت ہے وہ اللہ کا فضل و احسان ہے۔ خدا کے ذمے نہ کسی کا کچھ آتا ہے نہ کسی کا کوئی استحقاق ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا حَدَّثْتَ فُلَانًا بِغَيْرِ اِذْنِهِ اَوْ كَرِهَتْ لَكَ فَقُلْ اِنَّ اَمْرًا مِّنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ اگر تم کو کسی سے حسد پیدا ہو تو حد سے نہ بڑھو۔ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ حسد میں ایک سے دوسرے کی طرف نعمت کا منتقل ہونا مطلوب ہوتا ہے اور (انتقال کی دو صورتیں ہیں) کبھی اس طرح سے انتقال ہوتا ہے کہ صاحبِ نعمت کو پہلے سے بھی زیادہ خیر حاصل ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کے پاس کپڑا دیکھا اُس کو تننا ہوئی کہ یہ کپڑا مجھے مل جائے اور اُس سے مانگ بھی لیا۔ خدا نے پڑے والے کو اُس سے بھی بہتر (کپڑا یا اور) کوئی چیز عطا فرمادی اور اُس نے یہ کپڑا حاسد کو حصہ نہ دیا یا اُس کے ہاتھ بیچ کر دیا۔ اس صورت میں حاسد کا مقصود بھی پُورا ہو گیا اور محسود کی نعمت میں ترقی ہو گئی (ایسے انتقال کی قضا حرام نہیں)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا اس

طرح چاہے کہ اُس کو مزرہ اور نقصان پہنچے۔ شلکسی کے پاس دینی ساز و سامان دیکھ کر یہ تنہا کی جائے کہ یہ سامان میرے پاس ابھائے اور محسوس ہو جائے یا قتل ہو جائے یا شہر سے نکال دیا جائے وغیرہ وغیرہ ایسے انتقال کی تہہ جائز نہیں) یہی مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اذ لحدث فلا تبعہ لاکہ حسد میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی دوسرے کے نقصان کی تہہ نہ کرو۔ مناسب تو یہ ہے کہ کسی سے حد بالکل ہی نہ کیا جائے (اُس کی نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا ہرگز نہ چاہو) اگر کسی کی کوئی چیز تم کو پسند ہو اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگو کہ وہ اپنے فضل سے تم کو بھی یہ نعمت عطا فرماوے۔ اگر اس پر تقدیر نہ ہو اور تمہارا دل اُسی چیز کا بعینہ طالب ہو تو اُس کے مزرہ اور نقصان کی تہہ نہ کرو کہ یہ حد سے تجاوز ہے اور (یہی وہ حسد ہے جو) بہت بڑا گناہ ہے۔

نہیں نے نامہ پنج میں (ایک واقعہ) دیکھا ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے دُنیا کا ساز و سامان بہت کچھ دیا تھا۔ اُس کو دیکھ کر ایک مسکین نے گلی کو چوں میں بازاروں میں یہ مصالح کافی شروع کی کہ اسے اللہ! مجھ پر بھی رزق کا دروازہ اسی طرح کھول دے جیسا فلاں شخص پر کھول دیا ہے اُس مالدار کا نام لے کر پکارتا۔ تو اُس نے مسکین کو بلایا کہ کیا تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے؟ تجھے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنے کے واسطے یہی بات رہ گئی کہ مجھ جیسا ہونا چاہتا ہے۔ اگر تو میرا نام لینا نہیں چھوڑے گا تو میری شہرت زیادہ ہو جائے گی (دُنیا میں میری تو فکری کام چاہا ہو جائے گا) جس سے ممکن ہے کسی وقت مجھے تکلیف کا سامنا ہو جائے (چور یا ڈاکو میرے درپے ہو گئے تو بڑی مصیبت ہوگی)۔ مسکین نے کہا میں تو اپنی صدا کو نہیں بدلوں گا۔ میں نہ تجھے گالی دیتا ہوں نہ بُراکتا ہوں (اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں) تو جو میرے ہی میں آئے گا، دُعا کروں گا (دُعا سے کسی کو روکنے کا حق نہیں) اُس نے کہا اچھا بتلاؤ روزانہ

اپنے واسطے کتنی رقم چاہتا ہے۔ مکیں نے کوئی مقدار بتلائی۔ بلکہ نے کہا کہ اتنی مقدار روزانہ تجھ کو میرے یہاں سے پہنچ جایا کرے گی تو اپنے گھر میں بیٹھ۔ نہ میرا نام لے نہ کسی سے سوال کر۔

چنانچہ مرتے دم تک اُس نے یہ احسان جاری رکھا کہ ایک دن ہند نہیں کیا تو اس طرح کی دُعا بھی پکڑا پکڑا کر بازاروں گھروں میں کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں دُوسرے کی نعمت کی طلب اُس کو ضرر پہنچا ہے کہ خواہ مخواہ چور ڈاکو اُس کے پیچھے لگ جائیں۔

قوله هل هذا الحسد هنا حقيقة او مجاز الى قوله فبقی بجرع علیہ ذلك المعروف حتی توفی۔

ف۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ جو حسد کی حقیقت مشہور ہے کہ دُوسرے کی نعمت کا زوال چاہا جاتے یہ تو صحیح ہے مگر طلب زوال مطلقاً گناہ نہیں۔ گناہ یہ ہے کہ طلب زوال دُوسرے کے ضرر کے ساتھ ہو۔ اگر ضرر کے ساتھ طلب زوال نہ ہو تو یہ حسد حرام میں داخل نہیں ہو غلات اولیٰ ضرر ہے۔ غلبہ اور رشک میں دُوسرے سے زوالِ نعمت کی تن نہیں ہوتی صرف اپنے لیے اُس جیسی نعمت کی طلب ہوتی ہے۔ یہ جائز ہے اور اس میں بھی تفصیل ہے جو تفسیر بیان القرآن میں تحت آیت ولا تغنی عن فضل الله به بعضہ علی بعضین مذکور ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

ف۔ چونکہ حسد بھی اُن اِمرانِ قلبیہ سے ہے جس کے ازالہ کا مَوْنِیہ کو بہت اہتمام ہے اس لیے اس تحقیق کو بیان کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ آج کل اس مَرَمِ سے اکثر مَوْنِیہ بھی غالی نہیں۔ الا ماشاء اللہ جہاں کسی کی طرف لوگوں کا رجوع زیادہ ہو اور لوگ اس کے درپے ہوئے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ تعصّب کی بُنیاد اخلاص پر ہے اور حسد کے ساتھ اخلاص کبھی حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے اس مَرَمِ سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

(۱۶۴) حکمت مراد قرآن و حدیث کی فہم ہے۔ بقا ہر بیان حکمت

کی سمجھ (قرآن و حدیث کی فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ومن یؤت
الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا جس کو حکمت دی گئی اُس کو بڑی غیر دیدی گئی۔
علماء نے (اس کی تفسیر میں) فرمایا ہے کہ حکمت سے مراد کتاب اللہ کا فہم ہے۔ اس
کی دلیل خود اسی حدیث کے اس لفظ میں موجود ہے کہ وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا
ہے اور (وجود و ظہور) اسلام کے بعد کوئی شخص اپنے فیصلے میں ثواب کا مستحق جب
ہی ہو سکتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق فیصلہ
کرے اور کتاب اللہ کی فہم میں سنت رسول کی بھی فہم داخل ہے۔ کیونکہ دونوں
حکمت کا معنی ہیں اور دونوں کے ساتھ فیصلہ کرنے کا ایک ہی حکم ہے۔ یہی
وہ دو قیمتی دہنی چیزیں ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
لن تخلوا ما نسکتہم بہما کہ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے
رہو گے ہر گز گمراہ نہ ہو گے اور اگر وہ مردوں کو بھی ان کی تعلیم دی جائے۔ یہ تو درجہ
کمال ہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ کی طرف سے (ان کی) فہم دیا گیا ہو اور اسی پر خود بھی
عمل کرتا ہو اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہو وہ تو اعلیٰ مقامات پر فائز ہے۔ یہی
لوگ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اُس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا
ثواب ختم نہیں ہوتا۔

ایک دلدل (نیک بڑا یا بڑکی) جو اُس کے لیے دُعا کرتا رہے۔ دوسرے
صدقہ جاریہ (مسجد و مدرسہ و سرائے و سارے نیکان و غیرہ جو اس کے بعد بھی
چلتے رہیں)۔ تیسرے وہ علم جس سے اُس کی موت کے بعد لوگ نفع حاصل کرتے
رہیں اور ان تینوں میں اعلیٰ (و افضل) علم ہے اور وہ علم جس میں یہ اجر عظیم
(حاصل ہوتا ہے) وہ کتاب و سنت ہی کا علم ہے۔ یا وہ جو اُن سے

مستنبط ہو (یعنی علم فقہ)۔

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص فرض نماز پڑھتا رہے اور (اس کے بعد کسی جگہ) بیٹھ کر غیر کی تعلیم دیتا رہے اُس کو آسانی بادشاہت میں عظیم (بڑا سردار) کا لقب دیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کتاب (دُست) کی فہم سے کیا مراد ہے؟ اگر ادا امر و نواہی اور حلال و حرام کا سمجھنا مراد ہے اور کچھ نہیں تو یہ حکمت تو متقہ میں کو حاصل ہو چکی۔ پھلوں کے لیے اس کا کچھ حصہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ اصول قائم ہو چکے احکام ثابت (وہوں) ہو چکے (اب پھلوں کا کام صرف اتنا ہے کہ ان ہی قواعد و اصول و فروع سے نئے نئے حادثات کا حکم معلوم کرتے رہیں اور گویہ بھی حکمت ہی میں داخل ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کی حکمت مجتہدین اور اُن کے اصحاب کے حصہ میں آ چکی ہے) یا یہ کہ ادا امر و نواہی کا علم حاصل کر کے احکام کی حکمتوں و ادا ان کے اسرار کو بھی معلوم کیا جائے۔ قرآن کی امثال و قصص کے فوائد کو سمجھا جائے کہ ہر ہر مثال اور قصہ میں کیا حکمت (اد کیا راز مخفی) ہے؟

اگر یہ مراد ہے تو یہ حکمت توقیامت تک ختم ہونے والی نہیں۔ اس سے پہلے اور پچھلے سب اپنی قسمت کے موافق حصہ لے سکتے ہیں۔ اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔
لا تنقضي عجائبه ولا يخلق على كثرة الرد ولا يشبع فيه العلماء۔ قرآن کے عجائب ختم نہیں ہوں گے وہ باوجود بار بار پڑھنے کے پرانا نہیں ہوتا (ہر دفعہ تازہ بہ تازہ معلوم ہوتا ہے) اور علماء اس سے سیر نہیں ہو سکتے (بلکہ برابر نئے نئے علوم حاصل کرتے رہیں گے)۔

اس کی مثال مونس علیہ السلام کے قصہ میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

فلما قرأوا الجہان قال اصحاب مونس انا لمدد کون قال کلا ان معی ربی سیہدیہ
فلادیہ انا مونس ان اعزب بعماک البحر فانخلق نکان کل فرق کالطوف العظیم

جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں (یعنی بنی اسرائیل اور قوم فرعون) تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا یقیناً ہم تو پکڑ لیے گئے (کیونکہ آگے سے سمندر ہے اور پیچھے دشمن) فرمایا ہرگز نہیں کیونکہ یقیناً میرے ساتھ میرا ہر دروازہ ہے۔ وہ مجھے (نجات کا) طریقہ بتلائے گا۔ پس ہم نے (فرز) دینا بھیجی کہ اسے موسیٰ اپنے عدا کو سمندر پر مارو۔ (اُس کا مادہ تھا) کہ فرز اس سمندر بٹ گیا اور اُس کا ہر حصہ بڑے ہڈ کی مانند (کھڑا) ہو گیا اور درمیان میں ٹوٹک راستہ بن گیا۔ اب مظلوم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ کس لیے بیان فرمایا اور اس سے کیا بات بھی گئی جس میں ہم کو رموسیٰ علیہ السلام کی تقلید کرنا چاہیے؟

میرے علم میں علماء متقدمین نے اس حقیقت سے غرض نہیں کیا، حالانکہ ہم کو اس فقرہ کا مخاطب بنایا گیا ہے اور یہ واقعات بے فائدہ ہمارے سامنے نہیں بیان کئے گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فاقصص القصص لعلهم يتفكرون۔ ان واقعات کو (لوگوں کے سامنے) بیان کیجئے تاکہ وہ (اُن میں) غور کریں۔ پس اللہ اعلم۔ اس فقرہ کا فائدہ یہ ہے کہ چونکہ موسیٰ بنی اسرائیل کو ساتھ کر کے بدون حکم خداوندی کے نہیں نکلے تھے۔ پھر سمندر اُن کے سامنے مانٹ ہو گیا اور پیچھے سے (دشمن کی) جماعت پہنچ گئی۔ ایک نے دوسرے کو دیکھ لیا تو مارت جاوے کے صوفی بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ وہ پکڑ لیے گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے (نجات کا طریقہ) مظلوم کرنا چاہا کہ شاید اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت کے لیے کوئی خاص ہدایت ہو جس پر دشمن کا سامنا ہونے کے وقت عمل کرنے کا حکم ہو کہ نہ اُن کا یہ کہنا کہ ہم تو پکڑے گئے " جبکہ موسیٰ علیہ السلام بھی وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جو انہوں نے دیکھا تھا کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے دشمن ہے اس سے مقصود ہجر اس کے اور کچھ نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ (طریقہ نجات کا) ہو اُسے مظلوم کیا جائے (صورت حال سے ان کو مطلع کرنا مقصود نہ تھا کیونکہ

صورت حال تو اُن کے سامنے بھی تھا۔ پس یہ جزیرہ حقیقت میں انشا ئیر استغفار
 تھا، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی کوئی چیز نہ تھی جس سے وہ دشمن کا مقابلہ کر سکتے
 ہوں اُن کے پاس اس زمین کے سوا کچھ نہ تھا کہ جس خُدا نے اُن کو (مصر) بخشنے
 کا حکم دیا۔ پھر اس حکم کی تعمیل کی توفیق رکھتا تھا وہ اُن کے ساتھ ہے اور وہ اُن کو
 دشمن کے حوالہ نہ کرے گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے عادات جاریہ وغیرہ پر نظر نہ کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی
 قدرت عادت کی پابند نہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتے ہیں جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں۔
 اس لیے اُنہوں نے (قوت یقین کے ساتھ) جواب دیا کلاں معی۔ وہاں سیدہ بن
 ہرگز نہیں (ہیں) کوئی نہیں پکڑ سکتا، کیونکہ میرا خُدا میرے ساتھ ہے وہ مجھے (بھات
 کا) راستہ بتلائے گا۔ گو موسیٰ علیہ السلام کے پُر زور جواب کا حاصل یہ تھا کہ اسے
 قوم! میرے پاس تم سے زیادہ کوئی چیز بجز قوت ایمان کے نہیں ہے۔ مجھے اپنے
 رب پر پُورا اور سچا یقین ہے کہ وہ مجھے میری اور تمہاری سب کی بھات کا راستہ
 بتلائے گا۔ چنانچہ وہ جواب سے غافل بھی نہ ہوئے تھے کہ خود اِدھی نازل ہوئی
 فادھینا ائی موسیٰ ان اعزب بدمالک البحر کہ اپنے عصا کو سمندر پر مارو۔ اس
 میں غلہ تعقیب بتلا رہی ہے کہ جواب کے ساتھ ہی اِدھی نازل ہوئی اور یہ کہ
 ہب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق (خاص) کی خبر دی اُسی وقت اُن
 کو (طریق بھات کی) ہدایت ہوئی جیسا باعزت و جلال ہستی کی شان کے لائق
 ہے۔ جب کوئی کمزور اسی پر بھروسہ کرے (اور اُس کی پناہ میں آجائے تو وہ
 اپنی شان کے مناسب مدد کیا کرتا ہے) چنانچہ اس کے بعد اُن کا اور اُن کے دشمن کا جو
 انجام ہوا وہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرما دیا ہے (گو موسیٰ علیہ السلام کے
 لیے سمندر کا پانی چھٹ کر خشک راستہ بن گیا اور دشمن اُس میں گھسا تو پانی بڑبڑ
 ہو گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ اسی طرح اسے مخاطب: جس کے
 سامنے یہ فقرہ بیان کیا گیا ہے اگر تو بھی اپنے پروردگار کے حکم کی پوری عزت و تعظیم

کسے گا جیسا تجھ کو حکم ہوا ہے اور خدا کے سوا کسی چیز سے اپنے دل کو نہ اٹھائے گا تو وہ ہر ضرورت کے موقع پر نصرت و کامیابی سے تیری مدد کرے گا۔ ایسے موقع پر تجھ کو عادت جاریہ پر نظر کر کے گھبرانا نہ چاہئے جیسا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کیا (بلکہ یقین کے ساتھ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ میرے ساتھ ہے وہ ضرور نجات کار، ستر اپنی قدرت سے غلابِ عادت پیدا کر دے گا) پس تجھ کو اپنے ایمان میں موسیٰ القل ہونا چاہیئے اور عقل موسیٰ کا فیصلہ ہی تھا کہ عادت اور اسباب کوئی چیز نہیں، اللہ تعالیٰ غلابِ عادت بھی سب کچھ کر سکتے ہیں، تو تیری ہونٹے نسانی کا فرعون اللہ کی سرانی سے دیسائے ہلاکت میں غرق ہو جائے گا اور ایسے ہی ہر وہ شخص بھی (تباہ ہو جائے گا) جو تیرے ساتھ برائی کا قصد کرے گا۔ کیونکہ حق تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمے حق ہے۔

قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کا یہ فقرہ اسی وعدہ کی تصدیق کے لیے بیان کیا گیا ہے کیونکہ جو فقرہ وعدہ کے بعد بیان کیا جاتا ہے اُس سے وعدہ کی تصدیق و تاکید ہی منظور ہوتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنْ تَصْرَحْ بِاللّٰهِ يُصْرَحْ اِذَا كُنَ اِلَیْكَ اَمْرٌ مِّنْهُ لَوْ كُنْتَ فَاحِشًا لَّابْتِغَايَ لَمُنْعٍ مِّنْكَ اَوْ تَعْلِيْلًا لِّمَا فَتَحَ لَكَ رَبُّكَ لَوْلَا رِزْقُ رَبِّكَ لَكُنْتَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کی مدد یہی ہے کہ اُس کے امر کا اتباع کرے اور جس چیز سے منع کیا ہے اُس سے دُور رہے (اور یہ حقیقت میں خود اپنی مدد ہے کیونکہ ادا امر و نواہی النہی کی پابندی میں بندہ ہی کا نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نفع نہیں مگر یہ اُن کا نطفہ و کرم ہے کہ اس کو اللہ کی مدد فرمایا)۔

اس فقرہ میں ایک اور بھی لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ جماعت میں اگر ایک شخص بھی حکم الہی کی تعمیل کرنے والا ہو باقی سب اُس شخص کے مطیع ہوں تو سب کی مدد (اللہ کی طرف سے) کی جائے گی۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام جیسا صاحبِ یقین اُن کے سوا کوئی نہ تھا مگر چونکہ وہ سب اُن کے مطیع تھے تو اس

عجیب و غریب نفرت کی برکت سب ہی کو حاصل ہو گئی ۔

اس میں ایک اور بھی اشارہ ہے جو اس معنوں (سابق) کو نوکد کر رہا ہے وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے تعمیلِ حکم میں سبقت کی (کہ اللہ کے حکم سے معرے نکل پڑے) تو انہوں نے سچے یقین کے ساتھ کھ لیا کہ حکم دینے والا اپنے بندہ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا جس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے کیونکہ یہ تو وعدہ خدائی ہے اور وعدہ خدائی جناب حق میں محال ہے۔ پس جو شخص یہ جانتا ہو کہ میں محکمِ الہی کے موافق کر رہا ہوں جیسا اُن کا حکم ہے (ویسا ہی کر رہا ہوں) اور تعمیلِ حکم کا منشا معنی ایان اور طلبِ ثواب ہے تو اُس کو نفرتِ الہی میں شک نہ کرنا چاہیے اور کچھ بھی دوسرہ اور شبہ دل میں نہ لائے۔ اگر اُس کے دل میں شک نے راہ لی تو تصدیق میں ضعف ہو گا اور تصدیق ہی کا نام ایان ہے اور ایان کی کمزوری خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت ہے۔ گو اس کو شعور نہ ہو اور یہ دشمن کی چال ہے ۔

(شیطان اسی طرح انسان کو فریب دیا کرتا ہے) بعض دفعہ اس شک ہی کی وجہ سے نفرت میں دیر ہوتی ہے اور اس تاخیر کی وجہ سے اس کا ضعف یقین بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ شدتِ عقلی (بڑی بد بختی) کا سبب بن جاتا ہے اور یہ بھی دشمن کی ایک بڑی چال ہے کہ اسی طرح وہ مومن کو کفر تک پہنچانا چاہتا ہے ۔

اللہ تبارک نے قرآنِ کریم میں اُن لوگوں کی تعریف کی ہے جو حکمِ الہی کی تعمیل کرتے ہوئے یقین پر جمے رہے۔ جیسا ہم نے ابھی بتلایا۔ پھر اُن کا کیا عمدہ انجام ہوا۔ تو ہم کو بھی اس بات میں اُن کی تقلید کرنا چاہیے۔ چنانچہ فرماتے

ہیں ۔ الذین قال نعم ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم

فزاہد ایماندا قالوا حسبنا الله ونعم الوكيل فانقلبوا بنعمة من الله و

فضل لم يسبهم سوء فاتبعوا رضوان الله والله ذو فضل عظیمہ

یہ مومن وہ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے مقابلہ کو (قریش نے) بہت بڑا

لشکر جمع کیا ہے اُن سے ڈرو اور میدانِ بدر کا رخ نہ کرو (تو اس خبر نے اُن

سے کیا فائدہ ہو گا کہ ہم کسی ایسے مالدار کی حالت کی تنقید کریں جو مواقع غیر میں اپنا مال خرچ کرتا ہے یا کسی عالم کی حالت کی تنقید کریں جو علم سے فیصلہ کرتا اور دوسروں کو تعلیم بھی دیتا ہے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر شخص میں اس کی اہلیت عیس تو جو شخص بھی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا وہ کیونکہ ایک عالم کی حالت کی تنقید کر سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ میں کسی طرح اُس کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

جواب یہ ہے کہ (تنقید تو محال کی بھی ہو سکتی ہے اور یہ تو امور لکھنے ہیں اُن کی تنقید ہر درجہ ادنیٰ ہو سکتی ہے پس) اگر یہ شخص اللہ کے ساتھ اخلاص سے معاملہ کر کے (چنے دل سے) اُس کی حالت کی تنقید کرے گا اس کو اس کے برابر ثواب ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا چار شخصوں کے لیے ہے (یعنی دنیا میں چار قسم کے آدمی ہیں) ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا علم بھی دیا وہ اس مال (کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے) میں اپنے خدا سے ڈرتا ہے۔ (حرام طریقہ سے کمانے اور حرام کاموں میں خرچ کرنے سے بچتا ہے) اُس سے اپنی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے (زکوٰۃ و صدقہ وغیرہ اور اُن حقوق کو پوری طرح ادا کرتا ہے) یہ تو سب سے افضل (واعلیٰ) درجہ میں ہے۔ ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم تو دیا مال نہیں دیا تو وہ سچی نیت کے ساتھ اللہ سے کتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا میں بھی غلام (مالدار عالم صالح) کی طرح کام کرتا۔ ان دونوں کا ثواب برابر ہے۔

ایک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا علم نہیں دیا اور وہ جمل کی وجہ سے مال میں گڑبگڑ کرتا ہے۔ نہ اُس (کے کلمے اور خرچ کرنے) میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور نہ اُس سے صلہ رحمی کرتا ہے۔ نہ اُس میں وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ حق جانتا ہے یہ سب سے بدتر درجہ میں ہے۔ ایک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ علم دیا نہ مال دیا اور وہ (اپنے دل میں بیوں

کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں (جاہلی مالدار) کی طرح کام کرتا (میرے اڑانا اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا) تو یہ اپنی نیت کے ساتھ ہے۔ ان دونوں کا گناہ برابر ہے۔

اس حدیث میں علم سے مراد یہ ہے کہ مال میں اللہ تعالیٰ کا حق معلوم ہو اور اتنا علم تو قریب قریب ہر شخص کو ہوتا ہی ہے بجز معدودے چند کے اور جب یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بھی مال میں حق ہے مگر اُس کے ادا کرنے کا طریقہ معلوم نہیں تو اس کو ٹکھا سے دریافت کر کے اُن کے فتوے کے موافق عمل کرنا چاہیئے۔ پس اول تو یہ جاننا ضروری ہے کہ مال میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر اُس کے ادا کرنے کا عزم ہونا چاہیئے۔ پھر اُس کا طریقہ دریافت کرنا چاہیئے۔ پھر طرق واجبہ اور مستحبہ میں مال خرچ کرنا چاہیئے۔ جس کو یہ علم حاصل ہو اُس کو عالم کہا جائے گا (کیونکہ حقوق مال کے متعلق جتنا علم ضروری ہے وہ اس کو حاصل ہے)۔

اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ و سلم کی اپنی اُمت کے ساتھ بے انتہا خیر خواہی واضح ہے کہ آپ اُن کو ہر اُس چیز کی ہدایت فرماتے ہیں جس سے دونوں جہان میں نفع حاصل ہے۔ چنانچہ ان دو چیزوں میں حسد (اور رشک) کو جائز فرمایا تا کہ رشک کرنے والے کو بھی یہ بلند درجہ حاصل ہو جائے جس کے حامل ہونے کا طریقہ اُس کو معلوم نہ تھا (کیونکہ مفلس اور بے علم آدمی کیونکہ سمجھ سکتا ہے کہ مجھے افلاس اور جہل کی حالت میں بھی مالداروں اور مالکوں کی برابر درجہ مل سکتا ہے)۔ حکایت ہے کہ بنی اسرائیل پر ایک دند سخت قحط ہوا تو اُن کا ایک غلبہ ریت کے ٹیلہ پر سے گزرا اور دل سے یہ تمنا کی کہ اگر میرے پاس ریت کے اس ٹیلہ کے برابر غلہ ہوتا تو بنی اسرائیل پر صدقہ کر دیتا۔ سچی نیت سے تمنا کی حتیٰ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کا معاملہ سمجھا تو اُس نے ماننے کے بجائے پرا اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ فلاں عابد سے کہہ دو کہ میں نے اُس کا صدقہ

قبول کر لیا ہے۔ میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ہم کو بھی طبیعت پر ایہ میں عمدہ تعلیم سے خیر کے وہ تمام خزانے بخلا دیں جو پہلی امتوں نے حاصل کئے تھے۔ اس طرح اگر کسی شخص کی عمر علم حاصل کرنے کے قابل نہیں رہی وہ اگر کسی عالم کی حالت کی تفتا کرے گا اُس کو اس نیت اور عزم کا ثواب ملے گا۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نیت المؤمنین ابغض من عملہ مومن کی نیت اُس کے عمل سے زیادہ (اللہ کے یہاں) پسندنے والی ہے۔ ایک دین دار بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے ایک بیمار بھائی کے پاس (بیجا دُپرسی کو) گئے تو بیمار نے کہا قصد کر لیجئے کہ ہم سب مل کر حج کو چلیں گے۔ پھر سب ملکر جماد کریں گے۔ پھر سب مل کر سرحد اسلام کی حفاظت کریں گے۔ بزرگ نے کہا بھائی صاحب! آپ کی حالت تو یہ ہے کہ (بستر سے اُٹے ہوئے ہیں اور ارادے یہ ہیں) کہا اگر زندہ رہے تو ارادہ پورا کر کے رہیں گے اور مر گئے تو ہم کو نیت کا ثواب ملے گا جبکہ نیت نیت ہو (پس دل سے ارادہ ہو) یہ لوگ ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی بات کو سمجھتے ہیں۔

پھر اس کے ساتھ اس تقا سے دو باتیں اور بھی حاصل ہوں گی۔ ایک اپنی عمر پر باد جانے پر ندامت ہوگی رک نہیں نے فلاں عالم کی طرح اپنی عمر کو تحصیل علم میں کیوں خرچ نہ کیا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الندم توبہ "ندامت ہی کا نام توبہ ہے۔ دوسرے اس کو اہل خیر سے محبت ہوگی دُوسروں سے اُن کو افضل سمجھے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المؤمن مع من احب۔ آدمی اُسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت کرے گا۔ (مراد صبیح علی ہے صبیح علی نہیں۔ پس اگر کسی کو کسی کا فریا فاسق عورت سے عشق بلا اختیار ہو جائے مگر عقلاً وہ اللہ و رسول اور اہل اللہ سے محبت رکھتا ہے تو وہ اہل اللہ کے ساتھ ہی رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ) اور کبھی کسی بات میں جو اُن سے سُنئے گا اُس کو ان کی اتباع بھی نصیب ہو جائے گی۔

اس میں اور اُن میں کسی قدر مشابہت (اور موافقت) ہو جائے گی والتشبهہ ہلکرام فلاح اور بزرگوں کے ساتھ مشابہت حاصل کرنا بھی فلاح (اور لایابی) ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ سچا ہوا تو بطور خرق عادت کے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے علم کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ جیسا فتوح الشام میں یونان و روم اللہ علیہ کے متعلق مذکور ہے کہ وہ عربی زبان بالکل نہ جانتے تھے جب مسلمانوں نے اُن کا قلعہ فتح کر کے اُن کو قید کر لیا تو شیخ کو وہ عربی بولنے لگے اور قرآن حکیم کی چند سورتیں حفظ پڑھنے لگے اور اسلام لے آئے۔ مسلمانوں کے امیر نے پوچھا کہ یہ حالت تم کو کیونکر عطا ہوئی؟ ترجمایا کہ میں نے مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا۔ آپ نے مجھ کو عربی زبان سکھادی اور قرآن کی سورتیں یاد کرائیں۔ پھر مسلمانوں کو اُن کے اسلام سے بہت نفع پہنچا۔

یہ حکایت ہم نے صرف اس لیے بیان کی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ علم بطور خرق عادت کے بھی حاصل ہو سکتا ہے (تو اُس کی تائید اور بے فائدہ نہیں ہو سکتی) یا اللہ تعالیٰ اس (تقنا کرنے والے) کو اُس کی برکت سے اُسی طرح مال دے دیتے ہیں جیسا مال دار کو دیا ہے (تو یہ تمنا بھی بے فائدہ نہیں۔ کیونکہ مال تو صبح و شام آنے جانے والا ہے۔ کچھ بید نہیں کہ اللہ تعالیٰ دم کے دم میں کسی مفلس کو مال دار بنا دے خصوصاً جبکہ اُس کی نیت یہ ہو کہ مال حاصل ہونے پر نیک کاموں میں خرچ کرے گا۔ غریبوں کی امداد کرے گا۔ قربت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے گا)۔

اگر بطور خرق عادت کے یہ مالدار نہ بھی ہوا تو اس نیت کا ثواب تو اُس کو ملنا ہے گا۔ پس ہم نے جواباً اُدھر کسی تھی وہ (اچھی طرح) واضح ہو گئی کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت کے ساتھ غایت شفقت اور رحمت تعلیم پر دلالت ہے (کہ حضور نے اپنی اُمت کو وہ تمام باتیں

بتلا دی ہیں جس سے اُن کو دونوں جہانوں میں فائدہ حاصل ہو، اس حدیث سے چند علمی مسائل اور بھی معلوم ہو گئے۔

ایک یہ کہ حدیث و قرآن کے سمجھنے میں پوری کوشش کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان دونوں ہی میں بڑی خیر و برکت ہے۔ دوسرے یہ کہ جس کو اپنے ماتحتوں پر کچھ بھی ولایت (اور حکومت) حاصل ہو اُس کو سوچنا چاہیے کہ وہ اُن کو کس طرح اپنے حق تعلیم سے غیر (اور فتنہ) پہنچا سکتا ہے تاکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء (اس سنت میں بھی) ہو جائے۔ اگر اور کسی پر زور نہ ہو تو اپنے نفس پر تو ہر شخص کا زور ہے (تو کم از کم اپنے آپ ہی کو فتنہ اور غیر پہنچانے کے طریقے سوچا کرے)۔

حدیث میں اس پر بھی اشارہ ہے کہ علم سے پورا فتنہ بدون عمل کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دینی بھائی کہ ایک شخص کو اللہ تمنا لے نے علم دیا ہے تو وہ اُس کے موافق فیصلہ کرتا ہے۔ (معلوم ہوگا کہ عالم کی حالت قابلِ رشک اُسی وقت ہے جب وہ اُس پر عمل کرتا ہو)۔

اور اس میں صوفیہ (کے اس عمل) کی بھی دلیل ہے کہ اُن میں سے ہر شخص دوسرے سے یہ سوال (پہلے) کرتا ہے کہ تمہارا مقام (آج کل) کون سا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کیسا ہے؟ یہ سوال وہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ اس ترقی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب ہو۔ (کیونکہ حضورؐ یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان برابر ترقی میں رہے تنزل نہ ہونے پائے۔ اگر عمل سے ترقی نہ کر سکے نیت خیر ہی سے ترقی کرے) اور تاکہ ایک کو دوسرے کی حالت پر رشک ہو (تو وہ بھی اُس مقام کے لیے کوشش کرے جو دوسرے کو حاصل ہے۔ اگر وہ مقام حاصل نہ بھی ہو تو کوشش اور نیت کی برکت سے ہی اُس کے برابر ہو جائے گا)۔

اسی لیے (کسی عادت نے) فرمایا ہے جب میرا نفس آپ کا (غلام) ہو جائے
اور آپ میرے ہو جائیں تو میں دونوں جہان کا مالک ہوں۔ دونوں جہان
میرے ہیں۔

قوله وقد يقول السامعون اد بعضهم داعي قائدة لنا الى قوله

فانا صاحب الدارين وهما لي۔

ف۔ واقعی فقہاء اور صوفیہ ہی سچے حکماء ہیں۔ دیکھو اس حدیث سے اُن
عجیب و غریب فوائد کو معلوم کرنا کتنی بڑی حکمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے صوفیہ کو
عطا فرمائی ہے۔ اے اللہ! میری تہا سچے دل سے یہ ہے کہ میری بقیہ عمر دربارِ تُو
اور درسی حدیث میں تمام ہو اور عافیت اور راحت و طمانیت اور دل بھی ہمدرد
اتم مجھے عطا ہو۔ زندگی دُنیا میں بھی اور موت کے وقت میں اور موت کے بعد قبر میں
بھی اور میدانِ حشر میں بھی اور اے اللہ! مجھے اور میرے اہل و عیال و ابا پ
کو بھی یہ دولتیں عطا ہوں۔

وبنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدارنا وانصرنا

علی القوم الکافرین۔



حدیث

فضل الصدقہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے (اپنے دل میں) کہا میں (آج) ضرور کچھ صدقہ کروں گا۔ وہ اپنے صدقہ (خیرات کا مال) لے کر نکلا اور ایک چور کے ہاتھ میں دے دیا۔ چھ کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ (رات) ایک چور کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لیے حمد ہے۔ میں (آج پھر) ضرور صدقہ کروں گا وہ (رات کو) پھر صدقہ لے کر نکلا اور ایک زنا کار عورت کو دے دیا۔ صبح کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج رات ایک زانیہ پر صدقہ کیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لیے حمد ہے۔ میں (آج پھر) ضرور صدقہ کروں گا وہ (رات کو) پھر صدقہ لے کر نکلا اور ایک غنی کو دے دیا۔ صبح کو چرچا ہوا کہ آج غیور (غنی کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لیے حمد ہے چور (کے صدقہ) پر اور زانیہ (کے صدقہ) پر اور غنی (کے صدقہ) پر، تو اُس کے پاس پیام پہنچا کہ تیرا چور کو صدقہ دینا (بیکار نہیں گیا)۔ اُمید ہے کہ وہ چوری سے باز آ جائے اور زانیہ پر صدقہ (بھی بیکار نہیں گیا) اُمید ہے کہ وہ زنا سے بچ جائے اور غنی پر صدقہ (بھی بیکار نہیں گیا) اُمید ہے کہ اُس کو عبرت ہو جائے اور وہ بھی اللہ کی دی ہوئی نعمت سے غریب نہ رہے۔

شرح ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تین مسائل کو جاری رکھنا رفت و درجات کا سبب ہے۔

(دیکھو اُس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو مسائل کی تھاکہ میں صدقہ کروں گا اُس پر برابر جاریا۔ ایک صدقہ کے بے محل فرق ہونے کے بعد دوبارہ اور سہارہ صدقہ کرنا تاہا تو اُس کے درجات قرب میں ترقی ہوتی رہی اور ہر صدقہ قبول ہوتا رہا کوئی بھی بیکار نہ گیا اگرچہ بظاہر بے محل فرق ہوا تھا)۔

(۱۶۶) صدقہ نافلہ چھپا کر دینا چاہیے صدقہ کرنا افضل ہے پہلی شریعتوں میں بھی یہ حکم ہماری شریعت کی طرح تھا کیونکہ سیاق حدیث بتلا رہا ہے کہ یہ صدقہ دات کو کیا گیا تھا (اور بعض الفاظ اس کی تصریح بھی ہے) منها الدلیل علی صدقۃ السرائی قولہ فاصبح الناس یخمدون۔

فت حوالہ کو اس کلامت اہتمام ہے مگر یہ حکم صدقہ نافلہ کے لیے ہے۔ فرض کا اخفاء بہترین اُس کو عطا نہ دینا چاہیے جیسا نماز میں نفل کا اخفاء افضل ہے اور فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا لازم ہے۔

(۱۶۷) اپنے دل سے نیک عمل کے متعلق باتیں کرنا جائز ہے حدیث

معلوم ہوا کہ اپنے دل سے اچے کام کے متعلق باتیں کرنا جائز ہیں۔ کیونکہ اس شخص نے کہا تھا کہ میں آج مزدور صدقہ کروں گا اور حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ کسی سے کہا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ اُس نے اپنے دل سے کہا تھا اور اس میں نااندہ یہ ہے کہ نیت اچھی طرح محقق (اور مضبوط) ہو جاتی ہے۔ وغیرہ دلیل علی جواز مفاوضۃ المراءع فیہ الی قولہ تحقیق النیت۔

فت۔ اس سے فقہاء حنفیہ کے اس قول کی دلیل واضح ہو گئی کہ نماز وغیرہ میں زبان سے بھی نیت کر لینا اچھا ہے۔ ابلی خاسر نے اس کو بدعت کہا ہے مگر اُنہوں نے

اس حدیث میں غور نہیں کیا۔

(۱۶۸) عمل میں اخلاص کا اہتمام ہی کامیابی کا وسیلہ ہے حدیث ہے
کہ عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا اور آمیزش (نفس و غرض) سے پاک کرنا
ہی کامیابی کا بڑا وسیلہ ہے۔ دیکھو (اُس شخص نے خاص دھانے حق کے لیے عمل کیا
تو اُس پر ایسا فضل بھرا اور کسی بشارت دی گئی کہ امید ہے ایسا ہو، امید ہے ایسا
ہو، امید ہے ایسا ہو۔ جب اُس نے اپنی سی کوشش خرچ کر دی اور مقدر سے
جو کچھ پیش آیا اُس پر راضی رہا (تو اللہ تعالیٰ نے اُس کا ہر صدقہ قبول فرمایا اور
اسی کے برعمل ہونے کی بشارت دی) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ صدقہ کے لیے
معرفتِ غیر تلاش کرنا پہلی شرطوں میں بھی مطلوب تھا جیسا ہماری شریعت میں
ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تَحْبِصُوا وَلِلَّهِ قَاتِلُكُمْ
اپنے صدقات کے لیے معرفتِ غیر تلاش کرو اور اس حدیث میں بھی ہے کہ
جب اُس شخص نے سُننا کہ اس کا صدقہ غیر مستحق کے پاس پہنچا ہے تو اُس نے
صدقہ کا اعادہ کیا۔ دُفِیه دَیْسَ عَلٰی اَنْ تَحْقِیْقَ الْعَمَلُ لِلّٰہِ تَعَالٰی اِلٰی قَوْلِہ
فِی غَیْرِہِ مَسْئُوْبٌ لِّہَا۔

ف۔ اس حدیث کی شرح میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ صدقہ نفل تھا یا فرض۔
حضرت شارح کی رائے یہ ہے کہ یہ صدقہ فرض نہ تھا بلکہ مستحب تھا کیونکہ میری
دفعہ بھی اُس کا صدقہ بے عمل صرف ہوا تھا۔ پھر اُس نے اعادہ نہیں کیا۔ اگر فرض
ہوتا تو پھر اعادہ کرتا۔ مگر یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہو گا۔ حنفیہ کا مذہب
یہ ہے کہ جب صدقہ کرنے والا اچھی طرح سوچ سمجھ کر یہ گمان کرے کہ کسی کو صدقہ دے گا
یہ فقیر محتاج اور مستحق ہے بعد میں معلوم ہو کہ مستحق نہ تھا تو صدقہ ادا ہو جائے گا
خواہ فرض ہو یا نفل البتہ اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ صدقہ لینے والا اس کا بیٹا یا
نکاح یا بیوی یا شوہر ہے تو فرض کا اعادہ لازم ہے کیونکہ صدقہ گھری میں لوٹ آیا

ہے باہر نہیں گیا اور اگر صدقہ نازل ہو تو عادیہ لازم نہیں۔ کیونکہ صدقہ نازل ہر شخص پر ہو سکتا ہے خواہ اولاد و اصول ہی کیوں نہ ہوں اور اُس شخص نے جو صدقہ کا اعلیٰ کیا تو یہ عزیمت تھی اور عزیمت پر عمل کرنا افضل ہے یا نکلن ہے پہلی اُنہوں کے لیے اس شخصیت میں عادیہ لازم ہو۔ آج کل صدقہ کے لیے معرفت تلاش کرنے میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے۔ عام طور سے صدقات و زکوٰۃ کا درجہ سائلوں کو یا چندہ مانگنے والوں کو دے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس کے زیادہ سختی وہ لوگ ہیں جو خود نہ اپنے واسطے سوال کرتے ہیں نہ کسی حدسہ اور انجن کے واسطے چندہ کرتے ہیں۔

للفقراء الذین احصوا فی سبیل اللہ لا یتطیعون ضرباً بالفرسین
محبہ۔ الجاہل اغنیاء من استغف ۵۔

مولا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرغن وفات میں فرمایا کہ زکوٰۃ کا درجہ ہدیہ سے کمتر ہے (گو زکوٰۃ فرض اور ہدیہ سنت مگر میں دفعہ سنت فرض سے بڑھ جاتی ہے جیسے تلاوت قرآن سنت ہے اور اُس کا سنت اُس شخص پر جس کو آواز پہنچ رہی ہے فرض ہے مگر تلاوت کا درجہ سماج سے زیادہ ہے۔ اسی طرح ابتداء سلام کرنا سنت ہے اور اُس کا جواب دینا فرض ہے۔ مگر ابتداء سلام کا درجہ جواب سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے مگر وہ مال کو پاک کرنے والی ہے اور ہدیہ سنت ہے مگر وہ قلبِ مسلم کو خوش کرنے کے واسطے ہے اس لیے اس کا درجہ زکوٰۃ سے بڑھا ہوا ہے۔

پھر فرمایا زکوٰۃ دینے والوں پر معرفت کا تفقہ لازم ہے۔ جو شخص جس قدر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے ممبر کرتا ہے اسی قدر اہل سوال پر بقدر اُس کے ممبر کے اُس کی امداد لازم ہو جاتی ہے یہ ہیں اصل معارف زکوٰۃ کے۔ مگر یہ اہل اموال سائلین کو اور چندہ والوں کو دے کر کہتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ جن شخص کے مال میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد برکت نہ ہو بلکہ لو کہ اُس نے زکوٰۃ معرفت میں نہیں دی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

یعنی اللہ الہ بادیہی جب الصدقات - اللہ تعالیٰ کو کو مٹا دیتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ کا وعدہ سچا ہے ۔

(۱۶۹) ظاہر پر ہی محکم لگایا جائے گا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکم ظاہر پر لگایا جائے گا جب تک اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور یہ کہ تمام ادیان (سابقہ) میں اُسی پر عمل تھا کیونکہ یہ شخص درات کو نکلا اور ان لوگوں کو (جن پر وعدہ کیا گیا) بظاہر مسکین سمجھا تو اُس نے اُن کی ظاہری حالت کے موافق عمل کیا اور وعدہ دے دیا۔ جب اُس کے گمان کے خلاف ثابت ہوا تو اُس نے عمل کا اعلاہ کیا ۔

حدیث میں اس پر بھی تبصرہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے سچے دل سے کوئی چیز خیرات کرے اور مال عدل طیب ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو سنائے نہیں فرماتے بلکہ اُس کی خیرات کو اُس کی بخشنے سے بہتر معرفت میں پہنچا دیتے ہیں ۔ جیسے حدیث کے آخر میں بشارت کے مضمون سے واضح ہے اور اس میں جو اُمید کا لفظ ہے یہ شک کے واسطے نہیں بلکہ یقین کے واسطے ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے ۔ جس سے مقصود تسلی ہے اور تسلی یعنی خبری سے ہو سکتی ہے (مگر مبادرت شاہی میں وعدہ کے موقع پر اُمید ہی کا لفظ اختیار کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ اُس کا حق بادشاہ پر ہے بلکہ وعدہ شاہی کو معنی فضل و کرم سمجھے ۔

عجیب حکایت اس موقع کے مناسب ایک شخص کی حکایت ہے کہ اُس کے دل میں یہ بات آئی کہ اللہ کے لیے سو دینار (اثر نیاں) خیرات کرو ۔ وہ ایک ہندو کے پاس گیا اور عمر بن ابی حفص مجھے بتلائے یہ خیرات کس کو دوں ؟ فرمایا کل کو کویر سے شہر پناہ پر پہنچ جاؤ جو شخص سب سے پہلے تم کو ملے اُس کو دو دے دو۔ اُس نے ایسا ہی کیا تو سب سے پہلے ایک شخص ملا ، جو دُنیا دار (مالدار) مشہور تھا اور اُس کی حالت سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا تھا لباس اور ظاہری شان سے فقیر مسکین معلوم نہ ہوتا تھا) اُس نے دل میں کہا کہ اس فحشی کو

حد تک کیونکر دے گا۔ پھر خیال کیا کہ شاید مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں، ان کے ارشاد پر عمل کرنا چاہیے، چنانچہ مال اُس کے حوالے کر دیا۔ مال دینے کے بعد دل میں غلبان پیدا ہوا تو اُس نے کہا بتدائیں بھی اُس کے پیچھے رہوں گا دلچسپ یہ کیا کرتا ہے؟ چنانچہ دُور سے اُس کے پیچھے ہو یا راکر اُس کو خبر نہ ہو، تو دیکھا کہ اُس نے ایک دیراز میں جاگنا پنے کپڑے۔ نیچے سے کوئی چیز نکال کر چھپکی ہے۔ اُس نے وہاں جا کر دیکھا تو مرثیہ ہوئی تشریف نہ لے۔ پھر اُس کے پاس چلا بسا، کہ وہ گھر میں داخل ہو گیا تو اُس نے دروازہ کے پیچھے کھڑا ہو کر کان لگا۔ اور سنا کہ وہ اپنے بال بھڑ سے کہہ رہا ہے خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے فتوحات بھیجی ہیں اور سارا نقص بیان کیا۔

وہ سب خوش ہوئے۔ پھر وہ بازار گیا اور گھروں کے لیے کھانا خریدا۔ یہ بھی اُس کے پیچھے رہا اور ساتھ ہی خواہ مخواہ اُس نے کو دیکھ کر بالی بھنڈ کی خوشی بھری رکھی۔ اُن کی باتیں بھی نہیں تو معلوم ہو کر اب غاف سے تھے۔ اُس نے اس پر ہنس دیا، بلکہ جب شخص اُن کے پیچھے سے فارغ ہوا، اُس نے کہا تو قسم دے کر اُس کا حال پوچھا۔ اُس نے کہا تین دن سے ہمارے گھر میں کسی نہ کچھ شیں غایا۔ سب غاف سے تھے، میرے پاس کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی جس کو بچ کر رکھا تھا۔ صرف یہ کپڑے بدن پر ہیں، ہمارے اپنی پردہ پوشی کرتا، اور کہ لوگ اس شاندار لباس کو دیکھ کر مجھے مار مار کہتے ہیں۔

آج میں گھر سے نکلا کہ شاید کوئی چیز مل جائے جس کے ذریعہ ان کا غاف توڑ دے تو میں نے وہ مرثیہ مری ہوئی پانی میں کوتم نے مجھے پھینکے ہوئے دیکھا۔ میں نے (دل میں) کہا اللہ کا شکر ہے آج ہم اس سے کچھ سدا کر میں۔ جو کل کو ہندو خان اور کچھ دے گا۔ میں اُس کو لے کر جا رہا تھا کہ تم نے مجھے وہ رقم دی تو اب مردار ہمارے واسطے حرام تھا۔ میں نے اُس کو پسینک دیا اور کہا۔ اُسے صبر سے کھانا خریدا، اب تو یہ شخص بڑا خوش ہوا اور جا کر شیخ سے سارا نقص بیان کیا۔

فرمایا برخور وارمن ! جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مُنت (اور عادت) یہی ہے کہ اُس کے واسطے سب سے بہتر اور عمدہ حالت تجویز فرماتے ہیں۔ قولہ دلیہ دلیل علیٰ انہ الملک للظاہر الی قولہ خیر الامور واحسنہا

نوٹ۔ عزیز من ! تمام تر مدار سچائی اور غلوں پر ہے اس کے لیے اہل طریق نے یہ ریاضات و مہاہات تجویز فرمائے ہیں جو مثنویہ میں مانجے ہیں۔ مگر کچھ لوگ ریاضات و مہاہات خود مطلوب نہیں بلکہ اُن کے ذریعہ صدق و غلوں کی تحصیل مطلوب ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تو ریاضات و مہاہات سب بیکار ہیں اور یہ حاصل ہو جائے تو سب کار آمد ہیں اور اگر بدون مہاہدہ ریاضت کے کسی کو یہ دوست نہ جائے تو اُس کو مہاہدہ ریاضت کی اصل حاجت نہیں۔ پس تفسر و کثرت ذکر کافی ہے۔

نوٹ۔ ظاہر و حکم لگانا مثنویہ کے یہاں بھی معمول ہے۔ پس جو لوگ مشائخ کے اعمال و احکام کو حقیقت پر مبنی سمجھتے ہیں۔ غلط ہے حقیقت الامر کی خبر اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لا یعلم الغیب الا هو اور معصوم بجز نبی کے کوئی نہیں خواہ کتنا ہی بڑا ولی ہو مثنویہ کو اپنے مشائخ کے ساتھ محبت و عقیدت تو لازم ہے مگر عقیدت کو مذ سے نہ بڑھانا چاہیئے۔ جب عقیدت حد سے بڑھ جاتی ہے عُقیدت پرستی پیدا ہو جاتی ہے جو تعلیم اسلام کے خلاف ہے۔

(۱۶۰) تسلیم و رضا کی برکت کیونکہ اس شخص کی کوشش بظاہر ہر دفعہ نام رکھی۔ مگر وہ نیک دل نہ ہو اور ہر دفعہ تسلیم و رضا کی شان سے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا رہے اور اپنے معاملے کا اعادہ کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کو شہادت سے نوازا گیا۔ دلیہ دلیل علیٰ برکتہ التسليم والرضا الی قولہ قاتلہ ثلاث البشارت۔

فت۔ تسلیم درخا کا دوسرا نام تنوین ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اُس کی درخا پر راضی رہے۔ موقوفہ کی یہ خاص شان ہے۔
غیر تسلیم درخا کو چارہ درکعب شیر زخو سخاۃ

(۱۷۱) مالداروں میں حرص زیادہ ہوتی ہے کہ اکثر مالداروں میں حرص کا مارہ زیادہ ہوتا ہے۔ رکھو اُس شخص نے آخر میں جس کو صدقہ دیا وہ فنی تھا۔ اگر اُس نے صدقہ لے لیا۔ حالانکہ وہ اُس کا مستحق نہ تھا اور اگر مالداروں میں حرص زیادہ نہ ہوتی تو اُن کے پاس مال ہی نہ جمع ہوتا اور لا ماشاء اللہ حقیقہ دلیل علی اذی غلبۃ الشیطان فی الغالب من الغنیۃ والی قولہ ما اجتمع المال لہم فی الغلب منہم۔

فت۔ عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مالداروں میں حرص نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُن کے پاس تو بہت کچھ ہے اُن کی نیت بھری ہوئی ہے۔ دل فنی ہے۔ مگر واقعہ یہ نہیں جو مالدار باقاعدہ زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے ہیں اُن کا تو دل فنی ہوتا ہے مگر جو زکوٰۃ نہیں نکالتے اُن میں غریبوں سے زیادہ حرص ہوتی ہے۔ اس لیے اہل اموال کے ہدایا میں غریبوں کے ہدایا سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

اسی طرح عام خیال یہ ہے کہ بڈھوں کی نظر جوانوں سے زیادہ پاک ہوتی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ بڈھوں میں شہوت زیادہ ہوتی ہے گو جھوٹی ہی شہوت ہو۔ جوانوں میں شہوت کم ہوتی ہے مگر جبب ہوتی ہے سچی ہوتی ہے۔ جیسے بڈھوں کو بھوک زیادہ لگتی ہے گو اُن سے کھایا نہیں جاتا بہت تھوڑا کھاتے ہیں اور یہ جھوٹی بھوک ہے جو اُن کو بار بار ہار سکتی ہے۔ اُن کو بھوک کی سہا نہیں ہوتی اور جوان کو بھوک زیادہ نہیں لگتی۔ اپنے وقت پر لگتی ہے اور سچی بھوک لگتی ہے۔ پس بڈھوں سے جوان عورتوں کو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے مگر یہ کہ بالکل گود کا مریرہ ہوگی ہو تو وہ غیر اولیٰ الادبہ من الرجال میں داخل ہوگا۔ یاں

سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو اپنی عورتوں کو پیروں کے سامنے بے پردہ لاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حضرت تو بُوڑھے ہو گئے ہیں ان سے پردہ کی کیا ضرورت ہے اور اُن مشائخ کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو عموماً مالداروں کے ہدایا کو غلاموں پر زہنی سمجھتے ہیں۔

(۱۷۲) بندگی کو قطع نہ کرو اگرچہ بظاہر قبول کی امید نہ ہو !

اس حدیث میں تنویر کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ خدمت کو قطع نہ کرو اگرچہ بظاہر اُس کے قبول ہونے کی امید نہ ہو یا قبول نہ ہونا متحقق بھی ہو جائے۔ کیونکہ غلام کو اپنے مولیٰ کی خدمت سے چارہ نہیں۔

دوایم خدمت الہی سے قبول کی امید کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے واقعات میں مذکور ہے کہ اُن میں ایک عابد نے برسوں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تو اُس زمانے کے نبی پر وی آئی کہ میرے فلاں بندہ سے کہ دو جتنی چاہے عبادت کرے وہ مجھ ہی ہے۔ نبی نے اس کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ اُس نے کہا میرے پروردگار! کے فیصل پر آفرین ہے پھر اپنے گھر واپس آیا اور پہلے سے بھی زیادہ عبادت کرنے لگا اور عرض کیا خداوند! میں تو آپ کی عبادت اُس وقت بھی کرتا تھا جبکہ میرا خیال تھا کہ مجھ میں کچھ بھی اہلیت نہیں تو اب کیونکر عبادت نہ کروں جبکہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اپنے دوزخ کا اہل بنا دیا ہے (دوزخ بھی تو آپ ہی کی ہے نسبت اب بھی باقی ہے تو مجھ میں کچھ تو اہلیت ہے کہ آپ کے ساتھ کسی قدر تعلق ہو گیا) چنانچہ وہ عبادت میں سرگرم رہنے لگا اور پہلے سے زیادہ کام کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اُن ہی ہینبر کے پاس پہر دم بھیجی کہ اُس عابد سے کہہ دو جو چاہے (غل) کرے وہ جنتی ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنے کو (کسی قابل نہیں سمجھا) حقیر و ذلیل جانا) اللہ اللہ خدا کو تو واضح کس قدر پسند ہے۔ یہی راستہ سب سے زیادہ نزدیک ہے مگر تواضع سے زیادہ دشوار بھی

کوئی چیز نہیں۔ بکتر اور زیادہ سب سے اخیر میں صدیقین کے دماغ سے باہر ہوتی ہے)۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ لئن اودتہ منی السورۃ کلمہ طیس لہ حکمہ بدوان ابدتہ۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ میں آپ سے اپنے دل کو خالی کر لوں تو مجھے تو آپ سے چارہ نہیں خواہ آپ رو کر میں (یا قبول کریں)۔

قوله وفيه دليل لاهل المعونة الذين يقولون لا تقطع الخدعة الى قوله وان ابدتہ۔

ف۔ اس شخص نے تو وحی آنے پر بھی عبادت کو قطع نہ کیا مگر وہ وحی قطع کا موجب ہے۔ پھر کسی کو اپنے کشف یا الہام پر اعتماد کر کے عبادت قطع کرنے کا کیا حق ہے؟ ایک بزرگ کے پاس اُن کا مرید آیا اور عرض کیا کہ مجب نہیں ذکر کرنے بیٹھا ہوں یہ آواز آتی ہے کہ تو کافر ہے۔ بزرگ نے فرمایا یہ دشنام محبت ہے محبوب کی عادت ہے عشاق کو پریشان کیا کرتے ہیں۔ کام میں لگے رہو اور اس آواز پر التفات نہ کرو۔ (غالباً کافر سے مراد کافر باطاعات تھا) مگر یہ گھبرایا وہ معنی مشہور پر ہی معمول کرنے لگا) شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ایک بار وحی میں اُس کو جہنمی کہا گیا دوبارہ جہنمی کہا گیا اور دونوں میں مستقبل کی خبر ہے تو ان متعارض خبروں کو کیونکر جمع کیا جائے گا اور اگر ایک کو ساقط کیا جائے تو کلام الہی میں خطا و کذب لازم آئے گا۔ تعالیٰ اللہ مع ذلک علو اکبیر۔

جواب یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے ایک جگہ جہنم میں بنی ہوئی ہے ایک جگہ جنت میں۔ اگر ایمان نصیب ہو گیا تو اُس کو جہنم کی جگہ پہلے دکھائی جاتی ہے کہ اگر تم ایمان دلاتے تو تمہارا ٹھکانہ یہاں ہو مگر اب یہ جگہ کسی کافر کو دی جائے گی اور تمہارا ٹھکانہ جنت میں ہے۔ پھر اُس کو جنت کا درجہ دکھلایا جاتا ہے تاکہ زیادہ خوشی اور قدر ہو۔ اسی طرح کافر کو پہلے جنت کا ٹھکانہ دکھلایا جاتا ہے کہ اگر تو ایمان لانا یہاں پہنچنا مگر اب تیرا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔ پھر اس کو جہنم کا درجہ دکھلایا جاتا

ہے تاکہ حسرت اور غم زیادہ ہو۔

پس پہلی بار جو وحی میں کیا گیا کہ جو چاہے کر تو جہنمی ہے۔ اس سے جہنمی حقیقی مراد نہیں بلکہ مہازا جہنمی مراد تھا کہ تیری جگہ جہنم میں بھی تجویز کی ہوئی ہے۔ اگر ایمان نہ لانا اور دوسری وحی میں جہنمی سے حقیقی جہنمی مراد ہے۔ پس تعارض نہ رہا۔ مہازا ہر مومن کو جہنمی اور ہر کافر کو جہنمی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی جگہ جہنم اور دوزخ دونوں میں نامزد ہے۔ رہا یہ کہ مہازا جہنمی کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ جواب صوفیہ کے مذاق پر تو یہ ہے کہ یہ دشنام محبت تھی جو عشاق کے استحقاق کے واسطے دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو استحقاق کی ضرورت نہیں مگر بندوں کو اس قسم کے واقعہ سے عاشق کے صدق و خلوص کا علم ہو جائے اور فقہاء کے مذاق پر جواب یہ ہے کہ لوگوں کو یہ مسئلہ بتلانا مقصود تھا کہ اگر کسی کو اپنے جہنمی ہونے کا یقین بھی ہو جائے پھر بھی عبادت اور تعلق مع اللہ کو قطع نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے یقین کے خلاف بھی کر سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی بتلانا تھا کہ خدا کو تو واضح پسند ہے۔

ف۔ اس شخص کے اس قول سے کہ اب کیونکہ عبادت نہ کروں جبکہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اپنا مددگار کا اہل بنا دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے ایک قول کی تائید ہو گئی۔ مولانا کے زمانے میں ریاست راجپور میں ایک ڈاکر مشاغل کو بحالت قہقہہ یہ یقین ہو گیا کہ میں شیطان ہوں۔ غریب بست پریشان بُرا اور اسی پریشان کے عالم میں راجپور ہی کے ایک بزرگ سے ملنے گیا۔ اُن سے اپنا حال عرض کیا کہ حضرت میں تو شیطان ہوں۔ اُنہوں نے بہانے تسلی اور دستگیری کے جواب دیا کہ اگر تو شیطان ہے تو لا حول ولا قوتہ الا باللہ۔ اُس کو یقین ہو گیا کہ میں واقعی شیطان ہو گیا ہوں کہ اتنا بڑا بزرگ بھی مجھ پر لا حول پڑتا ہے تو اُس نے خودکشی کر لی۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو فرمایا کہ ہم تو ملاں صاحب کو بزرگ اور عارف سمجھتے تھے مگر معلوم

ہوگا کہ وہ تو کورے ہی ہیں۔ اگر وہ شخص میرے پاس آتا اور مجھ سے کہتا کہ میں شیطان ہو گیا ہوں تو میں یہ جواب دیتا کہ پھر کیا ہو؟ شیطان بھی تو اُسی کا ہے نسبت اب بھی قطع نہیں ہوئی۔ اس جواب کے ساتھ ہی اُس کا قبضہ سہل بہ سہل ہو جاتا اور ہلاکت سے بچ جاتا (سمعتہ من سیدی حکیم الامتہ) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر وحی سے بھی کسی کو جہنمی کہا جائے پھر بھی وہ جنتی ہو سکتا ہے۔ اگر ایمان و عمل صالح پر حواس ہے تو حرف کسی بزرگ یا شیخ کے بڑا کہنے سے کسی کو بڑا نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک خود اُس کے اعمال بُرے نہ ہوں۔ اہل طریق اس معاملہ میں بہت غلو کرتے ہیں کہ شیخ کے اقوال کو آیت و حدیث سمجھ کر لے کر لے گئے ہیں خود تحقیق نہیں کرتے حالانکہ مشائخ بھی بشر ہیں بشریت سے بری نہیں۔ اُن کی بہت سی باتیں بشریت سے ناشی ہوتی ہیں جن کو جاننے والے جانتے ہیں۔

ف۔ چور کے متعلق جو کہا گیا کہ اُمید ہے وہ اس صدقہ کی وجہ سے چوری سے باز آ جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کیونکہ انسان عورتانگی اور فقر ہی کی وجہ سے چوری کرتا ہے اور چور کا چوری سے رُک جانا بڑی چیز ہے۔ کیونکہ مسلمان اس کے غمزدہ سے بچ جائیں گے تو اس کا ثواب صدقہ سے بھی افضل ہے اور زانیہ کے متعلق جو کہا گیا کہ شاید وہ زنا سے توبہ کرے یہ بھی اسی وجہ سے ہے کیوں کہ بعض عورتوں کو زنا کاری پر فقر و احتیاج ہی براہِ غیبتہ کرتا ہے جس کی تکلیف کو وہ برداشت نہیں کر سکتیں اور زنا کے ذریعہ روپیہ کاتی ہیں۔ ایسی عورت کو جب کچھ رقم دے دی جائے گی تو وہ اس حرکت سے باز آ جائے گی ہیئتہ کو نہیں تو کچھ دنوں کو سہی اور کسی کے ذریعہ زانیہ کا زنا سے توبہ کر لینا صدقہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یعدی اللہ بیک دجلاً واحداً غیرک من حمد النعم۔ تمہارے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت کر دیں یہ تمہارے واسطے مرغِ ادبوں سے بہتر ہے (جو عرب کا قیمتی مال ہے) ہاں جو عورتیں غلبہِ شہوت کی وجہ سے زنا کرتی ہیں اُن

کو صدقہ دینے سے یہ اُمید نہیں کہ زنا سے باز آجائیں گی (قلالہ المشدح فلدوجہ) اور گو اس معنوں کو سابق تعقوت سے تعلق نہیں مگر اوپر جو معرفت رکاوۃ کی تحقیق اور تعقید کی تاکید کی گئی ہے اُس سے تعلق ہے اور عموماً بہت لوگ اس سے غافل ہیں۔ لوگ زنا کار عورتوں کو صدقہ نہیں دیتے۔ نہ چوروں کو حالانکہ اُن کو صدقہ دینا زیادہ ثواب ہے کہ شاید وہ گنہگاروں سے توبہ کر لیں۔

مولانا جمال الدین مرحوم وزیر ریاست بھوپال کو کسی نے خبر دی کہ آج بھوپال میں ایک بڑی خوب صورت دھڑی آئی ہے تو فوراً آپ نے اپنے منشی کو اُس کے پاس بھیجا کہ تم کو وزیر صاحب بلاتے ہیں۔ وہ وزیر صاحب کے یہاں پہنچ گئی۔ آپ نے اُس کو ایک دو منزلہ مکان پر ٹھہرا دیا اور کھانے پینے اور دیگر ضروریات رہائش کا انتظام کر دیا۔ اُس کی روزانہ فیس پانچ سو روپیہ تھی۔ یہ فیس بھی ہر دن اُس کو پہنچاتے رہے اور نوکر رو سے کہ دیا کہ اس کے پاس کوئی آٹے جلتے تو اُس کو روکا نہ جانے مگر مجھے اطلاع دی جانے کہ کون آیا اور کون گیا؟ وزیر صاحب کے مکان پر کس کی مجال تھی جو اُس سے ملنے آتا۔ غرض ایک مہینہ تک اُس کو اپنے مکان پر رکھا۔ روزانہ فیس دی۔ مگر کسی کو اُس کے پاس پہنچنے نہ دیا۔ ایک مہینہ کے بعد اُس نے خود ہی اجازت طلب کی کہ میں بھوپال سے باہر جانا چاہتی ہوں۔ تو آپ نے اُس کو اجازت دے دی اور وہ اسی دن بھوپال سے باہر چلی گئی۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ مولانا جمال الدین وزیر بڑے نیک اور متقی ہیں۔ انہوں نے اس دھڑی کو اپنے مکان پر صرف اس لیے رکھا ہے تاکہ بھوپال کے نوجوان خراب نہ ہوں مگر ظاہر میں اُن کا یہ فعل ایسا تھا جو کسی متقی سے نہیں سُنا گیا تو شہر میں بہت کچھ چرمیگوئیاں ہونیں جب وہ دھڑی چلی گئی تو ردِ تیسہ بھوپال نے مولانا سے پوچھا سنا ہے آپ نے مہینہ بھر تک دھڑی کو اپنے مکان میں رکھا اور روزانہ فیس بھی دی۔ فرمایا ہاں میچ ہے۔ میں نے یہ سوچا کہ اگر یہ بانسار میں رہی تو میری ریاست کے نوجوان لڑکے گناہ کر کے تباہ و برباد ہوں گے اُن

کی محنت بھی خراب ہوگی اور رقم بھی ضائع ہوگی تو میں نے اُس کو اپنے گھر پر ایک دو منزلہ کمرہ دے دیا تاکہ ریاست کا کوئی اُس سے قحط نہ ہو اور خدا کے فضل سے ریاست کی ملازمت سے میں نے بہت کچھ روپیہ کمایا ہے تو میں نے ریاست کے چرنوں کو بھٹانے کے لیے ایک صحنہ میں پندرہ ہزار روپے اس پر خرچ کر دیئے۔ مجھے یہ رقم کچھ بھی مملوم نہیں ہوئی اور میری ریاست کے آدمی اس بلا سے محفوظ رہ گئے۔

میں پر مولانا کے اس بیان پر بہت گہرا اثر ہوا اور کہا مولانا واقعی آپ نے ریاست کی غیر خرابی کا حق ادا کر دیا۔ یہ تو آپ نے ایسا کام کیا جس کی طرف کسی کا خیال ہی نہیں برتا پھر مولانا کو ایک بڑی رقم نذر کی اور خلعت شامانہ سے نوازا۔ مولانا جمال الدین مرحوم کی نظر اس نکتہ پر پڑ چکی کہ زانیہ کو صدقہ دینا افضل ہے تاکہ وہ بھی زنا سے بچیں اور مسلمان نوجوان بھی اس بلا سے بچے رہیں۔

امسوس ہے آغا کل اہل احوال کو اس طرف توجہ نہیں۔ اُن کو لازم ہے کہ اسمبلی کے ذریعے یہ قانون مسلمانوں کے واسطے پاس کرانیں کہ ہر مسلمان مرد، عورت کو سینا، خمیر وغیرہ دیکھنا جرم ہے۔ ہر مسلمان مرد عورت کو شراب کی خرید و فروخت اور استعمال جرم ہے اور ہر مسلمان عورت کے لیے زنا کاری کو ذریعہ کسب معاش بنانا جرم ہے۔

قانونی طور پر ان افعال کو جرم قرار دیا جائے اور ان پر منزائے تازیانہ یا قید خانہ مقرر کرائی جائے اور مسلمان ریاستوں کو بھی اپنی ریاست میں مسلمانوں کے واسطے اسی قسم کے قانون پاس کرنا چاہیے۔ نیز زنا کار عورتوں کو شادی پر مجبور کیا جائے اور جب تک شادی نہ ہو، صدقات وغیرات سے اُن کی خبر گیری کی جائے۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت حکیم الامتہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک رنڈی کا خط آیا کہ میں نے آپ کی کتاب بستی زبور پڑھ کر زنا سے توبہ کر لی ہے مگر اس

پیشہ کے میرے پاس کوئی زبردستی نہ کرے گا۔ ۱۰۰ لاکھ لاکھیں گے کہ میں اپنی توبہ پر قائم رہوں۔ حضرت انس نے جواب دیا کہ میں تمہارے واسطے دعا کرتا ہوں اور جب تک تمہاری شادی نہ ہو جائے گا ہمارا پندرہ سو سو برابر تمہارے پاس پہنچے رہیں گے۔ چنانچہ بہت دنوں تک یہ رقم جاتی رہی۔

(۱۷۲) مسلمان کے پاس جو کچھ بھی ہے عطیہ حق تعالیٰ ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا کا تمام سامان جو کچھ بھی (انسان کے پاس) ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطیہ ہے۔ خدا تعالیٰ ہر کسی کا کچھ حق نہیں۔ اس کی دلیل حدیث کا یہ فقرہ ہے فیسئلہمما اعطاه اللہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اُسے عطا فرمایا ہے اُس میں سے خرچ کرے۔ تو سب کو عطیہ قرار دیا گیا ہے۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور یہی حق ہے۔

حدیث سے اس صدقہ کرنے والے کی فضیلت بھی معلوم ہوئی (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس کے فعل کو صحابہ کے سامنے بیان فرماتا اس کی دلیل ہے کہ حضور اُس کے اتباع کی ترغیب دے رہے ہیں کہ دُور مَرُوں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے) اور فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے شریعت اور حقیقت دونوں کو جمع کر دیا۔ کیونکہ جب اُس نے صدقہ کی اور تقدیر اُس کی تجویز سے موافق نہ ہوئی (کہ جس کو صدقہ کا مستحق سمجھا تھا وہ مستحق ثابت نہ ہوا) تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور تسلیم و رضا سے کام لیا یہ تو حقیقت پر مبنی عمل تھا اور اسی کی برکت سے اُس کا عمل سالم رہا (مناجیح نہ ہوا جیسا بعد میں پیام النبی نے بتلایا) اور شریعت کا ادب یہ تھا کہ اُس نے صدقہ کا اعادہ کیا اور یمن بار اعادہ کیا۔

ہر دفعہ میں شریعت و حقیقت کو جمع کرتا رہا اور بڑا جلد حال ہے جیسا پہلے بھی کئی جگہ بتلایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے بلا مشقت

کے یہ حال (در فح) عطا فرمائیں۔ (رأین)۔

قوله فيه دليل على ان جميع منافع الدنيا حبة من الله الى قوله
من الله علينا بها بلا محنة بمنه۔

ف۔ شریعت اور حقیقت دونوں کو جمع کرنا اہل طریق کا خاص وظیفہ ہے۔

بر کئے جام شریعت بر کئے سخاں عشق

ہر جو سنا کے مدد اند جام و سخاں باطن

اہل طریق کو علماء ظاہر سے اسی امر میں امتیاز ہے کہ وہ شریعت

اور حقیقت دونوں کو جمع کرتے ہیں۔ علماء ظاہر صرف شریعت کا اظہار کرتے
ہیں حقیقت کا نہیں۔



حدیث صدقة المرأة من مال زوجها

”عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اذا انفقت المرأة من طعام بيتها غير مفسدة كان لها اجرها
بما انفقت ولزوجها اجر بما كسب وللخالد مثل ذلك
لا ينقص بعضهم اجر بعض شيئا“

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے کچھ خرچ کرے بشرطیکہ گھر کو بربادی نہ لگائے تو عورت کو خرچ کرنے کا ثواب ملے گا اور شوہر کو کھانے کا ثواب ملے گا اور خالچی کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ ایک دوسرے کے ثواب کو خدا بھی کم نہ کرے گا۔“

مشاعرِ جاہر حدیث کا مطلب واضح ہے مگر دونوں جگہ مالک کی اجازت شرط ہے۔
تصریح کیونکہ کسی کا مال بدو نہ اُس کی اجازت کے خرچ کرنا جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یحل خال امرئ مسلم الا من طیب نفس
عندہ۔ کسی مسلمان کا مال بدو نہ اس کی خوشی کے حلال نہیں۔ ہاں اجازت میں زبان سے ہی ہونا شرط نہیں بلکہ عرف و عادت بھی کافی ہے۔ جیسے سائل کو روٹی کا ٹکڑا دے دینا یا کسی کو تنگ یا آگ یا پانی دے دینا یا روٹی کے لیے خیر دے دینا کہ

عرفان چیزوں میں عیسیٰ کی باقی بلکہ عورت کو اجازت اور وسعت ہوتی ہے اور ان چیزوں کا دینا مستحب بھی ہے۔ حدیث میں اس شخص کے متعلق جو کسی کو نیک دیدے وارد ہوا ہے کہ اُس کو اس شخص کے برابر ثواب ملے گا جو اس کھانے کو صدقہ کر دے جو اسی نیک سے تیار ہوا ہے۔

غیر دینے والے کے بارے میں بھی ایسا ہی وارد ہوا ہے۔ اسی طرح کوئی کسی کو آگ مے دے تو جتنا کھانا اُس آگ پر پکایا جائے گا اُس کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا اور کسی کو ہانڈی دے دے تو جتنا کھانا اس ہانڈی میں پکے گا جب تک بھی پکنا رہے گا اُس کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ اس کے متعلق بہت احادیث ہیں جن سے بخوشی ہی چیز کے دینے پر بہت ثواب بیان کیا گیا ہے۔ ان چیزوں سے انکار کرنا عروقت اور حسن معاشرت کے بھی خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعثت لاقم مکام الاغاثی میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ تو عرفا عورت کو ان چیزوں کے دینے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس لیے ان چیزوں کا مانگنا معیوب نہیں اور ان میں بخل کرنا سنت معیوب شمار ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عادی بہ المرأعہ کتب لہ صدقہ۔ جس چیز کے ذریعے انسان اپنی آبرو کو بچائے اس میں بھی اس کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ مگر یہ کہ مالک یا شوہر کی طرف سے کوئی علامت ایسی پائی جائے جو عرف کے صریح خلاف ہو۔ اس صورت میں اصل پر عمل کیا جائے گا اور عورت کو ان چیزوں کا دینا منع ہو گا یا اس کی مرضی سے زیادہ دینا منع ہو گا۔

یہاں سوال یہ ہے کہ جب مال شوہر کا ہے تو عورت کو کس بات کا ثواب ملے گا؟ جواب یہ ہے کہ عورت بھی اپنے شوہر کی خزانچی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخازن الذی یعطی ما اؤم بہ طیبۃ بہ نفسہ احد المتصدقین کہ جب خزانچی اُس چیز کو خوش ہو کر دیدے جس کے دینے کا اسے علم

ہوا ہے تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہو گا (تو عورت کو بھی خراپنی کی طرح حدت کا ثواب ملے گا۔ رہی خراپنی کے لیے ثواب کی علت تو) کیونکہ جب اُس نے خوشی سے دے دیا اور جس کو دینے کے واسطے کہا گیا تھا اُس کو پریشان نہ کیا بلکہ حکم کے ساتھ فوراً ہی دے دیا تو اُسے سلطان کا دل خوش کرنے کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ دیر کرنے میں (ایک تو لینے والے کو پریشانی ہوتی ہے دوسرے) یہ بھی احتمال ہے کہ دینے والے کی نیت بدل جائے تو دیر کرنا سماج کے حرام کا سبب اور جلدی کرنا احسان کا سبب ہو گا۔ کیونکہ دے دینے کے بعد اگر مالک کی نیت بدلے گی تو یہ بہت بھید ہے کہ وہ اُس کے ہاتھ میں سے واپس لینے کی کوشش کرے تو چونکہ خراپنی خوشی کے ساتھ جلدی دے دینے میں مالک کی اعانت نیک کام میں کر رہا ہے اس لیے ثواب کا مستحق ہو گا۔ پھر خراپنی جس قدر سہولت اور جلدت کے ساتھ رقم دے گا اسی قدر لینے والے کو خوشی اور فرست ہوگی جس سے احسان میں زیادتی ہوتی ہے اور جس چیز سے احسان میں زیادتی ہے وہ بھی احسان ہی ہے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا فائدہ واضح ہو گیا کہ خراپنی بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے (یہ کہ خوشی کے ساتھ وہ رقم دے دے جس کے دینے کا اُسے حکم ہوا ہے)۔

نیز ایک اور حقیقت بھی ہے کہ نفس انسانی کی فطرت میں حرص اور بخل ہے۔ اُس کے قبضہ میں دُنیا کا جو سامان بھی ہو وہ اُس کو اپنے ہاتھ سے نکالنا نہیں چاہتا۔ اگرچہ وہ یہ بھی جانتا ہو کہ یہ اُس کی ملک نہیں ہے، تو جب وہ کچھ خرچ کرے گا ثواب ملے گا۔ کیونکہ خرچ کرنے میں نفس کی طبعی حالت کی مخالفت اور حکم الہی کی موافقت ہے۔

دیکھو تمام عالم جانتا ہے کہ جو کچھ اُن کے پاس دُنیا کا سامان ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور اُن کے ہاتھ میں بطور عاریت کے (امانت) ہے

اور اُس میں سے متوڑی مقدار کے خرچ کرنے کا اُن کو حکم ہوا ہے جس پر بہت ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور باقی میں برکت کا اور اگر خرچ نہ کریں تو عذاب کی وعید ہے اور باقی مال سے برکت کے اُٹھ جانے کی دھمکی ہے۔ پھر بھی صدقہ واجبہ ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔

اسی طرح خزاپچی جانتا ہے کہ اُس کے قبضہ میں جو کچھ ہے مالک کا ہے اور اگر وہ مالک کے حکم کے بعد کسی کو دیے میں دیر کرے گا مجرم ہو گا اور اگر جلدی کرے گا سمولت سے دے دے گا تو ثواب ملے گا پھر بھی تم بہت کم لوگوں کو یہاں پاؤ گے جو لوگوں کو پریشان کئے بغیر رقم دے دیں۔ کیونکہ اُن کو مال کے ساتھ تعلق طبعی ہو جاتا ہے۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان جب تک ستر شیطان کے جبر سے نکلے نہیں توڑ لیتا اُس وقت تک صدقہ نہیں کرتا مطلب یہ کہ شیطان اُس کے مال پر دانت بھینچے بیٹھے رہتے ہیں۔ جب یہ صدقہ کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کو روکتے ہیں اُن کا نہ توڑ کر یہ صدقہ کر پاتا ہے۔
(الشیطان یعدکم الفقر و یا مںکم بالفخشاء واللہ یعدکم

مغفرة منه وفضلا ط)

مگر مالک اور خزاپچی میں فرق یہ ہے کہ مالک تو یہ سمجھتا ہے کہ مال اُس کے ہاتھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ قیامت تک اُس کا حساب اسی کے ذمے رہے گا اور خزاپچی یہ سمجھتا ہے کہ مالک اُس کو معزول کر کے اپنا مال واپس لے سکتا ہے اور اگر مال اُس کے پاس بھی رہا تو اُس کا فائدہ مالک ہی کو پہنچے گا۔ پھر بھی حرص و طمع کی وجہ سے کسی کو دینے میں میل و محبت کرتا ہے۔ اس میں بھی حکیم کی حکمت ہے۔

(هذا خلاصة ما ذكره الامام 7 في شرحه)

(۱۷۳) مخالفتِ نفس میں ثواب ہے بشرطیکہ شرعاً ممنوع نہ ہو !

اس حدیث سے مؤفیہ کے طریق کی ثوابی (اور فضیلت) ظاہر ہے کیونکہ رائے کا عمل اسی پر ہے کہ جس کام میں نفس کی مخالفت ہو اور شرعاً ممنوع نہ ہو اس میں ثواب ہے۔ اس قاعدہ کی قواعدِ شرحہ کے موافق جن قدر بھی تحقیق کرو گے انشاء اللہ صحیح پاؤ گے کہیں ٹوٹے محال نہیں۔ اس لیے اہلِ طریق نے مخالفتِ نفس کو اپنا دستور العمل بنالیا ہے یہاں تک کہ ایک نعرانی راہب نے اسی واسطے اسلام قبول کر لیا کہ اُس نے مخالفتِ نفس کا جھکڑ رکھا تھا تو ایک مسلمان عالم نے اُس کی حسنِ عبادت دیکھ کر تعجب کیا۔

نعرانی راہب نے اُن سے پوچھا۔ آپ نے میرا حال کیسا پایا ؟
فرمایا۔ بہت اچھا ہے مگر ایک بات کی کسر ہے۔ کہا وہ کیا ؟ فرمایا بس یہ کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

نعرانی نے کچھ دیر کے لیے سر جھکایا پھر اسلام لے آیا۔ اس پر اُس کے مہربان اے شور کرنے لگے۔ اُس نے کہا، بتلاؤ مجھے تمہارے اندر یہ بھرتہ کس چیز سے حاصل ہوا ؟

سب نے بالاتفاق کہا کہ مجاہدہ اور مخالفتِ نفس کی وجہ سے۔ کہا اسی چیز نے مجھے اسلام پر مجبور کیا۔ کیونکہ جب اس عالم نے میرے سامنے اسلام کا ذکر کیا تو میرے نفس نے اسی کو قبول نہ کیا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ اسلام حق ہے اور میں نے جو کچھ پایا ہے نفس کی مخالفت سے پایا ہے تو میں نے مخالفتِ نفس ہی کے لیے اسلام قبول کر لیا اور سمجھ گیا کہ اسلام دینِ برحق ہے کیونکہ نفس حق ہی سے جاکتا ہے۔ اس کے بعد اُس کا اسلام بہت اچھا ہو گیا۔

”قوله فيه دليل لحسن طريق اهل الصوفية الى قوله

وحسن اسلامه“

فت - اصل مجاہدہ مخالفتِ نفس ہی ہے۔ کیونکہ نفس اکثر شہوات و محرّات کی طرف ماعذب ہوتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا پینا اور سونا بھی چھوڑ دو کہ نفس تو ان کاموں کی طرف بھی راغب ہے۔ کیونکہ یہ رغبت شہواتِ حرام نہیں بلکہ ماسور بہا ہے۔ اسی طرح بیوی بچوں کی محبت اور دلدادگی بھی رغبتِ حرام نہیں بلکہ ماسور بہا ہے۔ ان چیزوں میں مخالفتِ نفس جائز نہیں۔ البتہ ان میں حدود کی رعایت لازم ہے۔ حد سے زیادہ رغبت میں نفس کی مخالفت کی جائے اور اس کے حدود کا اجمالی علم حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واعظ ”حفظ الحدود“ اور ”حقوق البیت“ کے مقدمے سے ہو سکتا ہے ان کو پیشِ نظر رکھا جائے۔



حدیث

اتلاف اموال الناس

بنہاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا مال اس نیت سے (قرض) لے کہ اُن کو ہضم کر جائے گا اللہ تعالیٰ اُس کو برباد کر دیں گے۔ امام بنہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے پاس قرض ادا کرنے کا کوئی سلطان نہ ہو اُس کو قرض لینا جائز نہیں۔ اسی طرح جس کے بیوی بچے ہوں اُس کو اپنا تمام مال صدقہ کرنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے بال بچوں کا حق ہضم کر کے اُن کو پریشان کرے گا، مگر یہ کہ وہ صبر کے ساتھ معذرت ہو، اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہو اگرچہ خود فاقے سے ہو۔ جیسا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا کہ اپنا سدا مال صدقہ کر دیا (اور مگر پر اللہ اور رسول کے نام کے سوا کچھ نہ رکھا) اسی طرح انصار نے مساجد کو ترجیح دی (خود تنگی اٹھائی مساجد کو راحت پہنچائی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال خائے کرنے سے منع کیا ہے (خواہ اپنا مال ہو یا دوسروں کا) پس کسی کو یہ جائز نہیں کہ صدقہ کے بعد سے لوگوں کا مال خائے کرے (یعنی صدقہ کرنے کے لیے لوگوں سے قرض لے اور قرض لے کر ادا نہ کرے۔ صدقہ کے لیے بھی قرض لینا ایسے شخص کو جائز نہیں جس کے پاس ادا کرنے کا سامان نہ ہو۔ یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں تعلیق یا معلق کہلاتی ہے اور بنہاری کی تعلیقات حجت ہیں جبکہ جسم کے

ساتھ مذکور ہوں کیونکہ وہ دوسرے طرق سے موصول ہوتی ہیں۔

شرح اگرچہ حدیث کا لفظ عام ہے مگر لوگوں کا مال یہی ہے مراد قرض لینا ہے۔
 کیونکہ قرض لینے کی چند شرطیں ہیں جن کی بہت لوگ رعایت نہیں کرتے جس
 کی وجہ سے لوگوں کے اموال ضائع ہو جاتے ہیں۔ فقہانے قرض لینے کے لیے جو
 شرطیں بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) اس کے پاس اتنا سامان ہو جس سے ہر حال میں قرض کو ادا کر سکے۔

(۲) یا مضطر ہو کہ اُس پر عین وقت کا فائدہ گزر چکا ہے جس کی وجہ سے دُشروں
 کے مال میں اُس کا حق واجب ہو گیا ہو۔ کیونکہ ایسے محتاج کو اگر کوئی دینے سے انکار
 کرے تو اُس کو لڑکھائے سے کیا نا وغیرہ لینا جائز ہے۔ اگر مالدار مارا گیا تو وہ بُرا
 منتقل ہو گا اور مضطر مارا گیا تو شہید ہو گا۔ پھر علہ کا اس میں اختلاف ہے کہ فراخی
 بسترانے کے بعد مضطر کو وہ مال جو اُس نے جبراً دوسرے سے لیا ہے وہیں کرنا
 واجب ہے یا نہیں (حنفیہ کا قول یہ ہے کہ واپس کرنا واجب ہے اور یہی قول
 محمد کا ہے) خلاصہ یہ کہ قرض لینے کی چار صورتیں ہیں جن میں سے تین جائز ہیں۔
 ایک ناجائز ہے۔

(۱) یہ کہ اُس کے پاس اتنا سامان موجود ہو جس سے قرض کو ہر حال میں ادا کیا
 جاسکے (زندگی میں بھی مرنے کے بعد بھی) یہ تو بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اُس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہیں۔ مگر اُس نے
 قرض دینے والے سے اپنا حال بیان کر دیا کہ میرے پاس اس قرض کے ادا کرنے
 کا کچھ سامان نہیں اگرچہ میرے پاس آگیا ادا کر دوں گا۔ ورنہ مجھ سے مطالبہ نہ کیا جائے۔
 یہ بھی جائز ہے گو بعض علما کا اس کے جواز میں اختلاف ہے مگر ظاہر یہی ہے کہ
 جائز ہے۔

(۳) اس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہ ہو مگر اس میں وہ اوصاف
 مجتمع ہوں جو صدیق اکبر اور مساجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں موجود تھے۔ یعنی

مہر و توفیق اور کثرتِ سخاوت اور بدون ضرورتِ شرعیہ کے قرض نہ لے اور ضرورت سے زیادہ قرض نہ لے۔ اس صورت میں بھی قرض لینا جائز ہے۔ قواعد شرعیہ اس کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔

(۴) اس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہ ہو، نہ ضرورتِ شرعیہ موجود ہو نہ مال والے سے اپنا نکاح بیان کرے اس صورت سے قرض جائز نہیں اور یہی صورت ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدو عادی ہے۔ کیونکہ شرعی ضرورت کو بہت لوگ نہیں جانتے۔ عوام ہی نہیں بلکہ علماء ظاہر بھی نہیں جانتے۔ انہوں نے اپنے واسطے کچھ قاعدے خود بنا لیے ہیں جن کو شرعی ضرورت میں شمار کر لیا ہے (مثلاً مہلک نوزی اور نگر خانے کا جاری کرنا کہ جب) ہم سے کوئی ملنے آتا ہے تو اس کو کھانا کیسے نہ کھلایا جائے تاکہ سامان وہ ہے جو قرابت کی وجہ سے ملنے آئے یا اس کا مقصود من طاقت ہو۔ کوئی اور غرض و نیوی یا دینی نہ ہو جیسے طلبِ اصلاح، نفس یا تعلیم و تہذیب، ذکر حاصل کرنا یا کسی مقدمہ وغیرہ کے لیے دُعا کرنا یا تحویذ وغیرہ لیکن اگر غرض کے لیے مالے والا سامان نہیں ہوتا اور جو سامان ہو اس کے لیے بھی تکلف کرنا اس وقت تک جائز ہے جبکہ دست ہو ورنہ جو کچھ گھر میں موجود ہو وہی سامان کے سامنے پیش کر دینا چاہیے۔ اس سے زیادہ تکلف نہ کیا جائے اور اگر فاقہ ہو تو سامان سے کہ دینا چاہیے کہ میرے یہاں آج فاقہ ہے تم بھی فاقہ کرو۔ جب خدا تعالیٰ دے گا ہم بھی کھائیں گے تم بھی کھانا۔ مگر تم کو بھوکے کے علاوہ بھی ان شرائط کا لحاظ نہیں کرتے سامان نوزی اور نگر خانے کے لیے قرض پر قرض لیتے رہتے ہیں اور اس طریقہ سے لوگوں کا مال لینا اپنے لیے سببِ گھٹتے ہیں اور دل میں یوں کہتے ہیں کہ ہم مضطر ہیں لوگوں کے مال میں ہمارا حق واجب ہو چکا ہے۔ ہم کو قرض لینے میں کوئی مریض نہیں کیونکہ جو کچھ ہم لے رہے ہیں ہمارا حق ہے۔

اس پر امام بخاری نے یہ قید بڑھا کر تنبیہ کی ہے کہ بدون سامان ادا کرنے قرض لینا اسی شخص کو جائز ہے جو مہر کے ساتھ معروف ہو۔ یہ نہیں کہ ضرورت کے

وقت خود اپنے دل سے یہ مجھ لے کر نہیں قرین لے کر نفس کو مہابدہ میں ڈالوں گا اور لوگوں کے تنگ کرنے پر مبر کر لوں گا۔ یہاں تک کہ ان کا حق ادا ہو جائے اس شخص سے کہا جائے گا کہ یہ سب حدیثِ انفس ہے اور نفس بڑا خیانت کرنے والا ہے۔ مابروہ ہے جس کو عام خود پر لوگ مابرجتے ہوں۔ یہ نہیں کہ خود اپنے دل سے اپنے کو مابرجتے لگے (اور فردتِ ثمریہ وہ ہے جس کو ثمریت کے جاننے والے فقہاء ضرورت کہیں۔ خود تبارا اپنے دل سے کسی فردت کو ثمری ضرورت قرار دینا کافی نہیں) پھر مروت بالصبر ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ مبر ایثار کی شان سے ہو اور ایثار بھی اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی فانی فردتوں پر مقدم کرتا ہو۔ یہ نہیں کہ شہرت کے واسطے یا غرضِ نفسانی کے واسطے مبر کرتا ہو یا مجبوری کا مبر ہو کہ اس کے پاس کچھ ہے نہیں (اس حالت میں مبر نہ کرے قویا کرے) اس حالت میں مبر نہ کرنے یا کم مبر کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ ہاں یہ فرد ہے کہ مبر کرنا، مبر نہ کرنے سے اچھا ہے۔ اگرچہ ایسا مبر کرنے والا مردوں کی صف میں کھڑا نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو اہلِ وفا میں شمار کیا جائے گا۔

مابروہ ہے جو مبر کے ساتھ ایثار میں بھی معروف ہو کہ دُوروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہو اگر یہ خود فائدہ اور احتیاج اور تنگی میں مبتلا ہو۔ ان شرطوں کو دیکھو اور ان میں خود ضرور کیا اس زمانے میں اُن کا وجود کسی میں ممکن ہے؟ (بالکل نہیں) مگر یہ کہ شالہ و تادر (کسی ایک دو میں ہوں تو ہوں) ہیں ہم نے جو قرین کی چار مُعدتیں بیان کیں تین کو جائز اور ایک کو ناجائز بتلایا ہے یہ فقہی تقسیم ہے کیونکہ احکام بیان کرنے والے پر قیامی احکام کا بیان کر دینا فردی ہے۔ تمناؤں میں سے کوئی مُعدتِ مادہ ہی کیوں نہ ہوں جس کا وقوع ممکن نہ ہو۔ اسی لیے یہ تقسیم بیان کر دی گئی۔ دہ نہ پہلی حالت کے اعتبار سے تو صرف دو ہی مُعدتیں جائز ہیں اور دو ناجائز ہیں۔ کیونکہ تیسری مُعدت میں

میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت ساجدین و انصار کے ایثار کو دلیل میں بیان کیا گیا ہے آج کل جائز نہیں کیونکہ اُس کی شرطیں اس زمانہ میں عام طور سے مفقود ہیں۔
(هذا صفة ما ذكره الاشارة في شرحه -)

(۱۷۴) بلا ضرورت قرض لینا ہی ممنوع ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے (اپنا اور) دوسروں کا مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے تو تم کو اس علوم کی شخصیں کا حق نہیں کہ یوں کہنے لگو کہ نہیں تو صدقہ کرنے کے لیے قرض لے رہا ہوں اور یہ اعانت مال میں داخل نہیں۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ بھی سراسر اعانت ہے۔ جب تک تم دوسرے کو صحت صحت نہ بتلا دو کہ میں یہ قرض صدقہ کرنے کے واسطے لے رہا ہوں۔ مزید سے پاس اس کے ادا کرنے کا کوئی سامان بھی نہیں) اگر اشرقتا نے میرے پاس کچھ بھیج دیا تھا قرض ادا کر دوں گا ورنہ مجھ پر کوئی مطالبہ تھا ورنہ ہو گا۔ اگر وہ اس پر مدعی ہو جائے تو غیر وہ نہ صدقہ کے واسطے بھی قرض لینا جائز نہیں۔

اس میں علاوہ اس کے کہ تم اپنا دانے سے شارع علیہ السلام کے عام لفظ کو غامض کر رہے ہو ایک علت اور بھی ہے وہ یہ کہ تمہارے ذمہ ہر تو ایک حق لازم ہو گیا اور جو صدقہ تم نے کیا ہے اُس کا قبول ہونا یا نہ ہونا محض ہے تو جو حق ثابت ہو چکا ہے اُس سے ایک مشکوک اور محتمل چیز کو نکر تم کو بری کر سکتی ہے۔ (پس یہ خیال لغو ہے کہ اگر قیامت میں قرض دینے والے نے مطالبہ کیا تو میں وہ ثواب اُس کو دے دوں گا۔ جو صدقہ سے مجھے ملا ہے۔ کیونکہ ثواب ملنا قبول ہونے کی فرع ہے اور قبول ہونا محتمل ہے) تو شرعاً و عقلاً (کسی طرح) یہ ضرورت ہائز نہیں۔ تم کو اس خطرناک صورت کے ارتکاب پر اُن حکایات سے جرأت نہ کرنا چاہیئے جو بعضے بابرکت حضرات سے منقول ہیں۔ مثلاً ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اُن کے زمانے میں سنت قحط ہوا تو اُنہوں نے بہت سا مال قرض لے کر اور اُس سے غلہ خرید کر سکینوں کو تقسیم کر دیا۔ جب مال والے اپنے مال کا مطالبہ کرنے آئے بزرگ نے

دعویٰ کے دو رکعتیں پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ مجھے ان لوگوں کے سامنے
ذلیل و سوانہ کیجئے۔ پھر فرمایا ہوسیا اٹھا کر دیکھو کیا اُس کے نیچے کچھ نظر آتا ہے ؟
انہوں نے ہوسیا اٹھایا تو اُس کے نیچے بہت مال تھا فرمایا اپنے مال کے برابر لے لو۔
انہوں نے (شمار کیا تو) اُس کو برابر سزا پرایا۔ تو ان بزرگ کے واقعہ میں چند احتمالات
ہیں ایک یہ کہ اُن کا (مذق کے بارے میں) حق تعالیٰ کے ساتھ خاص معاملہ تھا انہوں
نے اُسی کے موافق عمل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من مذق من
باب خلیل منہ جس کو میں دروازے سے روزی ملتی ہو اُسی کو چٹا رہے اور اہل
توفیق (میں بزرگان دین) نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ غرقِ عادت
کے حود پر کوئی دروازہ خیر کا کھول دیں تو شرعاً کھائی کے ساتھ خصوصاً دو دروازے
کو اس کی تنقیہ جائز نہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بزرگ مستجاب الدعوات ہوں اور اُن
کی دُعا قبول ہوتی ہو، دروازہ ہوتی ہو اور اُن کو اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے ساتھ مسلم
ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا تھا تو اُن کا
صدقہ قبول ہو گیا بعد جب اللہ تعالیٰ نے صدقہ قبول کر لیا تو وہ حاجت کے وقت
اپنے بندہ کو مدد کے لئے نہیں تھے حاشا وکلا (اور صدقہ کا قبول ہو جانا صدق
تیت اور خلوص سے معلوم ہو سکتا ہے)۔

پس جس شخص کو یہ حالت نصیب نہ ہو اُس کو ان جیسے بزرگوں کی تقلید (ایسے
افعال میں) جائز نہیں۔ کیونکہ ان حضرات کے حالات (و کرامات) کو تو تسلیم کیا جائیگا
مگر اُن کی تنقیہ نہیں کی جائے گی اور نہ اُن پر اعتراض کیا جائے گا۔ کیونکہ پہلے سے
انہیں وہ حال نہیں جو ان اعمال کا سبب ہے۔ اسی لیے بعض اہل طریق کا ارشاد ہے
جب تم نے اپنا سب کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور تمہارا دل اُس کے دروازہ
سے چمٹ گیا اور تمہارا ہاتھ دُنیا سے ڈگ گیا اور تمہارا حال اللہ تعالیٰ کے امر و نہی
سے مگر گیا (یعنی تمہارا کوئی حال مرضی الہی کے خلاف نہ بچاؤ) تو تم دُنیا سے الگ
جو اگر یہ دنیا میں لگے رہے، غرض صحت حال کی علامت اُنہوں نے یہ بتلائی ہے

کہ ہر طرفِ امر و نہی سے گھرا ہوا ہو۔ یہی سب باتوں کا خلاصہ ہے (یعنی تعویذ کا حاصل ہے) اور یہی وہ امر حق ہے جس پر تمام اہلِ حال و اہلِ قال (صوفیہ و علماء متعلق) ہیں (سب کے نزدیک کمال اس کا نام ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی اور امر و نہی کی تعمیل میں بدرجہ کمال لگا رہے) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اُن میں سے کرے جن پر یہ انعامات ہوئے ہیں۔ انہ دلی حید قولہ اذا منع رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم مناعۃ مال الغنیر لعموالی قولہ دلی حید۔

ف۔ حضرت حکیم علامہ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک بزرگ پنجاب کے آئے جن پر چار ہزار روپیہ قرض ہو گیا تھا۔ وہ مجھ سے ایک دس کے نام سفارش چاہتے تھے۔ میں نے سفارش کر دی۔ پھر دریافت کیا کہ آپ کے ذمے اتنا قرض کیونکر بٹھا؟ کہا میرے یہاں لنگر خانہ ہے جتنے بھی مُرید آتے ہیں لنگر خانہ سے کھانا کھاتے ہیں۔ پہلے تو ایسا ہوتا تھا کہ لوگ کھاتے بھی تھے اور خزانہ بھی دیتے تھے۔ اب کچھ دنوں سے یہ ہو رہا ہے کہ لوگ لنگر خانہ سے ہفتوں کھانا کھا جاتے ہیں اور کچھ دیتے نہیں اس لیے قرض ہو گیا۔

یہ حکایت بیان کر کے حضرت نے فرمایا کہ میں نے اسی واسطے اپنے یہاں لنگر خانہ نہیں رکھا۔ بس جو آتا ہے اُس کو بتلادیا جاتا ہے کہ قیام کی جگہ یہ ہے اور طعام کا انتظام فلاں فلاں کرتے ہیں اُن سے معاملہ طے کر لو۔ لنگر خانہ کر کے کون یہ درو سر مولے کہ کس نے کتنے دن کھایا اور کس نے کیا دیا؟ اب اگر کوئی مجھے کچھ بھی نہ دے تو مجھے دوسرے نہیں آنا اور جو دیتا ہے بڑے خُزوں سے لیتا ہوں کہ اس میں ہدیہ کی شرائط بھی موجود ہیں یا نہیں؟ لنگر خانہ کرنے کے بعد یہ محوِ شاہی ہوتا ہے کہ ہدیہ میں شرائط و غلوں کی تحقیق کی جائے اور ماشاء اللہ۔ دیکھئے یہ بیچارے لنگر خانہ کر کے کس قدر پریشان ہو گئے اور مریدوں نے بھی غضب ہی کیا کہ آئے کھائے اور دیا دلیا کچھ بھی نہیں۔ جب اُن کو معلوم تھا کہ شیخ کے پاس دُزین ہے مہاجر لوہے اور نہ کوئی اور آمدنی ہے، لنگر خانے کا ہمارے مریدوں ہی کے خزانہ

ہر ہے۔ ایسی حالت میں جنتوں ٹھہر کر کھا جانا اور بدوں نندنا نہ دینے چلے جانا شیخ کو تکلیف ہی دینا ہے۔ چنانچہ بے چاروں کو اپنے خناق کے خلاف ایک زمیں کے پاس سفارشلے جانے کی نوبت آگئی۔

میں کہتا ہوں یہ بھی غیبت ہے کہ ان بزرگ کو قرمن ادا کرنے کی تو فکر ہوئی۔ بیٹے تو اس کی بھی پروا نہ نہیں کرتے اور یہ سمجھ کر کہ ہم نے توحید کے واسطے قرمن لیا ہے اگر ادا نہ ہوا تو کیا بے قیامت میں قرمن والا مواخذہ کرے گا تو وہ ثواب اٹھ کر دے دیں گے جو صدقہ سے ہم کو ملا ہو گا۔ سبحان اللہ! اور اگر ثواب ہی دلا ہو بلکہ عذاب لکھا گیا ہو تو کیا دے دو گے؟ یہ سب نفس کے بہانے ہیں جن سے وہ گٹھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بہانے اور بے ہودہ دلیلیں نہیں چل سکتیں۔

پس سالکین کو قرمن سے بہت بچنا چاہیئے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے اپنی وصیت میں تحریر فرمایا ہے کہ بندہ کے فوتے قرمن بھی نہیں ہوتا۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو قرمن اپنی وسعت و بہت سے زیادہ نہ کیا جائے اور فکر کر کے جلد ادا کیا جائے تاکہ حدیث کی وعید سے محفوظ رہیں۔



حدیث

الا امر بالصدقة علی کل مسلم

ابن بروہ اپنے باپ (بروہ) سے روایت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہما) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان کے ذمہ صدقہ ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی (صدقہ کے لیے کوئی چیز) نہ پائے (یعنی مفلس غریب ہو تو وہ کیونکر صدقہ کرے) فرمایا اپنے ہاتھوں سے (کچھ) کام کرے جس سے اپنے کو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا اگر کوئی (اُس کی بھی طاقت) نہ پائے (کہ اُس کو کوئی دست کاری میں آتی ہو) فرمایا وہ کسی حاجت مند پریشان کی مدد کرے۔ عرض کیا اگر اُس کا بھی موقع نہ پائے (خواہ اس وجہ سے کہ اُس کے سامنے کوئی محتاج معیبت زدہ نہیں ہے یا جس قسم کی ہمدردی اُس کو ضرورت ہے اُس سے یہ عاجز ہے) فرمایا تو وہ نیک کام کرتا ہے بڑے کاموں سے بچتا رہے یہی اُس کے لیے صدقہ ہے۔

۵۔ حدیث کا لاہریہ ہے کہ اُس میں صدقہ کا امر ہے اور صدقہ کرنے کے شمع کے لیے کوئی ذریعہ اختیار کرنے کا بھی حکم ہے اور بظاہر یہ امر استجابی ہے و جوبی نہیں۔ دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں بخلاف ان کے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے لا صدقة الا من ظہر غنی۔ صدقہ نہیں ہے مگر غنا کے بعد۔ اور یہاں ہر مسلمان کا صدقہ بیان کیا گیا ہے تو یہ واجب نہیں نیز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت کی دو رکعتوں کی بابت فرمایا کہ وہ اس صدقہ کو ادا کرتی ہیں (جو یہاں مذکور ہے) جبکہ صدقہ پر قدرت نہ ہو اور اس حدیث کے آخر میں جو حضورؐ نے یہ فرمایا ہے کہ نیک کام کرتا رہے بُرے کاموں سے بچتا رہے یہی اُس کے لیے صدقہ ہے تو یہ مستحب نہیں بلکہ واجب ہے خواہ صدقہ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ بُرا کام کرنا اور اچھا کام چھوڑنا کسی حال میں جائز نہیں۔ لیکن (یہ بھی کہا جاسکتا ہے) یہاں نیک کاموں سے مراد وہ اعمال ہیں جو واجب سے زیادہ ہیں (اسی طرح بُرے کاموں سے مراد وہ اعمال ہیں جو کبائرت کے علاوہ ہیں اور واجبات سے زیادہ کلم کرنا اور کبائرت کے علاوہ صغائر سے بھی بچنا) یہ صدقہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھی بات بھی صدقہ ہے اور ماستہ سے تکلیف کی چیز بشارت دینا بھی صدقہ ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے بشارت اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے۔ اذکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ دین سارے کا ساما ہی مطلوب ہے۔ فرغن بھی اور مستحب بھی اور دونوں کا شریعت میں پورا اہتمام ہے۔ حدیث میں صدقہ کی فضیلت پر بھی دلائل ہیں (حذا خلاصۃ ما ذکرہ اشارۃ فی شرحہ)۔

(۱۷۵) تقویٰ کی بنیاد سخاوت اور ایثار پر ہے

(کے طریق) کی بھی دلیل ہے، جنہوں نے اپنے طریق کی بنیاد سخاوت اور ایثار پر ہی قائم کی ہے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک جماعت سے منقول ہے کہ وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ رات کو اُن کے گھر میں صدقہ کی کوئی چیز ہے (بلکہ رات سے پہلے پہلے اُس کو خیرات کر دیتے تھے) فیہ دلیل اهل الصوفۃ الی قولہ من الصدقة المعلومۃ فی ہوتہ۔

(۱۷۶) لوگوں میں فقیر کم اور غنی زیادہ ہیں کہ لوگوں میں (فقیر کم اور غنی

زیادہ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاق کے ساتھ ہر مسلمان پر صدقہ لازم فرمایا ہے حالانکہ یقیناً بعض ایسے بھی تھے جن کے پاس کچھ بھی نہیں (تو اس کی وجہ بلا ہر جی ہے کہ لوگوں میں زیادہ تر غنی ہوتے ہیں غرباء کم اس لیے آپؐ نے اقل مطلقاً ہر شخص پر صدقہ لازم فرمایا۔ شافعیانہ کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ جب صحابہ نے عرض کیا کہ کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس وقت فقیروں کا حکم بیان کر دیا گیا)۔

بعض علماء نے مسکین کی قلت پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ واجبہ میں صرف چالیسواں حصہ فرمنا کیلئے اس لیے اوروہ بھی مطلقاً نہیں، بلکہ بقدر نصاب مال ہونے پر واجب کیا ہے کہ چاندی یا پانچ اوقیہ (دو سو درہم یعنی ساٹھ باون تولہ) ہو اور سونا بیس دینار (یعنی ساٹھ سات تولہ) ہو اور عظیم درم (جس کا علم بھی کامل ہے اور رحمت بھی کامل ہے) اپنے (غریب) بندوں کے لیے ایسی مقدار مقرر نہیں کر سکتا جو ان کے واسطے کافی نہ ہو حالانکہ وہ ان کا شمار بھی جانتا ہے اور حالت سے بھی باخبر ہے **الایعلم من خلقی** وہو اللطیف کیا جس نے پیدا کیا ہے وہ بھی نہ جانے گا حالانکہ وہ بڑا باریک بین اور پوری طرح باخبر ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ مسکین کم ہوں گے اور یہ بھی معلوم تھا کہ (جتنے بھی ہوں گے) ان کو (اختیاء کی دولت کا) چالیسواں حصہ کافی ہو جائے گا تو یہی مقدار فرمنا کر رہی گئی اور اختیاء سب کے سب اس مقدار کو زکوٰۃ کو جو اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب کی ہے نکالتے رہیں تو کبھی کسی مسکین کو بیک مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

قوله فيه دليل على الإلزام في اناس أغلب الی قول

ما احتاج مسکین لان یسأل احدا۔

فت۔ اس دلیل کا یہ مقدمہ تو یقیناً صحیح ہے کہ اختیاء مسکین کی دولت کا چالیسواں حصہ اور زینداروں کی پیداوار زمین کا عشر غرباء مسکین کے لیے کافی

ہے اور اگر اغنیاء زکوٰۃ دے کر نکالتے رہیں تو کسی مسلمان سکیں کو بھیک مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر زمانے میں مسلمانوں میں فقیہ کم اور اغنیاء زیادہ ہوں گے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت فقیر زیادہ ہوں اور اغنیاء کم مگر ان کی دولت اتنی زیادہ ہو کہ اُس کی زکوٰۃ اور عشر تمام فقراء کے لیے کافی ہو جائے۔

پس اس وقت مسلمانوں میں افلاس زیادہ ہونے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اغنیاء باقاعدہ پوری زکوٰۃ اور عشر نہیں نکالتے اور یہ مرض اغنیاء میں آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے چلا رہا ہے۔ اسی لیے صدیوں سے مسلمانوں میں افلاس بڑھ رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہندوؤں کے اختلاط سے مسلمانوں کی ایک جماعت نے بھیک مانگنے کو عیب سمجھنے کے بجائے ہنر سمجھ لیا اور اس کو مستقل پیشہ بنا لیا ہے۔ اُن کو لگتا کہ کہا جائے کہ ہٹے کٹے تندرست آدمی کو بھیک مانگنا جائز نہیں۔ تم کو مزدوری کرنا چاہیئے یا دستکاری سیکھ کر پیٹ پالنا چاہیئے مگر اُن کی عقلیں مغل ہو گئی ہیں وہ بھیک مانگنے ہی کو ہنر سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان مالداروں کی خیرات کا زیادہ حصہ انہی کے قبضہ میں آتا ہے اور یہ لوگ ہزار ہا روپیہ جمع کرنے کے بعد بھی بھیک مانگنا نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ جب وہ مرتے ہیں اُن کی جھوپڑوں میں سے ہزار ہا روپیہ نکلتا ہے۔ پس ان کو غریب اور فقیر سمجھنا غلط ہے اور ان کو زکوٰۃ و صدقات دینا رتم برباد کرنا ہے۔ پس مسلمانوں کو سب سے پہلے زکوٰۃ کا انتظام کرنا چاہیئے پھر ہر شہر اور ہر قصبہ کے امراء کو اپنی بستی کے فقراء کی تحقیق کرنا چاہیئے۔ تحقیق کے بعد زکوٰۃ دے جائے اور اُن سے کہہ دیا جائے کہ زکوٰۃ کی رقم کے بعد دوسرے ہی پر نہ رہو بلکہ جو کچھ اس وقت تم کو دیا جا رہا ہے اُس سے تجارت یا اور کوئی کاروبار شروع کرو۔ تاکہ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ پہلے زمانے کے فقراء ایسے ہی تھے وہ ایک دفعہ زکوٰۃ لے کر اُس سے کاروبار کرنے لگتے تھے۔ البتہ خیم بچے اور بچہ

عورتیں یا بوڑھے اور ابا بچہ مجبوزا زکوٰۃ کے جبر و سرپرہتے تھے جن میں سے یتیم بچے تو تعلیم و تربیت سے فارغ ہو کر جب بالغ ہو جاتے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے تھے اور بیوہ عورتیں دوسری شادی کو حیب نہ جانتی تھیں وہ بھی کچھ دنوں کے بعد زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جاتی تھیں۔ اگر اب بھی اس کا دواج پوری طرح ہو جائے تو بیوہ عورتیں بہت کم رہ جائیں۔ اور غائب رہے کہ ابا بچہ اور مسند کی تعداد زیادہ نہیں۔ اس طریقہ پر انتظام کے ساتھ عمل کیا جائے تو یقیناً مال دار اور ذریعہ دار مسلمانوں کی زکوٰۃ و عشر مسلمانوں کا افلاس دور کرنے کے لیے کافی ہو جائے۔

(۱۷۷) کسبِ معاش کی فضیلت حدیث سے کسبِ معاش کی فضیلت بھی معلوم ہو رہی ہے بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو اور اُس سے دین میں مدد ملتی ہو لفظ بعل بیدہ اس پر دال ہے جس سے ان تمام حضرات کا جواز مفہوم ہوتا ہے جو ہاتھ سے کی جاتی ہیں (بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہوں) حدیث میں یہ بھی بتلادیا گیا کہ اپنی ضرورت کو مدد پر مقدم کرنا چاہیئے۔

چنانچہ ارشاد ہے بعل بیدہ فی نفع نفسه ویتصدق (جس کے پاس مدد کرنے کے لیے کچھ نہ ہو) اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے پھر اپنے کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ تو حضورؐ نے دستکاری کے بعد اپنے کو فائدہ پہنچانا پہلے بیان کیا پھر صدقہ کو بیان کیا۔ اس میں تم غور کرو گے تو بڑا عجیب اشارہ پاؤ گے۔ کیونکہ اگر آپ مرتن آنا کہ دیتے بعل بیدہ ویتصدق کہ وہ اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے اور صدقہ کرے تو صحابہ کے سوال کا تو جواب ہو جاتا۔ کیونکہ وہ تو صدقہ ہی کے بارے میں سوال کر رہے تھے مگر کسی کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ بس میں تو صدقہ کرنے کے واسطے کام کروں گا اور خود اپنی ذات کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کروں گا جو وہ دیں گے لے لوں گا۔ حضورؐ نے نفع نفسه بڑھا کر بتلا

دیا کہ اپنے کو نفع پہنچانا مقدم ہے کیونکہ سب سے بڑا صدقہ یہ ہے کہ انسان اپنا
 بوجھ دوسروں پر نہ ڈالے امراہم کو مقدم کرے۔ اس کے بعد صدقہ کرے۔ پھر
 یہ لفظ انسان کی تمام ضرورتوں کو عالم ہے خواہ اس کی ذات سے متعلق ہوں یا
 اہل و عیال سے یا اپنے گھر کی حاجت سے جو عادتہ بشر کو لاحق ہوتی ہیں بشرطیکہ
 شریعت کے موافق ہوں کہ یہ قید تو تمام حالات میں لازم ہے۔ وغیرہ دلیل علی
 فضل انکسب الی قولہ فلان هذا اصل فی کل الامور۔

فت۔ تم دیکھتے ہو کہ شریعت میں صدقہ کا کس طرح اہتمام ہے کہ جس کے پاس
 کچھ نہ ہو وہ بھی اپنے ہاتھ سے کسب معاش کرے اور اپنی حاجت کو پورا کر کے
 کچھ صدقہ کرے اس کی وجہ ایک تو وہی ہے کہ شریعت مسلمانوں کے اغلاس کو د
 کرنا چاہتی ہے۔ شریعت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ تندرست ہٹا کر آدمی ہو
 دوسروں کے ہاتھ کو دیکھے بلکہ اُسے خود کسب معاش کر کے دوسروں پر صدقہ
 کرنا چاہئے۔ اگر ہر تندرست مسلمان اس پر عمل کرنے لگے اور کوئی بھی بیمار نہ
 رہے کسی نہ کسی کام میں لگ جائے خواہ مزدوری ہی کرنے لگے یا جنگل سے
 محاس اور لکڑی کاٹ کر بیچے اور کوئی صنعت و حرفت اختیار کرے
 تو یقیناً مسلمانوں میں صبریک مانگنے والا کوئی باقی نہ رہے۔

دوسری وجہ صدقہ کے اہتمام کی یہ ہے کہ اس سے نبل کا مادہ نکل جاتا اور
 سخاوت پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص صدقہ کا اہتمام کرے گا اور روزانہ کچھ نہ کچھ
 خیرات کرنے کا التزام کرے گا تم دیکھو گے کہ کچھ عرصہ کے بعد اُس میں سخاوت
 کی صفت پیدا ہو جائے گی۔ جو اخلاقی حمیدہ میں اعلیٰ درجہ کی صفت ہے۔
 نیز صدقہ کی عادت سے دُنیا کی محبت بھی دل سے نکل جائے گی اسی لیے صوفیہ
 نے فرمایا ہے کہ سخاوت زہد کا مدوازہ ہے بلکہ وہی مین نہ رہے۔ صدقہ کا
 اہتمام وہی کرتا ہے جس کے دل میں دُنیا کی محبت نہ ہو اور اگر کسی کے دل میں
 دُنیا کی محبت ہو بھی تو صدقہ کی عادت سے انشاء اللہ دل اس گندگی سے پاک

ہو جانے کا وجہ الدنیا داس کا خطیئہ، دنیا کی محبت ہی تمام گنہوں کی جڑ ہے۔ جب یہ دل سے نکل جاتی ہے، پھر گنہوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا اور نیکیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

حدیث کا مفہوم تمام انواع

(۱۷۸) نفع متعدی نفع لازم سے افضل ہے (صدقات) کے جکڑنے کے بعد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اداۃ صدقہ کی ترغیب دی ہے کیونکہ اس کا نفع متعدی ہے جب اُس سے عاجز ہو تو اُس کے قریب یا اُس کے قائم مقام کی ترغیب دی کہ (ہاتھ سے) کام کرے پھر خود بھی نفع حاصل کرے صدقہ بھی کرے کیونکہ اس کا نفع بھی متعدی ہے جو یہ بھی نہ کر سکے تو اُس کے قائم مقام اس امر کی ترغیب دی کہ کسی حاجت مند پریشان کی مدد کرے (کہ اس کا نفع بھی متعدی ہے) اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو گو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ نیک کاموں میں ان جیسا (اُن کے برابر) کوئی کام نہیں۔ لیکن جو معروف یعنی جو بھلائی بھی ہو سکے کرے۔

معروف سے مراد وہ عمل ہے جو شرفا پسندیدہ اور مستحب ہو اگرچہ اتنا ہی ہو کہ مسلمانوں کے راستے میں سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دے یا پاشت کی دودھ کرکٹیں پڑھ لیا کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کو مستحب کام سے خالی نہ رکھے۔ کوئی مستحب کام (فرائض و واجبات سے زیادہ) کر لیا کرے اگرچہ تھوڑا ہی ہو (معمولی ہی درجہ کا ہو) کیونکہ اس میں بھی صدقہ یعنی ثواب ہے اور اگر تم کسی مستحب پر بھی قدرت نہیں رکھتے تو تمہارا شر سے رُک جانا یعنی بُرے کاموں کو جو شرفا ممنوع ہیں چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے اس پر بھی تم کو ثواب ملے گا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو تسلی دی ہے جو (فرائض و واجبات سے زیادہ) مستحبات کے بھالانے سے عاجز ہوں، بشرطیکہ واقعی عاجز ہوں خواہ مخواہ) عاجز بننے نہ ہوں کہ ان کو شر سے بچنے میں بھی ثواب

ملے گا۔ پس وہ بُرے کاموں سے بچتے رہیں۔ اور یہ تسلی دینی ہی ہے جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ فقراء صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مالدار (صحابہ) صدقہ کی وجہ سے ہم پر بہت لے گئے (غناز اور وہ وغیرہ تو وہ بھی کرتے ہیں ہم بھی کرتے ہیں مگر وہ صدقہ بھی کرتے ہیں اور ہم اس سے عاجز ہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تم کو ایسی بات بتلاتا ہوں جو صدقہ سے بھی (تمہارے واسطے) بہتر ہے۔ تم ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر اور ۳۳ بار الحمد للہ کو اور لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ والحمد للہ جو علی کل شئی قَدِیر (کہہ کر سو کا عدد پورا کر دیا کرو یہ صدقہ سے بھی) بڑھ کر ہے۔ اغنیاء صحابہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ بھی ہر نماز کے بعد یہ عمل کرنے لگے۔

فقراء پھر حضور کے پاس واپس آئے اور کہا یا رسول اللہ! اغنیاء نے تو وہ عمل بھی شروع کر دیا (جو آپ نے خا من ہم کو بتلایا تھا) حضور نے فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا کرے (یعنی اب تم کو یہ تمنا نہ کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو فضیلت دے دیں وَلَا تَمْنُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ شریعت ہم سے پُر دے دین (پر عمل) کا مطالبہ کرتی ہے فرائض کا بھی نوازل کا بھی اور مستحبات کا بھی۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً زمن کو مقدم کیا جائے پھر مستحبات و نوازل میں جو اعلیٰ ہو اُس کو اختیار کیا جائے اور جو سب ہی کو بجا لانے (سبحان اللہ) اُس کے کیا کہنے ہیں اور جو مستحبات میں سے ادنیٰ کو بجا لانے اعلیٰ کو چھوڑ دے اُس نے پسند یہ طریقہ کو چھوڑ دیا لیکن پھر بھی وہ خیر سے محروم نہیں ہو گا اور جو نفسِ مستحبت میں سے کچھ بھی نہ بجا لائے اُس نے اپنے کو بہت خسارہ میں رکھا تو اب وہ بُرے کاموں ہی سے بچتا رہے اس پر بھی اُس کو ثواب ملے گا۔ اگر یہ بھی نہ کیا تو اُس کے ہاتھ سے دین جانا رہا اُس کے پاس دین کا کوئی نشان نہیں۔ نَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ بِسْمِهِ۔ قَوْلُهُ نَفْهَمُ

الحديث على هذه التقریبات الى قوله نسال الله العافية -

فت - صوفی اور فقہاء میں یہ قاعدہ مشہور ہے کہ نفع متعدی لازم سے افضل ہے۔ اسی لیے اُن اعمال کو افضل کہا جاتا ہے جن کا نفع متعدی ہے۔ مگر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ قاعدہ مستحبات و فرائض میں ہے۔ فرائض میں نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ زکوٰۃ نماز سے افضل ہو حالانکہ بالاتفاق ایسا ان کے بعد تمام اعمال سے افضل نماز ہے حالانکہ اُس کا نفع لازم ہے اور زکوٰۃ کا نفع متعدی ہے۔ مگر فرائض میں قاعدہ مذکورہ جاری نہیں۔ یہ قاعدہ مستحبات میں ہے کہ جس مستحب کا نفع متعدی ہو وہ اُس سے افضل ہے جس کا نفع لازم ہے اور مستحبات میں بھی یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے کہ بعض دفعہ شیخ مبسر طالب حق کہیے اُن اعمال کو ترجیح دیتا ہے جن کا نفع لازم ہے۔ اس کو وہی سمجھتا ہے جس کو امرائے تلب پر پوری نظر ہے وہ جانتا ہے کہ جس شخص کی اصلاح نفس پوری طرح نہیں ہوئی اس کو نفع متعدی کا اہتمام مفید نہیں ہوتا بلکہ عجب و کبر کا سبب بن جاتا ہے اس لیے بہت سی سلوک کو خدمتِ خلق کے خیال سے بھی روکا جاتا ہے۔

جیسا بعض لوگ ذکر و مشغل و اصلاحِ باطن میں اس قصد سے مشغول ہوتے ہیں کہ اپنی اصلاح و تکمیل کے بعد ہم دوسروں کی اصلاح کریں گے۔ یہ خیال عجب و بُرے پیدا ہوتا اور اُس کو بڑھاتا ہے۔ بہت سی سلوک کو صرف اپنی اصلاح کا قصد کرنا چاہیئے یہ دوسرے بھی نہ لانا چاہیئے کہ بعد میں دوسروں کی اصلاح کریں گا۔ اسی طرح اس کو واعظ کہنے سے بھی منع کیا جاتا ہے کیونکہ لوگوں کی تعظیم و تکریم سے اُس کا دماغ خراب ہو جاتا ہے واعظ میں غلوں پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ایسی تقریر کرنے کی خواہش کرتا ہے جس سے لوگوں میں تعریف ہو تمام مشہور ہو تو ایسا نفع متعدی کس کام کا جس میں اخلاص نہ ہو۔ جملہ اعمال کی روح اخلاص ہے۔ اگر اخلاص نہیں ہے تو عمل مقبول نہیں خواہ اُس کا نفع لازم ہو یا متعدی۔

میں نے حضرت حکیم الامت نور الدین رحمہ اللہ سے سنا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس مدرسہ دیوبند کا چند میں خدام کے اصرار سے وعظ کے لیے کھڑے ہوئے۔ اُس وقت اتفاق سے کسی مسئلہ منطقی کی تقریر درمیان میں آگئی۔ حضرت مولانا نے اس مسئلہ کی ایسی تشریح فرمائی کہ علماء منطقی نے بھی نہ سنی ہوگی۔ انشاء تقریر میں ایک بہت بڑے معقول عالم تشریف لے آئے۔ حضرت مولانا کی نظر جو اُن پر پڑی فوراً تقریر بند کر کے بیٹھ گئے۔ جب جلسہ منظر ہو گیا تو ایک بزرگ نے عرض کیا کہ آپ نے فلاں صاحب کے آنے پر تقریر کیوں بند کر دی؟ یہی موقع اس تقریر کا تھا تاکہ اُن کو بھی معلوم ہو جاتا کہ علماء دیوبند معقول و منطقی میں بھی کسی سے کم نہیں۔ فرمایا ہاں یہی خیال تو میرے دل میں بھی آگیا تھا کہ اب موقع ہے اکی لیے تقریر بند کر دی۔

مطلب یہ تھا کہ جب وعظ میں اس خیال سے کوئی تقریر کی جائے کہ اب موقع ہے اب مخالفوں کو بھی ہمارا کمال معلوم ہو گا تو غلوں کماں باقی رہا۔ اس وقت تقریر بند کر دینا چاہیئے۔ سبحان اللہ! یہ حضرات اطباء قلوب تھے نفس کے مکر و کید پر ہر وقت اُن کی نظر رہتی ہے۔ اگر ہم جیسے ہوتے تو کسی نہ کسی تاویل سے غلوں کا دعوے کر لیتے اور تقریر بند کر دیتے۔ خلا یہی تاویل کر لیتے کہ ہم اپنا کمال نہیں ظاہر کرتے بلکہ اپنے بزرگوں اور استادوں کا کمال ظاہر کرنا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ تاویلیں نہیں چل سکتیں۔

خلق را گیرم کہ بغیرہی تمام در خط اندازی تا ہر خاص و عام

با خدا تدبیر و حیل کے رواست

کار با اورا ست پایہ داشتن رایت اخلاص و صدق داشتن

پس صدقہ کرنے والے کو بھی اخلاص کا اہتمام کرنا چاہیئے اسی لیے صدقہ نافرمان کو چپا کر دینا افضل ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

(تبیین) یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ کسی حاجت مند پریشان کی مدد کر دے۔ حالانکہ ثواب تو ہر مسلمان کی مدد کرنے میں ملتا ہے، خواہ حاجت مند جو یا نہ ہو۔ کیونکہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون العیہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد میں لگا رہے۔ جواب یہ ہے کہ ثواب تو ہر مسلمان کی مدد میں ملتا ہے مگر جب مہاجر نے صدقہ کی انوار سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اُن کو ایسے اعمال بتلا دیں جن کا ثواب صدقہ کے برابر ہو۔

سو ظاہر ہے کہ حاجت مند پریشان کی مدد میں ثواب زیادہ ہے اگر حاجت مند نہ ہو تو ثواب کم ہے اور حاجت مند ہو پریشان نہ ہو جب بھی اس قدر ثواب نہ ہوگا جتنا حاجت مند پریشان کی مدد میں ہے۔ پس اس صفت کے زیادہ ہونے سے مدد کا ثواب اس قدر ہو گیا کہ صدقہ فوت ہونے کی تلافی ہو جائے گی۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہاں مدد سے مراد مالی امداد نہیں کیونکہ یہ عمل اُس شخص کے واسطے بتلایا گیا ہے جو صدقہ مالہ سے بالکل عاجز ہے۔ مدد سے یہاں مراد یہ ہے کہ پریشان آدمی کو پریشانی سے نکلنے کا راستہ بتلادیا جائے اگرچہ اپنے پاس سے کچھ نہ دو۔ مثلاً اُس سے یوں کہہ دو کہ میں تم کو ایک خدمت بتلاتا ہوں جس سے یہ پریشانی دور ہو جائے گی۔ اتنا کہنے سے ہی پریشان آدمی کو اس درجہ خوشی ہوگی کہ صدقہ لینے سے نہ ہوتی۔ مثلاً ایک آدمی راستہ بھول گیا ہے تم اُس سے کہو کہ آؤ میں تم کو اُس جگہ پہنچا دوں گا جہاں تم جانا چاہتے ہو۔ یقیناً تم کہہ دو کہ تمہاری اس بات سے بے حد خوشی ہوگی یا کسی پر مقدمہ قائم ہو گیا ہے تم اس سے کہو کہ میں تم کو فلاں زمین کے پاس پہنچائے دیتا ہوں وہ تمہاری سفارش حاکم سے کر دے گا۔ خود سوچ لو کہ اتنا کہنے سے پریشان آدمی کو کس قدر تسلی ہوگی یا کسی کا کوئی عزیز قریب مر گیا ہو اور وہ اُس کے غم میں

پریشان ہو تم اُس کی تسلی و تعزیت کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگو اور اُس کا غم غلط کر دو تو اُس کو کس قدر راحت ہوگی۔ پس جو شخص کسی مسلمان کی مالی امداد نہ کر سکے وہ ان طریقوں سے کسی پریشان آدمی کی پریشانی کو دور کرنے کا اہتمام کرے تو اُس کو بھی صدقہ کا ثواب ملے گا۔

ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رئیس اہل تقیہ تھے۔ ایک دفعہ آپ پیادہ سفر کر رہے تھے اور عادت اکثر پیادہ سفر کرنے کی تھی۔ راستہ میں ایک ٹوڑھے کو دیکھا سر پر مکڑیاں لادے ہوئے جا رہا ہے۔ اور بوجھ کی وجہ سے سانس بھول رہا ہے۔ آپ آگے بڑھے اور اُس سے کہا بھائی تم تنگ گئے ہو۔ لاڈ کچھ دُور تک میں یہ بوجھ لے لوں۔ اُس نے مقدس صورت دیکھ کر کہا کہ تم بھی تو ٹوڑھے ہو مجھ سے کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتے فرمایا ہاں ٹھیک ہے مگر میں خالی ہاتھ سفر کر رہا ہوں اس لیے تم سے زیادہ تنگ ہوا نہیں۔ اُس نے کہا مگر تمہاری صورت شریفانہ ہے تم نے بوجھ اٹھانے کا کام کب کیا ہو گا؟ فرمایا نہیں بھائی کام تو سب ہی کو کرنا پڑ جاتا ہے غرض بہت اہل کار کے ساتھ اس سے مکڑیوں کا بوجھ لے کر اس کے گھاؤں تک پہنچایا۔ اُس کا گاؤں ایک دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ راستہ میں باتیں ہونے لگیں تو وہ بوڑھا پوچھتا ہے کہ کیا تم مولوی مظفر حسین صاحب کو بھی جانتے ہو جو کاندھلوی رہتے ہیں۔ فرمایا ہاں جانتا ہوں۔ کہا اُسے اُن سے ملنے کا بہت ہی شوق ہے۔ نہ معلوم وہ آج کل کاندھلویں یا کہیں باہر ہیں۔ جب اُس کا گاؤں آگیا اور اُس نے آپ کے سر پر سے بوجھ اُتار لیا اُس وقت فرمایا کہ بھائی مظفر حسین تو میرا ہی نام ہے کاندھلوی رہتا ہوں اور وہیں جا رہا ہوں لوگ مولوی مظفر حسین بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ سن کر بوڑھا پیروں میں گر پڑا کہ حضرت یہ آپ نے کیا کیا؟ فرمایا کیا حرج ہے، مسلمان مسلمان کے کام آ ہی جاتا ہے۔ یہ بھی حاجت مند پریشان کی مدد کی ایک محدث ہے اور تم سوچو گے تو

اور بہت سی صورتیں سمجھ میں آجائیں گی۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ اپنے حاجت مند پریشان بھائیوں کی پریشانی دُور کرنے کی تدبیریں سوچا کریں اور ان کی مدد کیا کریں۔ اگر سب مسلمان بھائیوں میں یہی ایک وصعت پیدا ہو جائے تو ان کے دن پھر جائیں اور یہ عذوبت حال بدل جائے جو اُس وقت اُن پر وبال کی طرح مسلط ہے جس کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ ہر شخص کو اپنی فکر ہے دُوروں کی فکر نہیں۔ ہر شخص اپنی غم کا بندہ ہے۔ اپنی ذاتی منفعت کو قوم کی منفعت پر مقدم کرتا ہے۔ جب تک کسی قوم میں یہ مرض موجود ہے وہ کبھی دُنیا میں عزت و راحت حاصل نہیں کر سکتی۔

(۱۷۹) دُوروں کو پریشان کرنا گناہ اور خود کو پریشان کرنا ثواب ہے

اس جگہ ایک بات پر تنبیہ (ضروری) ہے وہ یہ کہ شریعت کی حکمت میں خود کو دُوروں کو راحت پہنچانا اور اُن کا دل خوش کرنا تو ثواب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ایسا کیا جائے اور دُوروں کو ضرر پہنچانا اور پریشان کرنا گناہ ہے مگر خود اپنے نفس کو پریشان کرنا اس کو مجاہدہ اور مشقت میں ڈالنا ثواب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے کیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیہ السلام نے موتی علیہ السلام سے بطور وصیت کے فرمایا تھا وزعزۃ بالخوف قلبک فان ذلک مما یرضی دہک۔ اپنے دل کو خوف سے جڑ جڑا دے کہ جو کہ یہ حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ خود کو اس میں کوئی حکمت معلوم ہوتی ہے یا نہیں؟ ہم پہلے کئی بار کہہ چکے ہیں کہ حکیم کوئی کام بدون حکمت کے نہیں کرتا (تو اس میں ضرور کوئی حکمت ہے) چنانچہ اس کی حکمت ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی۔ وہ یہ کہ (واللہ اعلم) اگر تم اپنے آپ کو خوش کرو گے اگرچہ یہ دعویٰ بھی کر دو کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ایسا کر رہے ہو یہ بھی نفس کے وسیعہ (اور مخفی کید) سے بہت کم سالمہ ہو گے کیونکہ اس

میں نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے (اور جس عمل میں حظ نفس شامل ہو اس کا اللہ تعالیٰ کے واسطے ہونا بہت دشوار ہے۔ اس لیے اپنے نفس کو خوش کرنے میں ثواب نہیں بلکہ اس کو مہادہ و مشقت میں ڈالنا ثواب قرار دیا گیا) اور یہ سزا ذریعہ کی جنس سے ہے جو کہ شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے (کہ جو چیز کسی وقت ثمر کا ذریعہ بننے لگے اُس کو شروع ہی سے روک دیا جاتا ہے یہ ہیں کہ ذریعہ بننے کے وقت منع کیا جائے اور پہلے جائز رکھا جائے) اس کی ایسی مثال ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو خوش رکھا کہ وہاں کھیتی نہیں ہوتی اور وہاں نمک پہنچنا بھی مشقت سے خالی نہیں تاکہ وہاں جانا اور قیام کرنا خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کیونکہ اُس میں (بقا ہر) کوئی ایسی چیز نہیں جو نفس (کی لذت اور حظ) کے مناسب ہو اور اگر برعکس معاملہ ہوتا کہ کٹہر سرسبزی اور شادابی اور (کثرت) فواکہ میں دمشق جیسا ہوتا تو وہاں جانا اور قیام کرنا خالص عبادت کے لیے نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کی سرسبزی میں حظ نفس اور تفریح بھی شامل ہو جاتی (اسی طرح یہاں سمجھو کہ اپنے نفس کو خوش کرنے میں جو کہ حظ نفس کی بھی آمیزش ہے اس لیے اُس میں ثواب نہیں بلکہ دوسروں کو خوش کرنے میں ثواب ہے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ غیروں کو خوش کرنا اگر خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو تو اُس میں نفس کو کچھ نہ کچھ تعب ضرور ہوتا ہے۔ کم از کم یہی بات ہے کہ ہر شخص کا دل ہر قسم کی بھلائی کو اپنے واسطے جمع کرنا چاہتا ہے اب اگر دوسرے کے لیے ایثار کرے گا (اور اس کو کچھ بھلائی دینا چاہیے گا) تو دل پر تعب ہوگا اور یہ (دل کا تعب ظاہر کے تعب سے بڑھ زیادہ گہرا ہے۔ تو اس صورت میں) عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوگی اور عبادت کی جہاں خالص ہی تو ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں مخلصین لہ الدین کہ اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ عبادت کا امر کیا گیا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاص کے اسباب بھی بتلا دیئے تاکہ اس کی برکت سے بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

مدد پہنچے۔ اسی لیے یمن بن ارق رحمۃ اللہ علیہ نے جو دونوں جماعتوں کے بڑے ہیں (علماء کے بھی صوفیہ کے بھی) فرمایا ہے کہ میں نے عبادت کے معاملہ میں نظر کی تو غربت (یعنی گھر چھوڑنے) سے زیادہ کسی چیز کو اُس میں معین نہیں پایا۔ کیونکہ وطن اور اہل و عیال اور ہمسایوں کے پاس رہنے میں نفس کو بہت سے موانع (اور مخلوط نفسانہ) پیش آتے ہیں (جو خالص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے روکتے ہیں) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر وطن سے دُور رہنے میں میرے دین کی اصلاح ہو تو اللہ تعالیٰ وطن اور اہل و عیال (کے پاس رکھ کر) اپنے سے مجھے متوہش نہ کرے جبکہ میری ہمت (اور توجہ) اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے اور میرا ارادہ اپنے دین کی درستی کا ہے۔ قولہ دھنا تنبیہ وهو النظر الى حكمة الشرع الى قوله وصرى في اصلاح ديني۔

ہاں۔ یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قل بفضل الله وبہمت یغلب الذل فلیطرحوا وعلیہم ما یجمعون۔ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ جب قرآن ایسی چیز ہے پس ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس العام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیئے (اور اس کو دولتِ عظیمہ سمجھ کر لینا چاہیئے) وہ اس دُنیا سے بدرجہا ستر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں اس آیت میں نعمتِ قرآن سے خوش ہونے کا امر ہے اور جس بات کا امر ہو اُس کے بھالانے میں ثوابِ یقینی ہے۔ تو اپنے نفس کو خوش کرنے میں بھی ثواب ہوگا۔ نیز ایک حدیث میں ہے اِذَا مَرَّتْ حَسَنَاتُ مَاءٍ ثَلَاثٌ مِثْلُ ثَلَاثٍ فَانْتِ حَمُونٍ، جب تم کو اپنے نیک عمل سے خوشی ہو اور بُرے کام سے رنج ہو تو تم مومن ہو۔ اس میں نیک عمل سے خوش ہونے کو ایمان کی علامت بتلایا گیا ہے اور ایمان کی علامت کا مطلوب ہونا اور عملِ مطلوب پر ثواب کا ہونا ظاہر ہے۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں تو قرآن سے اور اسلام سے خوش ہونے کا امر ہے اور یہ ایسی نعمت ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے جس سے ہر

مسلمان کو خوش ہونا چاہیے اور بجز اللہ ہر مسلمان کو اس کی خوشی ہے کہ وہ وہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کا وارث اور اُس کے آخری پیغمبر کا اُمتی ہے۔ مگر یہ خوشی وہ نہیں جس سے یہاں بحث ہو رہی ہے۔ یہاں ایسی چیز پر خوشی مراد ہے جو اسی کے ساتھ مخصوص ہو جیسے اپنا علم و عمل و عبادت وغیرہ۔

اور حدیث میں مسرت سے مراد طبی مسرت ہے جو بے اختیار نیک عمل سے ہوا کرتی ہے۔ جیسے گناہ سے ایک قسم کی پریشانی اور وحشت ورنچا بھی ہر مسلمان کو بے اختیار ہوتا ہے۔ غرض حدیث میں مسرت اختیار ہی مراد نہیں اور شارح کا مطلب یہ ہے کہ اپنی کسی خاص حالت سے اپنے نفس کو قصداً خوش کرنے میں ثواب میں۔ اس پر کچھ اشکال وارد نہیں ہوتا۔ مگر یہ ضرور کہا جائے گا کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے کیونکہ بعض دند اپنی کسی خاص حالت سے بھی اپنے نفس کو خوش کرنے میں ثواب ہوتا ہے۔ مثلاً کسی پر بھالت بعض حزن و غم یا خوف کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ یا اس کے قریب حالت پہنچ جائے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو خاص اپنے اوپر ہیں سوچ کر دل کو خوش کرنا اور یاس کو دور کر کے دجا کی کیفیت پیدا کرنا ثواب ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت سے یاس اور ناامیدی کفر ہے اور رجاء ایمان ہے تو جو خوشی کفر سے بچا کر ایمان کی طرف لائے یقیناً اس میں ثواب ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جنت دل میں غالب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کو جو اپنے ساتھ مخصوص ہیں سوچنا اور اُن سے خوش ہونا ثواب ہے۔ کیونکہ یہ خوشی غلبہ محبت اللہ کا ذریعہ بن رہی ہے جو کہ ثمرنا مطلوب ہے۔ یہی وہ احوال ہیں جن کے لیے شیخ محقق سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے، وہی کچھ سکنا ہے کہ کس کے لیے اپنے دل کو خوش کرنا ثواب ہے اور کس کے لیے اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا ثواب ہے۔

ف۔ اوپر کہا گیا ہے کہ تم میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نفس کی لذت

اور غلام کے مناسب ہو۔ میں نے یہاں ”بظاہر“ کی قید اس لیے بڑھادی ہے کہ باطن میں جہالی کعبہ معترف اس قدر کشش اور دلربائی دکتا ہے کہ جب مومن کی اُس پر پہلی بار نظر پڑتی ہے تو سفر کا تمام تکان جاتا رہتا ہے۔ اور اُن تمام مشفقوں کو بھول جاتا ہے جو وہاں پہنچنے تک پیش آئی تھیں۔ کچھ نہ پوچھنے کو پہلی نظر سے دل میں کس قدر ٹھنڈک اور انشراح کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے سامنے دنیا بھر کی لذتیں چمچ معلوم ہوتی ہیں۔ بلاشبہ کعبہ معترف دنیا میں جنت ہے جس طرح جنت میں قدم رکھتے ہی انسان اُن تمام مشفقوں کو بھول جائے گا جو جنت تک پہنچنے میں برداشت کی تھیں اور بے ساختہ کہے گا :

الحمد لله الذی اذهب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور۔ یہی حال کعبہ معترف کو پہلی بار دیکھ کر ہوتا ہے اور اس کا احساس جس طرح مومن کے دل کو ہوتا ہے کفاس کے دلوں کو بھی ہوتا ہے بشرطیکہ دل میں کچھ احساس نیک و بد کا باقی ہو۔ غلبہ مادیت سے بالکل نہ مسخ ہو گیا ہو۔

کعبہ معترف میں غلامہ انوار باطنیہ کے ظاہری اعجاز بھی ایسے ہیں جس سے مومن کا ایمان کامل ہوتا اور کافر کو ایمان کی طرف ہدایت ہو سکتی ہے اگر وہ انسان سے کام لے ایک یہ کہ کعبہ معترف کی حرمت کی وجہ سے چاروں طرف کچھ دور تک مخصوص قلعہ کوز میں حرم قرار دیا گیا ہے جس میں شکار کرنا بھی ممنوع اور درختوں کا کاٹنا ناجائز ہے۔ تم دیکھو گے کہ اس زمین حرم میں بھیڑیا اور بکری ساتھ ساتھ چلتے ہیں نہ بکری بھیڑیے سے ڈرتی ہے نہ بھیڑیا اُس پر حمل کرتا ہے۔ زمین حرم سے باہر نکلتے ہی پھر بکری بھیڑیے کا شکار ہے۔

نیز تم دیکھو گے کہ ہزاروں پرند کعبہ کا چکر کاٹ کر نکلتے ہیں اُس کے اوپر سے کوئی نہیں جاتا۔ دوسرے تم منی میں دیکھو گے کہ تین پتھروں پر تین دن تک گنگریاں ماری جاتی ہیں اور یہ سلطان ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے

چلا رہا ہے۔ لیکن ہے اُس وقت حجاج کی شمار کم رہی ہو مگر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج و راع کے بعد سے تو آج تک حجاج کی شمار ہر سال لاکھ دو لاکھ سے کم نہیں ہوتی۔ اب سوچو کہ جن مقامات پر ہزاروں برس سے اس قدر بے شمار کنگریاں پڑتی چلی آتی ہیں وہاں تو ان کنگریوں سے پہاڑ بن جاتا۔ مگر مشاہدہ ہے کہ شام تک کنگریوں کا جس قدر انبیا و عظیم نظر آتا ہے صبح کو اُس کا نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ تھوڑی سی محروم سے چند کنگریاں پڑی رہ جاتی ہیں باقی سب غائب ہو جاتی ہیں شاید تم کہو کہ حکومت نے اُن کے اٹھوانے کا انتظام کیا ہو گا۔ ہرگز نہیں! کسی کا دل چاہے تو رات دن پہرہ دے کر دیکھ لے اُس کو خود معلوم ہو جائے گا کہ حکومت کی طرف سے اُن کے اٹھوانے کا کوئی بندوبست نہیں۔ پھر کنگریاں کہاں چلی جاتی ہیں؟

حدیث میں آتا ہے کہ جو قبول ہو جاتی ہیں اُن کو فرشتے اٹھا لیتے اور جنت میں پہنچا دیتے ہیں اور جو قبول نہیں ہوتیں وہ یہیں رہ جاتی ہیں۔ یہ زندہ معجزہ ہے جو زماذر رسالت سے اب تک باقی ہے اور جب تک خدا کعبہ کا حج ہوتا رہے گا باقی رہے گا۔

ف۔ اُدھر امام مین بن رزق رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مذکور ہوا ہے کہ اصلاح حال اور عبادت کے معاملہ میں غربت یعنی گھر چھوڑنے سے زیادہ اُنہوں نے کسی چیز کو معاون نہیں پایا۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اس زمانے میں عہ اور یہاں سے علوم جو کہ محمد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر زمانے میں قبول زیادہ ہوتے ہیں اور مرد و سکھ کم۔ پس وہ جو بھٹی سے ہر سال کسی شے اور غلام و دھڑ نبوی کے نام سے ایک اشتہار شائع ہوتا ہے وہ بالکل غلط اور مراسر جھوٹ ہے۔ حدیث میں کوئی بھی شیخ اور غلام و دھڑ نبوی نہیں ہے۔ یہ معلوم ہے کہ کسی لمحہ کی حرکت ہے جو ہر سال جو سما اشتہار شائع کرتا رہتا ہے۔ سکھانوں کو اُس پر ہرگز قوت نہ کرنا چاہیے اور جس کو بھی وہ اشتہار لے کر

جلد دینا چاہیے۔ ۱۰۳۔ ظ

ہمارے محترم بزرگ اور مخلص دوست مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت مذکور دیا کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ اپنے گھر پر رہ کر پوری اصلاح نہیں ہوتی۔ لوگوں کو دین کے واسطے گھر چھوڑنے کی عادت کرنا چاہئے کیونکہ گھر پر کچھ ایسے مشاغل مکان اور دکان اور تعلقات کے لگے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے پوری طرح انسان کا دل دین کے واسطے فارغ نہیں ہوتا باہر وہ مشاغل اور موانع نہیں ہوتے تو جتنا وقت دین کے واسطے باہر نکل کر دیا جائے گا اُس میں دل کی توجہ کامل ہوگی اور قلب دین کے واسطے فارغ ہوگا۔ اسی لیے مولانا اس کی بہت تاکید کرتے تھے کہ گھر سے نکلو اور ایک چلہ یا دو چلہ یا جتنا وقت بھی سہولت سے دیا جاسکے گھر سے باہر نکل کر دین کے واسطے دو اور اس تمام وقت کو اس طرح تقسیم کرو کہ کوئی لمحہ بھی بے کار نہ ہو۔ کچھ دیر تعلیم دین حاصل کرو۔ کچھ دیر ذکر اللہ میں مشغول رہو۔ کچھ وقت تبلیغ میں صرف کرو کہ ناواقف مسلمانوں کو کلمہ اسلام اور اس کے معنی بتلاؤ۔ بے نادہوں کو نرمی اور شفقت سے نمازی بنانے کی کوشش کرو۔ کچھ دیر تلاوت قرآن اور نوافل میں مشغول رہو۔ غرض یہ سارا زمانہ غربت کا ایسے گزارو کہ چند دنوں کے لیے حضراتِ صحابہ کا نمونہ بن جاؤ۔ یہ واقعہ ہے کہ مولانا کے طریقہ تبلیغ سے فریضہ تبلیغ بھی ادا ہوتا ہے اور خود اپنے نفس کی بھی اصلاح ہوتی ہے بشرطیکہ اُن اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے جو مولانا نے بتلائے ہیں۔ و مثلاً هذا فلیعمل العاملین۔

(۱۸۰) ترک عمل پر بھی ثواب کب ترک کرنا واجب یا مستحب ہو

اس حدیث سے بعض اموالین کا رد ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ ترک عمل پر ثواب نہیں ہوتا صرف عمل پر ثواب ہوتا ہے یعنی بڑے کام کے چھوڑنے پر ثواب نہیں کیونکہ وہ عمل نہیں (بلکہ عدم عمل ہے) یہ لوگ راستہ سے چوک گئے

اور گمراہی میں بہت دُور پہنچ گئے۔ وہ محض اپنی عقل سے ثواب (کا قاعدہ) مقرر کرتا چاہتے ہیں۔ کتاب اور سنت کو نہیں دیکھتے۔ چنانچہ کتاب اللہ میں ارشاد ہے: **اِنَّ يَنْهَوْنَ عَنِ الْغَيْرِ ۖ ذٰلِكَ سُلْطٰنُ (ان کافروں سے کہہ دو کہ) اگر وہ (کفر)۔** باز آجائیں گے تو اُن کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور باز رہے۔ ایک عمل ہی تو ہے اس میں کچھ شک نہیں (مگر اس میں ایک اشکال ہے۔) من فوائد مذکور ہو گا، اور حدیث (ایک دونوں اور بھی بہت ہیں) بخلاف اُن کے، ایک قوی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ وسلم کا صاف ارشاد ہے **وَلِيَسْلُطْ عَنِ الشَّرِّ فَاَنْتَ اَلْهَدْيُ** اور شریعت سے بچنا ہے کہ یہ بھی اُس کے لیے صدقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ وسلم نے تمام نیک اعمال کو فلیصل بالمعروف میں جمع فرما دیا ہے (کہ نیک اعمال کرتا رہے) اور جملہ اقسام شر کو اسی لفظ میں جمع فرما دیا ہے **وَلِيَسْلُطْ عَنِ الشَّرِّ**۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیک اعمال میں سے کوئی سا عمل کرے یا بُرے اعمال میں سے کسی عمل کو ترک کر دے، ہر صورت میں اُس کے لیے صدقہ (کا ثواب) ہے۔ یہاں تمنا سے دل میں یہ کھٹک نہ ہونی چاہیے کہ صدقہ (کا ثواب) مجموعہ پر ہو گا یعنی نیک عمل کرنے کے ساتھ بُرے عمل کے چھوڑنے پر ثواب ہو گا تنہا بُرے عمل کے چھوڑنے پر نہ ہو گا۔ کیونکہ الفاظ حدیث اس مفہوم کو ادا نہیں کرتے اور یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے اُن کا قول ہے کہ نیکی اُس وقت تک مقبول نہیں ہوئی جب تک بُرے عمل کو نہ چھوڑا جائے۔ جمہور اُمت (کا قول) اس کے خلاف ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا (یعنی اُس کی جزا پائے گا) اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا (اب اگر نیک عمل کی جسٹا بُرے اعمال کے چھوڑنے پر موقوف ہے تو لازم آئے گا کہ ذرہ برابر نیکی کچھ

کام نہ آئے گی۔ حالانکہ یہ نفس کے خلاف ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں اتق معادم اللہ تکن اعبد الناس۔ اللہ کی حمد ہم کی ہوئی چیزوں سے بچنا رہ تو سب سے بڑا عابد بن جائے گا (اس میں بھی عمل خیر کی شرط نہیں صرف عمل شر سے بچنے پر بشارت دی گئی ہے) اور آیات و احادیث اس باب میں بہت ہیں تو سبحان اللہ! یہ لوگ سمجھ بوجھ سے کس قدر محروم ہو گئے۔ قولہ و فیہ رد علی بعض الاصولیین الی قولہ فسبحان من حرّمہم طریق المرشادؒ

ف۔ میں نے اس مسئلہ کو مسائل نقیون میں اس لیے داخل کر دیا کہ صوفیہ نے اس سے اپنی کتابوں میں بحث کی ہے۔ اگرچہ یہ مقام میں سے نہیں۔ مگر مسئلہ مشکل ہے جس میں علماء امت نے بحث کی ہے اور ممکن ہے آج کل بھی اصول فقہ پڑھنے پڑھانے والے اس کو مشکل سمجھ رہے ہوں اس لیے جی چاہا کہ اپنی بساط کے موافق اس کو حل کر دو کیا عجیب ہے کسی کو فائدہ پہنچ جائے۔ اب مُسنّے۔

حضرت شارح نے اس حدیث سے اُن اصولیین کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ترک فعل پر ثواب نہیں ہوتا۔ میں نہیں معلوم کر سکا کہ یہ اصولیین کون ہیں؟ کیونکہ اصول فقہ میں یہ قول کسی کی طرف منسوب نہیں کیا گیا بلکہ ہماری کتب اصول میں ثواب و عقاب سے اس مسئلہ میں بحث ہی نہیں کی گئی۔ اصل بحث صرف یہ ہے کہ انسان اوامر شرعیہ میں تو بالا اتفاق فعل کا مکلف ہے۔ یعنی جس بات کا شریعت میں امر ہے انسان اُس کے کرنے کا مکلف ہے لیکن جن اشیاء سے منع کیا گیا ہے جن کو نہا ہی کہتے ہیں وہاں فعل کا مکلف ہے یا عدم فعل کا؟ اصولیین کہتے ہیں کہ وہاں بھی فعل کا یعنی نفس کو گناہ سے روکنے کا مکلف ہے اور یہ فعل ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ منیات میں فعل کا مکلف نہیں بلکہ عدم فعل کا مکلف ہے کہ وہ کام و جہد میں نہ آئے خواہ نفس کو روکنے کی وجہ سے وجہ

میں نہ اُسے یا اس لیے کہ اُس کا ارادہ عدم کے ساتھ متعلق ہو۔ اصولیین فرماتے ہیں کہ ارادہ اور مشیت کا تعلق عدم سے نہیں ہو سکتا۔ پس اگرچہ شریعت کا مقصود تو یہی ہے کہ فعل ممنوع وجود میں نہ اُسے مگر خود عدم کوئی شے نہیں جس سے مشیت کا تعلق ہو سکے۔ اس لیے ضرور ہے کہ منہیات میں انسان کو کف النفس کا یہی نفس کو روکنے کا مکلف کیا جائے تاکہ اس سے مشیت متعلق ہو سکے اور اسی طرح قدرت کے تحت میں آ سکے۔ نفس عدم سے تو نہ مشیت متعلق ہو سکتی ہے نہ وہ قدرت کے تحت میں آ سکتا ہے اس کا مکلف کیونکر کہا جائے گا؟ معتزلہ کسی دلیل سے یہ تو ثابت نہیں کر سکے کہ عدم فعل قدرت کے تحت میں آ سکتا ہے۔ انہوں نے اصولیین پر یہ اعتراض کر دیا کہ تمہارے قول پر لازم آتا ہے کہ اگر کسی شخص کو فعل حرام کی طرف میلان ہی نہ ہو۔ جیسا حضرت صدیق اکبرؓ منقول ہے کہ میرے دل نے شراب کو کبھی نہیں چاہا نہ اسلام میں نہ جاہلیت میں۔ تو ان کو کچھ نفیلت حاصل نہ ہو کیونکہ کف النفس نہیں پایا گیا۔ نفس کو روکنا تو اُسی وقت ہو سکتا ہے جب خواہش ہو۔ اصولیین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں گو کف النفس نہیں پایا گیا مگر اُس سے اعلیٰ درجہ عصمت کا وجود ہے جو کف النفس سے بھی افضل ہے۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے حرام کا ارتکاب اس لیے نہیں کیا کہ اُس کو حرام کا خیال ہی نہیں آیا تو چاہیے کہ وہ گناہ نہ کرے کیونکہ اُس نے نفس کو روکا نہیں۔ جواب یہ ہے کہ جب تک اُس کو حرام کا خیال نہ اُسے وہ کف النفس کا مکلف ہی نہیں تو گناہ نہ کر سکتا ہو۔ جب خیال آوے اُس وقت نفس کو روکنے کا مکلف ہے۔ ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو زنا کی طرف میلان ہو اور اُس نے نفس کو میلان سے نہ روکا مگر زنا کیا بھی نہیں تو اس کو گناہ نہ گناہ ہونا چاہیے۔ حالانکہ حدیث صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کے ارادہ پر تو ثواب لکھا جاتا ہے عمل ہو یا نہ ہو مگر سیئہ کے ارادہ پر گناہ نہیں لکھا جاتا

جب تک عمل نہ ہو۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ قاعدہ سے اُس کو گناہ گار ہونا چاہیئے۔ مگر حدیث کی وجہ سے ہم اُس کو گناہ گار نہیں کہتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ارادہ سے مراد قصد جائز نہیں ہے بلکہ حدیث النفس ہے کہ دل میں خیال آیا مگر اس کو ختم نہیں ہونے دیا۔ خیال ہی کے درجہ میں رکھا تو یہ معاف ہے۔ کیونکہ اُس کا روکنا دشوار ہے الا لعصہ عصمہ اللہ۔ اور اگر قصد جائز ہو گیا تو اب اگر گناہ کا صدور اس لیے نہیں ہوا کہ اُس نے خدا کے خوف سے نفس کو روک دیا تو یہاں کف النفس موجود ہے۔ وہ ثواب کا مستحق ہو گا اور اگر اس لیے صدور نہ ہوا کہ کوئی مانع حسی پیش آ گیا۔

مثلاً عورت راضی نہ ہوئی یا تنہائی کا موقع نہ ملا یا اور کوئی سبب پیش آ گیا اس صورت میں یہ گناہ گار ہے کیونکہ اس نے نفس کو گناہ سے نہیں روکا۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اصولیین نے ثواب و عقاب سے بحث نہیں کی وہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح ادا میں انسان فعل کا مکلف ہے اسی طرح نواہی میں بھی فعل کا یعنی کف النفس اور ترک کا مکلف ہے۔

عدم فعل کا مکلف نہیں۔ ثواب و عقاب سے معتزلہ نے اپنے اعتراضات میں بحث کی ہے اور اس کا جواب اصولیین نے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ ترک بالقصد پر ثواب کے قائل ہیں۔ ترک بلا قصد پر ثواب کے قائل نہیں۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض اولیاء کا طین گناہوں کو بالقصد نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اس لیے چھوڑتے ہیں کہ ان کو مدامی سے نفرت ہے اُن کو گناہوں کا خیال ہی نہیں آتا تو اصولیین کے قول پر لازم آتا ہے کہ ان حضرات کا طین سے وہ لوگ افضل ہوں جن کو گناہوں کی طرف میلان ہوتا ہے پھر نفس کو روکتے ہیں۔ اور غالباً یہی اشکال حضرت شاری کو پیش آیا ہے اُس کا جواب اصولیین نے یہ دیا ہے کہ ان کا طین کو کف النفس سے بڑھ کر دوسری فضیلت عصمت کی

فرمایا کہ تمہاری شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے (جبکہ بیوی یا شرعی باندی سے مشغول ہو) صحابہ نے اس پر تعجب کیا کہ یا رسول اللہ! کیا شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے؟ فرمایا بٹلاؤ اگر وہ حرام جگہ میں اُس کو استعمال کرتا تو اُس پر گناہ نہ ہوتا؟ عرض کیا ہاں گناہ ہوتا۔ فرمایا تو ایسے ہی (جب حلال جگہ استعمال کیا ثواب بھی ہوگا) اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کے پاس جانے میں اس لیے ثواب ملا کہ حرام جگہ سے باز رہا تو حرام سے بچنے میں مطلقاً ثواب ہوا خواہ اس قصد سے بیوی کے پاس گیا ہو یا نہ گیا ہو۔

جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے تو صرف اتنا ہی معلوم ہوا کہ بیوی کے پاس جانے میں ثواب ہے اور حرام جگہ جانے میں گناہ ہے۔ پھر اُس کی وجہ بٹلا دی گئی کہ بیوی کے پاس جانے میں ثواب اس لیے ہے کہ وہ زنا سے بچنے کا سبب ہے اور جو عمل کسی حرام سے بچنے کا ذریعہ ہو اس میں ثواب ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ تو عمل پر ثواب ہے نہ کہ معنی ترکِ عمل بلا قصد پر تفصیل اس کی یہ ہے کہ بیوی کا دیا نہ حتیٰ ہے کہ مرد لگا ہے گا ہے اُس سے ہم بستری کرے تاکہ اُس کی عفت و عصمت محفوظ رہے۔ اسی طرح خود اپنے کو حرام سے بچانے کے لیے بھی قضاءِ شہوتِ ضروری ہے، تو چونکہ بیوی کے پاس جانے میں اُس کی اور اپنی عفت کی حفاظت بھی ہے اور بیوی کے حق کی ادائیگی بھی ہے۔ اس لیے ثواب ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ثواب عمل پر ہے معنی ترکِ حرام بلا قصد پر نہیں اور یہی حکم باندی کے پاس جانے کا ہے جبکہ شرعی باندی ہو کیونکہ اُس کی عفت کی حفاظت بھی مولیٰ پر واجب ہے۔

یہ تو اصولینِ حنفیہ کا مذہب ہے اصولیین مالکیہ کا مذہب مجھے معلوم نہیں کہ وہ مطلقاً ترکِ عمل پر ثواب کا انکاد کرتے ہیں یا ترکِ بلا قصد پر۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسے مطلقاً ترکِ عمل پر ثواب کے ٹکڑے ہیں جیسا حضرت شاذلی کے بیان سے واضح ہوتا ہے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ گناہ کو بلا قصد ترک

کرنا اور اُس سے پنہا میں تقویٰ ہے جس پر ثواب کا وعدہ ہے دامامن
 غلات مقام وہ ونہی النفس عن اللذائی غلات الجنۃ علی المادی فی جو اپنے
 رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش (نفسانی) سے روکنا رہا تو
 اُس کا ثواب جنت ہے۔ اس میں ترک ہوئی پر وعدہ ثواب کی تصریح ہے اور
 یہ حدیث میں کی تصریح کی جا رہی ہے ملاحظہ اس پر ولادت کر رہی ہے کہ بڑے
 کاموں سے دُکنا صدقہ ہے اس سے پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں سات
 شخصوں کے لیے قیامت میں سایہ عرش کی بشارت ہے جن میں ایک وہ شخص بھی
 ہے جس کو کسی ظہور معزز صورت نے اپنی طرف بلایا اور وہ یہ کہہ کر رُک گیا کہ
 نہیں اللہ تمہارے ڈرتا ہوں۔ یہاں بھی ترک پر ثواب کا وعدہ ہے۔

اسی طرح حدیث غار میں بھی یہی مضمون ہے جو پہلے گزر چکی۔ پس یہ کتنا ترک
 پر مطلقاً ثواب نہیں سراسر نعوس کے غلات ہے۔ البتہ ترک بلا قصد پر ثواب کی
 تصریح کسی روایت میں نفوس سے نہیں گزری۔ اگر کوئی یہ روایت اس مضمون
 میں صریح ہو تو وہ اصولیین کے قول سے منہم اور رائج ہوگی کیونکہ اس
 باب میں قیاس کوئی چیز نہیں اس کا حار بعض نعوس پر بہتہ اور اللہ تعالیٰ
 کے رحم و کرم سے کچھ بعید نہیں کہ وہ سب مسلمانوں کی مسنات کو سنایات پر
 غالب کر دیں۔ فائدہ برد و ذوق رحیم۔

اُدھر معامی سے غفلت کے متعلق ایک سوال و جواب مذکور ہوا ہے جس کا
 حاصل یہ ہے کہ جو شخص معامی سے غافل ہو اُس کو گناہ نہیں کیونکہ غفلت کی
 حالت میں وہ کف النفس کا مکلف نہیں۔ اس پر سوال یہ ہے کہ اُس کو ثواب
 ملی ہے یا نہیں۔ اصولیین کے جواب میں ثواب سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔

میرے نزدیک اس میں تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ دیکھنا چاہیے کہ معامی
 سے غفلت کا منشاء کیا ہے؟ اگر منشاء طامات و حسنات میں اٹھنا
 ہے تو اس غفلت پر ثواب ملے گا۔ کیونکہ اس غفلت کو اللہ تعالیٰ نے مدح و

ثناء کے موقع پر بیان فرمایا ہے اَلَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْفَاحِشَاتِ
 الْمُؤْمِنَاتِ لَعْنَةُ اللَّهِ الْآخِرَةِ۔ (جو لوگ پاکدامن عاقل بے خبر عورتوں
 عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں اُن پر دُنیا و آخرت میں لعنت ہے) یہاں عاقل
 عاقل مطلب ہے کہ وہ بُرے کاموں کو جانتی ہی نہیں ہیں۔ بس اپنے دینی مشاغل
 اور گھر کے کام کاج میں لگی رہتی ہیں اور اگر غفلت کا منشاء دُنیا میں انہماک
 ہے کہ اس کو اپنی تجارت یا ملازمت کے کاموں سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی
 جو گنہگاروں کی طرف التفات ہو، تو اگر تجارت یا ملازمت وغیرہ موافق شریعت
 ہو اور فرائض و واجبات میں اُس کی وجہ سے کوتاہی نہ ہوتی ہو تو اُس میں
 بھی ایسا انہماک جو معاصی سے روک دے محمود ہے۔ کیونکہ عبد اللہ بن مسعود
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ اَللّٰهُ يَبْغِضُ الرَّجُلَ الْبَطَالَ۔ اللہ تعالیٰ
 بے کار آدمی سے نفرت کرتے ہیں (کیونکہ بے کاری ہی میں گناہوں کی فرصت
 ملتی ہے) جب بے کاری تا پسند ہے تو کام میں لگے رہنا اللہ تعالیٰ کو پسند
 ہے اور جو چیز ان کو پسند ہو اُس پر ثواب مزدور ہے مگر گواہی قدر نہ ہو
 جس قدر اطاعت و حسنات میں مشغول رہنے سے ملتا اور اگر مسلمان کسب
 معاش میں بھی اپنی نیت درست کرے کہ اہل و عیال کا حق ادا کرنے اور
 فقراء کی امداد کرنے اور دین کی خدمت کرنے کے واسطے دُنیا کمانے تو وہ بھی پُر
 حسنات میں داخل ہو جائے گا۔ مگر یہ نیت مرتفعوں سے نہیں ہوتی بلکہ سچے
 عوام ایک حدیث میں ہے اَنْ مِّنْ اَذْلَوْبٍ دُوْنَهَا لَا يَكْفُرُهَا الْعِلْمُ وَلَا الْعَمَلُ
 وَيَكْفُرُهَا الْهَمُّ وَالْطَّبْعُ وَالْطَّبَرَانِ وَالْبُؤْسُ مَا حَبَّ الْعِلْيَةُ وَالْفَلَا
 الْمَعْنَى فِي بَعْجَةِ النُّفُوسِ لَا يَكْفُرُهَا اِلَّا اَلْكُدُّ عَنِ الْعِيَالِ۔ ص ۱۹۲۔ ۲۳۰
 گناہوں میں سے جس گناہ وہ ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہے نہ روزہ سے دُعا سے
 نہ کوئی کفارہ طلب معاش میں فکر سے ہوتا ہے۔ ایک لفظ میں یہ ہے کہ اُن کا کفارہ عیال کے

برود نہ آتا ہے اور اگر یہ نصت کسی مکروہ میں اٹھاک سے بنے جیسے شطرنج یا کھیل کود میں ایسا اندھا دک۔ جس سے جس کو عورت اور معاصی کا خیال ہی نہیں آتا تو اگر یہ اٹھاک فرانس و واجبات نہ ہوگی نفس انداز ہوتا ہے تو اس غفلت میں گناہ ہے اور اگر فرائض و واجبات میں غفل نہیں ہوتا تو اس غفلت میں نہ ثواب ہے نہ گناہ۔ ہاں یہ شخص اُن نثریوں سے اچھا ہے جو ماسی میں منہمک رہتے ہیں۔ اور اگر کسی ایک گناہ میں ایسا منہمک ہے جس کی وجہ سے دوسرے گناہوں کی طرح انکساف نہیں ہوتا تو یہ غفلت بھی گناہ ہے کیونکہ اس کا منشا اٹھاک فی العیضہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اے اللہ! ہمیں ایسا بنا دے جیسا آپ چاہتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اپنے دین کی خدمت کی توفیق دے۔ اے اللہ! ہمارے ذریعہ سے اپنے دین کو عزت اور غلبہ دے۔ اللھم اجعلنا کما تعجب وترحمہ واجعلنا یقوتنا عیڑامن الاولی۔ آمین !



حدیث

اخذ المال بسعادة النفس

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھے دیا۔ پھر سوال کیا تو آپ نے پھر بھی مجھے دیا۔ پھر مانگا تو پھر بھی دیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اے حکیم! یہ مال (دیکھنے میں) خوشنما (اور دل کو) مرغوب ہے تو جو اس ازخس کی مستند کے ساتھ لے اُس کے لیے تو مال میں برکت عطا کی جاتی ہے اور جو خس کی طبع و حرص کے ساتھ لے اُس میں برکت نہیں دی جاتی اُس کا مال ایسا ہوتا ہے جیسے بعض آدمی کہتا ہے اور اُس کا پیٹ نہیں بھرتا اور یاد رکھو، آدمی چاہتا ہے کہ بڑے بڑے مال سے اچھا ہوتا ہے۔

شرح حدیث کا ظاہری مطلب تو یہ ہوا کہ استغناء نفس کے ساتھ جو مال ملے اُس میں برکت ہوتی ہے اور حرص و طمع سے جو کچھ لیا جاتا ہے اُس میں برکت نہیں ہوتی۔ حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا ثبوت ہوا ہے کہ مانگنے والے نے بار بار مانگا اور ہر دفعہ آپ دیتے رہے۔ بار بار مانگنے سے پریشان نہیں ہوئے۔

(۱۸۱) مال جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد ہو سکتا ہے ثابت ہوا کہ مال حاصل کرنے (اور جمع کرنے) کے ساتھ بھی زہد ہو سکتا ہے اور زہد کے ساتھ

مال حاصل کرنے پر چند فائدے مرتب ہوتے ہیں۔ ایک تو زہد کا ثواب، دوسرے دل کا
 چین، تیسرے لذت میں برکت۔ زہد پر توحید کا یہ لفظ دلالت کر رہا ہے جس کا
 استفادہ نفسی، جس نے اس مال کو سخاوت نفس کے ساتھ لیا (جس کا ترجمہ ہم نے استفادہ
 کیلئے) اور (ظاہر ہے کہ) سخاوت نفس ہی تو زہد (کی حقیقت) ہے (اس سے ثابت
 ہوا کہ زہد مال کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے) اور دل کا چین تو اسکی دلیل رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے **الزهد في الدنيا مريم القلب والهدى في الدنيا** بے رغبت
 ہونا دل کو بھی راحت دیتا ہے اور بدن کو بھی۔ اور انسان کے لیے یہی سب سے بڑی راحت ہے
 (اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے کہ دل کو بھی چین ہو اور بدن کو بھی) اور برکت لذت پر عیش کا
 یہ جملہ دلالت کر رہا ہے بلکہ لہ فیا کہ اس کے مال میں برکت عطا کی جاتی ہے اور اس
 (مجموعہ) پر یہ علیٰ مسلم مرتب ہوا کہ زہد میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں جمع ہوتی ہیں۔ دنیا کی
 بھلائی یہ کہ اسے مال میں برکت ہوتی ہے جس سے حرام آدمی محروم ہے وہ دنیا جمع کرنے میں بہت
 ہے مگر برکت میں پاتا دوسرے زہاد کو دل اور بدن دونوں کے چین حاصل ہوتا ہے جس سے
 اہل دنیا کیسے محروم ہیں مگر دنیا میں راحت کی حقیقت یہی ہے کہ دل اور بدن کو چین ہونا
 آخرت کی بھلائی ہے کہ زہد کا ثواب ملے گا اور اس سے حساب کچھو گا کیونکہ زہد کی وجہ سے
 وصال کے حقوق (وجہ زکوٰۃ و نفقۃ لازمہ) کو ادا کرنا ہے گا اور جس مال میں شہ ہو گا
 اُس سے ٹیکہ ہو گا اور یہی پوری سعادت ہے کہ قیامت میں ثواب کا کٹتی ہوا راز پڑھی بچا رہے۔
 اور طالب دنیا کو دنیا میں بھی خسارہ ہے اور آخرت میں بھی۔ دنیا کا خسارہ تو یہ کہ دل اور بدن
 دونوں بے چین رہتے ہیں چنانچہ حدیث میں ہے **والمرء في الدنيا تعذب لقلب والهدى في الدنيا**
 حرم دل کو بھی تعذب میں ڈالتا ہے اور بدن کو بھی اور یہ اعتدال و جد کی مصیبت اور مشقت
 ہے۔ زیادہ ملانے دینا دینا کرنے سے جو امید قائم کی تھی وہ پوری نہیں ہوتی کیونکہ اُس کی
 برکت جاتی رہتی ہے میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہو چکا کہ جو شخص
 دنیا کو شراوت نفس (یعنی حرص) سے لے گا اس میں برکت نہیں دی جاتی اور اس سے بڑھ کر
 محرومی کیا ہوگی کہ انسان مرنا پنا پریشانی و مشقت ہی میں رہے پھر بھی جو امید قلم کی تھی وہ

پوری نہ ہوئی۔ تم اس کا سببہ حسی طور پر میں کر سکتے ہو کہ اہل دنیا کی جاں (دستر خوان پر) دیکھنے میں کتنا بہت زیادہ ہے اور کھانے وقت (خوڑے میں پیٹ نہیں بھرتا بلکہ بہت زیادہ کھانے سے پیٹ بھرتا ہے اور جتنا کھایا جاتا ہے اُس کی نسبت سے بدن اور دماغ و قلب میں طاقت کم آتی ہے اور اصل میں تو ناہین کا کھانا دیکھنے میں کم ہوتا ہے مگر اُس سے بڑی جماعت کا پیٹ بھرتا ہے اور جتنا کھاتے ہیں اُس کی نسبت ان میں قوت اور طاقت بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ پھر اہل دنیا کو اس پریشانی اور مشقت کے ساتھ دوسری مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ ان میں باہم حسد اور کینہ اور نینیت اور بغل بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر یا تو وہ بغل کی وجہ سے دُوروں کے حقوق ادا نہیں کرتے یا کم ادا کرتے ہیں یا اپنے حقوق پوری طرح وصول کرنا چاہتے ہیں (کہ پائی پائی کا حساب کرتے ہیں) ان تمام معائب اور مشکلات کے علاوہ آخرت کا خدشہ چھارہا، جس میں عذاب بھی ہے اور ذلت بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہیں اُس سے بچائے (آمین) قولہ ذیہ دین قد یقہ الذہد مع الاخذ الخ قولہ اعاذنا اللہ منها یدنہ۔

ف۔ بعض لوگوں کے نزدیک زہد کے معنی یہ ہیں کہ مال و دولت سے بالکل کنارہ کش ہو جائے۔ مال کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ کسی کا یہ بھی قبول نہ کرے نہ تجارت و ملازمت اور منصف و حرفت میں مشغول ہو یہ غلط ہے۔ زہد کی حقیقت یہ ہے کہ دُنیا کو دل سے چھوڑ دے اور اُس کی پرولہ نہ کرے کہ کس نے اس کو کیا۔ زہد اذو کم کرنے کا نام ہے۔ زہاد وہ ہے جس نے اُن تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرتی ہیں۔ تم دیکھو گے کہ مجھے ظاہر میں نفس و تقیر ہیں مگر پھر بھی خدا سے غافل ہیں اور مجھے ظاہر میں مالدار ہیں مگر اُن کا باطن دوامِ صوم و معاشقہ اللہ تعالیٰ سے ملا مال ہے۔

حدیث میں اس حقیقت کو ان الفاظ سے بتلادیا گیا ہے کہ جو اس مال کو اثر ابن نفس یعنی حرم و طمع سے لیتا ہے وہ زاہد نہیں اور جو سخاوت نفس یعنی استغناء سے

یہاں ہے وہ ڈاڈ ہے۔ کو اُس کی پاس بہت کچھ ہو مگر دل اُس کی بہت سے خالی ہو اور مال سے دین کے کاموں میں مدد دیتا اور اہل حقوق کے حقوق لو اکر تا ہو۔

تغصن اور زہد کی حقیقت غیر اللہ سے نزع پھر لینا اور اللہ تھانے پر جھرو سر دکھنا اور ہر حالت کی باگ تغصین و رضا کے ہاتھ میں دے دینا اور دروازہ کرم کے کھلنے کا منتظر رہنا اللہ تھانے کے فضل پر اعتماد کرنا، ہر وقت اللہ تھانے سے ڈرتا رہنا اور تمام حالات میں اللہ تھانے سے نیک گمان رکھنا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

آج کل کے مشائخ میں زہد کی پہچان یہ ہے کہ جو ہر چیز قبول نہ کرتا ہو بلکہ صغین کو قبول کرتا ہو صغین کو رد کر دیتا ہو۔ جو شخص کسی کام پر رد نہ کرتا ہو سب کو ہی قبول کر لیتا ہو وہ زہد نہیں۔

ف۔ ہم نے اہل اللہ کے کھانے میں کل آنکھوں ہرکت کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ حوالہ بڑے سہانہ فوٹز ہوتے ہیں۔ صحن و فو میں وقت پر زیادہ سہانہ آگئے تو گھر میں جو کچھ موجود تھا وہی اُن کے سامنے لاکر رکھ دیا اور سب کے سب اُس سے سیر ہو گئے۔ حالانکہ جب کبھی اس نے آیا تھا تو خیال ہوتا تھا کہ کتنے بڑے عجیب کو یہ تھوڑا سا کھانا کیونکر کافی ہوگا۔ مگر ہم اللہ کر کے کھانا شروع کیا تو کافی سے بھی زیادہ ہو گیا۔ اہل اللہ کے یہاں کا کھانا اہل دنیا کے کھانوں سے لہذا بھی زیادہ ہوتا ہے اور اُس سے قلب و دماغ اور صم کو وہ طاقت حاصل ہوتی ہے جو مالداروں کے مرضی قیمتی کھانوں سے نہیں ہوتی۔

(۱۸۲) زہد سلوک باطن کا پہلا دروازہ ہے کی بھی دلیل ہے جن کے

طریق کی بنیاد ہی زہد پر ہے کیونکہ وہ سلوک کا پہلا دروازہ ہے اسی لیے عین بن رزق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہارے دل میں فقر اور فنا کا اندیشہ (یا فکر) ہو اور منصب و ریاست کی طلب ہو تو تمہارا قدم دین کے راستہ میں نہیں جم سکتا۔ یہ تودائی فقر (اور محرومی) کی گنجی ہے۔ قولہ و فیہ دلیل لفضل اہل الصوفۃ

الذی قولہ فذلک مضافاً فقر لیبید ۔

وف ۔ اس کا حاصل وہی ہے جو اوپر کہا گیا ہے کہ زاہد وہ ہے جس کا دل محبت منصب و نیوی اور طلب ریاست سے پاک ہیں اگر بلا طلب اور بدون محبت کے کوئی منصب مل جاوے اور خلافت شریعت نہ ہو اُس کا قبول کرینے خلافت زہد نہیں۔ بھڑت خانہ، راشدیہا سے زیادہ زاہد کون ہو گا مگر سب کے سب صاحب منصب خلافت تھے۔ اسی طرح بہت سے اولیاء کرام صفت و عرفت واسے تھے۔ کب حلال کے لیے اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ بعض اولیاء کرام صاحب خانقاہ تھے مگر فن کے یہاں کثرت سے ہایا اور نذرانے آتے تھے جہاں کی وجہ سے اُن کا دربار شہلاہ معلوم ہوتا تھا مگر اُن کے قلوب محبتِ دُنیاء سے پاک تھے جس پر اُن کے احوال و واقعات شاہد تھے۔

(۱۸۳) مثال بیان کرنا جائز ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ جس بات کو مخالف نہ کہہ سکے اُس کے بکھانے کے

لیے ایسی مثال کرنا جائز ہے جس سے وہ اچھی طرح بات سمجھ جائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ یہ اعمال بیان فرمائی ہے کہ جو شخص حرص کے ساتھ مال جمع کرتا ہے اُس کے مال میں برکت نہیں ہوتی اور اُس کا حال ایسا ہوتا ہے کہ جیسے بعض آدمی کہتا ہے مگر اُس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ کیونکہ عام طور سے اکثر آدمی خصوصاً اس زمانہ کے لوگ برکت کی حقیقت نہیں جانتے۔

برکت کی حقیقت اُن کے نزدیک برکت یہ ہے کہ (دیکھنے میں) کوئی شے زیادہ ہو جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی مثال بیان فرما کر جس کو سب جانتے ہیں بتلادیا کہ برکت ایک خاص چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے وہ نہیں جو عام طور سے لوگ سمجھتے ہیں۔

اب تم اس مثال میں غور کرو کہ کھانے سے ہر شخص کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ پیٹ بھر جائے تاکہ ٹھوکر کی تخلیق باقی نہ رہے مگر پیٹ بھرنا تمہارے اختیار میں نہیں۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے اور اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ تم کو

نظر بھی نہیں آتی۔ چنانچہ بعض دفعہ آدمی بست کھانے کے بعد بھی بھوکا رہتا ہے۔ اس کا بیٹ نہیں بھرتا۔ اسی طرح استقامت کی بیماری میں بست پانی پینے سے بھی پیاس بھی بجھتی۔ اسی طرح برکت بھی خدا کے حکم سے پیدا ہوتی ہے وہ کوئی محسوس چیز نہیں، اب اگر کوئی آدمی بست کھانے کے بعد بھی بھوکا رہے تو اس کا کھانا خسارہ ہی خسارہ ہے۔ کیونکہ جس فائدہ کے لیے اُس نے کھایا تھا کہ پیٹ بھر جائے اور بھوک جاتی رہے وہ حاصل نہ ہوا۔

اسی طرح مال کی ذات میں کچھ فائدہ نہیں بلکہ مقصود وہ نتائج ہیں جو مال کے ذریعہ سے حاصل کئے جاتے ہیں (یعنی مانت قلب و بدن وغیرہ) تو اگر مال زیادہ ہو اور یہ فوائد مقصودہ حاصل نہ ہونے تو ایسے مال کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ تم اس حالت کا مشاہدہ اپنی دنیا اور اپنی دین میں اس طرح کرو گے کہ اول دنیا اپنی ضرورتوں کو (تھوڑے مال سے پوری نہیں کر سکتے بلکہ) بہت زیادہ مال سے پوری کرتے ہیں۔ اسی لیے اُن کو مال بڑھانے کے سوا اور کوئی صورت نظر نہیں آتی تو مات دن اُس کے سوا اور کچھ دھند نہیں ہوتا اُن کی نظر سے وہ چیز غائب رہتی ہے جو اس کے علاوہ ہے (یعنی اُن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ ضرورتیں تھوڑے مال سے بھی پوری ہو سکتی ہیں جبکہ اُس میں برکت شامل ہو جائے) اور دین دایوں کو دیکھو گے کہ وہ ان ہی ضرورتوں کو جن میں اپنی دنیا بہت زیادہ مال سے پوری کرتے ہیں بہت تھوڑے مال سے پوری کر لیتے ہیں اور بعض دفعہ ان سے بھی اچھی طرح پوری کرتے ہیں اور یہ (فرقی قطعاً نہیں بلکہ) بکثرت مشاہدہ میں آ رہا ہے بشرطیکہ کوئی غور اور تامل سے کام لے۔ قولہ وفیہ دلیل علی جواز ضرب المثل الی قولہ خدا موجود کثیر لطن تاملہ و فطرہ۔

ف۔ ہم نے اہل اللہ میں اس کا کھل آنکھوں مشاہدہ کیا ہے اور اہل دنیا کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہماری آمدنی تو تنخواہ کی بھی ہے اور زمین کی بھی اور نکال کی تنخواہ ہی تنخواہ ہے زمینداری کچھ نہیں اور تنخواہ ہی ہم سے بہت کم ہے۔ پھر بھی

اُس کے لھر کا انعام سم سے اچھا اُس کے بچوں اور غمزدانوں کا لباس جلد سے بچوں سے اچھا یا جلد سے بزرگ ہے۔ جو ہم انہی دولت کے ساتھ بھی وہ کام نہ کر سکے جو اُس نے غصہ ہی آمدنی میں کر لیے ہیں۔

یہ برکت نہیں تو اور کیا ہے؟ برکت کوئی ایسی چیز نہیں جو مستی طور پر آنکھوں سے نظر آجائے بلکہ وہ خدا کی دی ہوئی مخفی نعمت ہے جیسے کھانا کھانے اور پانی پینے کے بعد بیری اور سیرانی مخفی چیز ہے۔ جس کو وہی جانتا ہے جس کا پیٹ بھرا بھرا اور پیاس بجھی ہے، دُور سے محسوس نہیں کرتے۔ اسی طرح بے برکتی بھی غیر محسوس شے ہے جس کا مشاہدہ آنکھوں سے نہیں ہوتا بلکہ اہل دین والوں دنیا کی حالت کا موازنہ کرنے سے ہوتا ہے۔

ف۔ شارح فرماتے ہیں کہ یہاں جو مثال کے ذریعے برکت کا خدا کی طرف سے

ہونا بتلایا گیا ہے یہ صحابہ کے کھانے کے لیے نہیں کیونکہ ہم کو یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ صحابہ برکت کی حقیقت سے واقف تھے اُن کو اس کا مشاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات میں اور خود اپنے واقعات میں بار بار ہو چکا تھا (وہ ایک دفعہ نہیں بلکہ متعدد بار دیکھ چکے تھے کہ ایک دو آدمی کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے پورے شکر کو کافی ہو گیا اور سب کے سیر ہونے کے بعد بچ بچا رہا۔ بعض دفعہ کھانا کھاتے ہوئے صحابہ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کھانا کچھ سے خود بخود زیادہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ کھانے والوں کے غصوں سے کم نہیں ہوا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا) پس یہ مثال دوسروں کو کھانے کے لیے بیان کی گئی ہے جو صحابہ کے بعد آنے والے تھے۔

اس تشریح اور بیان کے بعد اب ورا اس پر بھی توجہ کر دو کہ آج کل علم طور سے اُن لوگوں کی حالت کیا ہے جو اہل علم کہلاتے ہیں دُوروں کا تذکرہ ہی کیا؟ انہوں نے طریقے ہی بدل گئے اور بہت سے امور میں حتیٰ مشکوک ہو گیا یا اس کا انکار کیا جانے لگا (چنانچہ تم اہل علم میں سے صبر کو برکت کی حقیقت سے ناواقف یا سکر پاؤ گے) جس کا سبب وہ بُری عادات ہیں جو کثرت سے اُن ہی لوگوں میں

پائی جاتی ہیں جنہوں نے لوگوں کو اس دھوکہ میں ڈال رکھا ہے کہ وہ علماء اور صلحاء ہیں۔ فَاِنَّ لِلّٰهِ اَمَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ سے فرمایا خاکِ کعبہ بِلَقِّ يٰ اَحْذَرِيْنَ اِذَا تَرَكْتِ بَدْعَةً قَالُوا تَرَكْتِ سُنَّةَ اَسَءِ خَزِيْمَةُ اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسی بدعت کو چھوڑ دو گے تو لوگ کہیں گے کہ اس نے سُنَّت کو چھوڑ دیا۔ حضرت خزیمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ: تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ اگر میں اُس زمانہ تک زندہ رہوں قال اترضهم من عرَضَكَ لِيَعْدَ فَقَدْ فَرَّيَا اَنْ كَوْنِ اُخْرٍ وَّ پھر مل کر کے دو اُس دن کے (ثواب کے) لیے جب تم دُنیا میں نہ ہو گے، مطلب یہ ہے کہ تم حق اور سُنت پر عمل کرتے رہو اور اُن کو جو وہ چاہیں بچنے دو۔ کیونکہ تم کو تو اسی صورت میں ثواب ہی ثواب ہے جب وہ ناحق تمہاری اُبر و پر حملہ کریں۔ (عَذَابُهَا مَا ذَكَرْنَا اَشَارَ فِي شَرْحِهِ اَدْخَلَتْهُ فِي الْغَوَاثِلِ لَعْنَهُ۔ تَعْلِقُهُ بِالْمَسَائِلِ بِلِ الْمَوَاطِطِ قَاتِلَهُ۔)

تنبیہ :- یہ تو خدا نے اپنے زمانے کا حال لکھا ہے اب ذرا ہم اپنے زمانے کا حال بھی دیکھ چاہیے۔ کیا یہ وہی زمانہ نہیں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھروی تھی؟ کیا آج اگر کوئی دوا لمی مولود نہ پڑے بلکہ سُنَّت کے موافق ذکرِ رسول کرے اُس کو بُرا جھانسیں گا جاتا؟ کیا اگر کوئی میلاد میں قیام نہ کرے اُس کو دہانی کہہ کر بدنام نہیں کیا جاتا؟ اور اگر کوئی عالم صوفی قوم کے ہدایہ اور نذرانوں پر رہ کر مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالنا چاہے بلکہ غلامت یا صنعت و حرفت و تجارت سے کسبِ حلال کرنا چاہے اُس کو صبیحہ کو نیا سے بدنام نہیں کیا جاتا؟ حالانکہ جواز ترک اسباب کے لیے شرط ہے کہ انسان مجرور ہو، صاحبِ خیال نہ ہو اور غلامتوں میں بہرہ ور ہے جس میں تعلیم دین پر اجماع نہ ہو۔

(۱۸۳) بلند ہاتھ پست ہاتھ سے اچھا ہے اور اُسکی تحقیق حدیث سے

بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہے۔ اُس کی شرح میں علماء اور مولوی کے درمیان اختلاف ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ بلند ہاتھ دینے والا ہے اور پست ہاتھ لینے والا۔ مولوی برعکس کہتے ہیں کہ بلند ہاتھ لینے والا ہے اور پست ہاتھ دینے والا۔ کیونکہ لینے والا تم کو تھوڑی سی چیز کے عوض بست سا ثواب دیتا ہے (یعنی ثواب کا ذریعہ بنتا ہے) کہ ایک کے بدلے دس اور (یعنی دلو) سات سو تک (ثواب دلوانا ہے) اور دینے والا ثواب (یہی کے لیے دیتا ہے تو وہ اس) کا منتظر اور محتاج ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ دونوں قولوں کو اس طرح سمجھ لیا جاسکتا ہے کہ دینے والے کی دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ تم سے اپنے علیے کے قبول کرنے کی درخواست کرتا ہو۔ دوسرے یہ کہ (وہ تم سے درخواست نہیں کرتا بلکہ تم اُس سے سوال کر رہے ہو۔ اس صورت میں تو دینے والے کا ہاتھ بلند ہے اور (لینے والے کا پست ہے کیونکہ تم کو سوال کی ذلت پہنچ چکی۔ اور (نامہ میں) آیا ہے کہ ذلت ہر سوال میں ہے چاہے راستہ ہی کا سوال ہو اور جو اس کا انکار کرے وہ جاہلت کا انکار کرتا ہے اور اگر وہ تم سے اپنی عطا کے قبول کرنے کی درخواست کر رہا ہے تو اُس نے تمہارے سامنے اپنی عزت و جاہ کو گرا دیا کہ وہ تم سے ایسی درخواست کر رہا ہے جس میں تم مختار ہو اور وہ محتاج ہے یا تو اس لیے کہ وہ اپنے ذمے سے واجب شرعی ادا کرنا چاہتا ہے یا اس لیے کہ وہ اس پر یہ کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کی بھلائی کا مفید وار ہے۔

اس صورت میں وہ اپنے پر سے تم پر احسان کا قصد نہیں کرتا بلکہ اپنی جلائی کا قصد کر رہا ہے تو تمہارا اُس کو قبول کر لینا احسان ہے اور دینے والا سائل و محتاج ہے اُس کا ہاتھ پست ہے لینے والے کا ہاتھ بلند ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ہماری دعوت کرتا ہے تو (پہلے) اُس کا احسان ہے پھر اگر ہم دعوت قبول کر لیں تو اب ہمارا (اُس پر) احسان ہے اور جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اُس کا مقصد بھی اسی کی تاکید کرتا ہے (کہ دینے والے کا ہاتھ بلند ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد

(الید العلیا عیر من الید السفلی) سائل ہی کے متعلق فرمایا ہے جبکہ اُس نے بار بار سوال کیا تو معلوم ہوا کہ (پست ہاتھ سائل ہی کہے۔ قولہ الید العلیا عیر من السفلی) متاخذت بین العلماء و اهل المعونة الی فیہ لما کر۔
 سوالہ مراد اے

فت۔ بعض احادیث میں تصریح ہے والید العلیا المنفعة والسفلی السائلة رواہ مسلم۔ اُونچا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچا ہاتھ مانگنے والا ہے۔ اس لیے دینے والے کے ہاتھ کو نیچا کنا بننا ہر صحیح نہیں البتہ بعض روایات میں ہمسائے المنفعة کے المتعفف بھی وارد ہے (رواہ ابو داؤد) جس کا مطلب یہ ہے کہ اُونچا ہاتھ سوال سے بچنے والا ہے اور نیچا ہاتھ سوال کرنے والا ہے۔ اس روایت پر لینے والے کے ہاتھ کو بھی اُونچا کر رکھتے ہیں جبکہ وہ سوال نہ کرے بلکہ دینے والا خود اُس سے قبول ہدیہ کی درخواست کرے اور ہر حال میں نیچا ہاتھ سوال کرنے والے کا ہے۔ پس شارع کی توجیہ پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ بھی بعض الفاظ حدیث سے مؤید ہے۔ واللہ اعلم۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ان سائلین کو خیر نہ سمجھو۔ یہ تلوے شمن ہیں کہ تمارے سوال کا برہہ اُٹا کر آخرت میں پہنچاتے ہیں تو یہ تمارے مزدور ہیں مگر دنیا کے نہیں بلکہ کمال آخرت ہیں (قالہ سیہ حکیم الامتہ من) حاجی صاحب کا یہ مطلب ہیں کہ سائلین کا ہاتھ اُونچا ہے جیسا بعض صوفیہ نے کہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کو اپنا شمن سمجھ کر مردہ دو گے تو ثواب کامل ہو گا خیر سمجھ کر دو گے تو مردہ کا ثواب کم ہو جائے گا۔ اگر سائل کے ہاتھ کو اُونچا کیا جائے گا تو حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ نعوذ باللہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کی مثال کا ہاتھ اُونچا تھا اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہو سکتا۔ پس سمن ثمریہ کا سائل کے ہاتھ کو اُونچا کنا کہ س لیے کہ وہ دینے والے کے لیے ثواب کا دریہ بننا ہے ہرگز صحیح نہیں سائل کا ہاتھ اُونچا نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی

وقت دینے والے کا ہاتھ نیچا ہو جانے جبکہ وہ کسی کو ہدیہ دینا چاہے اور وہ قبول نہ کرے پھر اس کے اصرار سے یا درخواست و انتہا سے قبول کرے۔ خدا مہم۔ حضرت شادق فرماتے ہیں کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہاتھ دونوں ہی اچھے ہیں اور دینے والا بھی اور لینے والا بھی البتہ دینے والا زیادہ اچھا ہے کیونکہ حضورؐ نے بلند ہاتھ کو خیر فرمایا ہے جو اسم تفضیل کا صیغہ ہے (جس کے معنی ہیں بہت اچھا) اور اس کا معنی یہ ہے کہ نفسِ حسن میں دونوں شریک ہیں اور ایک میں خوبی زیادہ ہے جیسے ہم کہیں زید عسیر من عمرو زید عمرو سے بہتر ہے تو اُس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ عمرو میں کچھ بھی خوبی نہیں بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ زید کا درجہ اُس سے بڑھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھو کہ یہ دونوں ہاتھ اچھے ہیں کیونکہ ان سے نیکی کی گنتی ہے (ایک نے احسان کیا دوسرے نے احسان قبول کر کے اُس کو ثواب کا مستحق کیا) پھر ایک کو دوسرے پر فضیلت دوسری وجہ سے ہو گئی یا تو نفسِ فعل پر نظر کر کے یا مال پر یا نیت و قصد پر نظر کر کے یا ان سب کے مجموعہ سے۔ ان علتوں میں کسی وجہ سے (علاء و مولیہ میں) خلافت واقع ہوئی۔ اہم مگر یہ استدلال اُس وقت صحیح ہو گا جبکہ لفظ خیر کو اسم تفضیل مان لیا جائے ورنہ محاورات میں بکثرت اس کا استعمال معنی تفضیل سے غالی ہو کر بھی آتا ہے۔

(۱۸۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مقام کی ہدایت فرماتے ہیں !

حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مقام کی ہدایت فرماتے ہیں۔ کیونکہ آپؐ کا ارشاد (ایہ الدیاعیوں من السفلی) کا مطلب یہ ہے کہ تم کو ان لوگوں میں سے ہونا چاہیئے جن کا ہاتھ اوپر ہے اُن میں سے نہ ہو جن کا ہاتھ نیچا ہے۔ مگر یہ (تعلیم) مختلف دنیوں میں ہے دُنیا اور دُنیا کے مسلمان میں نہیں (کیونکہ) دُنیا میں تو بقدر ضرورت و کفایت پر بس کرنے کی تعلیم ہے مانتو اللہ و جہنم و فتنہ الطبع و قحط و ملاحیہ دُنیا میں سب سے اوپر ہونے کی تعلیم نہیں)۔

قوله فيه دليل على ان شاء الله تعالى ان قوله لا في الدنيا وحدها.

فت - میں کہتا ہوں کہ اگر اس کو دنیا اور دین دونوں کے لیے علم کیا جائے
جب بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ دنیا میں سب سے
زیادہ مالدار ہونا چاہیئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہاتھ آدھنچا ہونا چاہیئے یعنی سوال سے
پہنچا اور دوسروں کو دینا چاہیئے اور یہ حالت یقیناً محمود و مطلوب ہے۔ دنیا کے سامان
میں بھی کسی کام نفع اور دست نگر ہونا اچھا نہیں۔

ایک حدیث میں ہے المؤمن القویٰ یخیر من المؤمن الضعیف وفی کل غیر۔
مسلم صاحب قوت کمزور سے بہتر ہے اور یوں دونوں ہی اچھے ہیں اس حدیث
میں صحیفہ کی جست ہے کیونکہ وہ بھی مقامات عالیہ کی ہدایت فرماتے ہیں۔ ہر کام میں
عزیزت اور فضیلت حاصل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں حتیٰ الامکان با ضرورت دنی
حالت پر تنصاف میں کہتے نماز کو بھی کمال کرنا چاہتے ہیں اور ذکر کو بھی اور
خدمتِ خلق کو بھی وطنِ هذا العیاس۔

(۱۸۵) اہل فضل و دینداروں سے سوال کرنا جائز ہے مدیشے

کہ اہل فضل اور اہل معاملہ اور دینداروں سے سوال کرنا جائز ہے۔ اس میں
کچھ ذلت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہانے سوال سے کچھ تعرض نہیں
فرمایا بس اُن کو ایک قاعدہ ٹیکہ بتادیا کہ استخنا کے ساتھ مال لینے کا یہ ٹرہ
ہے اور عرض کے ساتھ لینے کا یہ نتیجہ ہے) اور اگر اُس کے سوال میں کوئی بات
(کراہت یا حرمت کی) ہوتی تو آپ اُس کو کبھی نہ چھاتے بلکہ اُسے کچھ دیتے
بھی نہیں جب تک سوال کی کراہت ہو غیرہ) نہ بتلا دیتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم احکام شرعیہ کے بیان کرنے والے ہیں اور ضرورت کے وقت سے
بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں۔ پس آپ کے ارشاد کی شوکت بتلا رہی ہے کہ سیدنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لینا اور مانگنا (دوسرے سے لینے والا مانگنے)

کائن ہے تو اُس سے مانگنا اپنا حق مانگنا ہے اُس کی جیب سے تو کچھ خرچ نہیں ہوتا۔
اور اپنا حق مانگنے میں کچھ ذلت نہیں۔

(۱۸۶) غنا سے تحصیلِ علم میں مدد ملتی ہے علم میں غنا سے بہت مدد ملتی ہے، حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ چنانچہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو در مسئلہ مال کی اُس وقت تعلیم دی جبکہ تین مرتبہ مال دے کر اُن کو غنی کر دیا۔
قوله وليه دليل علم ان من اقوى الاسباب في جعل العلم بعقائني الحكمة المهدية الى قوله حق اغناه بتكرار العطاء مثلاً۔

ف۔ یہ استدلال قوی نہیں۔ ہاں حدیث سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ سوال کرنے والے کو مال کے متعلق حکم شرعی سوال پوچھ کر کرنے کے بعد بتلانا چاہیے۔ کیونکہ سوال پوچھ کر کرنے سے پہلے اُس کا دل پریشان ہوتا ہے۔ اس حالت میں وہ حکم شرعی کو پوری طرح نہیں سمجھ سکا اور ممکن ہے وہ یہ خیال کرے کہ مجھے مثالنے کے واسطے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے تو عالم کو متہم سمجھے گا اور اس صورت میں سائل کو شرمندگی اور خجالت بھی زیادہ ہوگی۔ اور اگر پہلے اُس کی حاجت پوری کر دی جائے تو اُس کا دل اس قسم کے خیالات سے خالی ہو جائے گا۔ پھر اس کو تحصیلِ علم سے فائدہ ہوگا۔ اور جس مسئلہ کو حضرت شافع نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے کیونکہ تحصیلِ علم کے لیے جمعیتِ قلب اور اطمینان کی ضرورت ہے اور غنا سے ہی یہ بات حاصل ہوتی ہے۔ فقر کی حالت میں انسان کو اپنے کمانے پکڑے کی فکر سے فرمت نہیں ہوتی وہ اطمینان سے کیونکر علم حاصل کرے گا۔ پس طالبِ علم یا تو غنی ہونا چاہیے اور اگر فقیر ہو تو اسے کمانے پکڑے کی فکر سے مطمئن کر دینا چاہیے۔

چنانچہ ہمارے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جب امام ابو یوسف پڑھنے کے لیے آئے تو امام ابو یوسف کے باپ نے اُن کو درس سے اٹھانا

پاہا ادر کما نہیں اپنے بچے کو شغلِ معاش میں لگانا چاہتا ہوں کیونکہ میں فقیر آدمی ہوں۔ میری آمدنی پُورے گھر کے خرچ کو کافی نہیں ہوتی۔ یہ بڑا کما بھی کچھ کمانے لگے تو گھر کا خرچ پُورا ہو گا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس حالت میں کہ ابھی یہ بچے ہیں اور کچھ علم بھی حاصل نہیں کیا، تم کو ان سے کتنی آمدنی کی امید ہے؟ اس نے کچھ مقدار بتلائی۔ امام صاحب نے فرمایا تم اس کو ہمارے پاس پڑھنے دو اور جتنی رقم تم نے بتلائی ہے اس سے بھی زیادہ ہم تم کو ہر مہینہ دے دیا کریں گے۔ چنانچہ وہ راضی ہو گئے اور امام ابو یوسف اہلیان کے ساتھ تحصیلِ علم میں لگے رہے۔ پھر دُنیا جانتی ہے کہ وہ کس درجہ کے امام ہوئے۔ امام ابو حنیفہ نے اسی طرح بہت سے طلبہ کو اپنے پاس سے دے کر پڑھایا ہے۔ جو اُن کے بعد بڑے درجہ کے مفتی اور قاضی اور عالم ہوئے۔

اسی حکمت کی وجہ سے ہمارے اکابر نے مدارسِ دینیہ میں یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ غریب طلبہ کو مدرسہ سے کھانا کپڑا کتا ہیں مفت دی جائیں تاکہ وہ اہلیان سے علم کی تحصیل میں لگے رہیں اور اسی وجہ سے اہل طریق نے اپنی خانقاہوں میں غریب سالکین کے لیے امداد کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اغنیاء کو تحصیلِ علم شرمی اور طلب طریق باطن کا شوق نہیں رہا۔ اب اہل دُنیا کی عقل مند دی دیکھو کہ اس پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان طلباء اور سالکین کو کسبِ معاش میں مشغول ہونا چاہیئے۔ یہ لوگ قوم کے اُوپر بار ہیں۔ تو اُن کو کچھ لینا چاہیئے کہ کسبِ معاش کی فکر میں مشغول ہو کر تحصیلِ علم اور طلبِ طریق پُوری طرح نہیں ہو سکتی اور جو لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ طلباء اور سالکین قوم پر بار ہیں وہ اپنا ہاتھ روک لیں اور دیکھیں کہ خدا اُن کو رزق پہنچاتا ہے یا نہیں؟ یاد رکھو ان مدارس کا مدار اللہ تعالیٰ کے ہر دسہ پر ہے وہ خود ایسی جگہ سے اُن کو رزق پہنچاتا ہے جہاں گمان بھی نہیں ہوتا اور کچھ لوگ اگر یہ مدارس اور خانقاہیں دیران ہو گئیں تو ہندوستان سے اسلام اور

دین کا نام مٹ جانے کا۔ ہندوستان میں دین کا جو کچھ نام و نشان باقی ہے، اُن ہی کی برکت سے باقی ہے۔ ہاں یہ ضرور تحقیق کرنا چاہیے کہ حقیقی مدارس اور خانقاہیں کون سی ہیں؟ اور نام و نمود کی کون سی ہیں؟ سب کو ایک ہی لاشی سے ہکنا حاکم ہے۔

(۱۸۷) سوال تین بار تک جائز ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ تین بار تک سوال رسول اللہ ﷺ و سلم پہلی دفعہ دوسری دفعہ سوال کرنے پر دیتے ہے اور خاموش رہے اور تیسری بار سوال کرنے پر بھی دیا اور علی مسئلہ جلا کر اُس کے بعد سوال کرنے سے روک دیا کیونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں قوتِ ایمان کی وجہ سے اس قدر فہم اور ذکاوت تھی کہ اُن کو اولیٰ اشارہ بھی روکنے کے واسطے کافی تھا (اس لیے گو حضورؐ نے آئندہ سوال کرنے سے مراد منع نہیں فرمایا بلکہ سناوتِ نفس کی تعلیم دی اور جس مال سے روکا مگر شاردہ آئندہ سوال کرنے ہی سے روک دیا گیا جس کو مہابی بھگت نے اور اُنہوں نے عرض کیا کہ اب میں آپ کے بعد کسی سے بھی سوال نہ کروں گا چنانچہ وہ مال قیمت میں سے اپنا حق بھی کسی غلیظ سے نہ لیتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عروسیؓ مدظلہ کو اعلان کرنا پڑا کہ لوگو! گواہ رہو میں حکیم بن حرام کو اُس کا حق دینا چاہتا ہوں مگر وہ نہیں لیتے)۔

اور اس میں اُن صوفیہ کی بھی جُمّت ہے جو زنبیل کے قائل ہیں کہ اگر کسی درویش متوکل کو دو تین دن تک فتوحات نہ ہوں اور ہر گز کا اندیشہ نہ ہونے لگے تو وہ زنبیل باطن میں لے کر نکل سکتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں زنبیل لے کر نکلنے کی شرط یہ ہے کہ کسی خاص شخص کا قصد کر کے نہ نکلے اور نہ کسی سے نذر دے کر مانگے اور نہ قسم کھائے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔ پھر اگر تقدیر اُسے کسی کے گھر پر یا کسی آدمی کے پاس پہنچا دے تو اُس سے آگے نہ بڑھے اور یہ بھی شرط ہے کہ بدو نہ سخت مزہمت کے نہ نکلے کیونکہ رسول اللہ ﷺ و سلم نے فرمایا ہے

ہاں اس کا شک المؤمن حاجتہ وغیرہ المؤمن۔ اس میں کچھ حرج نہیں کہ شہر اپنی حاجت کو اپنے بھائی مسلمان کے سامنے ظاہر کر دے (توسخت مجہدی میں سوال کرتا جائز ہے) پھر جس شخص کے پاس تقدیر نہ اس کو پہنچا دیا اگر اس نے دید یا تو بہتر اور نہ دیا تو یہ بھی اچھا ہے اب وہ دوسرے کے پاس جائے اور دوسرے کے پاس جائے مگر تینوں نے کچھ نہ دیا تو آگے نہ بڑھے اور کچھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ممبر و تسلیم سے کام لے۔ اب اپنی جگہ وہیں آ جائے کسی اور سے سوال نہ کرے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس کے پاس فتوحات پہنچا دیں یا جو ان کی مرضی ہو کر رہے۔

اب نہ اتم دیکھو تو کہ آج کل اہل علم اور اہل حال دونوں میں سے کوئی بھی اس راستہ پر ہے جس کو اس کے بزرگوں نے کتاب و سنت سے استنباط کیا ہے جیسا ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور اس حدیث (سے شرعاً) میں بھی کچھ حقہ مذکور ہے، نہیں خدا قسم! (آج کل کوئی جماعت بھی اپنے بزرگوں کے راستہ پر نہیں) مانتے بدل گئے اور (سیدھے راستہ پر) چلنے والے کم رہ گئے طائفہ وانا لہ راجعون، قوله وفيه دليل على جواز تكرار السؤال ثلاثاً والواجبة معونة الى قوله فانا لله الخ۔

ف۔ حررت شریعت مجھے صاف فرمائیں۔ اس حدیث میں اہل زنبیل کے لیے کوئی حجت نہیں۔ اس میں اشارت یہ مسئلہ مذہبی ہے کہ جس سے سوال کیا جائے تین دفعہ سے زیادہ نہ کیا جائے۔ مگر یہ اس میں کہاں ہے کہ زنبیل لے کر نکلتا جائز ہے اور جو زنبیل لے کر نکلے وہ تین آدمیوں سے آگے نہ بڑھے۔ اس کے لیے مستقل دلیل کی حاجت ہے اور میرا خیال ہے کہ اسلام میں زنبیل کی کوئی اہل نہیں۔ یہ عرب و راہبوں اور جبرگیوں کا طریقہ ہے۔ اسلام کا اصول پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ہر مسلمان پر صدقہ ہے مگر کوئی صدقہ نہ کر سکے تو اپنے ہاتھوں سے کام کرے جس سے اپنے کو بھی نفع پہنچائے اور دوسروں پر بھی صدقہ کرے اسی

یے ہمارے اکابر نے ساکھیں کو سوال سے مطلقاً منع فرمایا ہے۔ اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو تا
 اُس کو مزدوری کر کے پیٹ پالنے کی تاکید کرتے تھے۔ چنانچہ خانقاہ اہلویہ متاثرہ ہوں
 کے بعض خدام اسٹیشن پر مزدوری کرنے جاتے اور مزدوری کر کے اپنا کام چلاتے
 تھے، سوال ہرگز نہ کرتے تھے۔ اسی طرح جو شخص سارک اسباب ہو اگر کسی وقت اُس
 کو فتوحات حاصل نہ ہوں تو فتوحات بند ہونے سے اُس کو کچھ لینا چاہیئے کیلئے
 کو اُس کا قریب اسباب پسند نہیں اُسے کسب معاش کا کوئی میل کرنا چاہیئے۔
 ذنبیل نے کہ سوال کے لیے ہرگز نہ نکلے اور مولانا دروم نے شیخ شیرازیؒ کا جو
 واقعہ لکھا ہے وہ اُن کا خاص حال تھا جس میں وہ معذور تھے۔ اہل حال کے حال
 کو تسلیم کیا جائے گا مگر اُن کی اقتداء نہیں کی جائے گی جب تک کسی پر ویسا ہی
 حال غالب نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



حدیث کراہیۃ السؤال

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی برابر لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں اُسے اسی حالت میں کہ اُس کے چہرہ میں گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔“

شرح ظاہر حدیث بتلوا رہا ہے کہ زیادہ سوال کرنے والے کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہ ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مراد ہر سوال نہیں کیونکہ علمی سوال تو مامود بہ ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فاستلوا اهل الذکر ان کنتم من لا تعلمون۔ اگر تم کو (کوئی حکم) معلوم نہ ہو تو اہل ذکر سے سوال کرو (یعنی اُن سے حکم شرعی دریافت کرو) اسی طرح راستہ کا سوال بھی اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ حکم کردہ ماہ کو راستہ بتلانا مامور بہ ہے (تو اُس کا دریافت کرنا بھی جائز ہے) اب مرث دنیا کے سامان کا سوال باقی رہ گیا ڈھکی چھائی سے (یعنی ہیک ماگنا کسی سے روپیہ پیسہ کا سوال کرنا) اور یہ بھی ہر حالت میں مثنوع نہیں کیونکہ ضرورت کے وقت سوال جائز ہے (بلکہ بعض کے نزدیک لازم ہے جبکہ بدون سوال کے جان پہچاننے کی کوئی صورت نہ ہو) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا بأس للعلم ان يشكو حاجته لشيخه المؤمن۔ مسلمان کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنی حاجت کو اپنے مسلمان بھائی سے ظاہر کرے جس شخص کو سخت جھوک (سے ہلاکت کا اندیشہ) ہو، اُس کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ اُس

کے لیے مبر کرنا افضل ہے (کڑے سے سوال نہ کرے) یہ بار ایک کر رہ جائے، تو شہید ہو گا کیونکہ حق تبارے فرماتے ہیں: **وَصِدْقُ الْعَهْدِ بَیِّنَاتٌ مِّنْ ذِیْلِ عِلْقَابِ** (اپنے دے کے تم کے لیے مبر کرنے رہو، کیونکہ تم ہماری نیگا ہوں کے سامنے ہو) (جس سے سلو ہو گا کہ اللہ کی تقدیر کا منتظر رہتا چاہیے کسی سے سوال نہ کرنا چاہیے) یا اُس کو سوال کر کے جان پہچان، افضل ہے ورنہ گناہ گار ہو گا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے لیے اس میں کچھ حرج نہیں کہ اپنی حالت کو اپنے مسلمان بھائی سے ظاہر کر دے۔ اگر ایسا نہ کیا یہاں تک کہ مفر گیا تو اُس نے خود کوئی کاسمان کیا تو ایک جماعت کے قول پر گنہگار ہو گا (اور یہ اختلاف اس نکتہ میں ہے جبکہ اُس کے پاس فائدہ نہ کرنے کی کوئی چیز نہ ہو اور اگر وہ ضرورت ہو جس کو آج کل ٹھوک بزنان کہہ جاتے ہیں کہ اس نے اپنے کاسمان موجود ہے اور بطور سیاسی حربہ کے ٹھوک بزنان کر رہا ہے، اس میں اگر مفرے کا تو سب علماء کے نزدیک خود کوئی گناہ ہو گا خوب سمجھ لو)۔

پس حدیث میں دنیا کا سوال مُراد ہے جبکہ بدوں حاجت اور سخت ضرورت کا ہو اسی پر وعید ہے (جبکہ مرنے سے پہلے توبہ نہ کی ہو) اور اگر توبہ کر لے تو عید ہے کہ اس مومن میں داخل نہ ہو گا (اور وعید سے بچا جائے گا) کیونکہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ التَّوْبَةُ تَجْتَبِ عَاقِبَتُهَا۔ توبہ اُن تمام گناہوں کو ماقبلا کر دیتی ہے جو توبہ سے پہلے کئے تھے۔ ہاں یہ سوال باقی رہا کہ توبہ کے وقت جو مال اُس کے پاس سوال حرام سے جمع کیا ہوا باقی ہے اُس کو کیا کرے؟ سو ظاہر ہے کہ مال حرام کو اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہیں۔ اب اگر اُن لوگوں کو پہچانا ہے جس سے سوال کیا تھا تو اُن ہی کو (یا اُن کے ورثہ کو) واپس کر دے اور اگر انہیں عید پہچانا تو اس مال کو صدقہ کر دے (اور صدقہ کا ثواب اُن کو پہنچا دے، تو یہ حقیقت میں اُن کی طرف سے صدقہ ہو گا اپنی طرف سے نہیں۔ پس اُس حدیث کے خلاف نہ ہو گا جس میں وارد ہے لَا تَقْبَلُ صَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ کہ حرام مال سے صدقہ

قبول نہیں کیونکہ وہ اُس صورت میں ہے جبکہ حرام مال کو اپنی طرف سے مدد کرے اور راز اس میں یہ ہے کہ جب مال کا مالک معلوم نہ ہو نہ اُس کے ورثہ معلوم ہوں، تو یہ حادثہ کا مال ہے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اُس کے وارث فقراء ہیں تو فقراء کو پہنچا دینا اصل مالک کے وارثوں کو پہنچا دینا ہے کیونکہ فقراء کے ذریعے اُس کو ثواب مل جائے گا خوب سمجھ لو اور یہ حکم جیسا مردود کے لیے ہے ویسا ہی خیرہوں کے لیے ہے اگرچہ حدیث میں لایزال الوجہ وارد ہے، جس سے ہذا ہر مردوں کے ساتھ حکم کا خاص ہونا منہموم ہوتا ہے۔ مگر علما، مکاتب، شریعہ میں مرد کا ذکر بوجہ نفیست کے ہوتا ہے اور مرد تین تین افراد ہوتی ہیں۔ نیز یہ وعید اُس شخص کے لیے ہے جو سوال کی علت کے جیسا لایزال الوجہ کے نفع سے خارج ہے تو اگر کسی نے ایک دو بار سوال کیا ہو عادت نہ کی ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں (گو بلا ضرورت سوال کرنے کا گناہ اُس کو بھی ہوگا۔ مگر قیامت میں بدنام نہ کیا جائے۔ پس توبہ اس کو بھی لازم ہے۔ ہذا عامل ما ذکرہ اشراج فی شرحہ)۔

(۱۸۸) علم دین کی سب کو ضرورت ہے علم دین کی سب کو ضرورت ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے درجے کے لوگ بیک مانعے والے جن کے پاس دنیا کا کچھ ساذ و سامان نہیں ہوتا اُن سے بھی سوال پر حساب کیا جائے گا کہ اُن کا سوال حکم شرعی کے موافق تھا یا خلاف تھا تو دوسروں کا کیا حال ہوگا؟ (یاں سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو بدون علم شرعی کے شیخ یا مولا بنے ہوئے ہیں) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک سے کوئی مفروضہ ہوگا (یعنی یہ غدر نہیں سنا جائے گا کہ ہم کو خبر نہ تھی ہم جاہل تھے) کیونکہ جب یہ مانعے والے بھی باوجود اپنی مسکت کے مفروضہ ہوئے، اُن سے بھی سوال کے متعلق باز پرس ہوگی تو اور لوگ کیسے مفروضہ ہو سکتے ہیں۔

علم تمام فضائل میں افضل ہے چیزوں سے افضل ہے جبکہ اُس پر عمل بھی کیا جائے کہ اسی سے ممتاز اور ذلیل میں امتیاز ہوتا ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (فردوس کے وقت) غیر مسلم سے مانگنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما یزال الرجل لیسأل الناس بعض آدمی لوگوں سے برابر مانگتا رہتا ہے اور یہ لفظاً مسلم اور غیر مسلم دونوں کو عام ہے۔ اسی لیے ایک بزرگ اپنے گھر سے بدون فردوس (اور سخت حاجت) کے نہیں نکلتے تھے اور جب نکلتے تو غیر مسلم کے سوا کسی مسلمان کے گھر پر نہ جاتے تھے۔ اُن سے کسی نے اُس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں بدون فردوس و امتیاز کے گھر سے نہیں نکلتا۔ اب اگر مسلمان کے دروازہ پر جاؤں تو اندیشہ ہے کہ وہ میرا سوال رو کر دے، تو اُس پر کوئی بلا نازل ہو جائے کیونکہ اُس پر شرنا میری جان کا بچاؤ واجب ہے (اس واجب میں کوتاہی کرنا کا تو بلا نازل ہونے کا اندیشہ ہے) تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے اور ذمی (غیر مسلم) میری جان بچانے کا مکتف نہیں۔ اگر وہ مجھ سے بعد دی کرے گا امید ہے اُس کو بھلائی پہنچ جائے اور اگر میرا سوال رو کر دیکھا تو اُسے میری وجہ سے کسی گزند پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو گا و سبحان اللہ! ان بزرگ کی نیت کا کیا کتنا اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں جو کسی کا بُرا نہیں چاہتے۔ مگر حدیث سے اس بات کا استحباب واضح نہیں کیونکہ حدیث میں مسائل کی مذمت کی گئی ہے حدیث میں کی گئی۔ تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ مذمت میں اس بات کو بھی داخل ہو کہ وہ سب ہی سے سوال کرتا رہا۔ نہ مسلم کو دیکھا نہ غیر مسلم کو۔

فخاء خلیفہ نے کافک مزدہی اور علامت کرنے میں بھی یہ قید لگائی ہے کہ جائز کام میں مذمت یا مزدہی ہو اور اُس سے مسلمان کی ذلت نہ ہوتی ہو جب مزدہی اور مذمت میں یہ شرط ہے تو غیر مسلم سے مانگنا کیونکر جائز ہو گا کہ سوال تو عموماً ہی ذلت ہے، البتہ اگر کوئی غیر مسلم شریف اور سنی اور نیک دل ہو

مذرت میں سوال کرنے والوں کو ذلیل نہ سمجھتا ہو بلکہ عزت کرتا ہو تو اُس سے سخت احتیاج کی حالت میں سوال کا معنائے نہیں اور دُعا طبعاً مسلمان کے لئے ہی ہوتے تھے کہ انہیں ان کی عزت کرتے تھے باقی آج کل تو مسلمان کسی سوال کرنے والوں کی عزت نہیں کرتے، خواہ کیسے ہی حاجت مند اور کیسے ہی اشدِ اوائے ہوں۔ فیہ السلام تو کیا کریں گے۔ پس ایک زمانے کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

سائل کو بلا وجہ جھوٹا نہ سمجھنا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال کرنے و بلا وجہ اُن کو جھوٹا نہ سمجھنا چاہیئے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سوال کرنے والے کی تو ذمت کی ہے مگر دوسروں کو پتے اور جھوٹے سائلوں میں فرق کرنے کو نہیں فرمایا پس اُن کو جائز ہے کہ ہر سوال کرنے والے کا سوال پورا کر دیں۔ مگر یہ کہ کسی کے خلقِ حق سے یہ بات ثابت ہوگئی ہو کہ اُس نے سوال کو پیشہ بنالیا ہے تو اُس کو دینا جائز نہیں ہے کما غف حاشیۃ القیود

عن المدد ذیلہ -

چنانچہ ایک بابرک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک دن چلے جا رہے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ بائبل نکلا ہے لوگوں سے اللہ کے واسطے پکڑا مانگ رہا ہے آپ نے اپنا ایک کپڑا اتار کر اُس کو دے دیا۔ بعض لوگوں کو اس شخص کی عادت معلوم تھی کہ وہ جیل اور کمر کرتا ہے (کپڑا پاس ہوتا ہے پھر بھی نکلا ہو کر یہ کپڑا مانگتا ہے) ادا اُس کو بیچ کر ناجائز کاموں میں صرف کرتا ہے۔ چنانچہ یہ بزرگ واپس ہوئے تو کسی نے خبر دی کہ میں نے اس سائل کو غلط جگہ دیکھا تو اُس کے بدن پر آپ کا دیا ہوا کپڑا نہ تھا وہ پھر نکلا پھر تا ہے) اور ممکن ہے اُس نے آپ کے کپڑے کو بیچ کر ناجائز کاموں میں اُس کی قیمت کو استعمال کی ہو۔ بزرگ کو یہ سن کر فحش آیا اور پھر فرمایا فرما جائے اُس تک پہنچاؤ کہ خدا اس حالت کا

مشاہدہ کر لیں جب اُس کے پاس پہنچے تو جیسا سُنا تھا ویسا ہی پایا اور دیکھی کہ تو پھر شکا پھر رہا ہے) پُرچھا اسے تو نے وہ کپڑا کیا کیا جو میں نے دیا تھا وہ تو بت قیچی تھا اور اُس کو بیچ کر تو ایک کی جگہ چار پانچ کپڑے بنا سکتا تھا مگر تو پھر بھی شکا ہے، اُس نے جواب دیا کہ اپنا کپڑا اُس سے مانگو میں کو تم نے دیا ہے اور مجھے اس کے ساتھ رہنے دو جس کی میں نافرمانی کر رہا ہوں۔ فرمایا بے شک تو نے چا کھا۔ پھر اُس کو اسی حال میں چھوڑ کر واپس آئے (مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان بزرگ نے اس سائل کو پھر بھی کچھ دیا۔ ممکن ہے کہ تحقیق حال کے بعد چہرہ بیاہو اور اُس کے جواب کو اس لیے رد نہیں کیا کہ اُس نے منقول بات کھی تھی کہ جب تم ثواب کی نیت سے صدقہ کر چکے اللہ تجھے مستحق سمجھ کر دے مجھے تو تمہارا ثواب کہیں نہیں گیا پھر اب تم کو مجھ سے باز پرس کا حق نہیں۔ اگر میں نے اُس کو بھانڑ کام میں مصروف کیا اس کا میں ذمہ دار ہوں گا آپ دستار نہیں تو صدقہ ماضیہ کے متعلق یہ بات مجھ سے جیسے پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ کسی نے ذابید، حمر اور غنی کو سات کے اندھیرے میں صدقہ دے دیا تھا تو وہ قبول ہو گیا۔ باقی آئندہ کے لیے ایسے شخص کو دینا جائز نہیں جو میلہ و مکر سے سوال کرتا ہے اور سواں کر کے بدعاشی کرتا ہے ۲۔

جب تم اپنے نیک کام میں چلے اور مخلص ہو تو جس کے ساتھ تمہارا معاملہ ہے اُس کے فضل میں رہو وہ بھی تم کو شہادت دے گا اور ملائقہ (خاص بنائے گا۔
قوله وفيه دليل على ان جميع الناس محتاجون الى العلم الى قوله بعد قاضيا۔

فت۔ ظاہر ہے کہ یہاں علم سے مراد علم دین اور علم احکام ہے۔ جب مسلمانوں کے دن اچھے تھے اسی پر عزت و زنت کا مدار کا رہا تھا مگر آج اس علم کی وہ عزت باقی نہیں رہی جس میں کچھ قواعدِ مسلمین کی خطا ہے کہ انہوں نے دنیا کو دین پر مقدم کر دیا ہے اور کچھ علماء کی بھی خطا ہے کہ انہوں نے دین کو دنیا کو

رسول کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ اگر علماء لوجہ اللہ بعض تبلیغ کی نیت سے وہاں کہیں اور
معاوضہ یا نذرانہ قبول نہ کریں بلکہ واپس کر دیں تو اُن کی عزت بُست بڑھ جائے۔
صدق اور خلوص کی ہر عمل میں ضرورت ہے جیسی اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتا ہے
اور عمل بارگاہِ انبی میں قبول ہو جاتا ہے اُس کا ثمرہ آخرت میں تو یقینی ہے دُنیا میں
بھی مل سکتا ہے۔

(۱۸۹) عمل کی جزا و سزا اُس کے مناسب ہوگی کہ آخرت میں امورِ معنویہ محسوس

ہوں گے اس میں کیا حکمت ہے کہ اس سائل کے چہرہ میں قیامت کے دن گوشت
نہ ہوگا؟ سو بات یہ ہے کہ چہرہ کا اُس گوشت ہی سے ہے اسی لیے
موتا پے سے چہرہ کا اُس بڑھ جاتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ اُس کے چہرے میں
ذکرہ برابر بخش نہ ہوگا۔ کیونکہ اُس نے دُنیا میں اپنے چہرہ کی اب و تاب کھوی تھی
یعنی حیا کو اُتار کر رکھ دیا تھا جو ہیک ماٹنگے سے روکتی ہے جب اُس نے
بلا ضرورت حیا کو اُتار دیا تو آخرت میں اُس کا اُس ظاہری زائل کر دیا جائے گا
کیونکہ آخرت میں وہ چیزیں محسوس و مشاہد ہوں گی جو یہاں معنوی (اور باطنی) ہیں
کیونکہ حکمت اس کو متعین ہے کہ دُنیا میں جو کُنہ کسی نے کیا ہوگا آخرت میں اُس
کا ایک نشان ہوگا جس سے سب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص نے
پرگنا کیا ہے تاکہ حجاب کے ساتھ ذلت بھی قبیح ہو جائے کہ تمام عالم میں اس کی
شہرت ہو جائے۔ چنانچہ بھونٹی گواہی دینے والے کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ
وہ قیامت میں اس حال سے اُٹھے گا کہ اُس کی زبان سے آگ نکلتی ہوگی۔ لہٰذا خود
غلامِ ہاتھ پر راتا ہوگا۔ جیسے مست اُٹھ سستی میں ہاتھ پر راتا ہے اور چیموں
کا مال کمانے والا قبر سے اس طرح اُٹھے گا کہ آگ کے فسطے اُس کی ناک سے
سانس کے ساتھ نکلتے ہوں گے اسی طرح اُدبست گناہ ہیں جن کے متعلق ہولناک
مصلحتیں و عذاب ہیں (اُن کے لیے قیامت میں عذابِ عظیم ہوں گے)

اور اس خبر کا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس بڑی دُسوئی اور ذلت کے عذاب سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و احسان کے صدقہ ان سب سے پناہ دیں۔ کسی نے کہا ہے اپنا انجام اچھا بنانا اگر تجھے کچھ عقل ہے اور اُس دن کی دُسوئی سے بچا جو بہت ہی سخت عیب تک ہے۔ جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و تقویٰ ہے جو ہمیشہ تجھ پر اتمام کرتا اور تیرے عمل کی قدر دانی کرتا ہے۔

قوله ما الحكمة ان كونه يأتي يوم القيامة وللمضفة لعمدة وجهان قوله بتقوى مولى لم يزل عليه منعا شكودا۔

ف۔ موفیہ کا کشف ہے کہ دُنیا میں جو امور معانی و اغراض کی قسم سے ہیں۔ آخرت میں جو اہم محسوس ہوں گے۔ اسی معنوں کو کسی نے ان الفاظ سے تعبیر کر دیا ہے کہ انسان کی جنت اور دوزخ دُنیا میں بھی اُس کے ساتھ ساتھ ہے۔ یعنی اعمالِ صالحہ جنت ہیں کہ یہی اعمال آخرت میں اُس کو عیبِ ثوابِ مُعدتہ اشکال میں نظر آئیں گے جن سے راحت پہنچے گی اور اعمالِ سیئہ دوزخ ہیں کہ یہی آخرت میں خوف ناک مُعدتوں میں اُس کے سامنے آئیں گے اور ستائیں گے۔

اس سے صحت عقلمندوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ موفیہ بھی فلاسفہ کی طرح جنت و دوزخ کو خیالی چیز سمجھتے ہیں موجود اور مشاہد نہیں مانتے۔ موفیہ کے کلام کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ موفیہ کے نزدیک جنت و نار اس دُنیا سے الگ موجود اور مستقل مخلوق ہیں۔ چنانچہ بعض نے اپنے کشف سے جنت دوزخ کی پیمائش تک بیان کر دی ہے۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کی نعمتیں اور نعمتیں انسان کے اعمال سے ملتی جلتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ خود کچھ لے گا کہ قیمتِ فلاں عمل کا ملے ہے اور یہ نعمتِ فلاں عمل کی سزا ہے جس کا حاصل وہی ہے جو حضرت شارد نے بیان فرمایا ہے کہ جو امور دُنیا میں معنوی تھے وہ آخرت میں محسوس و مشاہد ہوں گے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ جنت دوزخ محض خیالی ہیں بلکہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ جو چیزیں دُنیا میں خیالی سمجھی جاتی ہیں، وہ

آخرت میں خیال نہ رہیں گی بلکہ محسوس و مشاہدہ بن جائیں گے۔

بعض لوگوں نے شیخ ابن عربیؒ کے کلام سے یہ سمجھا ہے کہ دوزخ کچھ مدت کے بعد فنا ہو جائے گا اور کفار و مشرکین کا عذاب ختم ہو جائے گا۔ سو جان لینا چاہیے کہ شیخ کے کلام میں یہ معنوں کا مادہ نے طعن کر دیا ہے، شیخ کا یہ مذہب ہرگز نہیں وہ نصوص قطعیہ کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایوانیت والوں پر یہ تصریح کر دی ہے کہ شیخ کی فصوص کا جو صحیح نسخہ ہمارے پاس ہے اُس میں کوئی بات بھی خلاف شریعت نہیں ہے۔ اِن معنیٰ نسخوں میں کچھ باتیں خلاف شریعت ملتی ہیں سو تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن میں مادہ اور رسول نے الحاق کیا ہے۔ خوب سمجھ لو۔



باب

حدیث

اقران الحج والعمرة

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دہری حقیق میں سٹا فرتے تھے کہ آج ذات میرے پاس میرے رب کا طرف سے ایک قاصد آیا (جس نے یہ پیام پہنچایا کہ) اس مبارک میدان میں نماز پڑھیں اور کہیں کہ عمرہ بھی حج کے اندر ہے۔

شرح حضرت شامی کو اس حدیث پر ایک اشکال واقع ہوا ہے جس کا جواب بھی اپنے مذہب کے موافق دیا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ عمرہ فی حجة (عمرہ بھی حج کے اندر ہے) سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عمرہ کو احرام حج کے بعد ملایا گیا حالانکہ قواعد شروع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عمرہ کو احرام حج کے بعد نہیں کیا جاتا بلکہ حج کو احرام کے بعد کیا جاتا ہے مگر حنفیہ کے مذہب پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک اعمال حج شروع کرنے سے پہلے عمرہ کا احرام اور اعمال عمرہ شروع کرنے سے پہلے حج کا احرام ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جاسکتا ہے اور اگر اعمال شروع کر دیئے گئے تو حج پر عمرہ کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا، عمرہ پر حج کا اضافہ ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تک اعمال حج یا عمرہ شروع نہیں کئے تھے کیونکہ ابھی تک آپ تکبیر نہیں پہنچے تھے اور اعمال حج و عمرہ تک پہنچ کر ہی شروع ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ

وادی العقیق کا ہے یعنی ذوالحلیفہ کا جو مدینہ سے چھ میل ہے اور مدینہ والوں کی ریتات ہے۔ اسی جگہ سے وہ احرام باندھتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام نہیں باندھا تھا نہ حج کا نہ عمرہ کا کہ رات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ نے یہ پیام پہنچا یا کہ اُس وادی مبارک میں نماز پڑھیے اور نماز کے بعد عمرہ و حج دونوں کا احرام ساتھ ساتھ باندھئے جس کو قرآن کہا جاتا ہے اور یہ حدیث حنفیہ کے اس دعوے کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مفرد یا متمتع نہ تھے۔ اس کے بعد شارح نے طائفہ کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی حج کیا ہے۔ اور اُس کی کیفیت میں اس قدر اختلاف روایت ہے کوئی کتاب ہے آپ قارن تھے کوئی کتاب ہے مفرد تھے کوئی کتاب ہے متمتع تھے۔ اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے صحابہ کی نقل پر وثوق نہیں رہتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل کو پوری طرح ضبط نہیں کر سکے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ جھوٹ کا احتمال خبر میں ہو سکتا ہے استدلال اور نظر میں نہیں ہو سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عام طور پر بطریق اطلاق) یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں نے قرآن کیا ہے یا متمتع۔ اگر یہاں ہوتا اور پھر بھی صحابہ نقل میں اختلاف کرتے تو اشکال ہو سکتا تھا اور جب ایسا نہیں بلکہ ہر شخص نے آپ کے انحال سے ارادہ و نیت پر استدلال کیا ہے، استدلال میں اختلاف ہو سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام کے ساتھ اپنے قلندر ہونے کو اس لیے ظاہر نہیں فرمایا کہ پھر سب ہی قارن بننے کی کوشش کرتے اور سب کے لیے قرآن مناسب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں احرام طویل ہوتا ہے طویل مدت تک ملاحظہ احرام سے پہنا ہر اک کو آسان نہیں۔ پھر قارن پر قرآنی بھی واجب ہے جس کی سب کو استطاعت نہیں۔

فدومرا جواب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو قرآن کا حکم دیا کسی

کو قلعہ کا کسی کو افراد کا تاکہ سب غور توں کا جواز معلوم ہو جائے۔ ناظرین نے اس امر کو آپ کا فعل قرار دیا اور محاورات میں ایسا ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے وجہ حبیبی صلی اللہ علیہ وسلمہ ماحزا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماحز کو رجم کیا بلکہ آپ نے خود رجم نہیں کیا صرف حکم دیا تھا۔ اسی طرح بولا جاتا ہے نبی السعیر المدینۃ امیر نے فلاں شہر بنایا۔ حالانکہ وہ خود نہیں بنانا صرف حکم دیتا ہے۔ غرض حکم کو فعل کہہ دینا محاورات میں شائع ہے۔

تیسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نیت کی تھی اور قارن پر یہ واجب نہیں کہ تلبیہ میں ہر دفعہ حج و عمرہ دونوں کا نام لیا کرے بلکہ ایک دفعہ دونوں کو جمع کر کے پھر ایک کے ذکر پر بھی کفایت کر سکتا ہے۔ تو آپ نے کبھی تو بئیک بعمرۃ وعتہ کہا جس نے اُس کو سنا اُس نے کہا حضور قلن تھے کبھی فرمایا بئیک بعتہ جس نے یہ سنا وہ سمجھا کہ آپ مفرد ہیں۔ اُس نے افراد کی روایت کی۔ کبھی فرمایا بئیک بعمرۃ جس نے یہ سنا وہ سمجھا کہ آپ متبع ہیں۔ اس سے تو حضرات صحابہ کے اہتمام نقل کی دلیل نکلتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ نکلا جس نے بھی اُس کو سنا محفوظ رکھا اور جیسا سنا تھا ویسا ہی بیان کر دیا۔ اب یہ مجتہد اور محقق کا فرض ہے کہ تمام دوايات کو جمع کر کے داہج اور مرجوح کو معلوم کرے چنانچہ بحمد اللہ محققین نے ثابت کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے۔ کیونکہ میں سے اُپر جمع اور مرجوح حدیثیں اس پر دال ہیں اور دس وجوہ سے ان دوايات کو دوسری دوايات پر ترجیح ہے جس کو تفصیل کا شوق ہو زاد المعاد ابن القیم ص ۱۶۷ ج ۱ کا مطالعہ کرے۔ یا اطار السلف ص ۱۰۷ سے مراجعت کرے۔

(لطیفہ) حضرت حکیم الامت نعمۃ مرقہ نے بواہر النوار میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک عالم سے جو کہ غاری میں احقر کے استاد ہیں ایک عیسائی نے احقر کو یہ کہہ کر اہل اسلام میں دینی تحقیق کی کن کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اُن کے

اکثر مسائل مختلف نہیں ہیں۔ اگر کافی تحقیق ہوتی تو سب میں مستند فیصلہ ہو جاتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہی دلیل ہے اُن کی غایت تحقیق کی کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی بے تحقیق کئے نہیں چھوڑا اور تحقیق کے لوازم عادیہ سے ہے اہل تحقیق میں اختلاف ہو جانا انھوں جسکے محل تحقیق مسالہ ہوں جبکہ ماریات مشاہدہ میں اختلاف ہو جاتا ہے۔
ماشاء اللہ نہایت لطیف جواب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرات صحابہ کے اہتمام نقل کی دلیل صحیح ہی کے واقعہ میں یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کو بھی نہیں چھوڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بئیک کس وقت کہا تھا۔ چنانچہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تجرید میں بھی اختلاف ہے کہ آپ نے کس وقت بئیک کہا۔ فرمایا بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی توجہ کیا تھا اس لیے اُن میں اختلاف ہو گیا۔ میں سب سے زیادہ اس کو جانتا ہوں (کیونکہ میں آپ کے قریب تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح کے ارادے سے تشریف لے چلے جب آپ نے مسجد نبوی الحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں اُسی جگہ احرام باندھا اور دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بئیک کہا۔

کچھ لوگوں نے سنا اور اُس کو محفوظ کر لیا (اُنہ کی روایت یہی ہے کہ آپ نے دو رکعت پڑھنے کے بعد بئیک کہا) پھر آپ ناقہ پر سوار ہوئے جب ناقہ آپ کو لے کر کھڑی ہو گئی اُس وقت بھی بئیک کہہ بعض لوگوں نے اُسی وقت آپ کا تجرید سنا کیونکہ مجمع صحت زیادہ تھا سب آپ کے پاس نہیں رہ سکتے تھے۔ یکے بعد دیگرے آپ کے پاس سے گزرتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی کہا کہ حضور نے اُس وقت بئیک کہا جب ناقہ کھڑی ہو گئی۔ پھر آپ اگے بڑھے جب بیواہ کی بلندی پر چڑھے اُس وقت بھی بئیک کہا۔ بعض لوگوں نے اس وقت آپ کا تجرید سنا چلے نہیں سنا تھا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیواہ کی

باندی پر پڑتے ہوئے تلخہ کما اور خُدا کی قسم! حضورؐ نے اپنی نفل (احرام) ہی کی جگہ (پہلے) بَنیک کما اور ناکہ کے کھڑے ہونے کے وقت بھی (دوبارہ) بَنیک کما اور باندی بیدار ہو بھی بَنیک کما (کیونکہ احرام کے بعد تو ہر اختلافِ حال میں بَنیک کما مستحب ہے) سیدنا جبریلؑ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ابن عباسؓ کی روایت کو یا وہ اسی جگہ بَنیک کہتے ہیں جہاں (احرام) کی دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا اور شرطِ مسلم پر یہ کہا ہے۔ ذہبی نے اُس کی تائید کی ہے اور یہ روایت سنن ابی داؤد میں بھی ہے اور ابلفتح کا عمل اب اسی ہے۔

اسی طرح آپ کے حج کی ہر ہر بات کو صحابہؓ نے محفوظ کر کے روایت کیا ہے مثلاً مدینہ سے کس دن خروج ہوا؟ کس وقت کوئچ ہوا؟ غمر کہاں پڑھی غمر کہاں پڑھی؟ راستہ میں کس مقام پر نزول ہوا؟ کتنی جگہ چٹاؤ ہوا۔ ہر سفر پر آپ کس جگہ پر کھڑے ہوئے کہاں پیشاب کیا؟ کہاں اونٹنی کو پکڑ دیا؟ کس جگہ غسل کیا کس جگہ کھانا؟ مکہ میں کس راستے سے داخل ہوئے؟ کس دن اور کس وقت داخل ہوئے مکہ میں داخل ہو کر کس دروازے سے بیت اللہ میں آئے؟ اتے پہلو پہلے کیا کام کیا؟ مکہ میں کتنے دن ٹھہرے؟ کس تاریخ کو منی کی طرف چلے؟ منی میں کتنی نادریں پڑھیں؟ وہاں سے عرفات کی طرف کب چلے؟ عرفات کس وقت پہنچے؟ وہاں کیا خطبہ دیا؟ وہاں سے کب لوٹے؟ اور کس راستے سے واپس ہوئے؟ راستہ میں کہاں وضو کیا؟ کہاں پیشاب کیا؟ مزدلفہ کب اور کس وقت پہنچے؟ مزدلفہ میں کتنے قیام ہوا وہاں سے کس وقت کوئچ ہوا؟ منی کب پہنچے؟ وہاں آتے ہی پہلے کیا کام کیا۔ کس ترتیب سے کیا؟ لوگوں نے اس تمام سفر میں آپ سے کیا کیا مسائل دریافت کئے؟ حضورؐ نے اُن کا کیا جواب دیا؟ منی میں کتنے خطبے دیئے؟ اُن میں کیا فرمایا؟ طوافِ زیارت کب کیا؟ ری جہد کس طرح کیا؟ منی سے واپس ہو کر کہاں نزول ہوا؟ وہاں سے مدینہ کو کس وقت لہو کس دن واپس ہوئی۔ پھر واپسی کے حالات سے بھی اس تفصیل سے بیان کئے

تھے۔ کوئی ہے جو اس اہتمام کی مثال پیش کر سکے۔

فضیلتِ انسانی حدیث سے انسان کی فضیلت میں تمام مخلوقات پر مضموم ہو رہی ہے کیونکہ کسی مکان یا زمان کی فضیلت ہی انسان کے قائدہ کے لیے ہے کہ وہ اُن میں عبادت کا ماحول ہے اور اُس کا ثواب بڑھا ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے وَمَنْ لَمْ يَأْتِ الْمَسْجِدَ وَمَا لِي الْإِذْنَ جَمِيعًا مَنَّهُ أَنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّعُلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے اپنی طرف سے (اپنے حکم سے) اون تمام چیزوں کو سخر کر دیا (یعنی تمہارے کام میں لگا دیا) ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں (کیونکہ اگر انسان نہ ہو تو ان کا کوئی نقصان نہیں اور یہ نہ ہوں تو انسان پریشان ہو جائے، اس سے ہر شخص کچھ سکتا ہے کہ یہ تمام مخلوقات انسان کے واسطے ہیں۔ انسان اُن کے واسطے نہیں۔ تو کیا انسان اثراتِ المخلوقات ہو کر بیکار محض ہے اس کے متعلق کوئی کام نہیں؟) یقیناً اس میں دلالت ہے اُن لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں (وہ غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان چیزوں کو ہمارے کام میں لگانا ہمارے بس کی بات تو نہیں کیونکہ چاند، سورج، ستارے، چار بادل، جنوا اور دریا ہمارے بنائے ہوئے نہیں نہ اُن کے نظام پر ہم کو تقدت۔ اسی طرح زمین سے جو ہمارے واسطے غلہ پھل ترکاری اور اقسامِ دوائی کی نعمتیں پیدا ہو رہی ہیں، جانوروں سے دودھ وغیرہ مل رہا ہے ہم نے اُس میں کچھ نہیں کیا؟ پھر کس نے ان چیزوں کو ہم سے واسطے بنایا اور سب کو ہمارے کام میں لگا دیا؟ اسی نقطہ سے اپنے مالک کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر اُس کی نعمتوں کا فکرا کر کے کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا اور اُس کے راضی کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کی فکر ہوتی ہے اور انسان کچھ جانتا ہے کہ جس نے میرے واسطے یہ تمام سامان کیا ہے اُس نے ضرور میرے فرائض بھی کچھ رکھے ہیں اور ایسا مہربان مالک مجھے بند میرے اور مگر ایسی میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے بعد اُس کو دوسلوں اور راہنماؤں کی

کاش ہوتی ہے۔ پھر عابِ مادی محروم نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری پتے رسول سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچ جاتا اور قرآن و حدیث سے اپنی طلب کی پیاس بجھا سکتا ہے (طرحِ ان تمام مخلوقات سے ہیں کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور جہاں سے جی اُپر رحمت ہو رہی ہے۔

قوله وفيه دليل على ان الله عز وجل يفضل ما يشاء من خلقه الى قوله فكانت العائدة لنا وصحة بنا۔

فت۔ شریعت نے تو کسی زمان یا مکان کی فضیلت اس لیے بتائی تھی کہ ہم اُس میں عبادت کر کے ثواب زیادہ حاصل کریں۔ لیکن اب اس فضیلت کو سو ولع کا ذریعہ بنایا گیا ہے یا آمدنی وصول کرنے کا وسیلہ۔ چنانچہ شبِ قدر کی فضیلت کا یہ مشر ہو رہا ہے کہ اُس رات تراویح میں قرآن ختم کیا جاتا ہے تو مسجد میں فضول چرائنا کی جاتی ہے۔ مٹھائی کا انتظام ہوتا ہے اور سجدہ میں وہ شور و غل برپا ہوتا ہے کہ دُسمہ کا ادب ملحوظ رکھتا ہے نہ نماز پڑھنے والوں کی نماز کا خیال کیا جاتا ہے۔ عید و بقرعید کا دن خوشی کا ہے تاکہ سب مُسلماں بھج ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ ذکر اللہ زیادہ کریں، اللہ کا بول بالا کریں۔ اُس کو بھی تا شاہت لگایا۔ بہت آدمیوں کی عید تو کچڑوں کی عید ہوتی ہے۔ نماز کا اہتمام برائے نام ہوتا ہے اور عید کی نماز کے بعد تم نوجوانوں کو ہونٹوں اور سیہ ٹانگوں میں رنگ۔ دیاں منڈتے پاؤں گے استغفر اللہ! عاشورہ محرم میں روزہ کی فضیلت ہے اُس میں وہ خلافات ہوتی ہیں کہ ہندوؤں کی رام لیلہ کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

ربیع الاول میں ولادتِ نبویہ کی وجہ سے فضیلت اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پید و دو سلام زیادہ پڑھا جائے۔ آپ کی اتباع کا زیادہ اہتمام کیا جائے مگر لوگوں نے اس کو بھی ایک شمار بنالیا جس میں سوائے محفل میلہ کے اور کچھ نہیں ہوتا اور میلہ بھی اپنی طرف سے ایک خاص شخصیت اختراع کر کے منقذ کی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر کئے ہی قیام

کیا جاتا ہے اور قیام میں لگے ملا کر درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ پھر حاضرین کو مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور میلادِ خوان کو نذرانہ دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس طریقہ کو بدعت کہے تو اُس کو وہابی کہہ کر بدنام کیا جاتا ہے کیونکہ میلادِ خوانوں کے نذرانے موقوف ہوتے ہیں مگر یہ صورت اُسی وقت تک لگتی ہے جب تک میلادِ خوانوں کو نذرانے مل رہے ہیں اور اگر عامرِ مسلمین اُن سے برابر میلاد پڑھائیں اور نذرانہ بند کر دیں تو میں پککت ہوں کہ وہ خود بھی اس کو بدعت کہنے لگیں گے۔ مسلمانوں کو کچھ لینا چاہیے کہ اشتہار لانے جس زمین یا مکان کو فضیلت دی ہے اُس میں عبادت مطلوب ہے۔ لہٰذا ولید اور جٹن آرائی مطلوب نہیں۔ اب وہ خود فیصلہ کر لیں کہ ان کا عمل مقصود شریعت کے موافق ہے یا خلاف۔ واللہ المستعان۔

واقعہ یہ ہے کہ ان ایامِ فضیلت کے آنے سے پہلے جو حالت ہمدی ہوتی ہے وہی ان ایام میں بھی باقی رہتی ہے اور ان کے بعد بھی۔ مزانِ ایام میں عبارت کا اہتمام ہوتا ہے مزان کے بعد پھر بعض ہنگامہ آرائی سے کیا فائدہ؟ یعنی رقم ان ہنگامہ آرائیوں میں ہر سال صرف ہوتی ہے اگر اُس کو کسی تعمیری کام میں صرف کیا جائے تو مسلمانوں کی حالت سنھل جاتی اور ان ایام میں اپنی حالت درست کرنے کا اہتمام کیا جاتا تو نصرتِ خداوندی شامل حال ہوتی مگر لوگ صرف ہنگامہ آرائی کو مقصود سمجھ بیٹھے ہیں عمل کا اہتمام بالکل نہیں۔



باب شش

حدیث

الانابة عن الحج

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج واداع میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے باپ پر اللہ تعالیٰ کا فریضہ حج عائد ہو گیا ہے۔ مگر وہ بہت بوڑھا ہے۔ سواری پر ہم دکر بیٹھ نہیں سکتا تو میں کیا اُس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا ہاں! (کر سکتی ہو)۔

مفسرین کا ہر حدیث بتلا رہا ہے کہ حج میں نیابت ہو سکتی ہے۔ اب گفتگو یہ ہے کہ مفسرین کیا حج فرض اور فضل دونوں میں نیابت ہو سکتی ہے؟ جیسا امام شافعی سے منقول ہے یا صرف نفل میں ہو سکتی ہے فرض میں نہیں۔ سو اس عورت نے اپنے باپ کی جو حالت بیان کی ہے کہ وہ سواری پر نہیں جم سکتا اس کا مقتضاء یہ ہے کہ اُس پر حج فرض نہ تھا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ من استطاع الیہ مہیلا کہ (حج اُس پر فرض ہے) جو راستہ طے کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور اس شخص کو طاقت نہ تھی تو اُس پر فرض عائد نہ تھا مگر سال کرنے والے کے سوال میں تصریح ہے کہ فریضہ حج اُس کے باپ پر عائد ہو گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا۔ اس سے زیادہ مہربان عبداللہ بن زبیر کی حدیث ہے کہ ایک شخص قبیلہ نضیم کا صفحہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے باپ نے اسلام قبول کر

یہ ہے۔ وہ بُست بُوڑا ہے سواری پر نہیں جم سکتا ہے اور گائے اُس پر فرس ہے تو کیا نہیں اُس کی طرف سے گج کر سکتا ہوں ؟

فرمایا کیا تم اُس کے سب سے بڑے بیٹے ہو ؟ کہا ہاں ! فرمایا بھلاؤ اگر تیار باپ پر رکھی گا (دین ہوتا اور تم اُس کو ادا کر دیتے تو کیا اُس کی طرف سے ادا ہو جاتا ؟ کہا ہاں ! فرمایا تو میں تم اُس کی طرف سے گج کرو۔ (علاء احمد و انسائی د قال الحافظان اسنادہ صالح ص ۳ ج ۱۰-۱۱ اطلال ۔

اس میں سوال کرنے والے نے اپنے باپ کی حالت بیان کر کے صاف کہا کہ اُس پر گج فرس ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا رد نہیں کیا بلکہ اداء دین کی مثال دے کر اُس کو حکم دیا کہ اپنے باپ کی طرف سے گج کرے۔ اسی لیے امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ محنت بدن و امن طریق شرط وجوب ادا ہے۔ شرط نفس وجوب نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من استطاع ابہ سببہ کی تفسیر میں صرف زاد و راحلہ کا ذکر فرمایا ہے۔ محنت بدن و امن طریق وغیرہ کا ذکر نہیں فرمایا تو میں میں زاد و راحلہ کی قدرت موجود ہے اُس پر گج فرس ہو گا۔ اب اگر مرغن اور ضعف وغیرہ بھی نہیں تو خود گج کرنا فرس ہے اور اگر کوئی مرغن یا ماسستہ کی بدنامی یا بڑھاپا مانے ہو گیا تو خود گج کرنا فرس نہیں بلکہ بگ بدل کر دینا یا دمنیت کر جانا فرس ہے یہی قول صحیح ہے اگرچہ مذہب میں ابھی رعایات ہیں۔ ہر حال یہ حدیث بگ فرس میں جواز نیابت پر مال ہے اور نفل اُس کے تابع ہے ۱۲۔)

یہاں دوسری گفتگو یہ ہے کہ (گج کی طرح) اور طاعت بدنیہ میں بھی نیابت جائز ہے یا نہیں (جیسے نماز۔ روزہ) تو محمد کے نزدیک جائز نہیں اور جن آثار نے گج میں نیابت جائز کی ہے صرف اسی حدیث کی وجہ سے جائز کی ہے اور تم دیکھ رہے ہو کہ ان میں بھی اختلاف ہے کہ یہ حدیث گج فرس کے معلق ہے یا نفل کے۔ دوسرے گج میں اتفاق مال کی محنت غالب ہے طاعت بدنیہ

اُس کے تابع ہے اور عبادات مالیہ میں نیابت جائز ہے اور فرض مالی میں بلا احتکاء جائز ہے۔ باقی عبادات بذریعہ (مختار) میں نیابت جائز نہیں۔ صرف بعض لوگوں نے شذوذ کے طور پر خلافت کی ہے (یعنی وہ حاضر فقہاء سے الگ ہو کر ایسا کتے ہیں) کہ اگر کوئی مرجائے اور اس کے فتنے فرض روزہ ہو تو ولی اُس کی طرف سے روزہ رکھ دے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس کی طرف سے ولی روزہ نہیں رکھ سکتا (بلکہ غیبی ادا کر سکتا ہے)۔

ایک حدیث میں (یہ لفظ) وارد ہوا ہے یسوعی عنہ و لیسہ کہ ولی اُس کی طرف سے روزہ رکھ دے۔ بعض علماء نے اس پر عمل کیا مگر جمہور کے نزدیک اس پر علماء ادریج (طحاوی سے ثابت) نہیں ہوا۔ (جمہور کہتے ہیں کہ جن صحابہ نے یہ حدیث روایت کی ہے اُن کا فتویٰ خود اُس کے خلافت ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: لا یصلیہ احد عن احد ولا یصوم من احد عن احد ولكن ان کنت فاعلا فصیمت عنہ او احدیث۔ کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اُس کی طرف سے صدقہ کر دو یا ہدی کر دو۔ یعنی قرآنی کر کے غرباء کو بانٹ دو ۛ

یہی یا تو یہ کتنا چاہیے کہ پہلی حدیث منسوخ ہے وہ حکم ابتدائی اسلام میں ہو گایا یہ کہا جائے کہ پہلی حدیث اُس صورت میں ہے جب بیت نے وصیت نہ کی ہو یا وصیت کی ہو مگر کچھ مال نہیں چھوڑا تو وارث پر فدیہ واجب نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ چاہے اپنے پاس سے غیبی ادا کر دے یا نماز پڑھ کر روزہ رکھ کر میت کو اُس کا ثواب پہنچا دے اور دوسری حدیث اس صورت میں ہے جب میت نے وصیت کی ہو اور مال بھی چھوڑا ہو۔ اس وقت وارث کا نماز روزہ کی میت نہ کر گیا بلکہ فدیہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ ہذا لہو تفصیل ما ذکرہ الشرح فی المقام وابسط فی الاطلاع واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۹۱) کسی کی طرف سے دُوسرا استفتاء کر سکتا ہے جُناک سُنَد

شرعی معلوم کرنے میں نیابت جائز ہے (کہ کسی کی طرف سے دُوسرا استفتاء کر لے) چنانچہ اس عورت نے اپنے باپ کے متعلق استفتاء کیا اور حضور ﷺ نے حکم شرعی بتا دیا۔ یہ نہیں لڑایا کہ اپنے باپ سے کو وہ خود اگر سوال کرے (نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت بھی دُوسرے کی طرف سے حکم شرعی دریافت کر سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت سے بات چیت کرنا اور اجنبی مردوں کا اُس کی آواز سُنتا جائز ہے اگرچہ اُس کی آواز بھی عورت ہے (یعنی چھپانے کی چیز ہے) جس کا سُنتا اجنبی کو جائز نہیں مگر ضرورت میں جائز ہے (اور یہ موقع ضرورت کا تھا کہ حکم شرعی معلوم کرنا تھا) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُس سے اُس نے مسئلہ دریافت کیا اور حضور نے اُس کی بات کو سُنا (اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضور اُس کو بات کرنے سے منع کر دیتے اور فرماتے کہ کسی محرم کے ذریعے سے سوال کرو) اور اس سے معلوم ہوا کہ متقی حکام اور فقہاء کے ساتھ (اُن کے دربار وغیرہ میں) بیٹھنا جائز ہے اگرچہ اُن کے پاس مرد اور عورتیں سب ہی آتے ہوں۔

کیونکہ میں وقت اس عورت نے سوال کیا تھا اُس وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور دُوسری احادیث میں بھی یہی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تنہا نہیں بیٹھتے تھے بلکہ صحابہ کی ایک جماعت آپ کی مجلس میں حاضر رہتی تھی۔ اسی طرح احکام شرعیہ کا تقرر ہوا ہے کہ آپ نے جن کو بھی جو کچھ بتلایا اور جس کے بھی سوال کا جواب دیا صحابہ کی ایک جماعت اُس کو سُنتی اور محفوظ کرتی تھی۔ پھر انہوں نے بعد والوں کو احکام پہنچائے جو کتب حدیث میں جمع کر دیئے گئے (اگر یہ عورت دُوسروں کے لیے جائز نہ ہوتے، صرف آپ کی ذات سے خاص ہوتی کہ وہاں تقریر احکام کے لیے اُس کی ضرورت تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو ضرور ظاہر فرما دیتے

دیتے دگر ایسا نہیں ہوا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کا عمل بھی اسی پر رہا کہ اُن کی مجلس میں بھی ایک خاص جماعت اہل شوریٰ کی رہتی تھی جو حضراتِ خلفاء کے احکامات کو سُنتے اور محفوظ کرتے اور ضرورت کے موقع پر مشورہ بھی دیتے تھے۔

قوله فيه دليل على جواز النجاسة في العلم الى قوله لكان
يذكر ذلك دليلا عليه

ف۔ صوفیاء کے نزدیک بھی ایک شخص دُوسرے کے متعلق سوال کر سکتا ہے بشرطیکہ اُس کی محضی حالت کے متعلق سوال نہ ہو۔ مثلاً یہ سوال کر سکتا ہے کہ فلاں شخص بیمار ہے وہ بیماری میں اپنے معمولات پُورے نہیں کر سکتا تو کیا کہے؟ لیکن یہ سوال نہیں کر سکتا کہ فلاں شخص میں بد شکاہی کا مرض ہے اُس کو کیا کرنا چاہیے یہ سوال مرعین کو خود کرنا چاہیے۔ وظن هذا قياس۔

ف۔ ضرورت کے موقع پر عورت کو عالم کے پاس جانا اور حکمِ شرعی دریافت کرنا جائز بلکہ بعض دفعہ واجب ہے جب کہ اس کے سوا کوئی عورت نہ ہو مگر عالم کو تہائی میں عورتوں سے بات نہ کرنا چاہیے یا تو اپنے گھر والوں کے سامنے بات چیت کرے یا مجمعِ عام میں۔ اگر عالم کے گھر پر سوال کرنے کا موقع مل جائے تو عورت کو عالم کے سامنے نہ آنا چاہیے بلکہ پردے کے پیچھے سے بات کرے اور اگر عالم کے گھر والوں میں سے کوئی اُس قابل ہو کہ سوال سمجھ کر صحیح طور سے عالم کے سامنے بیان کر سکے تو اجنبی عورت کو خود بات نہ کرنا چاہیے بلکہ بواسطہ سوال کرنا چاہیے اور اگر اُس کے گھر والوں میں کوئی سوال کو صحیح طور سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو یہ خود پردے کے پیچھے سے بات کرے اور مجمعِ عام میں سے سوال کی ضرورت ہو تو عورت کو مُنہ کھول کر نہ آنا چاہیے، بلکہ برقعہ پوش ہو کر آنا چاہیے۔

اور اس عورت نے جس کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے مُنہ کھول کر اس

blogspot.com

۲۵۲

یہ بات کی کہ وہ احرام کی حالت میں تھی اور حالت احرام میں عورت کو منہ کھونا جائز بلکہ ضروری ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ زمانہ حج میں جو کہ ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ عورتوں کے منہ کھولنے سے اب تک کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا۔ مگر پھر بھی لٹاؤ فساد پر نظر کر کے آج کل فقہاء نے حالت احرام میں بھی عورتوں کو منہ پھیلانے کی تاکید کی ہے۔ مگر کپڑا منہ سے چلندہ رہتا چاہیئے۔ جس کے لیے اس قسم کے کپڑے اچھے ایجاد ہو گئے ہیں جن کو سر پر دیکھنے سے نقاب چہرہ سے الگ رہتا ہے۔

باب ۹

حدیث

ما یلبس المعمر فی الحج

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! معمر کون کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (معمر) قمیص و پسنہ و عمامہ باندھے، نہ پانچواں پہنے نہ برنس (لمبی ٹوپی کا نام ہے جو زمانہ قدیم میں استعمال میں جو پوندہ) نہ کروگردن سمیت محیط تھا (اور نہ موزے پہنے مگر یہ کہ کسی کے پاس نعل نہ ہو) (وہ جو نہ جس میں ایڑی نہیں ہوتی) تو وہ موزے پہن سکتا ہے، بشرطیکہ اُن کو گھٹنے سر نیچے (دکڑے) لٹا دے اور کونسا ایسا کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا دوسرے لگی ہو یہ بھی ایک گھاس ہے خوشبودار جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔

شرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ حالت احرام میں ان کپڑوں کا پہننا اور ایسے شجر موزے پہننا جس سے نکلنے ڈھک جائیں اور زعفران دوسرے رنگے ہونے کپڑے پسنہ کنوٹ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ مخالفت ان ہی چیزوں میں ضرر نہیں بلکہ بعض کو بیان فرما کر تنبیہ کی گئی ہے جو اُن کے مشی ہوں جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

(۱۹۲) گفتگو ایسی ہونی چاہیے کہ مخاطب سمجھ جائے یہ ساری سے اس

حرۃ کلام ۲ چاہیے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کچھ عجیب ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلیٰ سے اسی حرۃ کلام فرمایا جو حدیث میں مذکور ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ وہ اس جواب سے پوری بات کچھ جائے گا تو آپ اتنی بات پر اکتفا نہ کرنے جو حدیث میں مذکور ہے بلکہ مبالغہ کر کے ساتھ تشریح فرماتے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث نبویؐ اور قرآن شریف میں زبان عربی کے قاعدے کے موافق ہی طور کرنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ضرورت نہیں۔ اسی لیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں فاضایسنا بلسانک لعلمہ یتکرون رہم نے قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ وہ کچھ جائیں (یعنی بقاعدہ زبان عربی جس مطلب کو کلام مقتضی ہے اُس کو کچھ جائیں تاکہ اُن سے جس بات کا ارادہ کیا گیا ہے اُس کو کچھ کر نصیحت حاصل کریں اور اُس پر عمل کریں) :

قوله ان اختکم یخاطب اسائل بحب ما یعلم انه ینفہ عنہ الی
قوله فی تذکرہ عنہ ذلک -

فت - حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ بات صاف ہو اور پوری ہو اور صوری نہ ہو تاکہ مخاطب اچھی طرح مطلب سمجھ جائے۔ جن لوگوں نے حضرت کے مکاتیب و رسائل کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا جواب مختصر بھی کافی ہوتا تھا۔ صوفیہ اور علماء کو اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

فت - جو لوگ قرآن و حدیث میں بدون ذوق عربیت کے غور کرنا چاہتے ہیں اُن کی فطرت میں داخل ہو گئی۔ آج کل بعض جہل صوفیاء قرآن سے اپنے طریقہ کو قواعد عربیت کے خلاف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ محض ترجمہ دیکھ کر محمد بن جانا چاہتے ہیں۔ بعضے تھوڑی سی صرف و نحو پڑھ کر قرآن و حدیث سے مسائل کا مستنبط کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سب قرآن و حدیث میں تحریر کرنا چاہتے ہیں۔ جس کو عربی زبان سے لائق نہ ہو اُس کو علماء محققین سے رجوع کرنا لازم ہے۔ فاسٹو

اہل الذکر ان کتبم تعلیمات -

(۱۹۳) مسائل جزیئہ کی تحقیق بھی جائز ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل جزیئہ کی تحقیق کرنا جائز ہے کیونکہ اس شخص نے جزیئات ہی سے سوال کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو جواب دیا جس سے اس قسم کے سوال کا جواز معلوم ہو گیا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ (مسکام) دین کا پوچھنا ضرورت سے پہلے بھی جائز ہے کیونکہ اُس شخص نے عزم کے لباس کو دریافت کیا حالانکہ وہ اس وقت محرم نہ تھا کسی کے مناسب امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا واقعہ ہے کہ ایک مات وہ اپنے زمانہ کے ایک امام کے پاس رہے جن پر عبادت کا د زیادہ غلبہ تھا۔ اگرچہ اُس زمانے کے سبھی ائمہ کا یہی حال تھا مگر پھر بھی بعضوں پر کسی ایک شان کا غلبہ ہوتا تھا، تو وہ امام قورات بھرنار میں مشغول رہے اور امام شافعی بیٹھے رہے۔ مجھ کو اُن عالم کی بیوی نے کہا یہی وہ امام شافعی ہیں جن کی آپ تعریف کیا کرتے تھے۔ آپ قورات بھرنار پڑھتے رہے اور وہ رات بھر بے جس و حرکت بیٹھے رہے۔ اُن بزرگ نے اپنی بیوی کی بات کا تذکرہ امام شافعی سے کیا تو فرمایا کہ میں آج رات بھر استنباط مسائل میں مشغول رہا اور اسٹی (۱۰) منٹے دلیل و برہان کے ساتھ اپنے ذہن میں جمع کر لیے۔ اُن بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ جس کے لیے رہنے پر ٹوٹے احترام کیا تھا اُس نے اس رات میں اسٹی مسائل استنباط کئے ہیں جن میں سے ایک مسئلہ بھی میری ساری عبادت سے افضل ہے کیونکہ میری عبادت تو صرف میرے لیے ہے اور مسائل کا استنباط ساری امت کو نافع ہے جس سے قیامت تک وہ دین کا راستہ معلوم کرے گی، ذرا تم ان حضرات کی بزرگی اور باہمی انصاف اور علم کے احترام کو تو دیکھو اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے (واقعی یہ حضرات امام تھے) اور یہی حق ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کہ ہر عالم دوسرے کا احترام کرے اور صرف اللہ تعالیٰ کے

واسطے احترام کرے)۔ قولہ وفيہ دلیل علی البیث فی جنایات الدین الی
قولہ وحوالہ اذالاتہ -

فت۔ اسی قسم کا واقعہ امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ کا امام شافعی کے ساتھ
منقول ہے کہ امام شافعی اخیر شب میں مسجد کو اُٹھے اور امام محمد بیٹھے رہے۔ صبح کو
امام شافعی نے دریافت کیا کہ آپ نے رات مسجد کیوں نہیں پڑھا؟ فرمایا تم نماز میں
قرآن پڑھ رہے تھے اور میں اُن آیات سے مسائل استنباط کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ
دوسرے زیادہ مسائل میں نے جملہ کر لیے اس لیے مسجد کو نہ اُٹھا۔ یہ ہیں وہ حضرات
جن کے متعلق حدیث میں وارد ہے فوہم العالمد عبادة عالم کاسونا اور لئنا بھی
عبادت ہے۔

حضرت عظیم الامت نور اللہ مرقدہ کی عادت تھی کہ سوتے ہوئے پُسل کاغذ
اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ اگر رات کو کوئی مسئلہ علم ظاہر یا علم باطن کا قلب پر
وارد ہوتا تو فوراً جی بھلا کر اُس کو لکھ لیتے تھے۔ بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا کہ دن میں
ڈاک پوری نہ ہوئی تو رات کو مسجد کی ناز بلی ہلکی رکعتوں سے ادا کر لی اور ڈاک
لکھنے بیٹھ گئے۔ کیونکہ اس میں طالبین کی اصلاح و تربیت ہوتی تھی جو مسجد
سے اہم واقعہ ہے۔

فت۔ حضرات نقباء نے استنباط مسائل کے لیے مسجد کو ہمیشہ ناغہ نہیں کیا بلکہ
ایسا اتفاق کبھی کبھی ہو جاتا تھا جبکہ قلب پر دفعہ مسائل کا ورود ہونے لگتا اور
تہجد میں مشغول ہونے سے اس سلسلہ کے منقطع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا وہ
حضرت نقباء کو علم ظاہر کے ساتھ عبادت کا بھی بہت زیادہ اہتمام تھا اس عمل
ہی کی برکت سے علم ظاہر میں ترقی آور توجہ پیدا ہوتا تھا اور اسی کی برکت سے
بعض دفعہ اُن کے قلب پر دریائے علم موجزن ہوتا تھا تو اس وارد کا حق لہا
کرنے کے لیے اُسی میں مشغول رہتے اور اس وقت تہجد کو ناغہ کر دیتے پھر
بعد طلوع آفتاب کے اُس کی قضاء کر لیتے تھے اور ظاہر ہے کہ وارر کا غلبہ

ہیشہ نہیں ہوا کر ۳۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک ڈاکٹر شغل مونی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے مہمان ہوئے۔ عشاء کے بعد مولانا محمد یحییٰ صاحب نے مونی صاحب سے فرمایا اگر تجھ پر مہمان چاہتے ہو تو اپنا پیٹنگ مولانا محمد یحییٰ صاحب کے پاس لے جاؤ وہ اس کو اپنے گاہ بھی لے جاؤ گے اور اگر سنا چاہتے ہو تو اپنا پیٹنگ میرے ساتھ لے جاؤ۔ مونی نے کہا میں تو آپ ہی کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔ فرمایا بہت اچھا۔ چنانچہ اس رات دونوں حضرات صبح تک سوئے ہی رہے۔ صبح کی نماز کے بعد وہ مونی کے لئے سوہا اسی نیند تو روز نماز دیا کرو۔ واللہ! رات بھر اذتھائے کا ایسا حضور دیا کہ مجھے نماز میں بھی اب تک ایسا حضور حاصل نہیں ہوا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا بھائی ہمارے پاس تو میں ہی ہے۔ اللہ اللہ! ایسے حضرات کی نیند پر اتنے دیا کہ ہزار تمہد قربان ہے

کار پا کاں را قیاس از خود گیر
گر بہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(۱۹۴) اسرارِ حج کا بیان کیا گیا ہے کہ بڑا ہوا کپڑا نہ پہنے خوشبودار لگائے۔ زینت نہ کرے اس کی کوئی حکمت ہے یا معنی تعبیر ہے جس کی علت عقل میں نہیں آ سکتی؟ اگر معنی تعبیر ہے تو گفتگو کی ضرورت نہیں اور اگر کہا جائے کہ قواعد شرعیہ حکمت پر مبنی ہیں تو اس کی حکمت میں غور کیا جائے گا۔ چنانچہ کتاب اللہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں ایک ہی نشانی نہیں بلکہ بہت سی نشانیاں ہیں چنانچہ حکم لگے سے پہلے ارشاد ہے فیہ آیات، بیانات، بیت اللہ میں بہت سی نشانیاں ہیں اور یہ لفظ عام ہے جو معنوی حکمتوں اور معنوی نشانیوں کو شامل ہے یا حتمی نشانیوں کیساتھ ہے جیسا جن علما نے فرمایا ہے (کہ بہت حد میں ایک نشانی قدرت پر عہدہ اور ایک نشانِ قدرت قویہ ہے کہ بیت اللہ ہر دم پر بس گزر جائے یہ بھی محفوظ ہے جبکہ بڑے بڑے مدہین کے محلات کا نام و نشان تک باقی نہیں بچتا مگر یہ

قدیم تر عمارت آج دنیا کی ہر جگہ موجود ہیں ۲۰۰

فدا کر دیے خون ریزی کریں گے اور ہم بھلائی آپ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں (ہم اس کے لیے حاضر ہیں ہمارے ہوتے ہوئے کسی اور کی کیا ضرورت ہے؟) قال انی اعلم ما لا تعلمون سے اللہ تعالیٰ کو فہم آگیا (اور فرمایا میں جانتا ہوں جو کہ تم نہیں جانتے) تو فرشتوں نے سات وند عرش کا طواف کیا اور توبہ و استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کی توبہ قبول کی پھر فرمایا زمین میں ایک گھر بناؤ جس کا گنہگار انسان طواف کرے تو میں اُن کی توبہ قبول کروں جیسا (عرش کے طواف سے) تمہاری توبہ قبول کی اور اُن کی بھی مغفرت کروں جب تمہاری مغفرت کی۔ (فرشتوں نے یہ گھر (کعبہ مطہر) بنایا تو جو اس غرض سے آئے۔ حکمت کا

عنا یہ حدیث میری نگر سے نہیں گزری البتہ کما علی قدی نے معلوم المتزیل سے نقل کیا ہے کہ نام علی بن الحسین وزین العابدین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا جس کا نام البیت الموعود ہے اور فرشتوں کو اس کے طواف کا حکم دیا پھر چار فرشتے زمین پر رہتے ہیں اُن کو حکم دیا کہ ایسی تعمیر یا کسی کے برابر زمین میں ایک گھر بنائیں۔ انھوں نے بنایا۔ اور اس کے طواف کا زمین والوں کو حکم کیا گیا جیسا تمہیں والے بیت الموعود کا طواف کہتے ہیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے بیت اللہ کو بنایا تھا اور وہ اس کا حج کہتے تھے۔ جب آدم علیہ السلام نے حج کیا۔ (فرشتوں نے کہا آپ کا حج قبول ہے ہم نے آپ سے دو ہزار برس پہلے اس کا حج کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس اگر یہ حدیث جو شاردن نے بیان کی ہے صحیح نہیں تو کچھ اشکال نہیں اور اگر صحیح ہے تو اس سے صحت طائفہ کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ طائفہ کا مقصود حضرت بنی ہاشم کی حکمت دریافت کرنا تھا کہ ہمارے ہوتے ہوئے ایسی مخلوق کو خلافت دینے میں کیا حکمت ہے؟ مگر مخلوق خدا بنی ہاشم تھا اس لیے حق تعالیٰ ناراض ہوئے پس طائفہ کی بات گئی کہ درجہ میں نہ تھی صرف انبیا کے درجہ میں تھی جو صحت کے مافیہ نہیں۔ ۴۴

معتقنا۔ یہ ہے کہ اس کی حالت مقصود کے مناسب ہو۔ دیکھو عید (کی نذر) کے لیے نکلنا چونکہ طلب رحمت کا انعام کے لیے ہے عبادت صوم پورا کرنے کے بعد تو اس میں خوشبو لگانا اچھے کپڑے پہنا مطلوب ہے کیونکہ اس وقت کے مناسب یہی ہے۔ یہ حالت استقامت اور استئال امر کی ہے کہ استئال امر کے بعد انعام حاصل کرنے کے لیے بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے ہیں تو اچھی شکل سے آنا چاہیئے اور نابز استسقاء کے لیے نکلنا اس مصیبت کے دور کرنے کے لیے ہے جو (خط کی شکل میں) نازل ہوئی ہے تو اس وقت تغریع و مسکت (خضوع و خضوع) کے ساتھ نکلنا چاہیئے۔ (کپڑے بھی اچھے نہ ہوں بلکہ نیلے کچیلے ہوں) کیونکہ اس وقت نکلنا ہوا کا ارتکاب کر کے بارگاہ میں آنے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے جب بندے گناہ کرتے ہیں حق قتلے اُن سے بارش کو روک لیتے ہیں تو اس حالت کے مناسب یہی صورت ہے کہ مسکت و ذلت کی شکل میں آئیں۔ دعا میں مارے خون کے ہاتھ بھی اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلی زمین کی طرف ہو جس سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے) کہ ہماری حالت پٹ دیجئے۔ اسی طرح گج میں ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ، کیونکہ گج میں بہت بڑی طلب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ گج میں روزِ محشر کا نمونہ ہے کیونکہ وہاں بھی ایک ہی دن میں تمام دوسے زمین کے آدمی جمع ہوں گے (گج میں بھی ایک تاریخ میں تمام اطراف کے آدمی جمع ہوتے ہیں اور جیسا قیامت میں مختلف مقامات پر ٹھہرنا ہو گا دیکھی میدان میں جمع ہوں گے، کبھی حساب کے لیے بلائیں جائیں گے۔ کبھی میدان عمل پر جائیں گے (غیرہ وغیرہ) اسی طرح یہاں بھی مختلف مقامات مقرر ہیں کبھی (میدانِ عرفات میں اجتماعِ عظیم ہے) دیکھی جمار ہو رہا ہے۔ کبھی منی۔ مزدلفہ میں وقوف ہو رہا ہے (کبھی طوافِ زیارت کے لیے جا رہا ہے) وغیرہ وغیرہ اور جیسا دنیا سے آخرت کی طرف جلتے ہوئے اہل و عیال اور مال سب چھوٹ جاتے ہیں

اور مجزئکن اور ضروریاتِ دُفن کے (دُنیا کی) ادد کوئی چیز ساتھ نہیں جاتی۔ اسی طرح حامی اپنے اہل و عیال اور وطن سے مفارقت کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موت کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے وَلَوْ اَنَّكُم تَبْئِئَانِ عَلَيْهِمْ اَنْ اَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ وَاَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ الْاَقْلِيلُ مِنْهُمْ (اور اگر ہم اُن کے اُوپر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانیں دے دو یا گھروں سے نکل جاؤ تو بہت کم آدمی اس فرض کو پورا کرتے) ادا اُنہم کے ساتھ بھی بہتر و ضرورتِ سفر کے مال ہوتا ہے۔ غالبِ عادت یہی ہے جاتی سب چھوڑ جاتا ہے۔

نیز جیسا نیت کو قیامت سے پہلے مختلف مقامات میں ٹھہرنا ہوتا ہے اور قسم قسم کے خطرات پیش آتے ہیں۔ حدیث سے بعض لوگ غلامی پا جاتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ غلامی دینا چاہیں اور بعضے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حج کے راستے میں بھی بہت مشقتیں پیش آتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے لَمْ يَكُونُوا بِالْعِزِّ الْاَبَشِقِ الْاَنْفُسِ (اور یہ جانور تمہارے ہوجھ اٹھا کر ایسے شہر میں پہنچاتے ہیں جہاں تم بدون چھوڑنا کو مشقت میں ڈالے نہیں پہنچ سکتے تھے) اور بعض لوگ حج کے راستہ ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں جیسا وہاں بعض لوگ قیامت سے پہلے ہی ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں) مگر دونوں ہلاکتوں میں ایک فرق ہے کہ یہاں تو صرف اتنی ہی ہلاکت ہے کہ جان بدن سے نکل جاتی ہے۔ جس میں بعض دُفنِ سعادت (اور شہادت) بھی مل جاتی ہے اور وہاں کی ہلاکت خطرات کی کثرت سے ہوتی ہے جن سے غلامی نہیں ہوتی تو وہ شقاوت اور ناکامی کی ہلاکت ہے (حج کے راستہ میں ہلاک ہونے والا اس سے محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے گھر سے نکل چکا پھر راستہ میں موت آ جائے تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمے ثابت ہوگا۔ وہ انشاء اللہ محروم نہیں) مگر قیامت سے پہلے اور میدانِ قیامت) میں تو لوگ بچے کھڑے ہوں گے اور دُفن میں نہ گئے ہیں ہوتے۔ اگرچہ زمانہ جاہلیت میں اسلام سے پہلے (اکثر) لوگ بچے ہو کر دُفن

(عز و غیرہ) کہتے تھے۔ مگر اب شریعت نے اُس کو روک دیا اور ستر ڈھانکنے کے لیے یہاں کو ضروری قرار دیا مگر سلاٹھوا کپڑا اور زینت کا لباس منوع کر دیا گیا۔ بس مردہ کی حرکت نہ تھی اور چادر میں احرام ہونا چاہیئے اور اُس کو جگہ پُورا ہونے تک رکھنا چاہیئے کیونکہ قیامت کا تو ہول اس قدر ہو گا کہ کسی کو کسی کے ستر پر نظر کرنے کی صلت نہ ہوگی اور حج میں نظر سے مانع کوئی چیز نہیں ہے تو لباس کی ضرورت ہے اور قیامت میں کسی کے پاس خوشبو نہ ہوگی۔ ایسا ہی یہاں بھی (زینت اور خوشبو سے منع کر دیا گیا) نیز قیامت میں حکومت اور سلطنت صرف اللہ تعالیٰ کی آہوگی اور کسی کی نہ ہوگی سب کے دمے ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح حج میں جس غرض سے جاتے ہیں یہی گنہوں کی مغفرت اور صفائی اس میں بھی کسی کا کچھ دخل نہیں سب کے سب گردن بھکائے منتظر کھڑے ہوتے ہیں کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ فرماتے ہیں (مغفرت سے نوازتے اور سزا کو قبول فرماتے ہیں یا اٹھائے پر مارتے ہیں۔ پھر میدان عرفات میں بادشاہ اور رعایا امیر و غریب سب ایک لباس میں ہوتے اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور انکساری اور زاری کے ساتھ ہاتھ اٹھائے ہوتے ہیں اُس وقت کوئی غلام اور مخدوم نظر نہیں آتا، بلکہ ماتحت و ظلمت کا لٹھ کا نقشہ سامنے ہوتا ہے۔)

ایک بزرگ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک بادشاہ کیا۔ حج سے فارغ ہو کر سو گئے تو خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے ہیں (اور آپس میں باتیں کر رہے ہیں) ایک نے دوسرے سے پوچھا اس سال ہمارے ہمدرد گاہ کے گھر کا کتنے آدمیوں نے حج کیا؟ دوسرے نے کہا چھ لاکھ نے۔ اُس نے پھر سوال کیا کہ اُن میں سے کتنوں کا حج قبول ہوا؟ کہا صرف چھ کا! یہ بزرگ گھبرا کر جاگ اُٹھے اور بار بار کہتے تھے۔ کاش مجھے کوئی بتا دے کہ میں بھی اُن چھ میں ہوں؟ دوسرے دن پھر سوئے (مگر کچھ معلوم نہ ہوا) تیسرے دن پھر سوئے تو اُن ہی دو فرشتوں کو دیکھا کہ پھر آسمان سے اترے ہیں اور پہلے کی طرح سوال و جواب کر

رہے ہیں۔ جب ایک نے یہ جواب دیا کہ اس سال صرف چھ ہزار میں کالج قبول ہوا ہے تو دوسرے نے سوال کیا کہ ہمارے پروردگار نے باقیوں کے متعلق کیا فیصلہ کیا؟ پہلے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چھ میں سے ہر ایک کی سفارش ایک ایک ہالک کے لیے قبول فرمائی (اس طرح سب ہی کالج قبول ہو گیا) اب یہ بزرگ فرماں د شاداں بیدار ہوئے۔

اسی طرح قیامت میں کوئی بھات پائے واپس، کوئی ہلاک ہونے والا، کوئی مقبول ہے، کوئی غیر مقبول ہے۔ کوئی سفارش کرنے والا ہے کسی کے لیے سفارش ہو رہی ہے۔ لیکن شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہوگی اور کوئی بمعنی فضل سے ناجی ہوگا (بدون اجازت کے کوئی کسی کی سفارش نہیں کرے گا منہذا اللہ یשלح عندہ ما یاذنہ) اور کسی پر فضل بھی ہوگا شفاعت بھی ہوگی۔

قوله وعنا یحیث ومومل هذه الصفات التي كلف بها الحاج من ترك الخيط و

ترك الطيب الى قوله ولكن ياذنہ وفضلہ وقد یكون للمجموع -

ف۔ اگرچہ اس میں کوئی مسئلہ تقضوت کا نہیں مگر حج کی نوع کا بیان ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ کر دیا گیا تاکہ حجاج عموماً اور صوفیاء خصوصاً حج میں اور نماز میں اس دور کو ملحوظ رکھیں۔ کیونکہ نماز میں بھی حج کی شان موجود ہے کہ بیت اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا امر ہے تو استقبال قبلہ کے ساتھ موت اور قیامت کا منظر سامنے ہونا چاہیئے۔ پھر انشاء اللہ خشوع آسان ہو جائے گا اور اس شان سے حج کیا جائے گا تو انشاء اللہ قبول ہوگا۔

(۱۹۵) قرب کا بڑا درجہ بڑے بڑے مجاہدات و عبادات سے ہی حاصل ہوتا ہے

اس حکمت کے مسلمہ ہو جانے سے یہ مسئلہ مستبعد ہوا کہ قرب کا بڑا درجہ بڑے بڑے مجاہدات اور عبادات ہی سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ مقام (عرفات وغیرہ) ایسا مقام ہے جہاں میں بڑے بڑے جرائم کی مغفرت ہوتی ہے۔ جیسا حدیث میں وارد ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان ہر روز عرصے زیادہ کسی دن زیادہ ذلیل اور حقیر نہیں دیکھا جاتا۔ کیونکہ وہ اس دن دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما رہے ہیں تو اپنے سر پر مٹی ڈالتا جاتا اور کہتا جاتا ہے کہ جس قوم کو میں نے پچاس یا چالیس سال تک گنہ گاروں میں مبتلا رکھا اُن کو ایک ساعت میں بخش دیا گیا۔ (ادکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) تو ایسے مقام تک پہنچنا آسان نہیں بلکہ بڑی مشقت سے پہنچنا ہوتا ہے۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آسان کر دیں اُس کے لیے آسان ہو جاتا ہے مگر ایسے حقارت سے ہی ہیں اسی طرح مقلبات عالیہ باللہ کثرتِ مہابت و عبادت و ذکر ہی سے حاصل ہوتے ہیں آسانی سے حاصل نہیں ہوتے انشاء اللہ

ناز پروردہ منعم نہ بردارہ بد دست
عاشقی شیوہ رعداں بلاکش با شد!

ابھاس میں اس پر بھی تعبیر ہے کہ میں اس موقع (یعنی میدانِ مشر) کو یاد کرے جس کا یہ نمونہ ہے تاکہ مولے کریم کی طرف سے دل سے التجا کی توفیق ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ توجہ اور رغبت اور اپنی احتیاج کا اظہار ہو کہ اُس سے تمام خیر کی امید کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں امن بحیب العطر اذا دعاہ دکیا وہ جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اُسے نکالتا ہے کیا اس کے ساتھ بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ اکثر لوگ نادان ہیں جو ایسے خدا کے ساتھ بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سبحانہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے (وہ مضطر و محتاج کی دعا ضرور قبول کرتے ہیں)، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اُن میں سے کرے جن پر محض اپنے فضل سے احسان فرمایا اور اُن کو کوئی مشقت اٹھانا نہیں پڑی۔ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔ قولہ ویتعجب علیٰ من معرفة الحکمة الی قولہ لا رب سواہ -

نہیں ہو سکتا۔ اسی زمانہ میں طالبان سلوک کو حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی تعانی کا مطالعہ ہی نافع ہو سکتا ہے۔ حضرت نے اس زمانے کی طبائع کے موافق دستور العمل تجویز کئے اور امر ابن قلب کے معاملات بیان فرمائے ہیں جن پر عمل دشوار نہیں بلکہ ہلکا کر دیا ہے اور جس چیز کو مکرر سمجھا جا رہا تھا اُس کو ایسا صاف اور بے غبار کر دیا ہے کہ ہر شخص حقیقت تک باسانی پہنچ سکتا ہے۔ جس نعمت کو خلافِ قرآن و حدیث کہا جا رہا تھا حضرت نے اُس کی اصلی حقیقت کو کتاب و سنت سے ثابت کر کے دکھا دیا ہے۔ لہذا مسئلہ مسائل السلوک اور انکشف والمعروف وغیرہ۔

ف۔ حج میں توجہ باطنی حکمتیں ہیں وہ آپ نے سمجھ لیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیت اللہ میں اب بھی وہ نشان ہائے قدس موجود ہیں جن میں انعام کے ساتھ غرر کرنے سے کافر بھی ایمان لے آئے۔ اور مومن غور کرے تو اُس کا ایمان کامل ہو جائے اسی لیے حج کو مکمل ایمان کا ٹیگ ہے۔

حج کی ظاہری حکمتیں اب ہم بعض ظاہری حکمتیں بھی بیان کرنا چاہتے ہیں جو حجتہ اللہ اب اللہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ وہ یہ کہ ہر قوم اور ہر سلطنت میں ایک دن اجتماع اور دربارِ عام کا ہوتا ہے جس میں دور اور نزدیک والے سب متجمع ہوتے ہیں تاکہ حکومت کے احکام پر مطلع ہوں۔ ایک دوسرے سے مل کر تبادلہ خیالات کریں اور شعائر سلطنت کی تعظیم بھلائیں۔ اسی طرح حج قلب اسلامیہ کا دربار ہے جس میں اطرافِ عالم سے سلطان جمع ہوتے ہیں اُن کی شوکت اور اجتماعی شان ظاہر ہوتی ہے۔ شعائر اللہ کی تعظیم ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کو پہچانتا ہے اور یہ دیکھ کر کہ اسلامی برادری بہت دور تک پہنچ چکی ہے خوش ہوتا ہے آپس میں اتحاد و اتفاق برپا ہے۔ کلئہ اسلام بلند ہوتا اور اللہ کا بول بالا ہوتا ہے اور اگر دنیا میں خلافت اسلامیہ کا وجود ہو تو خلیفہ کو تمام اطراف کے مسلمانوں کی حالت معلوم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت فاروقی اعظم رضی اللہ عنہ ہر سال حج کرتے تھے

اور اپنے عمال (موجودوں) کو بھی ہر سال حج کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ کیونکہ جب گورنر حج کو جانے لگا اُس کے ساتھ اُس کے ملک اور مٹوبہ کے بھی بہت آدمی ہوں گے اس طرح غلیظہ کو ہر ملک اور ہر مٹوبہ کے آدمیوں سے اپنے عمال و دلائے (گورنریں، حاکموں) کے عدل و انصاف یا بے راہروی کی اطلاع آسانی سے ہو جاتی تھی۔ پھر ان اعمال و ولایت کے اجتماع سے ملکی مسائل اور سیاسی مصالح پر بھی مشورہ کا موقع ملتا تھا اور سال آئندہ کے متعلق ایک خاص طریقہ اور فائدہ عمل ملے ہو جاتا تھا۔ میں نے ہمچنین میں ایک اخبار میں کسی امریکن ٹرانسپلٹ کا مضمون پڑھا تھا جس میں لکھا تھا کہ یورپ اور امریکہ چار ہاتھوں کے لیے مدت سے کوشش کر رہے ہیں مگر باوجود ہر قسم کے ذرائع و وسائل مٹیا ہونے کے اُن کو اب تک کامیابی نہیں ہو سکی اور حیرت ہے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) پہلے ہی قدم میں تھوڑی سی مدت میں ان چاروں میں بھی کامیاب ہو گئے۔

ایک یہ کہ ہم ایک مشترک بین الاقوامی زبان کی تجویز میں ہیں مگر ہنوز مقررہ اول ہے۔ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عربی کو تمام مسلمانوں کی مشترک بین الاقوامی زبان بنا دیا۔ تم کسی ملک میں ملے جاؤ ہر جگہ مسلمان عربی میں اذان دیتے، عربی میں نماز پڑھتے عربی میں خطبہ دیتے ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم کو اپنی الگ الگ زبان کے ساتھ عربی زبان سے بھی لگاؤ ضرور ہے اُن کا سلام بھی عربی میں ہے اور خطبہ نکاح بھی عربی میں قرآن بھی عربی میں ہے دوسری قوموں کے پاس توہرات و انجیل کے تراجم ہی رہ گئے ہیں اصل کتاب منقود ہے وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے ہم ایک بین الاقوامی کانفرنس کی تجویز میں ہیں مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس میں بھی کامیابی حاصل کر لی ہے کہ ہر سال تمام ممالک اسلام کے مسلمان مکہ میں حج کے لیے جمع ہوتے ہیں جو بہت بڑی بین الاقوامی کانفرنس ہے۔

تیسرے ہم ایک بین الاقوامی سرمایہ مجبے کرنا چاہتے ہیں جس میں ناکام ہیں مگر

پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں بھی کامیاب تھے۔ "بیت المال" تمام مسلمانوں کا بین الاقوامی مشترک خزانہ تھا جس میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا حق تھا اور جب تک خلافت اسلامیہ قائم رہی بیت المال بھی قائم رہا جس سے سب مسلمان فائدہ حاصل کرتے تھے۔

چوتھے ہم کو شش کر سبے ہیں کہ بین الاقوامی وحدت حاصل کریں اور یہ رنگ و نسل اور عذریہ کی بناء پر اقوام کی تقسیم باطل ہو جائے مگر ابھی تک ناکام ہیں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے ہی قدم میں اس کو کامیابی کے ساتھ حاصل کر لیا اور فرمادیا انما المؤمنون اخوة۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ہم کو بادل جیٹی بھی اُسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ابو بکرؓ و عمرؓ نظر آتے ہیں ہر ایک کو سرے کا احترام و عزت کرتا ہے زنا و دق اعلم حضرت بلالؓ کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور فراتے تھے سیدنا بلال! یہ ہمارے سرورِ اجل ہیں!۔

مگر مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب حکمتیں حکمت کے درجہ میں ہیں اصل علت نہیں۔ فرضِ حج کی علت محض اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اگر یہ حکمتیں ذہنِ ہوتیں جب بھی حج فرض تھا مگر اللہ و رسول کے احکام کی یہ خاص شان ہے کہ اُن میں علاوہ تکمیلِ مہدیت اور اطاعت کے انسان کی دنیوی مصالح بھی بست ہوئی ہیں۔ جو شخص دین کو مضبوطی کے ساتھ تمام لیتا ہے دنیا خود بخود نکلنا بن کر آ جاتی ہے۔

باب ہشت

حدیث

جواز الشرب من السقایۃ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سقایہ (زمزم) پر تشریف لائے (یہ ایک حوض تھا جس میں لوگوں کے پینے کے واسطے زمزم کا پانی بھرا جاتا تھا) اور پینے کے لیے پانی مانگا۔ حضرت عباس نے کہا اے فضل اپنی ماں کے پاس جاؤ اُن کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی لے آؤ (مطلب یہ تھا کہ شند اپانی گھر سے لاؤ کیونکہ عرب میں دیر تک برتن میں رکھا ہوا پانی شند اور عمدہ ہو جاتا ہے)۔ حضور نے فرمایا مجھے (اسی میں سے) پلا دو۔ کہا یا رسول اللہ! اس میں تو لوگ ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ فرمایا پلاؤ بھی۔ غرض اُس میں سے آپ نے پانی پیا پھر (چاہ) زمزم پر تشریف لائے جہاں لوگ پانی بھر رہے اور کام کر رہے تھے۔ فرمایا کام کئے جاؤ۔ تم اچھا کلام کر رہے ہو۔ پھر فرمایا اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ لوگ (ہجوم کر کے) تم پر غالب آ جائیں گے تو میں (سواری سے) اُتر کر دینی یہاں رکھتا۔ گردن پر اشارہ فرمایا (اور خود پانی کیسچتا)۔

حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جس پانی میں لوگ ہاتھ ڈالتے ہوں وہ شرب پاک ہے اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ کسی کا ہاتھ پاک ہو کسی کا پاک نہ ہو۔ مگر آپ نے سقایہ سے پانی پی کر بتلادیا کہ ایسے احتمالات (جلاوٹیں) پر عمل نہ

یہی جانے گا۔ جب تک یہ امر محقق نہ ہو جائے کہ کسی نے ناپاک ہاتھ ڈالا ہے کیونکہ پانی اپنی ذات سے پاک ہے۔ بلکہ دلیل اُس کو ناپاک نہ کہا جائے گا۔ اسی لیے فقہاء نے اُن حوضوں اور مشکوں کے پانی سے وضو کو جائز کہا ہے جو راستوں پر بنے ہوئے یا رکھے ہوئے ہیں جہاں سے جانور پانی پیتے ہیں اور جانوروں کی ناک کا غبار وغیرہ بھی اُن میں مل جاتا ہے اور لوگوں کے ہاتھوں اور پیروں کا میل بھی جس میں ناپاکی کا احتمال ہو سکتا ہے مگر محض احتمال اور شک سے پانی کو ناپاک نہ کہا جائے گا۔ حضرت شاذانہ نے اس حدیث سے ماہ مستعمل کی طہارت پر بھی استدلال کیا ہے مگر استدلال ناقص ہے کیونکہ ماہ مستعمل وہ ہے جس میں ازالۃ حدث کی نیت سے یا وضو اور غسل کی نیت سے ہاتھ ڈالا جائے اور یہاں ایسا نہ تھا۔ مقایہ میں صرف پینے کے واسطے ہاتھ ڈالتے تھے تو اس سے حنفیہ کے نزدیک پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے۔

(۱۹۶) پینے کے لیے پانی مانگنا خلافِ زہد نہیں کہ پینے کے لیے پانی مانگنا محض اور سفردو غوں میں جائز ہے۔ پانی کا مانگنا اور چیزوں کے مانگنے کے برابر نہیں کہ (اُن کا سوال ممنوع ہے خاص مشروط ہی سے جائز ہے، پینے کے لیے پانی مانگنا ہر حال میں جائز ہے) بعض فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (مگر یہ قید ضروری ہے کہ دوسرے کے پاس حاجت سے زیادہ پانی ہو اور اس نے دوسرے سے نہ غریب ہو ورنہ بدون سخت مجبوری کے پانی کا سوال بھی نہ کیا جائے)۔

نیز معلوم ہوا کہ سبیل عام کا پانی جس کو صدقہ نہ کہا گیا ہو حنفی اور فقیر سب کے لیے حلال ہے یہ (وہ صدقہ نہیں) جو حنفی پر حرام ہوتا ہے (اس میں کسی پر غاص حرام ہے) احسان نہیں ہوتا (بلکہ وقف عام ہے سب کو اُس سے پینے کا حق ہے) دیکھو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقایہ سے پانی پیا جس میں کچھ لوگ پانی بھروے اور کام کد ہے تھے مگر وہ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے واسطے کر چکے اور پانی کو اپنی

بلک سے نکال چکے تھے۔ اگر یہ بھی صدقہ کی طرح ہوتا تو آپ ہرگز نہ پہنتے۔ کیونکہ صدقہ آپ پر حرام تھا اور اگر اس میں کچھ کراہت ہوتی جب بھی آپ نہ پہنتے۔ مگر آپ سقاہ پر تشریف لے گئے اور اُس میں سے پانی طلب کیا۔
 قولہ فیہ دلیل منہ طلب شرب لعداۃ القوۃ فاستغنی۔

فت۔ اس میں کوئی مسئلہ فقہوت کا نہیں مگر بعضے خشک ذہن وہی ہو جاتے ہیں۔ اُن کے دہم کا اس میں علاج ہے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ؒ کے ایک خادم عاتقاہ کے کنوئیں سے وضو نہیں کرتے کہ یہاں اکثر لوگ ننگے پاؤں ہاہر سے آتے ہیں اس لیے کنوئیں کے اُس پاس کی زمین ناپاک ہے اور کہیں وہاں ٹول رکھا جاتا ہے اور ہڈوں پاک کئے کنوئیں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس لیے کنوئیں ناپاک ہے۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ میاں پھر تم میرے پیچھے نماز کیسے پڑھتے ہو جب کہ میں اسی کنوئیں سے وضو کرتا ہوں۔ کہا نماز تو آپ کے پیچھے جائز ہے۔ اسی طرح بعض لوگ دقعب عام کی چیز کے استعمال میں دہم کرتے ہیں مگر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ سقاہ اور حوض اور کنوئیں اور سرائے و مقبرہ و غیرہ جو مسافروں اور ہر وارد و صادر کے لیے بنائی جاتی ہے اُس میں فقیر و فنی سب برابر ہیں۔ اُس کو صدقہ خاصہ پر قیاس نہ کیا جائے اور اس کی دلیل یہی حدیث ہے جو یہاں مذکور ہے۔

زم (۱۹۷۷) مردوں کے سامنے عورتوں کا نام لینا جائز ہے معلوم ہوا کہ جہد گوں اور مردوں کے مجمع کے سامنے عورتوں کا تذکرہ جائز ہے۔ اس میں کچھ کراہت نہیں۔ دیکھو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو سقاہ پر لے کر آپ کے ہمراہیوں کے سامنے کہا کہ اے افضل! اپنی ماں کے پاس جاؤ اور حضورؐ نے اس پر عتاب نہیں کیا بلکہ کچھ بھی نہیں فرمایا۔ آج کل بعض لوگوں کی عادت ہے کہ اگر عورتوں کا تذکرہ اُن کی زبہن پر آ جاتا ہے تو اس کے بعد عا شاک (توبہ توبہ) بھی

کہتے ہیں اور اس کو تہذیب سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بدعت ہے۔

قوله وفيه دليل على جواز ذكر النساء وبعض أهل الفضل إلى قوله بل عجب

من المبدع -

ف۔ آج کل عام لوگوں کی تو یہ عادت ہے کہ پیروں کے سامنے اپنی عورتوں کو لے جاتے ہیں اور پیر صاحب سب کے سامنے عورتوں سے بات چیت کرتے ہیں یہ تو نہایت قبیح بدعت ہے جس کے مفاسد ظاہر ہیں اور زاہدانِ خشک کی یہ عادت ہے کہ وہ عورتوں کا ذکر بھی زبان پر لانا گوارا نہیں کرتے۔ حضرت حکیم الامتؒ بعض دفعہ اپنے گھر والوں کی کوئی بات نہیں میں کرتے تو بعض لوگ اعتراض کرتے تھے کہ یہ وقار کے خلاف ہے۔ انہوں نے تکبر کا نام وقار رکھ لیا ہے۔ اور یہاں سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پہلے زمانے کے مسلمانوں کو پردہ کا کس قدر اہتمام تھا کہ عورتوں کا ذکر بھی مردوں کے سامنے تہذیب کے خلاف سمجھتے تھے۔ آج کل ذکر سے تو کیا عار ہوتا ہے عورتوں کو مردوں کے سامنے لانے اور بیسوں اور چوبیسوں میں لے جانے سے بھی عار نہیں۔ کیسا انقلاب بٹھا ہے؟ خدا غیر کرے مظلوم اس کا انجام کیا ہونے والا ہے؟

(۱۹۸) ٹھنڈا پانی پینا بھی خلافِ زہد نہیں ٹھنڈا کرنا اور ٹھنڈا پانی پینا جائز ہے۔ حضرت عباسؓ نے اس لیے تو فرمایا تھا کہ اپنی ماں کے پاس جاؤ اور حضورؐ کے لیے پانی لاؤ۔ کیونکہ مجاہد میں تھوڑی دیر کا رکھا ہوا پانی ٹھنڈا اور لذیذ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضرت عباسؓ ایسا نہ کہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ بات سن کر سکوت نہ فرماتے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کو اپنی ضرورت خاص طریق سے پوری کرنا ہو تو اس کو وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباسؓ کی بات قبول کرنے سے کوئی مانع اس کے سوا نہ تھا کہ آپ ایک خاصہ شرمیلہ بتلانا چاہتے تھے کہ جس پانی میں لوگوں کے ہاتھ

پڑتے ہوں (اور ناپاکی کا یقین نہ ہو) وہ پاک ہے (معنی وہم سے اُس کو ناپاکی نہیں کہا جائے گا۔ مگر آپ نے اس وجہ کو بیان نہیں فرمایا صرف اتنا ہی فرمایا کہ اس میں سے پلا دو)۔

دوسرے آپ تکلف سے بھی بچنا چاہتے تھے جو آپ کا خاص طریقہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ طہرہ وسلم کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ ہمیشہ سہل و آسان کو اختیار فرماتے تھے جبکہ اُس میں گناہ نہ ہو اور اس میں حضرت موفیہ کی دلیل ہے کہ وہ بھی ترک تکلف کی تعلیم دیتے ہیں۔

قوله وفيه دليل على جواز تبريد الماء الى قوله يقولون باتوا التكلف۔
 ف۔ بعض زاہدوں کا خیال ہے کہ پانی ٹھنڈا چینا نہ بہ کے خلاف ہے گرم چینا چاہیے۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سیدنا ابن ہریرہ رضی اللہ عنہما کو ٹھنڈا پانی مرعوب تھا۔ اس واقعہ میں ایک خاص وجہ سے آپ نے سقاہ کا پانی بیاہے جو اوپر تفصیل سے بیان ہو چکی۔ ہمارے حامی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حکیم الامت سے فرمایا تھا کہ کیا اشرف علی پانی جب ہو ٹھنڈا ہو جو۔ ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے گھر اور گرم پانی پانی پل کر زبان تو اللہ تعالیٰ کے گھر مگر دل نہ کہے گا۔ واقعی سچ فرمایا دوسرے گرم پانی سدرہ کے لیے معزز بھی ہے۔ اسی طرح پانی بہت ٹھنڈا بھی زیادہ برکت سے ذکر ناپاکی ہے کہ وہ بھی اعصاب کے لیے معزز ہے۔ اعتدال ہر چیز میں افضل ہے۔
 ف۔ حضرت عائشہ کی حدیث پر ایک اشکال مشہور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طہرہ وسلم کو دو باتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار دیا جاتا تھا تو اس میں کسی شق کے گناہ ہونے کا احتمال کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر حضرت عائشہ نے یہ کیوں فرمایا مالہ لیکن اشما۔ جبکہ اُس میں گناہ نہ ہو۔ اس کا مشہور جواب یہ ہے کہ یہاں استثنائے منقطع ہے متصل نہیں۔ علماء کے لیے یہ جواب کافی ہے اور عوام کو غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوسرا جواب حضرت حکیم الامت نے دیا تھا جو

جو بہت بعید ہے۔ مگر اس وقت باوجود تکشش کے نہیں ملا اور میں اُس کو حضرت ہی کے الفاظ میں ملتا چاہتا تھا اگر کسی کو مل جانے میں نفل کر دے۔

(۱۹۹) جس کام میں دو پہلو ہوں اس میں دین کے پہلو کو مقدم کیا جائے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کام میں ایک پہلو حفظ نفس کا ہو اور دوسرا پہلو مصلحت دین کا ہو اگرچہ دینی مصلحت درجہ استحب ہی میں ہو تو دین کا پہلو مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ روایت حدیث میں (تشدیداً) پانی پینے میں تو نفس کی راحت تھی اور سقایہ سے پینے میں دینی فائدہ تھے جن کا اُد پر ذکر اچھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے پہلو کو حفظ نفس کے پہلو پر ترجیح دی۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کی تصریح بھی فرمادی ہے۔

فَقَالَ اِنَّهُ فِى نِعَمٍ يَغْدُوْنَ اَعْمَالُهُمْ عَلَى اَهْوَائِهِمْ وَيَأْتِى نِعَمَ يَبْدُوْنَ بِاَهْوَائِهِمْ عَلَى اَعْمَالِهِمْ - آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم ایسے زمانے میں ہو جس میں مسلمان (دینی) اعمال کو اپنی خواہش اور حفظ نفس پر مقدم کرتے ہیں اور ایک زمانہ آنے کا جس میں مسلمان اپنی خواہش (اور نفسانی لذت) کو اعمال (دین) پر مقدم کریں گے۔ قوله فَيَعْدِلُ عَلَى اَنْدَا اَجْمَعِ حَقَّ النَّفْسِ وَاَمْرًا فِى الدِّينِ اِلَى قَوْلِهِ يَبْدُوْنَ بِاَهْوَائِهِمْ عَلَى اَعْمَالِهِمْ -

فت - وہ زمانہ بھی فتنہ تھا جس میں مسلمان اعمال دین بجا لاتے تھے گولذات نفس کے بعد ہی تھی۔ اب تو وہ زمانہ ہے جس میں لذت اور مخلوط نفس کے لیے اسکا شرمہ کو چھوڑ دیا جاتا ہے خالی اللہ المشتکی۔ اس حدیث میں صوفیاء کی دلیل ہے کیونکہ اُن کے طریق کی بنا اسی پر ہے کہ ہر کام میں دین کے پہلو کو حفظ نفس کے پہلو پر مقدم کیا جائے۔

(۲۰۰) گھر میں تعزف کی مالک عورت ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر میں تعزف کی مالک عورت ہے

ہی ہے۔ کیونکہ حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ اپنی ماں کے پاس جاؤ اور اُس کے پاس سے حضورؐ کے واسطے پانی لاؤ، اگر گھر میں حکومت اور تقرب کا اختیار محدث کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو یوں فرماتے کہ جاؤ خود گھر سے پانی لے آؤ یا کسی دوسرے کو تقرب کا اختیار ہوتا تو اُس کا نام پیتے اور یہ مشتبہ نہیں کیا جاسکتا کہ فضل بن عباسؓ نابالغ ہوں گے۔ اس لیے ایسا کیا گیا کیونکہ کنہ کا اس وقت بالغ حائل ہونا تاریک سے ثابت ہے۔ وہ حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے سب سے بڑے تھے اُن ہی کے نام پر حضرت عباسؓ ناکیت ابو الفضل تھے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ بیوی کو بھی نیک کام میں شریک کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ جب حضرت عباسؓ کی بیوی کو یہ خبر ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کے واسطے تجھ سے پانی مانگا گیا ہے تو وہ برتن کی صفائی اور پانی کی مہمائی اور شہنائی کا اہتمام کرتی جس سے اُن کو خوشی بھی ہوئی اور ثواب بھی ملا۔

قوله وفيه دليل على ان المرأة هي المقرنة فيما في البيت
ان قوله فيكون لها في ذلك اجر و مرد۔

ف۔ یہ مسئلہ دوسری حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں والمأثمرة امة
فی بیت زوجھا۔ وارد ہے کہ عورت اپنے شوہر کے گھر میں گھرنے اور حکم ہے۔
اس سے اُن لوگوں کی غلطی داخ ہو گئی جو صوفیاء اور علماء پر اعتراض کرتے ہیں
کہ ان کے گھر میں بیویوں کی حکومت ہے وہی ہر تقرب کی مالک ہیں۔ اُن کو کچھ
لینا چاہیے کہ شریعت کی تعلیم ہی ہے کہ گھر میں تقرب کا اختیار بیوی کے ہاتھ میں
اور باہر کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہو۔ نظام اسی طرح قائم ہو سکتا ہے دو عملی میں ہمیشہ
گھڑ بڑھتی ہے۔ اگر گھر کے سامان وغیرہ کا اختیار ایک کے ہاتھ میں نہ ہوا متعدد
ہاتھوں میں بٹاؤ تو کوئی بھی اپنے گونے دار نہ سمجھے گا اور جب کوئی دستے دار نہ
ہوا تو گھر کی برابری لازم ہے اور ظاہر ہے کہ مرد سے گھر کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔
اُس کو تو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کون سی چیز کہاں ہے اور کتنی مقدار میں ہے؛ اس لیے

بیوی ہی کے ہاتھ میں اس کا انتظام ہونا چاہیئے کہ وہی حفاظت پوری طرح کر سکتی ہے۔ پس گھروالوں میں جو شخص بھی کوئی چیز لے اُس سے پوچھ کر اُس کو اطلاع کر کے لے تاکہ نظام درست رہے۔ مگر یہ بھی ہے کہ بیوی میں انتظام اور حفاظت کا سلیقہ بھی ہو۔ بد سلیقہ کے ہاتھ میں تعزوت و اختیار دینا مناسب نہیں پھر مرد اپنے ہی ہاتھ میں اختیار رکھے یا اولاد میں سے جس کو ہو شیار دیکھے اُس کو اختیار سونپ دے فالعاشقانت قانتت خلعت غلب بھاحفظ اللہ میں بھی اس طرت اشارہ ہے کہ عورتیں ہی مرد کے گھر کی محافظ ہیں بشرطیکہ اُن میں صلاحیت ہو۔

فت۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عباس کی بیوی ام الفضل رضی اللہ عنہا گھر کے اندر عین محل میں نہ تھیں جس سے پردے کا ثبوت ہوتا ہے اور یہاں سے اُن لوگوں کے احترام میں کا بھی جواب ہو گیا جو پردہ کو عورتوں کی تذلیل و توہین سمجھتے ہیں اُن کو کچھ لینا چاہیئے کہ اسلام میں عورتوں کی عزت اس قدر ہے کہ گھر میں حکومت و اختیار اُن ہی کا ہے اور کسی کا نہیں اور اُن کو پردہ میں اس لیے دکھانا ہے کہ قیمتی شے کو چھپایا ہی جاتا ہے۔ دیکھو ہر شخص اپنی دولت کو چھپا کر بخوری میں اور تالوں میں رکھتا ہے تاکہ چور کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچے اور یقیناً عورت کی قدر و منزلت مال سے زیادہ ہے تو اُن کی حفاظت مال سے بھی زیادہ ہونا چاہیئے تاکہ بواہوسوں کی نگاہ اُن تک نہ پہنچ سکے۔ جو لوگ اپنی عورتوں کو بے پردہ باہر پھرتے ہیں معلوم ہوتا ہے اُن کے دل میں مال کے برابر بھی اُن کی وقعت نہیں۔ یا اُن کے نزدیک دنیا میں مال کے چور تو ہیں عورتوں کے ڈاکو نہیں مگر یہ بالکل مشاہدہ کے خلاف ہے عورتوں کے ڈاکو مال کے چوروں سے زیادہ موجد ہیں۔ جس پردہ و انصاف شاہد ہیں جو رات دن انہادوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

(۲۰۱) سوال و جواب مختصر ہونا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال و جواب میں اختصار ہی بہتر ہے بشرطیکہ مقصود واضح ہو جائے کیونکہ جب حضور سے یہ کہا گیا کہ لوگ اس پانی

میں ہاتھ ڈالتے ہیں، آپ نے اتنا ہی فرمایا استغفر اللہ! اس میں سے پانی دو دریاؤں کے
 نہیں فرمایا۔ سناں کا مطلب یہ تھا کہ اس میں گندگی کا احتمال ہے۔ مگر اُس نے بھی اس
 احتمال کو صاف صاف نہیں کیا۔ حضورؐ نے بھی صاف نہیں فرمایا کہ صاف احتمال سے کچھ
 نہیں ہوتا کیونکہ مقصود دونوں جگہ واضح تھا۔

قوله وفيه دليل على ان الاختصاص بالجواب والسؤال هو الاول
 الى قوله والله يزدحلي ذلك شيئا۔

فت۔ حضرت حکیم مامت نور اللہ مرتدؒ کے جوابات خطوط میں مختصر ہوتے تھے مگر
 کافی ثانی ہوتے تھے۔ یہ حدیث اُن کے اس حرز کی دلیل ہے مگر یہاں اختلاف نہ ہو کہ
 مقصود ہی واضح نہ ہو کہ وہ بلافت کے خلاف ہے۔

(۲۰۲) کھانا کھا کر اس جگہ سے ہٹ جانا چاہیئے حدیث سے معلوم
 پینے سے فراغت کے بعد اس جگہ سے ہٹ جانا ہی سنت ہے کیونکہ رسول اللہ
 ﷺ و سلم پانی پی کر اُس جگہ سے چل کر چاہ زمزم پر تشریف لے گئے۔ دوسرے
 (اس میں یہ حکمت تھی کہ) ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کرنا بھی اسلامی طریقہ ہے۔
 چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جس جگہ پانی پیا وہاں چند احکام بیان فرمائے۔ پھر
 دوسری جگہ تشریف لے جا کر دوسری نیکی کی۔ حالانکہ دونوں مکان بظاہر برابر تھے۔
 وہاں بھی لوگ پانی ہی پلا رہے تھے مگر آپ کا جانا ان لوگوں کو خوش کرنے کے
 لیے تھا (جو زمزم پر کام کر رہے تھے) اگر آپ اُن کے پاس نہ جاتے اُن کے
 دل شکستہ ہوتے کہ ہم اپنے کام کی وجہ سے حضورؐ کے دیدار اور شرف ہم کلامی سے
 محروم رہے (یہ بھی ہونا کہ) لوگ سقاہ کو زمزم سے افضل قرار دیتے اور
 کہتے کہ رسول اللہ ﷺ و سلم سقاہ پر تشریف لے گئے تھے زمزم پر نہیں گئے
 تھے تو آپ کا ان لوگوں کے پاس جانا دوسری نیکی تھی (جس میں چند درجہ معالجہ
 دینیہ تھی) پھر آپ کے اس ارشاد سے کہ ”کام کرتے رہو تم اچھا کام کر رہے ہو“

یہ مسکرم معلوم ہو کہ جو لوگ (اچھا) کام رہے وہوں اُن کو اس عمل پر رغبت دلانا چاہئے (اُن کا حوصلہ بڑھانا چاہئے) تاکہ وہ نشاط کے ساتھ کام کریں۔ چنانچہ حق تمنا ہے فرماتے ہیں: **وَضَلَّوْا عَنِ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ**۔ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو (اور مدد میں یہ بھی نا عمل ہے کہ اُس کام کی فضیلت بیان کی جائے جو دوسرا کر رہا ہے) مگر کام کرنے والے کی مدد کرنا اس کے غلط ہے (وہ مناسب نہیں) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے سامنے کسی نے ایک شخص کی مدد اُس کے مُنہ پر کی تھی تو آپؐ نے فرمایا قطعاً تم نے تو اُس کی کمر توڑ دی کیونکہ ذات کی مدد کرنے سے بعض دفعہ دوسرے میں عیب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہم قاتل ہے۔ کام کی تعریف میں یہ مضدہ نہیں بلکہ اس سے تو دوسرے کو عمل کی رغبت بڑھتی ہے۔ مثلاً تم کسی کو رمذہ رکھتے دیکھو تو اُس کے سامنے روزے کے فضائل بیان کر دو یا جہاد کرتے دیکھو تو جہاد کے فضائل بیان کر دو۔ جو (قرآن و حدیث میں) وارد ہوئے ہیں اس سے اُس کو اپنے کام میں تقویت حاصل ہوگی اور حضورؐ کا ان لوگوں کے کام کو عمل صالح فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تم کو اس پر ثواب ملے گا کیونکہ کسی عمل کا صالح ہونا یہی ہے کہ اُس پر ثواب مرتب ہو۔

قوله وفيه دليل على ان من السنة الافضل عند الفراغ من الشرب والاكل الى قوله فانه تها ما يترتب عليها من الثواب۔

فت۔ کھانے پینے کے بعد اس جگہ سے ہٹ جانا اس لیے سُنت ہے تاکہ دوسروں کو معلوم ہو جائے کہ بس کھاپی پُچھے وہیں جم کر بیٹھنے سے شبہ ہو گا کہ شاید ابھی نیت نہیں بھری کچھ کسر باقی ہے اور اگر اپنا گھر نہیں اور دوسرے کا گھر ہے تو وہاں ہم کر میٹھا رہنے سے اُس کے کاموں کا حرج ہو گا۔ لیکن ہے اب اُس کے گھر والے اسی جگہ کھانے کا ارادہ رکھتے ہوں تمہارے بیٹھے رہنے سے اُن کو تکلیف ہوگی۔ البتہ اگر اپنا گھر ہے اور وہ جگہ تمہارے بیٹھنے کے واسطے مخصوص ہے وہاں سے اپنی پی کر ہٹ کر ضروری نہیں۔ کیونکہ وہاں سے ہٹ کر پھر اُسی جگہ آؤ گے جب کہ وہ جگہ

بیٹھے ہی کے واسطے مخصوص ہے۔ قرآن میں ولذالطعمتم فانتشروا (جب کھانا کھا چکو تو پھیل دو) دوسرے کے گھر کے متعلق ہے۔ البتہ اگر گھر والا کھانے کے بعد بھی روکنا چاہے تو پھر وہاں بیٹھے کا مضافہ نہیں کیونکہ اب اُس کے حرج اور تکلیف اور اندیشہ نہیں رہا اور حدیث میں پانی پنی کر ہٹ جانا اسی جگہ کے متعلق ہے جہاں اور لوگ بھی پانی پینے آتے ہیں۔ ایسی جگہ یہی چاہیئے کہ جوں چمکے وہ دوسروں کے لیے جگہ خالی کر دے۔ یہ آداب معاشرت ہیں جو مسلمانوں کے گھر کی دولت ہے۔ مگر انہیں اب مسلمان اس سے بالکل بے خبر ہیں کہ اُن کی شریعت نے معاشرت کے متعلق کیسے عجیب و غریب اصول بتلائے ہیں۔

ف۔ ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کرنا یہ بھی اسلامی اصول ہے تاکہ انسان برابر ترقی میں رہے۔ مونیاء کو اس کا خاص اہتمام ہے۔ نوج کل کے مونیاء کو بھی اس سے سبق لینا چاہیئے۔

ف۔ کسی کی تعریف سنانے کرنا منع ہے جبکہ اُس میں عجب پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ بچے تعریف کرنا منع نہیں کہ اس سے محبت و اتفاق بڑھتا ہے۔

(۲۰۳) اگر کسی مستحب پر مضد مرتب ہونے کا اندیشہ ہو اُسے ترک کر دیا جائے

جو کام فرض نہ ہو بلکہ مستحب ہو اور اُس کے کرنے پر کسی مضدہ کے مرتب ہونے کا اندیشہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ لوگ تجھے یہ کام نہ کرنے دیں گے تو اس کا جھڑ دینا جائز ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کے هجوم کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اپنی گردن پر دھتی رکھ کر مذہم کا پانی کھینچتا (اور لوگوں کو پلاتا) یعنی آپؐ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ لوگ آپؐ کو ایسا نہ کرنے دیں گے۔ دھتی کھینچنے کے لیے سب ٹوٹ پڑیں گے۔ پھر ممکن ہے ہجوم سے کسی کے جھوٹ لگ جاتی۔ قولہ دینہ جواز ترک العمل مالم یکن فضاالی قولہ فیہ اذی۔

ف۔ مونی، محققین کا اس پر پورا عمل ہے کہ تم دیکھو گے اُنہوں نے سماع مباح کو اس لیے ترک کر دیا کہ اُس میں مفاسد کا خطرہ ہے۔ چنانچہ بزرگوں کے سماع مباح کے واقعات سُن کر لوگوں نے منزا میر و معارف کے ساتھ سماع شروع کر دیا۔ اور صوفیاء حشیتہ کو بدنام کرنے لگے کہ اُن کا سماع ایسا ہی تھا حالانکہ وہ اُس کی حرمت کی تصریح کر رہے ہیں اور سماع مباح کے لیے سخت شرطیں بیان کرتے ہیں جن کی رعایت آج کل کہاں ہے؟ اسی طرح محققین صوفیاء نے اپنے بزرگوں کا عرس بھی موقوف کر دیا کہ لوگوں نے اُس کو آمدنی کا ذریعہ بنا لیا ہے اسی طرح توجہ کا حلقہ بھی موقوف کر دیا کہ آج کل اس میں منافع سے زیادہ مفاسد ہیں۔

(۲۰۴) اہل برکت سے برکت حاصل کرنا چاہیئے کیا اہل برکت سے برکت حاصل کرنا مطلوب ہے۔ کیونکہ لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کو اسی لیے تو پہنچنے کے اُن کو آپ کے ساتھ گھنے سے برکت حاصل کرنے کا شوق تھا لہذا وہ ہے کہ جب کریم اپنے محبوب کا مل قبول کرتا ہے اس کے ساتھ شریک ہونے والوں کو بھی محروم نہیں کرتا اور کیسے محروم کر دیں وہ تو خود فرماتے ہیں ہمد القدر لا یشق جلیسہ۔ یہ وہ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا۔ جب پاس بیٹھنے کا یہ ثمرہ ہے تو کسی مل میں اُن کے ساتھ شریک ہونا کیا کچھ ہو گا؟ (اور حدیث میں اس شوق و رغبت پر انکار نہیں کیا گیا صرف یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کے اس شوق کی وجہ سے صحابہ اپنا شوق پورا نہ کر سکیں گے اور ہجوم سے کسی کی تکلیف کا بھی خطرہ تھا) اور یہاں سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بزرگوں سے اس اُمید پر ہر حالت میں ملنے ملنے کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ اُن سے فضل سے کچھ حاصل جلتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اُن کو رحمت ہی رحمت بنا دیا ہے ہم کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کو غنیمت سمجھیں اور اہل فضل سے لیکن حاصل کرنے میں کوتاہی نہ کریں مگر اس کا لحاظ رکھا جائے کہ کسی کو یا اُن کو ہجوم سے اپنا نہ پہنچنے والا وہ خود اس

کا اہتمام کریں گے کہ جہنم نہ ہونے پائے۔ جیسا واقعہ حدیث میں حضورؐ نے جہنم سے بچنے کے لیے اُس عمل کو چھوڑ دیا جس کا ارادہ کیا تھا، اسی لیے مؤلف کا درجہ دوسروں سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے سے اچھا لگاں رکھتے ہیں (ہر ایک دوسرے سے فیض حاصل کرنے کا حجاب ہوتا ہے) میں اُنہیں کہ ایک بستی میں حبس کا نام جنتی ہے جو بابرکت زندگی شیخ ہوا استحقاق کا وطن ہے اللہ تعالیٰ اُن سے امثال سے نفع پہنچانے لگا تو وہاں یہ دستبرد دیکھا کہ جب کسی کے تعلق کسی سے دریافت کیا جاتا کہ فلاں صاحب کہاں ہیں تو ہر شخص اس طرح جواب دیتا کہ سید ع فلاں نعم اللہ علیہ فی المواضع الغلانی۔ وہ ہمارے سردار اللہ اُن سے نفع پہنچانے لگا تو غلانی جگہ پر ہیں۔ یہ تو غائبانہ تعلیم کا حال تھا (کسی کا نام بھی بدوں سنی اور طبع اللہ بہ کے نہ لیتے تھے) مگر سامنے بجز سلام شرعی کے کچھ نہ تھا اور اگر اُس کو پکارتے تو نام لے کر پکارتے اور (سنیدی وغیرہ) کچھ نہ بڑھاتے۔ میں نے مدت تک اپنے قیام کے زمانہ میں سب کا یہی برتاؤ دیکھا۔ اور اس میں خدا بھی تغیر نہ آیا۔

قوله وفيه دليل على طلب التبرك بالمبادي من ان قوله بعد يفيض واعنه۔

ف۔ شاید کسی کو اس جگہ یہ خیال ہو کہ یہ لوگ بڑے بد تغیر تھے کہ اپنے بزرگوں کو نام لے کر پکارتے تھے تو اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اہل عرب اس کو بد تغیری شمار نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے بادشاہوں کو بھی نام لے کر پکارتے تھے۔ مکہ میں شریف میں مرہم کے زمانے تک یہ دیکھا گیا کہ اہل عرب اُن کو یا شریف میں کہہ کر پکارتے تھے۔ اب بھوری قوموں کی دیکھا دیکھی اُن میں بھی مختلف آگیا اور جلالت الملک کہہ کر بادشاہ سے بات کرتے ہیں مگر میری علم کی برابر مختلف نہیں آیا۔ اصل تہذیب یہی ہے کہ نیچے تعلیم کی جائے۔ دوسرے کے سامنے اپنے بزرگوں کو تعظیمی الفاظ سے یاد کریں۔ سامنے تعظیمی الفاظ سے خطاب کرنے میں ایک قسم کی اجنبیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے قدیم اہل عرب اپنے بزرگوں کے سامنے بے شکوت بات کہتے زیادہ تعظیمی الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ چھپے کسی کے سامنے نام لیتے تو بت تعلیم سے لیتے تھے۔

بہارِ گلِ معاذ برعکس ہے کہ سامنے تو بہت نصیحتیں ہیں اور پیچھے اعتراض ہے۔ البتہ اہلِ جنت سامنے اور پیچھے یکساں رہتے ہیں مگر آئے گلِ اہلِ جنت کہاں؟ تعینِ ماہم: آئے گلِ تو اکثر اہلِ غرض ہیں۔ الاما شاد اللہ۔

فت۔ ہمارے اکابر بھی یہی طرزِ تھا کہ جس مستحبِ کام سے لوگوں کا ہجوم زیادہ ہوتا اُس کو چھوڑ دیتے تھے۔ کیونکہ ہجوم میں پریشانی بہت ہے۔ اُنے دلوں کو بھیادِ خود کو بھی۔ اسی لیے حضرت حکیم الامتؒ بعدِ وعظ کے معافیت گھبراتے تھے کہ اس میں ہجوم بہت ہوتا تھا۔ پھر اس مستحب کے بہتہ میں کسی کی تکلیف کا خیال ہوتا ہے نہ راحت کہ بعض لوگوں کے چوٹ لگ جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت نے ترلوہِ یک میں قرآن سُنانا بھی اسی لیے چھوڑ دیا تھا کہ حضرت کا قرآن سُنانے کو لوگ دُور دُور سے آتے تو خانقاہ میں ہجوم بہت ہو جاتا تھا آخر عمر میں کھتم قرآن مگر بد کرتے تھے۔

(۲۰۵) اشارہ کنایہ سے بات کرنا خلافتِ تہذیب نہیں۔ حدیث سے اشارہ سے بات کرنا بھی جائز ہے اور یہ عیب میں داخل نہیں۔ نہ بزرگی کے خلاف ہے نہ اُس سے بزرگوں کے درجہ میں کوئی نقصان یا حیل واقع ہوتا ہے نہ اس میں کوئی اعتراض کی بات ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے اپنی گردن مبارک پر اشارہ فرمایا اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتبارِ معافی کا ہے۔ الفاظ کا نہیں اور اس میں اہلِ اشارات کی دلیل ہے۔ یعنی حضراتِ موفیاء کی کہ وہ بھی اپنے کلام میں اشارات استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اشارات ہی سے غنی اور نازک بات کو سمجھنا چاہیئے (جس سے مخالف تو مطلب سمجھ جاتا ہے اور نا اہل کو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اہل کو ان باتوں سے دُور ہی رکھنا چاہیئے)۔ وفیہ دلیل علیٰ انکسار۔ بالشدتِ الحق قولہ وان الا بلاغ فیہا فیما غنی وحق۔

فت۔ حدیث میں تو اشارہ محسوس پر ہے مگر اس سے معافیہ دقیقہ پر اشارہ بھی جائز ہو گیا کیونکہ اصل غلت میں اشتراک ہے اور صوفیہ دیکھے اشارات کی دلیل

محبوب سے جو۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کف باعبادۃ
شفہ (منان کے لیے) عبادت کا شغل کافی ہے (اس شغل کے ساتھ دوسرے اشغال
جمع نہیں ہو سکتے) کیونکہ اس کی وہی حالت ہوتی ہے جو دنیا میں تاجر کی ہوتی ہے۔
جس طرح اس کو ہر وقت مال کے بڑھانے کی دُمن ہوتی ہے اسی سوچ اور فکر میں
رہتا ہے کہ کس طرح مال کو بڑھایا جائے۔ اسی طرح اہل معاملات کی حالت اپنے سوتی
کے ساتھ ہے۔ اُن کو بھی عبادتِ حق کے ہوا کوئی شغل نہیں نہ اُس کے بغیر اُن کو چین
آتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ جس اُنکے نے آپ کو نہیں دیکھا اُس نے
کسی دل خوش کرنے والی چیز کو نہیں دیکھا اور میں اُنکے نے آپ کو دیکھ لیا وہ کسی
ناگوار چیز کو نہ دیکھے گی۔ آپ کی بھلی جلال (کائنات ہمارے) اُس کی کسر کو پورا کر دیتا ہے
(یعنی کسی ناگوار چیز کے دلچنے سے اگر طبی ناگواری ہوتی بھی ہے تو اس میں بھلی جلال
بھی تو ہوتی ہے اور آپ کی ہر بھلی محبوب ہے خواہ بصورتِ جمال ہو یا بصورتِ
جلال ہو سچ۔

اُن کو آتا ہے پیار پر فتنہ ہم کو فتنہ پر پیارا آتا ہے
جیسے آسمان کی بارش زمین کی خشکی کو دُور کرتی ہے (تو اُس کی گرج اور کڑاک
سب ہی گوارا ہوتی ہے اسی طرح بھلی جلال سے زمینِ قلب کو مجزہ گوارہ شامانی
نصیب ہوتی ہے وہ ظاہری ناگواری کو گوارا بنا دیتی ہے، قسم ہے آپ کے علم کی
حرمت کی جس کے سامنے میرا ضعف ظاہر ہے کہ آپ کا لطف ہی میری ہرجالی کی
شکستگی کو جوڑنے والا ہے۔ قولہ وھما بحث وھولہ قال لاھل فمزہ
اعملوا الی قولہ جبر لرحب جالھا۔

ف۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ مَوْنِا، ہشتیہ ذکرِ جبر کی تعلیم دیتے ہیں۔ بعین
و فتنہ تبیع ہاتھ میں رکھنے کی کہتے ہیں حالانکہ ذکرِ تو اہستہ بھی ہو سکتا ہے بدون
تبسح کے بھی ہو سکتا ہے تو یہاں اظہار سے اخفاء افضل ہونا چاہیئے جواب یہ
ہے کہ اگر ذکر سے ثواب ہی مقصود ہو تو یقیناً ذکرِ غنی ذکرِ جبر سے افضل ہے بھروسے مواتع

کے جہاں شریعت نے جہر مشروع کیا ہے، لیکن حبشہ ذکر ہر معنی ثواب کے لیے نہیں بتلاتے بلکہ ذکر کو قلب میں پوسٹہ کرنے کے لیے بتلاتے ہیں اور تجربہ ہے کہ یہ مقصود ہر دن جہر کے جلدی حاصل نہیں ہوتا جیسے ایک شخص قرآن حفظ کرنے کے واسطے سبق یاد کر رہا ہو تو اس کا مقصود محض ثواب نہیں بلکہ ثواب کے ساتھ حفظ کرنا بھی مقصود ہے تو وہ اخفاء کے ساتھ سبق یاد نہ کرے گا بلکہ جہر سے کرے گا۔ کیونکہ آہستہ پڑھنے سے یاد نہیں ہوتا یا بہت دیر میں ہوتا ہے۔ پس نفس جہر میں خود کوئی ثواب نہیں جبکہ شرفاً جہر کا امر نہیں بلکہ وہ ذکر کو دل میں پوسٹہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور ذکر کا دل میں جہانا مطلوب و محمود ہے تاکہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلعت نہ ہو اور قاصر ہے کہ مطلوب کا مقدمہ بھی مطلوب ہوتا ہے اس طرح یا بواسطہ جہر بھی محمود اور موجب ثواب ہو گیا۔ جیسا حفظ کرنے والے کا جہر محمود اور موجب ثواب ہے اسی طرح تسبیح یا تہ میں رکنا خود کوئی ثواب کا کام نہیں بلکہ وہ دل کے لیے مذکر ہے۔ تسبیح یا تہ میں پہننے سے قلب ذکر یا مذکور کی طرف متوجہ رہتا ہے اور توجہ الی اللہ مطلوب ہے تو اس کا مقدمہ اور ذریعہ بھی بواسطہ مطلوب ہو جائے گا۔ محبوب سمجھ لو۔

ف۔ درس و تدریس اور وعظ و تقریر اور تحریر وغیرہ میں نیت درست کرنا ضروری ہے تاکہ ثواب سے محروم نہ ہو۔ درس و تدریس اور وعظ وغیرہ میں تبلیغ احکام کی نیت کی جائے مگر ان کاموں کے لیے ملازمت کی جائے تو محض تنخواہ کی نیت نہ کی جائے کہ وہ تو برمال میں ملے گی۔ نیت یہ کی جائے کہ میں دین کی اشاعت اور تبلیغ کے واسطے یہ کام کر رہا ہوں اور تنخواہ اس واسطے یتا ہوں تاکہ دل جمعی اور بے فکری سے اس فرض کو ادا کر سکوں۔



باب ہشت دیک

حدیث

تقدیم صلوٰۃ الفجر بالمزملۃ یوم النحر

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نماز بے وقت پڑھتے نہیں دیکھا سوا دو نمازوں کے ۔ آپ نے (مزدلفہ میں) مغرب و عشا کو جمع کیا اور فجر کی نماز بھی وقت سے پہلے پڑھی اور یہ حج کے موقع پر ہوا ۔

شرح ظاہر حدیث سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں اپنے وقت پر شمع نہیں ہونیں مگر واقعہ میں ایسا نہیں کیونکہ مغرب کی نماز تو عشا کے وقت میں پڑھی گئی تھی لیکن فجر اپنے وقت پر ادا کی گئی مگر چونکہ اُس دن حضورؐ نے نماز فجر صبح ہوتے ہی پڑھی تھی جو آپ کی عادتِ معروفہ کے خلاف تھا تو صحابہ نے اُس کو بے وقت کہہ دیا مطلب یہ تھا کہ جس وقت کی عادت تھی اس سے پہلے نماز پڑھی (جس سے خفیہ نے استدلال کیا ہے کہ حضورؐ کی عادت نماز فجر میں اسفار کی تھی اور وہ جو بعض عادت میں آیا ہے کہ آپ فجر کی نماز ظہر میں پڑھتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ اسفار نہ کرتے تھے بلکہ ایسے وقت نماز پڑھتے تھے کہ مسجد کا اندرونی حصہ میں تاریکی اور بیرونی حصہ میں روشنی ہوتی تھی)۔

(۲۰۷) مسائل دینی کا تذکرہ مگر اسی دین ہے اگرچہ مسئلہ مشہور ہی

کیوں نہ ہو کہ نبی دین ہے۔ اگرچہ حکم کا ہر جو سب کو معلوم ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نادر کی کیفیت مشہور تھی آج تک بھی اسی کے موافق عمل ہو رہا ہے مگر پھر بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ کیا۔ نہیں بعض بزرگوں سے ملا ہوں جو علم و عمل میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ جب کبھی وہ کسی مجلس میں جمع ہوتے تو ان کی بات بہت مسائل دین ہی میں ہوتی تھی وہ بھی مشکل مسائل میں نہیں نہ باطنی حالت میں گفتگو ہوتی تھی اس کے سوا اور کوئی بات نہ کہتے تھے۔ اسی طرح صحابہ اور سلف صالحین سے منقول ہے کہ وہ جب آپس میں ملے تو کتنے آؤ کچھ دیر ایمان کی باتیں کریں یعنی مسائل دین میں گفتگو کریں۔ کیونکہ دنیا کی ہر چیز کی حالت یہ ہے کہ اُس میں جب زیادہ گفتگو ہوتی ہے تو بعض وقت دل آگتا جاتا اور ہر ریتان اور تنگ ہو جاتا ہے۔ مگر ایمان اور اُس کے فروغ اور اہل ایمان کے حالات میں گفتگو سے اہل تحقیق کے نزدیک ایمان بڑھتا ہے (اس لیے وہ کسی وقت بھی اس سے دل تنگ نہیں ہوئے) جیسے علم کو مٹنا بھی خراب کر دیتا ہے اسی ہے علم کے بڑا دوسری چیزوں کو خراب کر دینا تو وہ ٹھنی ہے۔

پس تم ایسا اُس اعلیٰ (اور سرمایہ) کے لئے جو خراب کرنے سے بڑھتا ہے ترقی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اُس سے فائدہ اور فتنہ حاصل ہوتی ہے اور تمہارا سرمایہ ذرا بھی کم نہ ہو۔ اسی لیے بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ علم ربانی علیہ ہے۔ علماء تم کو ایک چیز چوری کی چوری دے دیتے ہیں اور ان کے خزانے میں اس سے کچھ کمی نہیں آتی۔ کیونکہ جب کوئی تم کو علم دیتا ہے تمہارے پاس اُس کے علوم و معارف سب ہی آجائے جیہ مگر اُس کے پاس جو علم تھا اُس میں کمی نہیں آتی بلکہ اُس میں ایک نئی قسم کی ترقی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ علمی تذکرہ سے خود عالم کو بھی پہلے سے زیادہ فتنہ ہو جاتا ہے اور ثواب زیادہ ملے گا۔ اہم رہا جو سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ قولہ فضیہ دلیل علیہ علیہ المدین ذکر العلم فی الدین الی قولہ الذی ہو خیر من المال۔

فت۔ مونیاد اور علماء کو چاہیے کہ اپنی مجلسوں کو علمی و اصلاحی تذکرہ سے خالی نہ رکھیں
سلط کا طریقہ یہی تھا۔ آج کل بعض علماء کی حالت یہ ہے کہ ان کی مجلس میں بجز بوجہ
اُدھر کے قصوں یا سیاسی جھگڑوں کے اور کچھ نہیں ہوتا یہ حالت تنزل وین کی علامت ہے
عارف کا تو یہ حال ہونا چاہیے ۔

ماقتضیٰ سکندر و دانا نہ خواندہ ایم

از ما بجز حکایت مرود و خامہ پر کس

ہم نے اپنے اکابر کی مجلسوں میں بجز علمی و اصلاحی گفتگو کے فضول قصے نہیں دیکھے الا
تلاؤا والناور کا لعل و نور ۔

(۲۰۸) روایت ہی سے قطع تجت اور تسلی کامل ہوتی ہے یہاں سے یہ

بھی معلوم ہوا کہ احکام دین کا روایت کرنا خصم کی حجت کو زیادہ قلع کرنے والا ہے ۔
اگرچہ اُس پر علم نہ ہو رہا ہو اور سب کو اس کا علم ہو کیونکہ روایت ہی سے تو یہ
معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اسی طرح تھا جس طرح
عمل ہو رہا ہے ۔ پھر ایک دوسرے سے نقل در نقل ہوتا ہے گا تو ساری اُست کو
قیامت تک یہ علم ہوتا ہے گا، اگر امام عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان
نہ فرماتے اگرچہ عمل اُس کے موافق ہو رہا ہے تو ہم کو کس طرح یقین ہوتا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کوئی مخالفت اگر اس کا انکار کرتا تو ہم اُس کو کیا جواب
دیتے یا خود ہمارا دل حقیقت حال پر مطلق ہونا چاہتا تو کیونکر تسلی ہوتی ؟ کسی نے خوب
کہا ہے کہ دین میں کوشش کرتے رہو اور اُس کو بدو نہ کسی اصل کے نہ لو اور وہ
کتاب اللہ ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک ثقہ دوسرے ثقہ سے روایت
کرتا ہے اور اجماع اور قیاس بشرطیکہ تم شرعاً قیاس سے متعت ہو اور ان کے
سوا پانچواں کوئی طریق مستند نہیں ۔ قولہ وحیدہ من الفقہ ان دوایتہ
الی قولہ لیس طریقہ بالعدل ۔

ف۔ یہاں سے صوفیاء زمانہ کو سبق لینا چاہیے جو علم کتاب و سنت و اجماع و قیاس حاصل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو علم شریعت ہے اور ہمارا علم طریقت سینہ بہ سینہ ہے۔ ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ سینہ بہ سینہ بجز نسبت باطن کے کچھ نہیں اور نسبت باطن بدون علم و عمل کے حاصل نہیں ہوتی اور علم احکام سینہ بہ سینہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے۔ بزرگوں کا ارشاد ہے۔

ما اتخذ الله من دلی جاہل۔ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو دلی نہیں بناتے اور جن صوفیاء کو ان پڑھ کہا جاتا ہے وہ جاہل نہ تھے بقدر ضرورت علم دین ان کو حاصل تھا خواہ کن پور سے یا محبت علماء سے۔ اس کے بعد ہی ان کا عمل کامل ہوا اور عمل کامل سے نسبت باطن ان کے قلب پر فائز ہوئی۔ پس جو عمل کسی آیت یا حدیث یا اجماع یا قیاس سے ثابت نہ ہو اس کو رد کیا جائے گا احکام اللہ سینہ بہ سینہ حاصل نہیں ہو سکتے اور یہاں سے ان علماء کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو بدون شرط قیاس کے اپنے کو مجدد سمجھ بیٹھتے ہیں۔ قیاس کے لیے علاوہ دیگر شرائط کے ایک بڑی شرط کمال ذوق عربیت ہے کیونکہ قرآن کریم عربی فصیح معجز میں نازل ہوا ہے۔ جس کو سب سے زیادہ سمجھنے والے وہی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قریب تھے کہ اس وقت تک ذوق عربیت پوری طرح محفوظ تھا۔ تفسیر سلف کو چھوڑ کر آج کل جو نئی نئی تفسیریں قرآن کی کی جاتی ہیں یقیناً تحریف میں داخل ہیں۔

ایک مفسر کا رد جس نے واقعہ معراج میں تحریف کی ہے چنانچہ اس

ایک مفسر نے صبح النذع اسری بعد کا لیل من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ معراج جبرائی نہ تھی نہ محض خواب تھا بلکہ ایک مدیانی کیفیت تھی جو نبوت کے ساتھ متفق ہے جس کی حقیقت ہم بیان نہیں کر سکتے۔ مگر اس کو یہ مغل مد آئی کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج کو تکہ والوں کے سامنے بیان کیا اور ان آیات کو پڑھا اُس وقت

اہل مکہ نے اُس سے کیا سمجھا تھا؟ یقیناً سب نے قرآن کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے معراجِ جہانی ہی سمجھا تھا اسی لیے تو استنراء کیا۔ اور منہمک اُڑایا اور بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا اور اُن قافلوں کا حال پوچھا جو مکہ سے شام کی طرف گئے تھے اور جس وقت حضرت ابوسفیانؓ سے ہرقل نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کے بسے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہوا صائب الرائی۔ فیما غیر انا انکرنا ہذا شیئاً کہ وہ بڑے صائب الراءے ہیں لیکن اُن کی ایک بات ہم کو اوپری معلوم ہوئی پوچھا وہ کیسے؟ کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات مکہ سے بیت المقدس گیا وہاں سے آسمانوں پر گیا پھر صبح سے پہلے گھر واپس آگیا۔ یہ بات ہماری عقل میں نہیں آئی اس پر بیت المقدس کے پادری نے کہا کہ وہ پتا کہتے ہیں مجھے وہ رات معلوم ہے جس میں وہ بیت المقدس تشریف لائے تھے۔ تفصیل کے لیے علامہ ابو سیرۃ علیہ وغیرہ غرض تو اس سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام مشرکین نے جو قرآن کے اہل مخالف تھے قرآن سے اور رسول اللہ کے بیان سے معراجِ جہانی ہی سمجھا اسی وجہ سے انکا کیا اسی لیے نہ نانات دریافت کئے مگر معراجِ جہانی کا دعویٰ نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی فرمادیتے جو اربع چودھویں صدی کا نیا مفسر کہتا ہے کہ معراجِ جہانی کا مجھے دعویٰ نہیں بلکہ یہ ایک خاص کیفیت ہے جو نبی کے ساتھ متعلق ہے تم اس کو نہیں کہہ سکتے؟ آپ کو بیت المقدس کا نقشہ بتلانے اور قافلوں کی حالت بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دُنیا جانتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر کو لقب صدیق اُسی دن دیا گیا جب انہوں نے معراج کی تصدیق کی جبکہ بہت سے منصفاء اس بات کو سن کر مرید ہو گئے تھے۔ اگر اس نئے مفسر کی تفسیر کو صحیح مان لیا جائے تو اُس کی تصدیق میں کچھ بھی کمال نہ تھا نہ منصفاء کو مدعا کی فوہت آنے کی کوئی وجہ تھی۔ نہ مشرکین کو حزن اور منہمک کا کوئی موقع تھا۔ مگر خدا ناس کرے اس مرحوبیت کا کہ آج کل بدعبدوں کے احقر اُراض سے غور وہ بوکر مسلمانوں کے نئے مفسر قرآن ہی کو بدسنے لگے اور اُس میں ایسی تحریکیں کرنے لگے جو قواعدِ عربیت کے خلاف اور اہل عرب کی فہم سے بہت دور ہیں۔

باب ہشت و دوم

حدیث

الصدقة بجلال البدون وجلودها

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اُن اونٹوں کی جھولوں اور کھالوں کو صدقہ کر دوں جو (حج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) قربانی میں نحر کئے گئے تھے۔

تشریح: ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ قربانی کے اونٹوں کی جھولوں اور کھالوں کے صدقہ کا تشریح حکم کیا گیا۔ اس پر چند سوالات ہیں ایک یہ کہ یہ امر وجوب کے لیے محتاج یا استحباب کے لیے؟ دوسرے حضرت علیؑ کے اس بات کے بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ تیسرے اس میں کیا حکمت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اس حکم کے لیے مخصوص کیا؟

پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ امر استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں۔ کیونکہ خود قربانی کے گوشت کا صدقہ کرنا واجب نہیں جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے تو جھول اور کھال اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کو اس لیے بیان کیا کہ یہ مشہور معلوم ہو جائے کہ صدقہ کہنے میں کسی کو نائب بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ حضرت صحابہؓ کو اس سے خاص فرحت اور فخر ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن

کو کسی بات کے ساتھ خاص طور سے خطاب فرمائیں۔ دیکھو حضرت علیؑ کو اپنے سب ناموں میں زیادہ محبوب ابو تراب تھا کیونکہ یہ کنیت حضورؐ نے دی تھی۔ نیز حکم کی پہنچ بھی مقصود ہے کہ یہ مسئلہ کسی کے واسطے نہیں بلکہ میں نے بلا واسطہ حضورؐ سے سنا ہے اور بذات خود اُس کو معلوم کیا ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وسلم نے حضرت علیؑ کو اس حکم کے ساتھ اس لیے مخصوص فرمایا کہ اُن کو علم زیادہ تھا اگرچہ حضرت خلفہ سبھی علماء تھے۔ لیکن حضرت علیؑ کو وجہ خیر میں سے اس خیر میں فضیلت حاصل تھی چنانچہ رسول اللہ ﷺ وسلم کا ارشاد ہے انا حدیثہ العلمہ وعلیٰ بابہا میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ نیز یہ بھی وجہ تھی کہ حضرت علیؑ کو حضور ﷺ وسلم نے اپنی قربانی کے اوتھوں کے نحر کرنے میں نائب کیا تھا۔ (کیونکہ آپؐ نے سواؤتھوں میں تزییٹہ تو خود اپنے ہاتھ سے نحر کئے تھے بقیہ کو حضرت علیؑ کے سپرد کیا تھا کہ وہ نحر کریں تو کھانوں اور جھولوں کے صدقہ میں بھی اُن ہی کو نائب کر دیا گیا۔ هذا خذہ ما ذکرہ الشادح لطف شرحہ)

(۲۰۹) اگر کسی کو کسی دینی کام میں نائب کیا جائے تو عالم اور

قربت دار کو مقدم کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ قربانی اور صدقہ وغیرہ میں (اگر کسی کو نائب کرنے کی ضرورت پڑے تو) مستحب یہ ہے کہ کسی عالم کو نائب کیا جائے کہ یہ بھی قربت کو کافی کرنے والا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نیک کام واجب نہ ہوں اُن میں مستحب یہ ہے کہ ضرورت نیابت کے موقع پر اپنے عزیز قریب کو حکم دیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کو نحر چری اور صدقہ جہول و جلود کا حکم دیا کیونکہ وہ حضورؐ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ اس نیابت سے اُن کو خوش کرنا مقصود تھا اگر حضورؐ کسی دوسرے کو اس صدقہ کا حکم دیتے تو احتمال تھا کہ اُن کی خاطر میں تغیر پیدا

ہو جاتا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنی طرف سے عہدہ وغیرہ میں نائب کر دیا تاکہ اُن کا دل خوش ہو جائے اور شکستہ نہ ہو۔ قولہ ویترب علیہ من الغنہ انہ المندوب فی النیابة الی قولہ ادغال سرہ و جب قلب -

ف - یہ نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی معاملہ میں تھی اور ذاتی معاملہ ہی میں اہل قرابت کو مقدم کرنا مستحب ہے جبکہ اُن کو علم بھی زیادہ ہو پس اس سے مسئلہ خلافت میں تقدیم پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ حضور کا ذاتی معاملہ نہیں بلکہ عام مسلمانوں کے متعلق ہے اُس میں اسی کو تقدم ہو گا جسے عام مسلمان مقدم کریں اور یہ بدیہی مسئلہ ہے جس میں زیادہ بحث کی اصلاح ضرورت نہیں۔ ایک عقلم پر ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرات خلفاء راشدین کی خلافت جس ترتیب سے واقع ہوئی ہے وہی میں حکمت اور ضرورت کے موافق تھی۔

(۲۱۰) **حسن معاشرت** یہ ہے کہ جس نے کام شروع کیا ہو اُسی سے

ختم بھی کرایا جائے۔ ایک وجہ حضرت علیؓ کو اس حکم کے ساتھ مخصوص کرنے کی یہ تھی تھی کہ حسن صحبت (اور حسن معاشرت) کا مقتضایہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کو شروع کرے اُس کی تکمیل بھی اُسی کے ہاتھوں سے کرانی جائے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو میں کی طرف بھیجا تھا کہ میں سے قربانی کے اُونٹ لیں (چنانچہ وہ اپنے ساتھ لے کر آئے اور سچ کے موقع پر تگہ پہنچے) تو حسن صحبت کے قاعدہ سے اُن ہی کو آپ نے بقیہ فتنہ بالی میں نائب کیا اور اُن ہی کو کمالوں اور جھولوں کے تصدیق میں نائب کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ میں محبت کی رعایت کرنے والا کون ہے ؟

وخی وجہ من حسن المعبة الی قولہ ومن احسن مجتہ

من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -

ف - جب اس قدر میں وجہ نیابت متعدد ہو سکتے ہیں تو کسی ایک وجہ پر نہیں

نہیں کیا جاسکتا۔ پس اس سے مسئلہ خلافت میں تقسیم پر استدلال نہیں ہو سکتا اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

ف۔ بحسب محبت و ادب معاشرت بھی دین کا بڑا اہم شعبہ ہے جس کی طرف سے آج کل بہت غفلت ہے اور تعجب تو یہ ہے کہ اس کے آداب کو قرآن و حدیث سے علما بھی کم سمجھتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے تجدیدی کارناموں میں یہ بھی بڑا کارنامہ ہے کہ آپ نے دین کے اس باب کو زندہ کیا اور اس کی تعلیم و تلقین میں بڑا اہتمام فرمایا۔

(۲۱۱) فتوحات النبیہ کو بیان کرنا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ جب امیر غیر کو مفتوح فرما دیں تو اس کو بیان کرنا چاہیئے بشرطیکہ اس میں اپنے کسب و اختیار کو دخل نہ ہو (معنی وہب و فضل ہو) کیونکہ جن امور میں کسب و اختیار کو دخل ہے اُن کو بیان کرنا تو اپنا ترکہ (اور اپنے منہ سے اپنی تعریف ہے اور اس سے) حق تعالیٰ نے (منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد) فرمایا ہے فلا تزکوا انفسکم (اپنی تعریف خود نہ کرو) اور جو امور محض وہب و فضل سے حق تعالیٰ نے عطا فرمائیں اُن کا بیان کرنا شکر میں داخل ہے بشرطیکہ نیت طلب جاہ سے سالم ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المتحدث بالنعمہ شکر نعمتوں کا بیان کرنا بھی شکر ہے اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں لئن شکرتم لا زید لکم اگر تم شکر کرو گے تو میں تم (پر اپنی نعمتوں) کو بڑھاتا ہوں گا۔

دیکھو حضرت علیؑ نے (اس حدیث میں) یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صدقہ کا امر فرمایا (جس میں اس نعمت کا ذکر ہے کہ حضورؐ نے محض وہب و فضل سے اُن کو اس حکم کے ساتھ مخصوص فرمایا) پھر ساتھ ہی یہ بھی بتلادیا کہ (اس کے بعد) مجھ کو انہیں نے کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے کیا جس میں دعوئے اور ترکہ سے برأت کا اہتمام ہے۔ جیسے کوئی کسی کو صدقہ کرتے ہوئے دیکھے اور وہ

کہہ دے کہ یہ صدقہ واجبہ ہے (نافذ نہیں) اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس میں میری تعریف کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ حضرات صحابہ اور پہلے زمانے کے مسلمانوں کے نزدیک واجبات کا ادا کرنا تعریف کا سبب نہ تھا کیونکہ واجب کا ادا کرنا تو لازم ہے اور واجبات کے ادا کرنے میں سب ہی لوگ برابر تھے (اُس زمانہ میں فرائض و واجبات کو کوئی نہیں چھوڑتا تھا تو اس میں تعریف یا کمال کچھ نہ تھا) اسی لیے بعض عابدین نے فرمایا ہے کہ خدا اس کی صلۃ کو جزائے خیر نہ دے۔ انہوں نے (خود تو نماز چھوڑ دی اور) ہم کو ناز پڑھتے دیکھا تو کہنے لگے یہ بڑے عابد ہیں (یعنی اُن کے ترکِ صلۃ نے ہم کو عابدین میں داخل کر دیا اگر وہ بھی ناز پڑھا کرتے تو ہمارا کچھ بھی کمال نہ تھا) اور صحابہ رضی اللہ عنہم جو اُن باتوں کا تذکرہ (کبھی کبھی) کر دیتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے پارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مخصوص فرمایا ہے اس کا منہ و مہن اپنی خوشی کا اظہار اور نعمت کا شکر تھا وہ دعویٰ غل سے بری تھے۔

اُن کل کے آدمیوں کی طرح نہ تھے جو واجبات کو بھی پوری طرح ادا نہیں کرتے اور چاہتے یہ ہیں کہ اُن کو اہل برکت میں شمار کیا جائے (لوگ اُن کو بزرگ اور شیخ کہیں) ایسے ہی لوگوں کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا ہے و یحبون ان یرحموا بعالمہ یفعلوا (اور وہ چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے ایسے کاموں میں جو انہوں نے نہیں کئے) اس میں مونیہ کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ اہل طہریٰ کو چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے اُن پر جن نعمتوں کو مفتوح کیا ہے اپنے دوستوں کے سامنے بیان کر دیا کریں بشرطیکہ محسوس میں کوئی اجنبی نہ ہو کیونکہ اس سے اہل طریق کا ایمان قوی ہوتا ہے اور ایمان کی زیادتی سے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا ہے نیز اس سے اُن کو نفس کے مقابلہ میں مدد ملتی ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ اس طریق میں صدق (دعویٰ) سے کام کرنے والے کم ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ تو یہی سمجھ بیٹھے کہ یہ (طریقِ تصوف) ایسی چیز ہے جس کا بستر لیٹ دیا گیا ہے (اب دُنیا میں نہ کیسے طریق کا وجود ہے نہ اہل طریق کا) تو یہ خیال اُن کو ترقی سے ہمت پست

کرنے کا سبب ہو جاتا ہے (اب اگر شیخ طریق حق تعالیٰ کی ان نعمتوں کو بیان کرتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اُن پر مفتوح کی ہیں تو اس سے سُنے والوں کی ہمت بلند ہوگی وہ سمجھیں گے کہ اب بھی وہ عبادت و عطاات حاصل ہو سکتے ہیں جو پہلے زمانے میں حاصل ہوتے تھے)۔ مجھ سے ایک شخص نے جس کو طریق سے وابستگی تھی پھر عمل میں سست پڑ گیا۔ پھر اپنے زمانے میں ایک بزرگ کو دیکھا جس کے اندر اندر عبادتِ مؤفیاء کا کچھ حصہ موجود تھا تو دوبارہ مجاہدہ اور خدمت میں مشغول ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں کٹھن کا سہرہ فراز ہو گیا۔ بیان کیا کہ واللہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری سستی اور کاہلی کا سبب صرف یہ ہوا کہ میں نے اپنے اندر کوئی بات بددعویٰ اور نہ کسی ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جس میں وہ باتیں موجود ہوں جو صوفیاء کی کتابوں میں لکھی ہیں۔ میں نے کہا کہ اب اس طریق کا بستر لیٹ دیا گیا ہے تو میں نے کیوں خواہ خواہ سمرارا۔ پھر جب میں نے فلاں شخص میں کچھ وہ باتیں دیکھیں جو قوم کی کتابوں میں لکھی ہیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ طریق تو باقی ہے لیکن سالک کم ہو گئے ہیں۔ اب میں پھر خدمت اور مجاہدہ میں لگ گیا جس کے بعد میری یہ حالت ہو گئی جو آپ دیکھ رہے ہیں (کہ کچھ مشدِ فتوحات النبیہ سے کامیاب ہو گیا ہوں)۔ تو فتوحاتِ النبیہ کے بیان کرنے میں یہ فائدہ ہے (کہ جو لوگ طریق کو دشوار اور معدوم سمجھ بیٹھے ہیں اُن کی ہمیشہ بلند ہو جائیں) اسی کے بارے میں کیا گیا ہے کہ جب تو اپنے حال میں سہما ہو تو تیرا بولنا اور دیکھنا دہنا دیکھنے والوں کے حق میں فلاح ہی فلاح ہے۔ قولہ و خیرہ دلیل علی التحدیث بہا فتح اللہ علی العبد الی قولہ لمن ذاک فلاح۔

فت۔ کتب صوفیاء میں بزرگوں کی کرامات و تصرفات اور کشفیات و حالات و کیفیات کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کو دیکھ کر بعض لوگ اُن کی تحصیل کے طالب ہو جاتے ہیں اور جب حاصل نہیں ہوتیں تو مایوس اور بد دل ہو جاتے ہیں۔ حلالہ گریہ امور اختیار سے باہر ہیں اور امور غیر اختیار سے درپے ہونا پریشانی میں پڑنا ہے اور بعض

کتاہوں میں مقابلتہ و اخلاقی حمیدہ کی تعریف ایسی بدقیقہ اور کاوش سے کی گئی ہے جسے دیکھ کر بہت لوگ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان مقامات و اخلاقی کامیابیوں کا جو جانا آج کل محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ حالانکہ فی غلبہ اُن کی تحصیل دشوار نہیں۔ دشواری محض معاشین کے بیان میں ہے کیونکہ اخلاقی حمیدہ کی تحصیل اور اخلاقی مذیلہ کی اصلاح شرفاً مسمیہ ہے اور شریعت نے وسعت و طاقت سے زیادہ کامیافت نہیں کیا۔

لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا دَسْعَهَا وَمَا جَعَلَ عَلَيْكَ حَافِ الدِّينَ مِنْ حَرْجٍ اس پر مراعہ قابل ہے۔

پس تصوف کا حاصل یہ ہے کہ امور اختیار یہ میں کو تاہی نہ کرے اور غیر اختیار کے درپے نہ ہو۔ پھر اُس میں کچھ بھی دشواری نہیں۔ البتہ امور اختیار یہ میں غلوس و صدق حاصل کرنے اور شائبہ نفس سے بچنے کے لیے کسی شیخ سے رجوع کی ضرورت ہے جس کی محبت اور تعلیم کی برکت سے قلب میں غلوس اور صدق جلد پیدا ہو جاتا اور نفس کے مکائد پر نظر ہو جاتی ہے۔ یہ بات خود کتب میں دیکھ کر جلدی حاصل نہیں ہو سکتی اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی مریض اپنے مریض کا علاج کتب میں دیکھ کر کرے تو دیر میں شفا ہوگی اور لیکن ہے شفا نہ ہو بلکہ بڑھ جائے اور کسی طبیب ملحق کے حوالہ اپنے کو کرے تو جلد شفا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امراض قلب سے شفا طبیب روحانی کے ذریعے جلدی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد نسبت باطن کے حصول کا درجہ ہے وہ تو کتبوں سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ دولت مشائخ طریقی کی محبت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ خوب سمجھ لو اور کلمہ اللہ ہر زمانہ میں ایسے مشائخ موجود رہتے ہیں جن کے وسیلے سے یہ دولت طالبین کو حاصل ہوتی، جتنی ہے۔ طلب اور تحقیق شرط ہے جنوں تحقیق کے ہر کس و تا کس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیے۔

اے بابائیس آدم روئے بہت
پس بہر دستے نہ باید داد دست



حدیث

لبس المعرم المخیط

بخاری رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں کہ عطاء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کوئی (محرّم حالتِ احرام میں) بھول کر یا حماست سے خوشیوں لگالے یا (بلا ہجو) کپڑا پہن لے تو اس پر کفارہ نہیں۔

شرح یہ عطاء کا مذہب ہے، متفق علیہ نہیں۔ نسیان میں تو امام شافعی بھی اُن کے تشریح موافق ہیں اور امام مالک کے نزدیک نسیان میں بجا کفارہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح نذ میں سوسے سجدہ سولہ لازم ہے اور اس سے نقصان کا جبر ہو جاتا ہے اسی طرح احرام میں سوسو نسیان صاف نہیں بلکہ جبر نقصان کے لیے کفارہ لازم ہے اور یہاں سوسو عمدہ دونوں میں کفارہ ہے۔ نماز میں صرف سوسے سجدہ سولہ لازم ہوتا ہے عمدہ میں نہیں۔ باقی جمل کی مکرر میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی عالم نے عطاء کی موافقت نہیں کی بلکہ نص قرآنی فاسنوا اهل الذکر ان کفتمہ لا تعلیون اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھو اُن کا ردّ کر رہی ہے۔ قرآن نے کسی کو جمل کی وجہ سے معذور نہیں قرار دیا اور اگر جمل عذر ہو جائے تو اس کا درجہ علم سے بڑھ جائے گا جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ (بذا ما قالہ اشرار فی شرحہ اس مسئلہ میں امام مالک کی دلیل ایک حدیث ہے کہ ایک شخص حالتِ احرام میں خوشبو لگائے جہاں پہنے ہوئے صلوٰۃ کے سامنے آیا تو نبی نے اُس کو خوشبو کے دھونے

اور جہاں کے آثار نے کاظم دیا اور کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ اس کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ احرام کی حالت میں خوشبو لگانا اور عبا پہننا منہ ہے۔ جمہور کی طرف سے جواب گتہ فقہ میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۲۱۲) نا اہل کو محض کتاب دیکھ کر فتویٰ دینا یا باطنی اصلاح کرنا جائز نہیں

یہاں سے معلوم ہوا کہ کتب میں کوئی روایت دیکھ کر فتویٰ دینا ہر شخص کو جائز نہیں یہ کام انہی لوگوں کا ہے جو اس کے اہل ہیں اور فیصل شدہ بات کے جاننے والے اور مدلول کلام کے سمجھنے والے ہیں۔ اسی مسئلہ کو دیکھو اگر کوئی ناواقف آدمی خطا کا یہ قول دیکھے وہ تو اسی پر عمل کرنے لگے گا اور سمجھے گا کہ سب علماء کا یہی قول ہے (کیونکہ یہاں کسی کا خلاف مذکور نہیں) اب وہ اپنے امام پر مہیوٹ بات لگالے گا محرم ہوگا اور حد درجہ کو بھی دھوکہ میں ڈالے گا۔ چنانچہ ایک عالم کے متعلق جو مذہب مالک پر فتویٰ دیتے تھے ایک جماعت نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ خطا کے قول پر فتویٰ دیتے (اور اسی کو مالک کا مذہب سمجھتے) ہیں حالانکہ مالک کا مذہب ہم اوپر بتلا چکے ہیں (کہ وہ کسی جزو میں بھی خطا کے موافق نہیں نہ زبان میں نہ جمل میں)۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو معرفتِ علم کا صحیح راستہ دکھائیں اور اس پر اپنی رضا کے لیے عمل کی توفیق دیں۔ قولہ و یقرئ علیہ من الفقہ انہ ۱۰ یحییٰ ذلک۔ بمعنی النقل الی قولہ للارباب سواہ۔

ف۔ ہر چند کہ یہ مشاخص کے مسائل سے نہیں مگر اس کی ضرورت علماء اور صوفیاء دونوں کو ہے، بھل یہ مرض عام ہے کہ کتب میں اور ترجمے دیکھ کر حکم شرعی یا باطنی بیان کرنے لگتے ہیں۔ اور بعض تو محدثین بن جلتے ہیں۔ حالانکہ کتب میں اور ترجمے دیکھنے سے علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ ٹھٹھنے پڑ جانے اور علماء کے پاس حجت سے رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

بناتے بعضاں نظر سے گو ہر ثور را
میںی ترواں گشت بقصد بن فرے چند



حدیث

بِنَامَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور مسجد بنانے کا حکم دیا تو بنو بنجد سے فرمایا اے بنی بنجد! مجھ سے اس زمین کی قیمت کا معاملہ کرو۔ انہوں نے کہا ہم اس کی قیمت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں چاہتے تو آپ نے مشرکین کی قبروں کے کھود ڈالنے کا حکم دیا اور غراب زمین کو برابر کر دیا گیا اور کھجوروں کو کاٹ دیا گیا۔ پھر ان کو مسجد کے قبلہ (کی دیوار) میں اوپر تک رکھ دیا گیا۔

حدیث کا ظاہر قویہ ہے کہ مسجد مدینہ رسول اللہ ﷺ وسلم کے منکسے شمع بنائی گئی ہے جبکہ آپ نے (نگہ سے) مدینہ کو ہجرت فرمایا۔ اس میں چند وجوہ سے کلام (کی ضرورت) ہے۔

(۲۱۳) ہدیہ قبول کرنے میں غلوں پر نظر کرنا ضروری ہے۔ یہاں سے کہ کسی چیز کے متعلق اُس کے مالک سے یہ درخواست کرنا کہ اس کو ہلدے یا تختہ بچ دو جائز ہے۔ اگرچہ اُس نے پہلے سے بیچنے کا خیال ظاہر نہ کیا ہو۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے فرمایا اے بنو بنجد! مجھ سے اس زمین کی قیمت لے لو۔ حالانکہ ان لوگوں نے اس زمین کو بیچنے کے لیے پیش نہیں کیا تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص

کسی صنعت یا پیشہ سے مشہور ہو چکا ہو یا اُس کا خاندان مشہور ہو چکا ہو اُس کو اس پیشہ کی طرف نسبت کرنا جائز ہے (بشرطیکہ اُس کو ناگوار نہ ہو) اور یہ اُن القاب میں داخل نہیں جن سے منع کیا گیا ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا بنی النجار (اے بڑھئی کی اولاد) یہ صنعت اُن کے آباد اجداد میں کسی نے اختیار کی تھی اُس سے خاندان مشہور ہو گیا۔ آپ نے اُسی مشہور نسبت سے اُن کو خطاب فرمایا (کیونکہ یہ نسبت اُن کو ناگوار نہ تھی)۔

نیز یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی چیز کو خریدنے کا ارادہ کیا گیا ہو پھر مالک اُس کو ہدیہ کر دے تو اُس کا قبول کرنا جائز ہے بشرطیکہ مالک پر وہاڑا لےنے کا قصد نہ کیا گیا ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا ہدیہ قبول کر لیا حالانکہ پہلے آپ نے خریدنے کا قصد کیا تھا اور اس بات کی دلیل کہ مالک پر وہاڑا لےنے کا قصد نہ ہو۔ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اولاد یہ فرمایا تھا کہ مجھ سے اس زمین کی قیمت لے لو پانچ پانچ دینار سے فرمایا تھا کیونکہ نبی حق کے ہوا کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ ذلیل بھاد کرتے ہیں نہ ایسی بات مہم اذاکہ کہتے ہیں (اُن کی مراد وہی ہوتی ہے جو الفاظ کا حقیقی مدلول ہے) جس کے دل میں اُس کے خلاف کا دوسرہ بھی ہو وہ نبی کی تخلیق کرتا ہے جو ہرگز جائز نہیں اور اگر زبان سے عاتق طعہ پر اس کو ظاہر کر دے گا قتل کیا جائے گا۔

ہاں یہاں پر ایک مسئلہ قابل غور ہے وہ یہ کہ ہدیہ کرنے والے کے خلوص کی تصدیق بعض دعوے سے نہ کی جاسکتی ہے جب تک خلوص پر قرینہ قائم نہ ہو جو اُس کو واضح کر دے جیسا ان صحابہ کا قول ہے لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ ہم اس کی قیمت میں اللہ ہی سے طلب کرتے ہیں۔ اور اُن کے اس قول سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ ہدیہ نہیں کر رہے تھے بلکہ صدقہ کر رہے تھے۔ کیونکہ صدقہ کرنے والے کی طرح ہدیہ کرنے والا بھی تو ثواب کا مستحق ہوتا ہے جبکہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہدیہ کرے۔ صدقہ اور ہدیہ میں صرف اتنا فرق ہے کہ صدقہ تو صرف اللہ کے لیے

کے لیے ہوتا ہے بشرطیکہ ریا کو دخل نہ ہو اور ہدیہ کی بہت محدّدیں ہیں جن کو کُتب فقہ میں بیان کیا گیا ہے جن میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوا میں ہدیہ والے کو بھی صدقہ والے کی طرح ثواب ملتا ہے اگرچہ ہدیہ کرنے والے نے ان حضرات صحابہ کی طرح صاف صاف نہ کہا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہدیہ کرتا ہوں بلکہ اور کوئی قرینہ اُس کے قائم مقام ہو۔

بعض مؤرخین سے منقول ہے کہ جب اُن کے پاس کوئی ہدیہ آتا اور اُن کو کسی قرینہ سے معلوم نہ ہوتا کہ یہ کس قسم کا ہدیہ ہے تو وہ ہدیہ کر لے والے سے فرماتے ہیں تم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ پچ بتلاؤ تمہارے نزدیک میرا اس ہدیہ کو کبھل کر لینا اچھا ہے یا رد کر دینا اچھا ہے ؟ وہ قسم کھا کر جو محدّت بیان کر دیتا اُس کے موافق عمل کرتے تھے اور اُن کے اس فعل کا منشا دعوے سے بچنا تھا اگرچہ وہ بڑے صاحب کشف ہزرگ ہوتے تھے، لیکن محض اپنے کشف کی بنا پر کسی کا ہدیہ روذ کرتے تھے تاکہ دعوے کی صورت نہ ہو جائے بلکہ ہدیہ لینے والے کی قسم پر عمل کرتے تھے۔

قوله منه يجوز طلب الاشياء للبيوع الى قوله وان كان على
مادوى عنه من اهل المكشف والاطلاح -

ف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو بہت بے تکلف کر دیا تھا جیسا واقعات صحابہ سے واضح اور روشن ہے۔ اس لیے آپ کسی چیز کو خریدنا چاہتے اور صحابہ اس کو ہدیہ کر دیتے تو اس میں غلاف غلوں کا شبہ نہ ہوتا تھا۔ مگر آجکل مثلاً شیخ نے اپنے مریدوں کو بے تکلف نہیں بنایا وہ اگر کسی مرید سے یہ کہیں گے کہ اپنی فلاں چیز ہمارے ہاتھ بیچ کر دو اور وہ کہہ دے کہ نہیں حضور میں اس کو ہدیہ کرتا ہوں تو وہ محض شرم اثری ایسا کہ ہے دل سے نہیں کہتا۔ اہا ماشاء اللہ! پس اُن کو اس حدیث پر عمل اُس وقت جائز ہے جبکہ مریدوں کو اپنے سے دیا ہی تکلف بنا دیں جیسا حضور نے صحابہ کو بنادیا تھا۔

ف - ہدیہ میں خلوص اور محبت کی تحقیق ضروری ہے۔ ہر ہدیہ کو بلا تحقیق قبول نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ لوگ مرعیں اور دنیا دار مشہور کر دیں گے جس سے فیض عام میں کمی ہو جائے گی اور اپنا نفس بھی مرعیں ہو جائے گا۔ اگر کوئی اور ضرورت تحقیق کی نہ ہو تو اپنے قلب سے رجوع کرنا چاہیئے۔ جس ہدیہ کو دل قبول کرے لے لیا جائے ورنہ رو کر دیا جائے۔

تحقیقی خلوص کی ایک صورت وہ بھی ہے جہاں ایک بزرگ سے منقول ہے مگر یہ اُس زمانے میں ملید تھی جب ہدیہ کرنے والے بچے ہوتے تھے وہ قسم دینے کے بعد جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ مان کہ دیتے تھے کہ حضرت واقعی میرے ہدیہ کا قبول کرنا آپ کے حق میں اچھا نہیں۔ ابکل ایسے بچے مرید کہاں؟

(۲۱۴) سعید ازلٰی کو فتنہ مضر نہیں یہاں اس پر بھی اشارہ ہے کہ جو شخص ازل میں سعید ہو چکا ہے اُس کو ان فتنوں سے کچھ مضر نہیں ہوتا جو اُس پر گزرتے رہتے ہیں۔ دیکھو اس قطعہ زمین کے لیے (جس میں مسجد نبویؐ بنائی گئی) یہ سعادت عظمیٰ مقدر ہو چکی تھی کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کی مسجد بنائی جائے گی اسی میں آپؐ کا نزول ہو گا اسی میں آپؐ کی قبر شریف ہو گی تو اس کو مشرکین کے قبضہ میں نہ بنے اور اُن کی خلاف شرع حرکات کا مورد بننے اور اُن کی قبر گاہ ہونے سے کچھ مضر نہیں پہنچا (اسی لیے کہا گیا ہے) جب انجام اچھا ہو جائے تو ہر بُرائی جاتی رہتی ہے اور اگر انجام بُرا ہو تو ہر اچھی حالت بدل جاتی ہے۔ قولہ وهذا اشارۃ الی قولہ نکل بحول۔

ف - یہی وہ منزل ہے جس سے ہر عاقل لڑکا ترساں ہے سب کو عاقبت حسنی کی طلب ہے اور اس سے پہلے وہ اپنی کسی حالت سے مطمئن نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ ہیں اور تمہیں حسن ختام اور عاقبت حسنی سے سرفراز فرمائیں۔ آمین !

(۲۱۵) ہر کام اپنی وسعت کے موافق کرنا چاہیئے یہاں سے معلوم ہوا کہ عمل کی خوبی یہ ہے کہ

انسان اپنے ہر کام میں وسعت کے موافق عمل کرے اگر غرضی ہو تو غنہ کے موافق عمل کرے۔
 تکلفات ہو تو تکلف سستی کے موافق عمل کرے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت
 ساجدین اپنے وطن اور مال کو چھوڑ کر مدینہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد
 بنانے کی ضرورت ہوئی تو آپ نے اس وقت کی حالت کے موافق کام کیا کہ مسجد کو
 کچی اینٹوں سے بنایا۔ پخت میں کجور کی شاخیں لگائیں اور کجور کی کڑیوں سے ستون
 قائم کئے اُن ہی کو دیوار میں اُپر تلے لگوا یا جیسا نصف النخل قبلہ مسجد سے ظاہر
 ہو رہا ہے۔ کچی اینٹوں یا چھوٹے وغیرہ سے نہیں بنایا نہ کسی قسم کا تکلف کیا چراپ پر
 یاد دہان پر گرانی کا سبب ہوتا۔ شست کا مستحق بھی ہے اور کتاب اللہ بھی اسی کی
 تائید کرتی ہے لیسبق ذمعة من معہ ہر شخص کو اپنی وسعت کے موافق
 خرچ کرنا چاہیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ”خرچ میں اسان دوش اختیار
 کرنا زیادہ کمانے سے بہتر ہے“ قولہ دلیل علی ان من حسن التصرع الی
 قولہ من الزیادۃ فی الکعب۔

فت۔ حضرات مونیاء کا یہ خاص مذاق ہے کہ ہر حالت میں ہمت اور وسعت کے
 موافق کام کرتے ہیں اُس سے زیادہ کا تکلف نہیں کرتے۔ دُنیا و آخرت دونوں کی
 راحت اُنکی میں ہے۔ مال زیادہ ہو اور خرچ بے تکلف ہو تو راحت جس میں مل سکتی ہے اگر خرچ
 اندازہ سے ہو اور آمدنی قلیل ہو تو راحت ہی راحت ہے۔ اہل مشرکیت کا مشاہدہ
 اس کی دلیل ہے کہ اُن کے برابر دُنیا کی راحت بھی کسی کو نہیں۔

(۲۱۶) انسان کو دین کا اہتمام زیادہ ہونا چاہیئے کہ انسان کو زیادہ
 اہتمام اپنے دین کا ہونا چاہیئے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر سب سے
 پہلے جس چیز پر نظر کی وہ مسجد تھی کہ اپنے مکانات بنانے سے پہلے آپ کو مسجد بنانے کا
 فکر ہوا (جو آخرت کا کام تھا) اور دینی ضرورت تھی۔

یہاں سے اُن فقراء کے قول کی دلیل بھی معلوم ہو گئی جو فرماتے ہیں کہ جب مدد ویش

زہد اختیار کرے اور اپنی تمام ملکات کو خیرات کرنے کا ارادہ کرے تو جو چیزیں دین کے لیے ضروری ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گی اُن کو ملک سے نکالنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ قدر ضرورت کا رکھنا واجب ہے جیسے وضو کا برتن اور بدن چھپالے کے لیے کپڑا اور جاناغہ وغیرہ۔ کیونکہ جن چیزوں کے نکال دینے سے دین کا کوئی کام دشوار ہو جائے اُن کو ملک سے نکالنا جائز نہیں۔ دین تمام چیزوں میں اہم اور اہم ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے تم دین کی فکر رکھو اور اُس کے جو کسی چیز کی پرواہ نہ کرو کیونکہ انسان کی عزت دین ہی سے ہے اور کسی چیز سے نہیں۔

قوله وفيه دليل على ان ما على المرء النظر في امر دينه الى

قوله لا بما سوا -

فت۔ شاید کسی کو شبہ ہو کہ آج کل تو دین سے عزت نہیں بلکہ دُنیا میں مال سے عزت ہے جواب یہ ہے کہ اب بھی دین ہی سے عزت ہے بشرطیکہ دین ہو محض دین کی مُصنعت نہ ہو۔ دین مخلص کا نام ہے اہل اخلاص کی اب بھی عزت ہے عباد ہر زمانہ میں رہے گے اور جن اہل دین کو تم ذلیل دیکھتے ہو اُن میں دین کی مُصنعت ہی صحت ہے۔ اور وہ بھی ناقص۔ اگر اُن میں حقیقی دین ہو تا ہرگز ذلیل نہ ہوتے۔ واللہ العزیز

والرسولہ وللہ المؤمنین ولكن المنافقين لا يعلمون۔



باب ہشت و نیم

حدیث

خروج الدجال و فتنہ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دجال حدیث کے ایک سنگت میں (حدیث سے باہر) پڑاؤ کسے گا۔ اُس وقت اُس کے پاس ایک شخص جو سب آدمیوں سے اچھا ہو گا یا فرمایا اچھے لوگوں میں سے ہو جائے گا اور اس کے منہ پر بکے گانے لگا دیے دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کا خبر رسول اللہ ﷺ نے ہم کو دی تھی۔ دجال (لوگوں سے) کہے گا بکاؤ اگر میں اس کو مار ڈالوں اور پھر زندہ کر دوں کیا اس کے بعد بھی تم میرے معاملے میں شک کرو گے۔ سب کہیں گے نہیں چنانچہ وہ اس کو قتل کر دے گا۔ پھر زندہ بھی کر دے گا۔ تو وہ شخص زندہ ہو کر کہے گا بھلا آج سے پہلے مجھے تیرے معاملے میں اس قدر بصیرت نہ تھی جتنی اب ہے (میں پہلے سے زیادہ وثوق کے ساتھ قرع پھر کتا ہوں کہ تو کذاب ہے) دجال کہے گا اچھا میں اس کو پھر قتل کرنا ہوں مگر اب اُس کو اس شخص (کے قتل) پر دسترس نہ ہوگی۔

حدیث کا ظاہری مفہوم وہ باتیں ہیں ایک یہ کہ دجال کو جو خرق عادات عطا شمسرح کئے گئے ہیں وہ خود اُس کے دعوے کی تکذیب کرتے ہیں۔ کیونکہ اُس کے خرق عادات اُس کے دعوے کو ٹوٹا کرنے سے قاصر ہوں گے (چنانچہ وہ اس شخص کے دوبارہ قتل کرنے کا دعوے کہے گا مگر اُس پر دسترس نہ ہوگی اپنا

ٹنڈے کر رہ جاتے گا) دوسرے اس شخص کی قربت ایمان معلوم ہو گئی جو دجال کے پاس جاتے گا (اور اُس کے منہ پر انگڑیاں کرے گا) دجال کا اتنا بڑا تختہ اُسے کچھ ضرر نہ دے سکے گا۔ اس حدیث کے معانی پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۱۷) خرق عادت کی تقسیم اور معجزہ و کرامت اور شعبہ و سحر میں فرق

حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ خرق عادت کی چار قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جو دعوئے نبوت کی سچائی پر دلالت کرے۔ اس کا تو بستر پیٹ دیا گیا (اب ایسی خرق عادت ظاہر نہیں ہو سکتی جو صریح نبوت پر دلالت کرے) کیونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں) مگر ہم اس کو معنی معرفت کی غرض سے بیان کرتے ہیں کیونکہ اس کا علم ہی دین ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو ولایت پٹھانوں کے تحقق پر دلالت کرے۔ ایک وہ قسم ہے جو معنی مہادلت و ریاضات کا ثمرہ ہے اگرچہ مجاہدہ کرنے والا فاسق اور کافر ہی ہو۔ اس قسم سے بہت لوگ بوجہ جہالت کے فتنہ میں پڑ جاتے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کو سببیا کہتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض ارواح کو بلایا جاتا ہے اور بعض ستاروں کو سحر کیا جاتا ہے اس سے بہت لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں (وہ ایسے لوگوں کو جرگ سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ اس کو ہزرگی سے دُور کا بھی واسطہ نہیں)۔

ان میں سے ہر قسم کی ایک علامت ہے جس سے پہچاننے والا پہچان لیتا ہے۔ مگر وہی پہچانتا ہے جس کے دل میں نور الہام ہے اور ان اقسام کو مانتا ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کی جو نبوت پر دلالت کرنے والی ہے علامت یہ ہے کہ اُس کے ساتھ تعدی بھی ہوگی ہے یعنی خرق عادت ظاہر کرنے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں اور میری نبوت کی دلیل یہ ہے کہ میں ایسا ایسا کر سکتا ہوں (جو دُور کوئی نہیں کر سکتا) اگر کسی کو نبوت میں شک ہو تو میرا مقابلہ کر کے دکھائے، اس کے بعد جیسا اُس نے دعوئے کیا تھا اُس کے مطابق ظہور ہو جائے (اور کوئی اُس کا مقابلہ نہ کر سکے) مگر

اب کسی کو اس قسم کا دعوے کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے
 میں لانا نہیں بعدی (کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) اور یہ حدیث قویٰ ثابت ہے
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا نبی ہونا دلائل عقل و نقل سے ثابت ہو چکا ہے تو
 حضورؐ کے بعد جو کوئی بھی دعوے نبوت کرے یقیناً جھوٹا ہے اور اس دعوے کے بعد
 اُس کے ہاتھ سے کوئی خرقِ عدت ظاہر نہیں ہو سکتی بلکہ جن چیزوں کو وہ خرقِ عادت
 قرار دے گا اُنھی سے اُن کا بھڑنا ہونا ثابت ہو جائے گا (جیسا پنجاب میں ایک
 دلی نبوت اسی قریب زمانہ میں ہوا تھا اور اُس نے اپنی پیشین گوئیاں سناہنے کو
 معجزہ قرار دیا تھا مگر دینا جانتی ہے کہ اس کی صد ہا پیشین گوئیاں غلط ہوئیں اور جن
 لوگوں نے اُس کے مقابلے میں پیشین گوئیاں کیں اُن کی اکثر باتیں سچ ہوئیں)۔

دوسری قسم جو صدقِ ولایت پر دلالت کرتی ہے وہ دلی کے ہاتھوں بد و ن
 تعدی اور دعوئی کے ظاہر ہوتی ہے اُس کی شرط یہ ہے کہ اس شخص کی حالتِ شفت
 کے موافق ہو اتباعِ سنت کا اہتمام کرنا ہو کیونکہ حق تعالیٰ کسی جہنم کو ولی نہیں
 بنائے چنانچہ ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحبکم الله۔ فرما
 دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت
 کریں گے اور اگر ولی کسی وقت جو مجزوت کے کرامت کا دعوے کرے موجب و
 پندار شامل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے دعوئی کو پورا کر دیتے ہیں کیونکہ ولی کی کرامت
 تصدیقِ نبوت کی برکت ہے۔ جو کرامت بھی کمالی سے ظاہر ہوتی ہے وہ اُس کے
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ یہ غیر اُس کو صدقِ اتباع سے ہی حاصل ہوتی ہے۔
 اس کی مثال میں ایک واقعہ کا ذکر مناسب ہے کہ ایک بزرگ (راجہ کے املاہ سے)
 مسافر (میں جہاز) پر سوار ہوئے اُن کے ساتھ اور بھی حاجی سوار ہو گئے اُس جہاز
 میں بادشاہ کا گیسوں بھرا ہوا تھا اچانک سمندر میں طوفان آگیا جہاز والوں نے باہم
 مشورہ کیا کہ غلہ تو شہادت کے درمیان ناپ تول کر بھر لیا گیا ہے اور یہ حاجی اپنے
 اختیار سے سوار ہو گئے ہیں ہمارے اُدھر ان کی ذمہ داری نہیں تو راجہ کو ہلکا کرنے

کے لیے) ان حاجیوں کو سندرمی پھینک دینا چاہیے۔ گیہوں کو پہالین چاہیے کہ اُس کا ہم سے مطالبہ ہوگا۔ یہ بات ان بزرگ کے کان میں پہنچی۔ جب آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں نے یہ ارادہ پختہ کر لیا ہے تو جہاز والوں سے فرمایا کہ تم (جہاز کو ہلکا کرنے کے لیے) گیہوں پھینک دو۔ اُس (کے پُرا کرنے) کا میں ذمہ دار ہوں چنانچہ انہوں نے جتنی مقدار تک کرنا چاہی سمندر میں پھینک دی جس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ پھر سمندر کو سکون ہو گیا اور منزل مقصود پر سلامتی سے پہنچ گئے تو اب ان بزرگ سے گیہوں کا مطالبہ کیا فرمایا وہ شہادت نکالو جس میں گیہوں کی مقدار لکھی ہوئی ہے اس کے بعد بقیہ گیہوں کو یہاں سے ناپو جتنا کم ہوگا اُس کا میں مناس ہوں چنانچہ یہاں سے غلط ناپا گیا تو اس مقدار سے بھی زائد محتاج شہادت میں لکھی ہوئی تھی اور بزرگ کو مجبور دیا گیا۔

اُس وقت انہوں نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ واللہ میں نے یہ کرامت صحت ضرورت کی وجہ سے ظاہر کی ہے کہ مشنمانوں کی جان کا بچانا لازم تھا (تو ایسی محرت میں دلی کو کرامت کا دعویٰ جائز ہے) اور اگر کوئی شخص یہ ضرورت کے کرامت کا دھوئے کرے وہ اہل طریق کے نزدیک ادیانہ سے نہیں بلکہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق ارشاد ہے *مفسدہ جہد من حیث لا یعلمون*۔ ہم اُن کو اس طرح آہستہ آہستہ پکڑتے ہیں کہ اُن کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کرامت ہمارے واسطے لطف نہیں بلکہ قہر ہے اسی کا نام اسدر راج ہے (اللہ تعالیٰ کے یہاں اُن کا حقہ بھی ہے کہ چند کرامات کا اُن سے ظہور ہو گیا) حضرات موفیانہ نے تعریف کی ہے کہ جو شخص اس لیے ہوتے کرے کہ اُس سے کرامت ظاہر ہوں یا اُس کی دعا قبول ہونے لگے یا دنیا میں اس کا درجہ بلند ہو جائے بزرگ مشہور ہو جائے تو یہ اُن لوگوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کندہ پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں (اللہ کو مبارک دہائی نہیں ہوتی۔

اندر غری قسم جو عبادت کی وجہ سے ہو کیونکہ مہابدات و ریاضات سے بھی

خوارقِ عادت کا ظہور ہوئے لگتا ہے۔ مگر وہ نائنڈ نہیں ہوئیں (یعنی اُن کی تاثیر کرامت دلی کی طرح کامل نہیں ہوتی اُن سے اس شخص کی وہ عظمت و صولت ظاہر نہیں ہوتی جو کرامت دلی میں ہوتی ہے) اور نہ اُن کا کشف نگاہ کی مسافت سے اُن کے بڑھتا ہے یہ قسم کا فردوسِ دونوں میں پائی جاتی ہے کیونکہ یہ تو معنی مجاہدہ کا اثر ہے۔ نفس مجاہدہ دریاخت سے بھی باطن منور ہو جاتا اور قلب صاف شفاف آئینہ کی طرح ہو جاتا ہے جس میں ہر چیز منقش ہو جاتی ہے جو اُس کے سامنے آجائے اور جو سامنے نہ آئے وہ منقش نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ایک بڑے جردگ کا واقعہ ہے کہ وہ سفر میں ایک گر جا پر گزرتے جلاہت سے ماہب رہتے تھے۔ انہوں نے اُن کے مجاہدات کو دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ یہ لوگ خوب مجاہدہ کرتے ہیں یہ خیال اُناتھا کہ راہبوں نے فوراً غلام سے کہا کہ آپ کی خاطر کروا بھی طرح بیزبانی کرو اور عبادت خانہ میں جہاں بُت رکھے ہوئے ہیں ٹھہراؤ۔

اُس نے ان بزرگ کو بُت خانہ میں پسپا یا تو دل میں ان لوگوں کی حماقت اور نادانی کا خیال آیا کہ سارے مجاہدے ان جنوں کی پرستش کے واسطے کر رہے ہیں۔ یہ خیال اُناتھا کہ دفعۃً سب راہب چلے گئے اس کو نکال دو باہر کر دو یہاں مت ٹھہراؤ۔ بزرگ کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ لوگ اتنی جلدی دل کے خطرہ پر مطلع ہو گئے مگر ان لوگوں کا مسکاشہ نگاہ کی مسافت سے اُن کے نہیں بڑھتا اور اگر ایمان و اتباعِ سنت کے ساتھ مجاہدہ کیا جائے تو عرش اور عرش کے نیچے تک کا کشف ہونے لگتا ہے (بشرطیکہ کشف سے مناسبت ہو کیونکہ بعض بابائے کشف سے مناسبت میں ہوتی تو اُن کو اصلاً کشف نہیں ہوتا خواہ کتنے ہی مجاہدے کریں۔ جیسے بعض لوگوں کو خواب سے مناسبت نہیں ہوتی تو ہزار تہ بیروں سے بھی خواب نہیں آتا خوب کچھ لوگ متبعِ سنت مجاہدہ کرے تو ساری دنیا اُس کے نزدیک ایک قدم کے برابر ہو جاتی ہے جس میں وہ جس طرح چاہے تفرق کر سکتا ہے جتنا بھی حق تسلط اُس پر مددازہ مکر لیں۔

چوتھی قسم جس کو سببیا کہتے ہیں جس میں ارواح کو حاضر کیا جاتا یا بعض ستاروں کو مسخر کیا جاتا ہے اُس کی بھی چند علامتیں ہیں۔ جو لوگ ستاروں کو مسخر کرتے ہیں اُن میں ہر ستارہ کی پرستش کرنے والے کی ایک علامت ہے جس سے اس کو پہچان سکتے ہیں۔ مثلاً جو شخص ستارہ زحل کی پرستش کرتا ہے اُس کا لباس خراب غصہ مند ہوتا ہے۔ اُس کی زندگی اور نشست و برخاست بھی گندی ہوتی ہے۔ ناقصہ آدمی اُس کی یہ علامت دیکھ کر سمجھتا ہے کہ بڑے زیادہ متقی ہیں ہمیشہ آرام سے غور ہیں حالانکہ اس میں زہد و درجہ کا کچھ دخل نہیں۔ یہ حالت مرنے اُس ستارہ کی وجہ سے ہے جس کی وہ پرستش کر رہا ہے اور جب تک اُس کے سمجھ کا دورہ رہے گا جو اُن کے خیال میں چھتیس سال ہے اُس وقت تک اسی حالت پر رہے گا۔ اس میں کمی نہیں کر سکتا۔ اگر ایک ساعت بھی اُس میں کمی کرے گا سارا کیا کیا عمل برباد ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر ستارہ کی پرستش کا ایک نشان ہے مگر ستارہ زحل کا عابد اُن کے نزدیک سب سے زیادہ خوش حالت میں رہتا ہے۔ اور جو شخص ارواح کو حاضر کرتا ہے اُس کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے اُس کا لباس بھی عمدہ صاف ستھرا ہوتا ہے اور ہر حالت میں انشراح و انبساط سے رہتا ہے۔ اس کی نشست و برخاست بھی عمدہ طور سے ہوتی ہے۔ مگر ہر حالت میں ان سب کا مقصد صرف نفس اور طلب جاہ اور مخالفتِ سنت اور بدعت کا ارتکاب ہے جن کے ذریعے عوام کو اپنی طرف مائل کرتے اور اس کو طریق حکمت و معرفت اور ریاضت و مجاہدہ بتلاتے ہیں حالانکہ یہ سب اس کے برعکس طریق ظلمات و جہالت میں داخل ہیں۔ خدا ہم کو اس سے بچائے۔

الفرقن جس غرقِ عادت کے ساتھ اتباعِ شریعت کی حکومت مایہ و ہرمت سے نافذ نہیں ہوتی (مرن ایک جست سے نافذ ہوتی ہے) اور جب اُس کے مقابلہ میں صاحبِ حقیقت آجاتا ہے تو اُس کے سامنے اُس کی کچھ نہیں چلتی۔ اُس کا عمل دشوار ہو جاتا یا سست کہ بین ہے جیسے صاحبِ حقیقت کی ایسا ہی قوت ہوگی اسی قدر اُن کی بات مایہ و ہرمت سے نافذ نہیں ہوتی۔

زیادہ ملتے جلتے (ادرائن) ہی کو اپنے جال میں پھانستے ہیں، اپنی علم والی صلاح سے
فائدہ رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے سامنے ان کا علم نہیں چلتا، اور جس شخص کو تہا جح سنسٹ
کے ساتھ فرق عادت عطا ہوتا ہے وہ شہباز حالت میں رہتا ہے۔ کسی میل اور مکے سے
یا کسی مادی اور غیر مادی طاقت سے اُس کو مغلوب نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی حالت روزانہ
ترقی پذیر ہوتی ہے گھٹتی نہیں۔ تمام آدمی اور سارا عالم وجود اُس کے غور کی ایک حد پر
ہیں (وہ سب کو غلطی اور ناقابل اعتبار سمجھتا ہے کسی سے اللہ تعالیٰ کے جو انیس ڈرتا،
جس طرح چاہتا ہے جس چیز میں چاہتا ہے تعریف کرتا ہے مگر دعوے نہیں کرتا۔ مگر
کبھی دعوے کرتا ہے تو اپنی طاقت و قوت سے بیرونی ظاہر کر کے اللہ کی طاقت و قوت
پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرتا ہے۔ اس کو سب سے زیادہ اپنے اُپر ہر دیشہ ہوتا ہے
(کہ مباد اور بار حق سے مردود ہو جاؤں) ہاں جب اُس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف
سے بشارتیں آتی ہیں (اس وقت خوش ہوتا ہے) اس کی علامت یہ ہے کہ سب سے
زیادہ متواضع ہوتا ہے اور سب سے زیادہ لوگوں کا فائدہ قبول کرتا ہے مگر جبکہ دین
کا معاملہ ہو تو اُس وقت تواضع سے کام نہیں لیتا بلکہ سیاست سے کام لیتا ہے۔ مگر
دل میں اپنے کو آدمیوں سے کتر ہی سمجھتا ہے۔ جو ظاہر میں حکومت و سیاست کرتا نظر
نہیں آتا وہ سب سے زیادہ مخلوق خدا پر شفقت کرنے والا ہوتا ہے اپنے کو کتر جانتا
ہے۔ اُس کے پاس جو غیر بھی ہے (خواہ کمالیت میں یا کمالات) سب کو اللہ تعالیٰ
کی عطا اور احسان سمجھتا ہے اپنا کوئی استحقاق نہیں سمجھتا۔

لوگوں کو تہا جح سنسٹ کی ترقی دیتا ہے (اور خود) سنسٹوں کا اہتمام کرتا ہے)
خاص کش زیادہ رہتا ہے عزت کے وقت بولتا ہے۔ بہت ہوشیار ہوتا ہے لوگوں
سے مچ نہیں رکھتا۔ اُمرت کا خیال ہر وقت دل کے سامنے رہتا ہے۔ کسی پر اپنا کوئی
حق نہیں سمجھتا۔ آدمیوں کے حقوق اپنے ذمے بہت سمجھتا ہے ہلنے بھی اور بیچنے بھی
بشرطیکہ اعلیٰ اعلان موجود ہو اور معنی ایمان کی وجہ سے وہ ہر شہباز کا اپنے ذمہ حق
سمجھتا ہے) مدد و شہاد سے بھاگتا ہے (نفرت کترتا ہے) تنہائی اور خلوت سے

مالوس ہوتا ہے۔ آسمان کرنا دہتا ہے ایذا رسانی کم کرتا ہے بلکہ غیث کرتا ہے ہر چیز اُس سے
مجتب کرتی ہے۔ جتنی کہ وہ زمین بھی جس پر چلتا ہے اور آسمان بھی جو اُس پر سایہ کرتا
ہے۔ اسی طرح زمین و آسمان کی مخلوق اس سے بھی۔ آسمان والے اُس کو زمین والوں سے
زیادہ پہچانتے ہیں۔ وہاں یہاں سے زیادہ مشہور ہو سکتا ہے۔ غیث مال غیث کیا گیا۔ نہ
بُری باتیں سُنتا ہے۔ اُس کو گندہ کار کی معصیت سے بھی تکلیف ہوتی ہے جیسے
خود اُس نے گناہ کیا ہے۔ نیک آدمیوں کی طاعت سے ایسی خوشی ہوتی ہے جیسا کہ
کو اس کا ثواب ملے گا۔ ظاہری صورت میں آدمی ہوتا ہے مگر باطن میں فرشتہ
نورانی مقدس ہوتا ہے۔

اس کے اوصاف کہاں تک بیان کئے جائیں اس کے لیے تو دفتر بھی کافی نہیں۔
اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل و کرم سے وہ نعمتیں عطا فرمائیں جو اپنی رحمت سے اُن
کو عطا فرمائی ہیں اور اُن کے طفیل میں ہم پر بھی رحم فرمائیں۔ وصلى الله على محمد
نبیہ وعلیہ۔

غرض چونکہ اکثر لوگ اہل طریقت سے ناواقف ہیں، جبل غلاب جو رہا ہے اس لیے
جس سے بھی کوئی فرق علت دیکھتے ہیں خواہ کسی قسم کی ہو اُس کو ہرگز کہنے لگتے ہیں یا ان
مفسدوں کے فساد کی باتیں سُنتا ہے تو اہل حقیقت پر بھی طعن کرنے لگتا اور اُن کی
کرامات کو بھی شبہ اور فریب کہنے لگتا ہے اس طرح ان کی برکت سے محروم ہو جاتا
ہے کیونکہ وہ حال سے غالی نہیں اگر یہ امتیاز سے کام لے گا تو اُن کی حالت کو تحمل کیجئے گا۔
(کہ معلوم یہ کرامت ہے یا شبہ) یا ان کو اہل فساد میں داخل کرے گا۔ اس صورت میں
حرام کے ساتھ فساد بھی ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دوستوں کے لیے بہت خیر توفیق
ہے (وہ ان کے بُرا بھلا کہنے والوں کو سخت سزا دیتے ہیں) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے واسطے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے من احاد لم یلیا فقد بادرنی بالمعادبۃ۔
جس نے میرے ولی کی اعانت کی اُس نے مجھے اعلان جنگ دیا ہے۔ قولہ فاما غرقہ العلقۃ
فقد تکلم العلماء علیہ وهو علی اربعة اشعار الی قولہ فقد بادرنی بالمعادبۃ۔

ف - یہ جو کہا گیا ہے کہ نفس بھادہ سے بھی باطن نکل جاتا ہے اور قلب شل صحت شفا کا آئینہ کے ہو جاتا ہے۔ یہاں حضرت شارح نے لفظ باطن اور قلب کو لغوی معنی میں استعمال کیا ہے۔ اور قلب اصطلاحی کو بدون ایمان کے نورانیت نصیب نہیں ہوتی۔ نفس بھادہ سے صحت لطیفہ نفس کی صفائی ہو جاتی ہے جو باطنی ہے اور قلب دروج اور سرور مخفی داخل جو غیر مادی جو اہر ہیں بدون ایمان کے متحہ نہیں ہو سکتے۔ حضرت مجدد العتباتی رحمہ اللہ علیہ نے اپنے کتبوبات میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ یہ لفظ کتب غیر مادیہ بدون معرفت حق کے منور نہیں ہوتے اور معرفت حق بدون اسلام کے نہیں ہو سکتی خوب سمجھ لو۔

ف - یہ جو کہا گیا ہے کہ اہل حقیقت کے سامنے اہل باطن کی کچھ نہیں چلتی ہم نے اپنے اکابر میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ ایک دفعہ مسلمانوں اور ارمیوں میں مناظرہ تھا ہندوؤں کی طرف سے ایک جوگی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جس وقت مسلمانوں کی طرف سے مناظرہ کے لیے کوئی عالم کھڑا ہوا کہ وہ جوگی سر جھکا لیا اور مسلمان عالم کی تقریر پر کمزور ہو جاتا اس کیفیت کو ایک صاحب دل نے جانپ لیا اور سستی حضرت مولوی سلیل احمد صاحب ندن اندر سر کو اٹھا ڈالی۔ اب حضرت نے بھی اپنا سر جھکا لیا، تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ وہ جوگی کرسی چھوڑ کر صاف پھر جلسہ میں آفرنگ نہ آیا۔ اور علماء اسلام کی تقریر پر یہاں زور دار ہونے لگیں۔ کفار کے مناظر مطلوب ہو گئے اور مسلمان منظر و منہور واپس آئے۔

اسی طرح ایک جوگی نے ریل میں حضرت مولانا موصوت کے ایک سر پر تعریف کیا جس سے اُن کے دل میں وسوسہ شیطان آئے لگے اور وہ اس قدر پریشان ہوئے کہ چلتی ریل سے کودنے کا قصد کیا دفعہ حضرت مولانا کی خدمت سامنے نظر آئی کہ فرما رہے ہیں کہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ یہ کہنا کہ تمام وسوسہ کا فور ہو گئے اور جوگی کا تعارف باطل ہو گیا وہ خود کہنے لگا کہ تمہارا ہر بڑا کامل ہے اب تو انہوں نے جوگی کو بُست برا بھلا کہا اور وہ نادم ہو کر خاموش ہو گیا۔

ایک طرح حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دہلوی اور حضرت مولانا حکیم امین خان نوٹی کے سامنے بھی جو گویا اور شعبہ ہائوں کی کچھ نہیں ملتی تھی اور مجبور ہو کر انہیں ماننا پڑتا تھا کہ یہ لوگ اہل حق ہیں ان کی باتوں میں خدائیت ہے۔ مجھ سے خود بعض ہندوؤں نے ان حضرات کے کمال کا تذکرہ کیا اور اسلام قبول کیا۔ بھگوان حضرات کے خدام میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے سامنے اہل باطل کے تعزیرات نہیں چل سکتے اور ان کو مغلوب ہو کر اہل حق کے کمال کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کیونکہ مجاہدہ و ریاضت کا اتنا اثر مزبور ہوتا ہے کہ وہ انصاف سے کلمہ لیتے ہیں محوٹ نہیں بولتے۔

ن - شیخ منت صاحب برکت کی جو علامات یہاں بیان کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ ہم نے اپنے اکابر میں اُن کا ظهور بدرجہ اتم پایا ہے۔ دُنیا اُن کے اتباعِ سنت و زہد و عروج اور تقویٰ اور غلبہ و شفقت علی العلق سے واقف ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے دیکھنے والے ہزاروں لاکھوں موجود ہیں وہ اس کی شہادت دیں گے۔ اس زمانے میں ان اوصاف کمال کی جامع ہستی حضرت ہی کذا ہے تھی نور اللہ مرقدہ۔

(۲۱۸) جس کا ایمان قوی ہوتا ہے وہ بدعات کا تحمل نہیں کر سکتا

یہاں سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا ایمان قوی ہوتا ہے وہ بدعات کا تحمل نہیں کر سکتا۔ نہ اُن پر سکوت کر سکتا ہے۔ دلچسپ شخص جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین ہونے کی شہادت دی ہے حالانکہ جانتا تھا کہ وہ جالِ حدیث کے اندر نہیں آ سکتا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ تنہا اُس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر بھی قوتِ ایمان نے اُس کو وہ جال کے پاس جانے اور اُس کی جماعت میں موجودگی میں اُس کو جھوٹا کہنے پر مجبور کیا۔ اگرچہ وہ یہ بھی نہ جانتا تھا کہ ایسا کرنے کے بعد کچھ کرے گا یا نہیں؟ قوتِ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے اگرچہ تنہا ہی رہ گیا ہو۔ جیسا ابو بکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا۔ جبکہ بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا بعد ازاں صحابہ کی دعائے اُسامے یہ ہونے لگا

اس وقت ان لوگوں سے چشم پوشی کی جانے (سختی نہ کی جائے) کیونکہ روم و خانداس کا خطرہ سر پہ
 موجود تھا، مگر صدیق اکبرؑ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں ان سے ضرور مقابلہ کروں گا اگرچہ
 میرے ساتھ ہوا ہیکل اٹھائے نہ ہو (یہ لفظ دجور کا ترجمہ ہے اور معنی نے اُس کو تشدید
 سے پڑھا ہے جس کے معنی زبور میں بھڑکے ہیں) حضرت صدیقؑ نے یہ بات پوری بھی
 نہ کی تھی کہ تمام بھڑکے (یا بھڑکے) بھر گئی۔ یہاں تک کہ سب لوگ مسجد سے باہر
 نکلے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت صدیقؑ سے یہ بات
 سنی تو سمجھ گیا کہ اُن کی دامنے حق سے اٹھ چکے تھے مجھے بھی اُس دامنے پر شرع صدر
 عطا فرمایا جس پر حضرت صدیقؑ کو شرع صدر ہو چکا تھا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت
 النبیؐ قوت ایمان کے موافق ہوئی ہے (جس قدر ایمان قوی ہو گا اسی قدر نصرت
 قوی ہوگی)۔ قولہ و خبیہ دلیل حط ان من قوی ایمانہ الی قولہ الا
 بقدر قوتہ ایمانہ۔

ف۔ جب کسی بدعت اور منکر پر نیکر کرنے والا کوئی نہ ہو تو قوت ایمان کا
 مقصدی یہ ہے کہ اس وقت یہ نہ دیکھے کہ میں تنہا ہوں، تنہا کیونکر انکار کروں میرے
 انکار سے کیا فائدہ ہوگا؟ اس وقت بدعت اور منکر پر ضرور انکار کیا جائے تاکہ حق
 ظاہر ہو جائے گو ہلاکت کا اندیشہ بھی ہو کیونکہ اگر کسی نے بھی انکار نہ کیا تو عام مسلمان
 گمراہ ہو جائیں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت مسئلہ
 خلق قرآن کا فتنہ مامون کے زمانے میں پھیلنا اور بعض علماء و گول مول بات کہہ کر چھوٹ
 گئے، بعضوں نے تفسیر کے طوہر پر مامون کی موافقت میں جواب دیے یا تو نچے بھی خیال
 ہوا کہ گول مول بات کہہ کر چھوٹ جاؤں کہ دفعہ مجھے معلوم ہوا کہ لاکھوں مسلمان مدبار
 سے باہر دولت قلم لے کر شہرے ہیں کہ احمد بن حنبل جو کچھ کہیں گے اُسی پر اعتقاد کریں
 گے تو میں نے عزم کر لیا کہ حق کو صاف صاف کہوں گا تاکہ آنت گمراہی میں مبتلا
 نہ ہو چاہے میرا کچھ بھی مشر ہو۔ غرض جب بدعت اور منکر پر صاف صاف نیکر
 کرنے والا کوئی نہ ہو اُس وقت صاحب حق کو اپنی جان کی پرواہ نہ کرنا چاہیے حق

کو بیان بیان کرنا چاہئے۔ غیب بکھلو۔

ف۔ یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ اہل بدعت قوت ایمان سے محروم ہیں۔ گو اہل بدعت میں بعض اہل نسبت بھی ہیں۔ مگر ان کی نسبت میں وہ فور نہیں ہوتا جو شیخ شمس صاحب نسبت میں ہوتا ہے۔

(۲۱۹) مسلمان کی بھلائی قوت ایمان کے موافق ہے مسلمان کی بہتری راہ یہاں سے معلوم ہوگا
 اچھائی : قوت ایمان کے موافق ہے (جتنا ایمان قوی ہوگا اسی قدر بہتری ہوگی) جب ایمان قوی ہوتا ہے تو یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے وہی پیش آنے گا۔ چاہے عیشاد ہے یا حرکت کرے پس مناسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بات کا حکم دیا یا ترغیب دی ہے اس کو ٹھنڈا کیا جائے چنانچہ خدا ہے حل لن یعیبنا الا ما کتب اللہ لنا هو مولانا وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون۔ فوادیجے کہ ہم کو اس کے سوا کچھ ہمیشہ مانے گا جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے وہی ہمارا مددگار ہے اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ شیخ جس کا حدیث میں ذکر ہے (تمنا جا کر دجال کی تکذیب کرے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں تو وہی دجال ہے) جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دی ہے (یعنی تو خدا نہیں جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے بلکہ تو جھوٹا کذاب ہے اور یہ بہت بڑا بہادہ ہے کہ حق بات کہہ دی اور اس کی پرواہ نہ کی کہ ایمان کیا ہوگا؟

آج کل بعض لوگ جو علماء اور دیندار کہلاتے ہیں حق بات کہنا اس خیال سے چھوڑ دیتے ہیں کہ اس سے دُنیوی ضرر پہنچے گا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی حالت کا مشاہدہ کر کے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بدترین لوگ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی ہم کو خبر دی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے لوگوں پر ایک زمانہ آنے کا جس میں علیج کوادی موسیٰ ہوگا شام کو کافر ہو جائے گا، شام کو موسیٰ ہوگا شام کو کافر ہو جائے گا۔ اپنے دین کو دنیا کے سامان کے بدلے بیچ دے گا یہ ضرور

نہیں کہ اس سے بالکل ہی کافر ہو جائے بلکہ بعض تو بوجہ مہانت کے فاسق ہو جائیں گے اور فتنہ کو بھی کبھی زحزحہ کفر کر دیا جاتا ہے اور بعضے دنیا کی مٹی میں اسلام سے مرتد ہی ہو جائیں گے اعاذنا اللہ من ذلک کلمہ اور یہاں جس شخص کا ذکر ہے وہ اس حدیث کا مصداق ہے لا تزال طائفة من أمتی علی الحق ظاہرة الی قیام الساعة لا ینزعہم عن خالفہم۔ میری اُمت میں کچھ لوگ حق پر غلبہ کے ساتھ جھے رہیں گے۔ قیامت آنے تک ان کو کسی مخالف کی مخالفت ضرور نہ دے گی۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ایمان مدینہ والوں میں قوی رہے گا اگرچہ بعض میں کچھ گڑبڑ بھی ہو کیونکہ دجال کے منہ پر حق بات کہنے والا مدینہ ہی کا آدمی ہو گا۔ اگر اور کسی جگہ بھی دوسرا ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بھی خبر سن دیتے۔ قولہ و یدہ دلیل علی ان الخبیثۃ ہی بقعدہ الا یصل الی قولہ لا تجز بہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ف۔ بہت سے علماء کا قول یہ ہے کہ دجال کے منہ پر حق بات کہنے والے یہ بزرگ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ کیونکہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی آیا ہے خضر ج الیہ دحل مومن قد رائف کہ دجال کے پاس ایک شخص میرے دیکھنے والوں میں سے جائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں میں سے ہجر خضر علیہ السلام کے اور کوئی زندہ نہیں وہی اس وقت تک زندہ رہیں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔

خضر علیہ السلام کا نام بلیمان بن سلیمان ہے کنیت ابوالباس نہ ہے فقیر خضر ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ جو ان کا اور ان کے باپ کا نام اور ان کی کنیت اور لقب معلوم کرے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے۔ حدیث میں ان لوگوں کے لیے تسلی ہے جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حق پر قائم ہیں۔ اگرچہ سارا زمانہ ان کا مخالف ہو ان کے لیے نصرت الہی کی مشیت ہے۔ کیونکہ ہم چیز کی وجہ سے اس بزرگ کی نصرت کی گئی وہ ملت یہاں بھی سر جو ہے یعنی قوت ایمان اور اللہ کی رضا دیکھنے حق کو ظاہر کرنا۔

(۲۲۶) ایمانی طاقت ضرورت کے موقع پر صرف قدرت پر

بھروسہ کرتی ہے حکمت پر نظر نہیں کرتی مگر وہیں سے سلوم بخوا کہ ایمان تھا قدرت الہیہ پر بھروسہ کرتی ہے۔ قانون حکمت کو کام میں نہیں لاتی گو دل میں قانون حکمت کا اثر قدرت و دونوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ اس شخص نے قانون حکمت سے عدول کیا کہ ایسے کام کے لیے نکل کھڑا جو اس کی طاقت سے باہر تھا اور ثمریت پر کہ قانون حکمت ہے اس سے منہ کرتی ہے چنانچہ ارشاد ہے ولا تلغوا بایديكم الف التهلكة* اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور قدرت الہیہ کا مقتضی یہ ہے وما بعد بعادین بہ من بعدا کا باذن اللہ اور وہ (ساحر کافر) خود کسی کو کچھ مقرر نہیں دے سکے مگر اللہ کے حکم سے نیز اس کا مقتضی یہ بھی ہے قل لمن یعیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔ کہہ دیجئے ہم کو وہی بیش آئے گا جو اللہ نے ہمارے واسطے مقتدر کر دیا ہے۔ چنانچہ سب سے بڑی مصیبت قتل ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو ہلاک کرنا چاہا تو قتل سے اس کو کچھ مقرر نہ ہوا اور جب دوبارہ اس کے قتل کا ارادہ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے شخص اپنی قدرت کا مظاہرہ کرنے کے لیے جہاں کو اس کے قتل سے روک دیا تاکہ سب کو سلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دہا یہ کہ پھر پہلی مرتبہ اس کو قتل پر قسمت کیوں دی گئی تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت عظیم کو ثابت کیا ہے کیونکہ اگر پہلی بار ہی قتل سے روک دیا جاتا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ دجال نے اس کو دیکھا یا نہ دیکھا یا نہ دیکھا تھا پھر اس کی نکاح سے غائب ہو گیا۔ اور کرامت اولیاء میں شمار کر لیا جاتا (کہ یہ علی اپنی کرامت سے غائب ہو گیا۔ اگر غائب نہ ہوتا دجال ضرور مار ڈالتا) مگر جس صورت سے اللہ تعالیٰ نے کرامت ظاہر کی وہ بہت ہی عجیب و غریب ہے کہ دجال کو ایک بار اس کے قتل پر قدرت دے دی اور دوبارہ قسمت نہ دی کہ وہ اپنا سامنے لے کر رہ گیا۔

قوله وفيه دليل على ان قوة الايمان عند الضرورة تفعل على القدر

بمعجزہ ما الی قولہ وما اظہر اللہ عز وجل لہ من الکرامة لرفع اعظم۔
 دن۔ میں اُس پر شک نہ کیا تھا کہ جب بدعت و منکر پر بغیر کرنے والا کوئی نہ ہو اس
 وقت اپنے کو خطرہ میں ڈال کر بدعت پر انکار کرنا جائز بلکہ بعض محدثوں میں واجب ہے
 جبکہ حکوت سے امت کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ پس یہ ثمرت اگرچہ ایک قانون
 حکمت کے خلاف تھی مگر دوسرے قانون حکمت کے موافق تھی۔ حدیث میں ہے اعظم
 الجہاد کلمۃ حق۔ عند سلطان چاثر۔ بڑا جہاد حق بات کہہ دینا ہے ظلم بادشاہ
 کے سامنے۔ اس کو بڑا جہاد اسی واسطے کہا گیا ہے کہ اس میں جان کا خطرہ غالب ہے
 چنانچہ بہ کثرت علماء حق ایسے گزے ہیں جنہوں نے سلاطین کے سامنے امر بالمعروف
 اور نہی منکر کیا اور جان دے دی کیونکہ اس میں امت کو بدعت اور منکر سے پہلے
 کا فائدہ تھا گو مخاطب کو نفع نہ پہنچا ہو۔ جان کو ہلاکت میں ڈالنا وہاں منع ہے جہاں کوئی
 نفع مرتب نہ ہو نہ مقابل کو کوئی ضرر پہنچے تو بے فائدہ جان کیوں دی۔

(۲۲۱) ایمان کے ساتھ فتنہ مُعَصِّر نہیں ہوتا کیا یہاں سے معلوم ہوا کہ ایمان
 دینا بلکہ فتنہ سے ایمان اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ دیکھو اس شخص کو سخت استقامت
 پیش آیا کہ قتل کیا گیا پھر زندہ کیا گیا مگر اس سے اُس کی قوتِ ایمان ر کم نہ ہوئی
 بلکہ زیادہ ہی ہوئی کیونکہ پہلے تو اُس کو ردِ جہال کے جھوٹا ہونے کا علم یقین تھا
 اب میں یقین ہو گیا اور میں یقین علم یقین سے اعلیٰ ہے۔ جیسا حضرت ابراہیم سے
 جب کہا گیا اَللہ تو منہ دیکھتا تم کو اس کا یقین نہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ
 کریں گے، تو عرض کیا اعلیٰ و دکن لیطمئن قلبی کہ یقین کیوں نہ ہوتا لیکن میں اطمینان
 قلب چاہتا ہوں (میں علم یقین سے ترقی کر کے عین یقین چاہتا ہوں) اور وہ
 مشاہدہ ہی سے ہو گا) اسی لیے وہ درجہِ غفلت کے مستحق نہ ہوئے اس میں ایک
 دوسری حدیث کی بھی تائید ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دل پر
 نفع کے بعد دیگرے آتے دہتے ہیں جس پر وہ پیوست ہو گئے اُس میں مایہ و داغ

بید کر دیتے ہیں اور جس دل میں ہوسٹ نہ ہوئے اُس میں سفید (چمکتا ہوا) نشان پیدا کر دیتے ہیں جو ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ دل صاف (آئینہ کی طرح) ہو جاتا ہے پھر اُس کو کوئی فتنہ اس کے بعد ضرر نہیں دیتا۔ چنانچہ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تصدیق کرتا ہوتا اور رسول کے ماسستہ میں مجاہد بن کر نکلا تو اُس کو قتل سے بھی کچھ ضرر نہ پہنچا بلکہ ایمان میں ترقی ہی ہوئی اور وہ جہاں کی حالت سے واضح ہو جائے گا کہ اُس کے غمخوار قیامات عموماً اُس کی تکذیب کریں گے کیونکہ وہ اپنے اُدمیں سے کئے کا بتلاؤ اگر اُس کو قتل کر کے پھر زغہ کر دوں کیا پھر بھی میرے متعلق شک کرو گے؟ (اُس کا یہ سوال ہی بھلا تا ہے کہ وہ دعوئے خدائی میں مجبوثا ہو گا؛ اگر اُس کا دعوئے خدائی سچا ہوتا تو لوگوں کے دلوں کو اپنی تصدیق پر عموماً مل کر دیتا کیونکہ قلوب قوائد تقلے کے قبضہ میں ہیں (وہ جس طرح چاہیں اُن کو پھیر سکتے ہیں) پس وہ جہاں کا لوگوں سے اپنی تصدیق طلب کرنا خود اُس کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے حق میں کمزوری محال ہے) پھر بڑی کمزوری یہ ہو گی کہ وہ دوبارہ اس شخص کے قتل کا دعوئے کرے گا مگر قادر نہ ہو گا اپنا سامنے لے کر رہ جائے گا)۔ قوله وفيه دليل على ان الفتنه لا تضر مع الباطن الى قوله وهذا في حق الرعية محال۔

ف۔ حضرت شارح نے یہ جو فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی کے لیے ایماہ موتی کی کیفیت دیکھنا چاہی اس میں کلام ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ بدون مشاہدہ مستی کے عین الیقین حاصل نہیں ہو سکتا اور مشاہدہ سے پہلے ابراہیم کو عین الیقین کا وہ جب حاصل نہ تھا مگر حضرت شارح کی مراد عین الیقین سے اصطلاحی معنی نہیں بلکہ لغوی معنی ملتا ہے تو یہ مقدمہ سلم ہے مگر اُس کو علم الیقین کے مقابلہ میں لانا درست نہیں کہ اس سے معنی اصطلاحی کا شبہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام عین الیقین دونوں کے کامیاب تھے۔ جب اولیاء کاملین کو یہ دونوں درجے حاصل ہوتے ہیں تو انبیاء کا کسی

ایک سے غالی ہونا کہہ کر ٹکس ہے اُن کو وحی اور نبوت کے ساتھ ہی یقین بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بدون مشاہدہ کیفیت کے دل کو ایک کیفیت پر قرار نہیں ہوتا بلکہ ذہن نقشے بتاتا رہتا ہے جیسے ہم کو یقین کامل ہے کہ دنیا میں خاندانہ موجود ہے مگر جب تک مشاہدہ نہ کر لیا جائے ذہن کو ایک محدث پر قرار نہیں ہوتا بلکہ مختلف محدثیں ذہن میں آتی رہتی ہیں کہ کبہ ایسا ہے یا ایسا ہے، دیکھنے کے بعد ایک محدث پر قرار ہو جاتا ہے کہ میں ایسا ہے اس کا نام اطمینان ہے اور لفظ اس کو یقین یقین کہہ سکتے ہیں اصطلاحاً نہیں۔ اسکی کو حضرت ابراہیمؑ نے طلب کیا تھا اور یہ مقاصد میں سے ہیں بدون اس کے بھی ایمان اور یقین کامل حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسے ہم کو بدون دیکھے خانہ کعبہ کے وجود کا پورا یقین ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اطمینان کی طلب اس لیے کی کہ اُن سے ایمان موتی میں نرود نے منظر کیا تھا اُن کو خیال ہوا کہ شاید پھر کوئی اس باب میں مناظرہ کرنے لگے تو میں اُس کی کیفیت کا مشاہدہ کر لوں تاکہ مشاہدہ کے بعد قوت کے ساتھ گفتگو کر سکوں کیونکہ قاعدہ ہے کہ صاحب مشاہدہ کے کلام میں وہ قوت اور شوکت ہوتی ہے جو طبع صاحب مشاہدہ کے کلام میں نہیں ہوتی جس لیے سچ کر لیا ہے۔ وہ جس قوت اور شوکت کے ساتھ مسائل سچ میں گفتگو کر سکتا ہے سچ نہ کہنے والا نہیں کر سکتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

پس ہر شخص کو دنیا میں طلب اطمینان کی اجازت نہیں نہ ضرورت فالانیا جیہ الخوف والرجاء اطمینان تو آخرت ہی میں حاصل ہو گا ہاں طلب یقین لازم ہے۔ اور اُس کا ہر درجہ دنیا میں حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اولیا کا شیئ اُس سے کامیاب ہیں کہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے لوانکشف الغامر ما اذدبت یقیناً اگر پردہ اٹھ جائے جب بھی میرے یقین میں زیادتی نہ ہوگی تو اطمینانی کیفیت ضرور پیدا ہوگی لیکن الغیب کا ملبا ہے۔ سننے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہی ہے مگر اُس کا نام اطمینان ہے۔ اولیا کو یقین کامل بدون اس کے بھی حاصل ہوتا

ہے اور انبیاء علیہم السلام اس میں سب سے زیادہ کامیاب ہیں (سبعۃ من سیدی حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ رحمۃ اللہ علیہ)۔

ن۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ فتنے سے ایمان قوی ہوتا ہے اس کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ کتنی محبت ہر حال میں بڑھتی ہے خواہ اُس کی وجہ سے کتنی ہی تکلیف پہنچے اور کتنی محبت ہی کا نام ایمان ہے واذین 'اموا شد جانہ'۔ جس نے عشاق کو دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ تکلیف و محن سے عشق کی آگ زیادہ بھڑکتی ہے۔

نہ ساز دشمن را کج سلامت

خوشا رسوائی کوئے طاعت

عاشق کا مذاق یہ ہوتا ہے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغ

مہر دوستاں سلامت کہ تو غنیمت آزمائی

ہاں بلا سے جان نکلے تو گھر نکلے نہ آہ

ہوشیار لے دل کہ وہ مہر آزما ہو کیو ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات تفصیل کے ساتھ بیان فرمادی ہیں۔ جب مومن کے سامنے وہ فتنے آتے ہیں جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے تو اُس کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے وہ ان کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھتا ہے لقد صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بے شک ہمارے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ جس وقت میں نے اپنے رسالہ العطر الوردی فی ذکر المسیح والحمدی میں یہ حدیث لکھی ہے دیفشوا القلہ والتجارۃ کہ قیامت کے قریب قلم اور تجارت بہت پھیل جائے گی۔ یعنی لکھنے پڑھنے کا رواج زیادہ ہو گا۔ تجارتیں ترقی کریں گی۔ تو میں نہیں بیان نہیں کہ مجھ پر کیسی وجہی کیفیت طاری ہوئی۔ واقعی حضورؐ نے سچ فرمایا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ آج کل ہر قوم کو ترقی تعلیم اور ترقی تجارت کی کس قدر فکر ہے۔ محافض گاؤں میں اسکول کھولے جا

سب سے ہیں مسلمانوں کی بنیادِ وحدت پر قائم ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھو کہ باوجود اس قدر ترقیِ تعلیم کے علمِ باہر ہے اور جمل ترقی پر ہے۔ علامتِ قیامت میں حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے یقیناً العلم و بکثر الجہل و بکثر الہم ج بعضی القتل۔ علم سمٹ جانے لگا اور جمل غالب ہو گا اور گزشتہ بیسی غن و زری زیادہ ہو گی۔ سودا گری اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کی تو ترقی ہے مگر علم کو تنزل ہے کیونکہ لکھنے پڑھنے کا درجہ زیادہ معنی دینا اور ملوکی منفعت کے لیے ہے خدا شناسی یا مذہب سے واقف ہونے کے لیے نہیں اور ایسے لکھنے پڑھنے کا نام علم نہیں بلکہ سراسر جمل ہے اس کی جس قدر ترقی ہو گی جمل ہی بڑھتا جائے گا علم

علمی کردہ جتنی نہ ناید جہالت ست

یہی وجہ ہے کہ اس طرح کلمہ کو جتنی ترقی ہو رہی ہے اسی قدر دُنیا میں فساد اور خون ریزی بڑھ رہی ہے۔ یہ فساد کرنے والے ان پڑھ جاہل نہیں بلکہ تعلیم یافتہ مگر بکویت ہیں وہی کسانوں مزدوروں کو سبز باغ دکھلا کر دُنیا میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ ان واقعات کو دیکھ کر مومن کا ایمان پختہ ہوتا اور تصدیق رسول میں برابر ترقی ہوتی ہے کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا دیا ہو ہو چکا ہو رہا ہے۔

اللہم صلّ وسلّم و برک علیٰ هذا النبی الکریم افضل صلوات و

ازکی تسلیم والحمد لله رب العالمین۔

حدیث میں قدرتِ الہی کا بھی بیان ہے کہ جس کے (۲۲۲) تقدیر کا بیان لیے گرا ہی مقدر ہو چکی ہے اُس کو عبرتیں اور نصیحتیں کچھ بھی نفع نہیں دیتیں۔ دیکھو رجالِ دعوئے کرے گا کہ میرے خدا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میں اس شخص کو مار کر پھر زندہ کر دوں گا۔ سو ایک دفعہ وہ ایسا کر دے گا پھر جب وہ شخص زندہ ہو کر کے گا کہ اب تو مجھے پہلے سے بھی زیادہ بعیرت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ تو دجال کذاب ہے، وہ دوبارہ اُسے قتل کرنا

چاہے گا مگر بدن کسی ظاہری سبب کے اس کے قتل پر قادر نہ ہوگا۔ اب اُس پر اور اُس کے پیروں پر حق کو مان لینا لازم تھا کیونکہ اُس کے دعوے اور دلیل کو باطل کرنے والی چیز نظمِ کُلا سب کے سامنے آگئی جس کا کوئی جواب اُن کے پاس نہ ہوگا۔ مگر بات یہ ہے کہ دلائل اور مواضعِ سعادت کے ساتھ ہی نفع دیتے ہیں اور نقصان اور مصائبِ شقاوت کے ساتھ ہی مضر پہنچاتے ہیں۔ ہم اللہ عز و جل مالکِ عرشِ عظیم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں شقاوت اور محرومی اور فقر اور آزمائشوں سے دونوں جہاں میں بچائیں اور اپنے فضل سے داریں کی سعادت سے سرفراز فرمائیں۔ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں۔ **وصلی اللہ علی محمد وآلہ**۔ **قوله خلیہ دلیل علی الظہار قدرہ اللہ عز و جل الم** **قوله حمد وآلہ**

فت۔ یہی وہ مقام ہے جس نے عارفین کو مرزا رکھا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ اُس کی تقدیر میں کیا ہے گو ظاہرِ حل سے انجام کا پتہ مل جاتا ہے مگر قطعی فیصلہ مرنے سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فرماتے ہیں۔

غافل مرد کہ مرکب مردانِ مردوار در سنگلاخِ بلویر پہا بریدہ اند
نوسید ہم مباحثِ کر زلینِ بلویش ناگاہ یک غروشِ بنزلِ رسیدہ اند

۷۔ گدشک کند فرشتہ بر پائنتی ما

گد خندہ زندہ یوزنا پا کنتی ما

ایمان چو سلامت بہ لبِ گور بریم

احسن بریں پستی و چالا کنتی ما

ہر شخص کو حسنِ خاتمہ کا اہتمام کرنا اور اُس کے لیے دل سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔

وَدَعَا اللّٰہَ وَاٰیَا کَہٗ حَسَنَ الْخَاتَمِ بِحَمْدِ الشَّیْءِ وَالْہِ وَاَصْحَابِہِ الْکَرَامِ صَلَّی اللّٰہُ

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

حدیث

حراسة مكة والمدينة من الدجال

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دنیا کا) کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجال نہ پہنچے بجز مکہ اور مدینہ کے کہ ان کے دستوں میں سے کوئی ناکستہ ایسا نہ ہو گا جس پر فرشتے صفت ہاندے ہوئے ان کی حفاظت دے سکتے ہوں۔ پھر مدینہ میں تین دفعہ زلزلہ آئے گا تو ہر کارافرمان فتنہ (مدینہ سے نکل کر) دجال کی طرف چلائے گا۔

حدیث کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ دجال زمین کے تمام جلد میں پہنچے گا بجز مکہ اور مدینہ کے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے ایک تو یہ کہ اس میں دجال کے ظہور کی تہنیت ہے کہ وہ ظاہر ہو گا اور تمام لوگ زمین کا دودھ کسے گا۔ مکہ مدینہ کے پاس بھی پہنچے گا مگر فرشتے کلمہ صفت ہاندے ہوئے ان دونوں مقدس شہروں کی حفاظت کرتے ہوں گے اس لیے اندر نہ پہنچ سکے گا مدینہ کو تین بار زلزلہ آئے گا۔ کار و منافق اس زلزلہ کو دجال کا تعارف سمجھیں گے اور اس کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اسی لیے ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ مدینہ کی ایسی مثال ہے جیسے بھٹی کی جس طرح اس میں سونے چاندی کا نیکل کپیل نکل جاتا ہے اسی طرح مدینہ غیثوں کو اپنے اندر سے نکال دیتا ہے۔

(۲۲۳) مکہ اور مدینہ فضیلت میں برابر ہیں کہ فضیلت میں مکہ اور مدینہ دونوں برابر ہیں کیونکہ وہاں تمام زمین کو پامال کر کے لاکھوں دو (مقدس شہروں میں دہنچ سکے گا تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں فضیلت میں برابر ہیں اس کی تائید دوسرے دلائل قیاس سے بھی ہوتی ہے کیونکہ اگر مدینہ میں یہ خصوصیت ہے کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریفین اور مسجد مبارک ہے اور حضورؐ نے وہاں قیام فرمایا ہے تو مکہ میں یہ خصوصیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باکرامت مکہ میں ہوئی وہاں آپؐ نبوت سے سرفراز ہوئے اور وہیں آپؐ کا قبیلہ ہے اور نبوت کے بعد حضورؐ کا قیام مکہ میں بھی مدینہ کے برابر ہی ہوا (بلکہ کچھ زیادہ) مشہور قول یہی ہے (کیونکہ آپؐ نے نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ سال قیام فرمایا اور مدینہ میں دس سال رہیں) آفتاب رسالت کا مطلع نکسے اور مغرب مدینہ ہے۔ قوله وذا من هذا الحديث يعطى التسوية بينهما المفضل الى قوله ومنهما بالمدينة۔

ف۔ ہر چند کہ یہ مسئلہ فقہوں کا نہیں مگر صوفیہ نے اس سے بحث کی ہے اس لیے ترجمہ کر دیا گیا۔ اس باب میں پہلے اکابر کا فیصلہ یہ ہے کہ جینا مکہ میں اچھا اور مدینہ میں اچھا۔ کیونکہ مکہ میں اعمال صالحہ کا ثواب مدینہ سے زیادہ ہے کہ مسجد اہرام کی ایک ناز ایک لاکھ نازوں کے برابر ہوتی ہے اور مسجد نبویؐ میں ایک ناز پچاس ہزار نازوں کے برابر ہے۔ پس زندگی مکہ کی افضل ہے اور جب قرب قربت کا احساس ہونے لگے اُس وقت مدینہ پہنچنا افضل ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان له من الدنيا شيء فليصلها إلى مكة، فإن مكة خير من غيرها۔ (مسلم) اور ان کے مقتدرین مدینہ کو مدینہ سے افضل کہتے ہیں مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جو زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیم اطہر سے قبر شریفین میں سے لے کر جو زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے اور ان جلیل جناب نے تو اس کو مرسلین و کوس سے بھی افضل کیا ہے کذا فی الفتح ج مع الحاشیہ ۱۲۔

من استطاع فليصل اليه فليكلم او كما قال "۔ میں سے یہ جو سکے کہ مدینہ میں اُس کو موت اُسے اُس کو ایسا کرنا چاہیے "۔

دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلے وہ لوگ ہوں گے جو بیعت الغزو (قبرستان مدینہ) میں مدفون ہیں۔ پھر آپؐ تکہ والوں کا انتظار فرمائیں گے اور ان سب کو ساتھ لے کر میدان محشر میں تشریف لائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہوں گے وہ آپؐ کی شفاعت سے زیادہ کامیاب ہوں گے۔ اللہم ادرقنی شهادة في سبيلك واجعل موتی بجلد رسولك صلی اللہ علیہ وسلم آمین۔

(۲۲۴) دجال کو خوارق بہت دینے ہائیں گے پس خوارق کو علا

قبول نہ سمجھا جائے جب تک اتباع سنت نہ ہو کہ اس لعین (مردود) دجال کو خوارق عادات بہت دی جائیں گی جن میں سے ایک تو یہی ہے کہ وہ تمام بدنہ زمین کا اندرہ کرے گا حالانکہ (دعویٰ الوہیت کے بعد) اُس کا قیام زمین میں صرف چالیس دن ہو گا اس سے زیادہ نہیں البتہ ان آیام میں پہلا دن سال ہجر کے برابر ہو گا اور دوسرا سینہ کے برابر اور تیسرا ایک جنت کے برابر اور بقیہ آیام عام دنوں کے برابر چھوٹے بڑے ہوں گے۔ حضرات صحابہ نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان لمبے دنوں میں ہمیں ایک ہی دن کی نماز کافی ہوگی؟ فرمایا نہیں بلکہ نمازوں کے لیے وقت کا اندازہ کر لیں۔

عہدِ رسالت سے حضرت صحابہ کی فکر دین کا اندازہ ہو گیا ہو گا انہوں نے ان یہ سب خلقِ ربوبی پریشانیوں کا علم۔ پالت نہیں کیا صرف دینی پریشانی کا حل دریافت کیا پھر یہ بھی نہ بچا کہ وقت کا اندازہ کیونکر کریں؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ کرنے کا حکم دیا ہے تو اس وقت کوئی صورت یہی پیدا ہو جائے گی جس سے اندازہ کرنا آسان ہو۔ (الحسنہ)

دوسری عرقِ عادت پہلی حدیث میں گزر چکی ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا۔ ایک یہ کہ وہ زمین میں دان ڈالے گا تو اُنسی وقت تک بھی اُسے گا، پک بھی جائے گا کٹ بھی جائے گا۔ ایک یہ کہ اُس کے ساتھ دونوں کے ہنڈاڑ ہوں گے۔ ایک یہ کہ اُس کے ساتھ جنت اور دوزخ کا غروب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ جو اُس کی جنت میں داخل ہوگا وہ دوزخ میں ہوگا اور جو اُس کے دوزخ میں داخل ہوگا وہ جنت میں ہوگا۔ ایک یہ کہ وہ کسی سے کہے گا کہ میرا کتنا مان لے وہ انکار کرے گا تو اس شخص کا مال و جال کے ساتھ ہولے گا۔ اب وہ شخص بھی اپنے مال کی وجہ سے دجال کا پیرو ہو جائے گا۔ مغرور دجال کے کفر کا اداس کی وجہ سے لوگوں کے کافر ہونے کا بڑا سبب یہ خوارقِ عادت ہی ہوں گے جو اس لعین کو دینے جائیں گے۔ اس کے ظہور سے پہلے سات سال ایسے گزریں گے جن میں دُ آسمان سے ایک قطرہ بارش کا نازل ہوگا نہ زمین سے کوئی دان اُسے گا (مگر اُس وقت امامِ ہدی علیہ السلام موجود ہوں گی جن کی برکت سے مسلمان بھوکے نہ رہیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کے لیے ذکر اللہ اور تسبیحِ خدا کا کام ادیکھا۔ اُن کے غم و تکلیف سے بڑے جیسے شکم تلے ایک دم گر پڑیں گے۔ دجال کے پاس تو شعبے ہی ہوں گے۔ حضرت امام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بڑی کرامات ہوں گی جن سے مسلمان کے دل مطمئن اور مضبوط ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ ہر فرعون کے ساتھ ایک موسیٰ اور ہر زہر کے ساتھ تریاق بھی پیدا فرمادیتے ہیں۔

چلے گا۔ چنانچہ اس وقت گمراہی گھنے موجود ہیں۔ گمراہی کے ذریعے اوقاتِ غارت کا پتہ چلتا ہے گا اور کسی سے ایام کی گنتی بھی رہے گی جس سے رمضان کا نام معلوم ہو گا۔ اُس میں بھونے بھی گمراہی کے شکار سے رکے لیا جائے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو آیام کی شمار بڑے اہتمام سے کرنا ہوگا اور ہر میزبانی دن کا شمار کرنا ہوگا۔ اسی سے رمضان کا علم بھونے کے لیے اور دنیا کا علم مانگے کے لیے ہوگا اور لیکن ہے کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو علمِ اوقات کا کوئی اس سے بھی زیادہ آسان طریقہ بتلا دیں۔ وما ظلم الله یعبیز۔ ۵۰۔

تاکہ صاحب بن گمراہی سے محفوظ رہیں اور جو خود ہی گمراہ ہونا چاہے اس کا کوئی علاج نہیں) اسی لیے اہل تحقیق اُن خوارقِ عادات پر نظر نہیں فرماتے جو اُن کے ہاتھوں سے ظاہر ہوا کرتی ہیں اگرچہ وہ کتنی ہی زیادہ ہوں (کیونکہ خوارقِ عادات و جال سے بھی ظاہر ہوں گی تو اُن پر نظر کرنا اور اُن کو مقبولیت کی علامت قرار دینا غلطی ہے جب تک ان خوارق کے ساتھ کمالِ اتباعِ سنت اور تقویٰ اور محبتِ حق موجود نہ ہو) بعض بزرگ گاہِ دین تو ان خوارق سے ڈرتے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے تھے کہ اُن کو اس سے معاف کیا جائے۔ چنانچہ ایک بزرگ سفر کر رہے تھے راستہ میں دریا آگیا جس سے پار ہونا بدوُن کشتی کے دشوار تھا اُن کے پاس کچھ تھا نہیں جو کشتی والے کا کرایہ دے دیتے یہ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کروں دفعۃً ان کی نذر دریا پر پڑی کہ اُس کے دونوں کنارے اس قدر قریب ہو گئے ہیں کہ ایک ہی قدم کا فاصلہ دیکھا گیا ہے یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور عرض کیا خداوند اگر یہ کرامت ہے تو اس کو آخرت کے لیے میرے واسطے ذخیرہ (کے طور پر محفوظ) کر لیجئے اور اگر سطحِ بحرِ مود کی طرف سے (کوئی شعبہ) ہے تو اس کو مجھ سے دین کر دے۔ دریا فوراً جیسا تھا دوسرا ہی ہو گیا اور بزرگ نے اپنے پیڑوں میں سے ایک کپڑا کشتی والے کو دیا جس کے بعد (کرایہ دے کر) پار ہو گئے۔

بزرگوں سے اس قسم کی حکایات بہت ہیں (جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوارقِ عادات سے غرض نہ ہوتے تھے بلکہ ڈرتے تھے) بس اُن کو تو پہنے اعمال اور ایمان کی تحسین و تکمیل کا اہتمام تھا اور ان ہی کی برکات کی طلب تھی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چالیس دن تک اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اعمال میں (اخلاص کا، جہتنام) کرے حکمت کے چشمے اُس کے دل سے زبان پر ظاہر ہونے لگتے ہیں (یعنی اولِ اخلاص کی برکت سے دل میں علومِ حکمت کا انوار ہوتا ہے پھر اُس کی زبان سے حکمت کی باتیں نکلنے لگتی ہیں۔ یہ حدیث صوفیاء کی چکرکشی کی اصل ہے) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رقت (قلب) کو تین چیزوں میں

طلب کرو۔ ناز میں، محوِ قرب قرآن میں، ذکرِ اللہ میں۔ اگر ان میں رقت پاؤ (توخیر) ورنہ جان لو کہ دروازہ بند ہے (پس ایمان اور اعمالِ صالحہ کی یہ برکات تو مطلوب ہیں۔ کرامت و خورقِ عادت مطلوب نہیں) اسی طرح اور جو حقوق (شرعیہ) ہیں (وہ ان کا اہتمام کرتے ہیں) ان ہی سے ان کا حال درست ہوتا ہے۔

فیہ دلیل علی کثرة ما یعمل هذا اللعین من خرق العادة الى قوله ویبدا صلاح حالہ۔

ف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں میں رقت طلب کی طلب کا حکم دیا ہے مگر آج کل بعض مدعیانِ تعویذِ سماج اور قوالی میں رقت طلب کی تلاش کرتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ اہل سماج کو ناز اور تلاوتِ قرآن اور ذکرِ اللہ میں رقت حاصل نہیں ہوتی اور جس کو ان سے رقت حاصل نہ ہو اُس پر دروازہ بند ہے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جہدِ گمان دین نے جو سماج سنا ہے وہ بالکل کا سماجِ متوہم کے ساتھ نہیں تھا اور جیسا بھی تھا بطورِ غذا کے نہ تھا بلکہ دوا کے طور پر تھا۔ جب کسی پر یقین طاری ہوتا تھا اُس وقت بطورِ علاج کے اُس کو استعمال کرتے تھے۔ مگر بالکل لوگوں نے دوا کو غذا بنا لیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناز اور تلاوت و ذکر میں ان کو رقت و عطیات نصیب نہیں ہوتی جو حدیث کے موافق محرومی کی علامت ہے۔

ف۔ آج کل پنجاب میں ایک اور مدعی پیدا ہوئے ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ جال اکبر پیدا ہو چکا ہے اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا قادیانی بھی دجالوں میں سے ایک تھا مگر وہ جال اکبر نہ تھا۔ اُس میں دجال اکبر کی علامات موجود نہ تھیں۔ بڑی علامت تو یہ ہے کہ اُس کا ظہور زمانہ صدیِ علیہ السلام میں ہو گا اور اب تک حضرت امام کاظمؑ نہیں آئے۔ دوسری علامات وہ ہیں جو مختصر اس مقام میں مذکور ہیں مگر پنجاب کے محلے نے ان خورق میں عجیب بے تکلی تاویلیں کی ہیں اور بعض کے دلوں کو بے وقوف بنایا ہے مگر اُس کو اتنا شعور نہیں کہ قرآن

حدیث کے کھنڈے والے وہی لوگ تھے جو زمانہ نزول وحی میں موجود یا انہی کے قریب تھے۔ جس شخص کو فصاحت و بلاغت اور اجماع قرآن کی ہوا بھی نہ لگی ہو نہ قرآن و حدیث سے کافی ذوق ہو اُس کو فہم قرآن و حدیث کا دعویٰ جائز نہیں۔ اگر اس طرح حدیثوں میں بے نیکی مادیوں کی جائیں گی اور مادیانہ حدیث کو بے وقوف بتایا جائے گا تو ایسا شخص خود ستر و جالوں میں سے ایک در حال ہو گا۔

رہا یہ کتنا کہ یہ باتیں عقل میں نہیں آتیں تو قیامت کی علامات کا تساری عقل میں آنافزوری نہیں۔ صرف حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ قیامت کی کیفیت خود عقل میں نہیں آسکتی تو اُس کی علامات کا عقل میں آنا کیا ضروری ہے؟ اور اب تو سائنس نے بہت سی بعید از قیاس باتوں کو قریب کر دیا ہے۔ پہلے کس کی عقل میں یہ بات آسکتی تھی کہ ریڈیو کے ذریعے لندن کی تقریر ہندوستان میں سنی جاسکتی ہے۔ مگر آج سب سُن رہے ہیں۔ پس انتظار کرو انشاء اللہ منقریب وہ وقت بھی آجائے گا جب علامات قیامت سب کی سب تساری عقلوں سے قریب ہو جائیں گی۔ اس مدعی نے ایک کمال تو یہ کیا ہے کہ ظہور مہدی کا تو افراہ کیا ہے مگر نزول یحییٰ علیہ السلام سے انکار ہے حالانکہ سلف میں بعض ایسے قوم گزریے ہیں جنہوں نے ظہور مہدی سے انکار کیا ہے اور حدیث ابن ماجہ لا مہدی الا یحییٰ کی وجہ سے مہدی اور یحییٰ کا مصداق یعنی علیہ السلام ہی کو قرار دیا ہے مگر ایسا کوئی نہیں جو جس نے نزول یحییٰ سے انکار کیا ہو۔

اس مسئلہ کا متفق علیہ قول یہ ہے کہ مہدی اور یحییٰ علیہ السلام ایک ایک دو شخصیتیں ہیں اور حدیث ابن ماجہ کو ضعیف کہا ہے جو احادیث مجیدہ متواترہ کو رد نہیں کر سکتی۔ یعنی علیہ السلام زمانہ مہدی میں آسمان سے نازل ہوں گے اور در حال اکبر کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔ اس وقت چونکہ در حال کا مقابلہ ہو گا جس کے پاس خوارق عادات بہت کچھ ہوں گے اس لیے یحییٰ علیہ السلام سے بھی بہت خوارق عادات ظاہر ہوں گے۔ پس یہ شبہ لغو ہے کہ یحییٰ علیہ السلام سے ایسے معجزات اپنی نبوت کے دہانے میں تو ظاہر نہیں ہونے اب زمانہ مہدویت میں کیوں ظاہر ہوں گے؟ جواب

وانچ ہے کہ اس وقت دجال کبر کا مقابلہ ہو گا جس کے برابر اہل باطل میں کوئی بھی مناسب خوارق نہیں ہوا۔ ایک شبہ یہ کیا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کے سانس سے سارے کافر ہلاک ہو جائیں گے تو وہ تجدید دین کے لیے تبلیغ و اصلاح کس کی کریں گے؟ جواب یہ ہے کہ یہ غایت اُن کے سانس میں لشکر دجال سے مقابلے کے وقت ہوگی کہ اُس کے ساتھ مڈی دل کافر ہوں گے اور نکلن ہے اُس کے پاس میدان جنگ میں چھوڑنے کیلئے گیس وغیرہ بھی ہوں اُن کے گیس کا جواب عیسیٰ علیہ السلام کا سانس دے گا۔ اُن کا گیس تو دوست دشمن سب ہی کو ہلاک کرنے والا ہو گا مگر عیسیٰ علیہ السلام کا سانس صرف کافروں کو ہلاک کرے گا۔ مسلمانوں کو قوت و فرمت بخشنے والا۔ اس طرح دجال کے قتل تک بہت سے کافر ہلاک اور بہت سے فرار ہو جائیں گے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہے گا، تو اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے سانس سے کفار ہلاک نہ ہوں گے۔ چنانچہ خروج یا جوج و ماجوج کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے سانس میں یہ غایت دائمی ہوتی تو اُن کو کوہ طور پر جانے کا حکم کیوں ہوتا؟ بلکہ یہ حکم دیا جاتا کہ اپنے سانس سے یا جوج و ماجوج کو بھی ہلاک کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے سانس میں یہ غایت صرف اُسی ایک میدان میں ہوگی جہاں دجال سے مقابلہ ہو گا۔ اسی طرح اُس نے اور بھی مشیمات نکالے ہیں جن کا منشاء بعض غلبہ فہم اور غلبہ ایمان ہے جن کو اللہ کی قدرت پر پُر ایمان ہے وہ ایسے شبہات نہیں کر سکتے کہ لو۔

(۲۲۵) حرمت مکان سے ایمان ہی کے ساتھ نفع ہوتا ہے یہاں
 ہوا کہ مکان کی حرمت ایمان کے ساتھ ہی نفع دیتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دجال کی طرف (مدینہ سے) ہر کافر اللہ منافق نکل کر آئے گا جس سے مسلم ہوتا ہے کہ اُس وقت مدینہ میں کفار اور منافق بھی ہوں گے حالانکہ اس وقت وہاں نفاق ظاہر نہیں۔ نہ مدینہ میں کوئی کافر مقیم ہے نہ وہاں جا سکتا ہے تو اُس وقت عالم

میں فساد بہت ہی زیادہ ہو گا (کہ کفار و منافقین مدینہ میں آباد ہوں گے) حضورؐ نے عامی اور فاسق نہیں فرمایا (بلکہ کافر و منافق فرمایا ہے تو یہ لوگ باوجود مدینہ میں رہنے کے فتنہ و جال سے محفوظ رہیں گے کیونکہ بدون ایمان کے حمت مکان سے کچھ نفع نہیں ہوتا۔ مدینہ کے مومن تو سب اُس کے فتنہ سے محفوظ رہیں گے خواہ سختی ہوں یا غیر سختی۔ کیونکہ ایمان کے ساتھ برکت مکان سے سب کو نفع ہوتا ہے) اسی لیے امام مالکؒ نے اپنے ایک دوست کو لکھا (مجھ یہ ہے کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو لکھا تھا جبکہ اُنہوں نے بیت المقدس کی طرف جانے کا ارادہ کیا کہ زمین کسی کو پاک نہیں کرتی بلکہ انسان کو اُس کا محل پاک کرتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اپنے لیے ایسی چیز کو تلاش کر لو جو تم کو پاک کر دے خواہ اُس علم ہو یا حسن عمل کیونکہ بھلا مسالہ بہت نازک ہے۔

وہ ذیہ دین مختلف ان حرمة البقعة لا تنفع الا مع الايمان الى قوله فاما من
وہ اللہ خطر -

ف - حضرت شارح کے زمانے میں تو یہ بات کسی مسلمان کی عقل میں نہ آ سکتی تھی کہ مدینہ میں کفار و منافقین بھی رہ سکتے ہیں۔ مگر آجکل ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ امریکہ کی کمپنی کو حجاز کے مساجد اور پٹرول کا ٹھیکہ دے دیا گیا ہے اور یہ لوگ بے تکلف و تکرہ مدینہ کے اُس پاس موٹریں لے پھرتے ہیں۔ کیا محب ہے کسی وقت اُن کو مدینہ میں مکان بنا کر رہنے کی بھی اجازت دے دی جائے۔ سلطان نجد و حجاز کا یہ فعل تمام مسلمانوں کے دلوں میں کاسے کی طرح کھٹک رہا ہے کہ اُنہوں نے کفار کو اس قسم کا ٹھیکہ دے کر جہاد میں رہنے کا موقعہ کیوں دیا؟ اگر مساجد کی تلاش ہے تو پہلے اپنے گویہیں کو صیپ و سرکچہ بچا کر اس کام کی تعلیم دی ہوتی پھر اُن تعلیم یافتہ مسلمانوں سے یہ کام لیا ہوتا۔ مگر آجکل ہمارے سلاطین کو جو سمجھتی ہے اُلٹی ہی سمجھتی ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود تو سب کے سب دجال کے ساتھ ہوں گے وہ تو اُس کو اپنا بادشاہ اور خدائیں گے۔ ممکن ہے کہ کچھ نصاریٰ یہود کی عداوت کے سبب دجال کو نہ

مائیں اور مسلمانوں سے یہ ٹھن کر کوکتہ اور مدینہ میں دجال د پہنچ سکے گا، مدینہ میں پناہ لیں اور کچھ منافقانہ اسلام بھی لے آئیں مگر ٹھوکر دلی میں ایمان نہ ہوگا اس لیے دوزخوں سے گھبرا کر دجال کے پاس پہنچ جائیں گے۔

فت۔ یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو محض تعلیم امیر یا چیران کلیر یا قیام چونکہ تفسد ہی پر قناعت کئے ہوئے ہیں۔ اعمال کا اہتمام نہیں کرتے نہ ایمان کی حفاظت کرتے ہیں اُن کو کچھ لینا چاہیئے کہ مکان مقدس سے اُس کو نفع ہو تا ہے جو اُس کے تقدس کی رہنمائی کر کے اپنے عمل اور ایمان کو مقدس کرنے کی کوشش کرے ورنہ قیام مدینہ بھی نفع نہیں دے سکتا۔

(۲۲۶) دعویٰ کی حقیقت امتحان کے وقت کھلتی ہے یہاں سے معلوم کی حقیقت امتحان ہی کے وقت کھلتی ہے۔ دجال کے قلعہ میں دیکھو کہ بہت لوگ ایمان کی آٹھینے اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں مگر دجال کے آنے پر یہ دعویٰ کچھ بھی نہ ٹھہرے گا۔ اُن میں کا ایمان واقعی (سچا) ہوگا اور ایمان کے متعین پر عمل بھی کرتا ہو گا (وہ ثابت قدم رہے گا) اسی لیے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ختنوں کا ذکر فرمایا اور صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ اگر یہ زمانہ ہمارے سامنے آجائے تو آپ اُس وقت کے لیے ہم کو کیا حکم دیتے ہیں ؟

آپ نے فرمایا الجعل والالی الا یہاں والامصال العذیبت۔ ایمان لوہا محال صالح کی پناہ حاصل کرو۔

حالانکہ یہ حضرات سب مومن تھے پھر بھی ایمان و اعمال صالح کی پناہ لینے کو فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ ایمان کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ اور اعمال صالح بھی ایمان کو قوت دینے والے ہیں کہ اسی سے ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔

اور اس میں ہر شخص کو مشتبہ ہر شخص کو اپنی حالت میں غور کرنا چاہیئے کیا جگہ ہے کہ ہر زمانے میں

اپنے نفس کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ کیونکہ کوئی زمانہ بھی دجالوں سے خالی نہیں ہوتا۔
 (حدیث میں ہے کہ میرے اور دجال اکبر کے درمیان کچھ اور ستر دجال ہوں گے، پس
 ہر شخص کو اپنی حالت میں نظر کرنا چاہیئے۔ مبادا وہ دجال کے قبیحین میں سے ہو یا
 خود ہی (ستر دجالوں میں سے ایک) دجال ہو۔

معیار امتحان کتاب و سنت کی میزان ہے بشرطیکہ تفسیر سلف صالح کے
 اور اس کی پہچان کا ایک ہی معیار ہے کہ اپنے کو کتاب و سنت کی
 موافق ہو میزان سے تول کر دیکھتا رہے اور کتاب و سنت کی تفسیر سلف صالح
 کے موافق کرتا رہے (سبحان اللہ کیا بات فرمائی ہے جس نے ہر وطن و فریب کا
 رخنہ بند کر دیا کیونکہ بعض لوگ اپنی حالت کو کتاب و سنت کے موافق تو ظاہر کرتے ہیں مگر
 کتاب و سنت کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہیں اس طرح اپنے کو بھی دھوکہ دیتے ہیں
 اور مملوک کو بھی۔ اگر کتاب و سنت کی تفسیر سلف صالح کے موافق کر کے اپنی حالت کو
 اُس کے موافق نہ پائے (اور پھر بھی کمال کا دعویٰ ہو) تو یہ شخص مستند ہے اور اُس کو
 پتہ بھی نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہے **سنت دجھہ من**
حيث لا يعلمون۔ ہم اُن کو اہستہ اہستہ پکڑیں گے کہ اُن کو خبر بھی نہ ہوگی۔
 اسی معنی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔
حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ اپنا محاسبہ خود کرتے رہو اس سے پہلے کہ (قیامت
 میں) تم سے حساب لیا جائے گا اور (ہر وقت) ادب اور خوف کو اپنے اُوپر لازم رکھو
 کیونکہ بخدا معاملہ سنگین ہے اور آج ہم ایسے زمانے میں ہیں جس میں بھلائی کے
 نشان بدل گئے اور راستے مختلف ہو گئے ہیں۔ بھلائی کی طرف بلانے والے اور چلنے
 والے کم ہیں بلکہ زیادہ شر کی طرف بلانے والے اور شر کے راستے پر چلنے والے

ہیں) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے لطف کے ساتھ ہماری دستگیری فرمائیں (آمین و ملحقہ علیٰ رحمۃ اللہ) سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ و جنہیں)۔

۱۱۔ حق بات کو چھپا پائیں جاسکتا ہر زمانے میں صدی کے شروع پر اللہ تعالیٰ اس امت میں مجدد پیدا فرماتے ہیں جو دین کی اصلی شہادت کو مسلمانوں کے سامنے واضح کر دیتے اور حق کو باطل سے جدا کر دیتے ہیں اور اہل قلوب کو عزت و احترام ہے کہ اس صدی کے مجدد حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب خان فاضل دیوبند رحمہ اللہ تھے۔ پس مسلمانوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات و مواعظ و رسائل کا مطالعہ کرنا اور حق و باطل کو ان کے ارشادات سے معلوم کرنا چاہیئے۔

حضرت کے وہ خدام ابھی تک زندہ ہیں جن کے سامنے حضرت اقدس نے ایک دو بار نہیں بلکہ بار بار فرمایا ہے کہ مسٹر گاندھی اس زمانے کا دجال ہے اسی لیے حضرت کو کانگریس سے نفرت تھی اور اُس میں شرکت سے مسلمانوں کو منع کرتے تھے۔ اب بعض عقلمندوں کی ستم ظریفی ملانے ہو کہ جواز شرکت کانگریس کے لیے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ فتویٰ پیش کرتے ہیں جو درجہ تقدیر محنت نسبت کہ ہنوز اُسی میں کلام ہے) حضرت کا لکھا ہوا ہے جب کہ کانگریس میں گاندھی کا وجود بھی نہ تھا اثر تو کیا ناک ہوتا۔ اور حضرت حکیم الامت نے شرکت کانگریس سے اُس وقت منع فرمایا ہے جب مسٹر گاندھی کا نام کانگریس اور کانگریس کا نام گاندھی ہو گیا اور وہ مسٹر گاندھی سے ملنا گاندھی بن گیا تھا۔ اہل عقل سیاست و ان طبقے نے تجربہ کے بعد حضرت حکیم الامت کے ارشاد کے موافق عمل آنکھوں دیکھ لیا کہ واقعی یہ شخص دجال ہے جس کا ظاہر صالح کل اور باطن دشمن اسلام ہے۔ دل کی دشمنی چھپی نہیں مانتی کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔

قد بدت البغضاء من افواحہم وعاثتہم صدورہم وکبیر قد بینا لکم۔ لآیات ان کنتہم تعقلون ۵

زیادہ افسوس اُن علماء پر ہے جو اب تک کانگریس کا دُوم چلے بنے ہوئے

۵۳۸

اور مسلمانوں کو اُس کے ساتھ وابستہ رہنے کی تعلیم دے رہے ہیں حالانکہ کانگریس کی اسلام دشمنی اب بالکل عیاں ہو چکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنی دشمنی کا ایسا غور نہیں کیا ہے جس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں ہندو مسلمانوں کے درمیان نہیں مل سکتی۔ مسلمانوں کو ان نام نہاد علماء کی باتوں میں نہ آنا چاہیئے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ارشادِ گرامی کو مشعلِ راہ بنا کر اس دجال سے اور اس کی جماعت سے دور ہی رہنا چاہیئے۔

دوسرا دجال اس نے زمین میں مرزا غلام احمد قادیانی تھا جو بہت سال پہلے گزر چکا مگر اُس کی جماعت باقی ہے مسلمانوں کو اس جماعت سے بھی دور رہنا اور اُس کے دجل و فریب سے بچتے رہنا چاہیئے۔

حدیث

من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج

عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے فرمایا جو تم میں سے بیوی کے نان و نفقہ کا متحمل ہو اُس کو نکاح کرنا چاہیے کہ وہ نگاہ کو زیادہ محفوظ کرتا اور شرمگاہ کو زیادہ پاک دامن بنا دیتا ہے اور جو اس کا متحمل نہ ہو سکے وہ روزہ کو اپنے اوپر لازم کر لے کہ وہ مادہ شہوت کو کم کرنے والا ہے۔

شرح: ظاہر حدیث یہ ہے کہ اس میں نکاح کا امر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح غلبتزوج فرمایا ہے جو لہر کا میضہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روزہ مادہ شہوت کو کمزور کر دیتا ہے۔ اسی لیے دوسری روایت میں روزے کا حکم جوانوں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ بوجڑھوں میں یہ مادہ خود ہی کمزور ہو جاتا ہے اور وہ آسانی سے اُس کے تقاضے کو دلچ کر سکتے ہیں۔ جوان آدمی اُس کے تقاضے کو آسانی سے دفع نہیں کر سکتا تو اُس کو روزہ کا حکم دیا گیا، اگرچہ وہ بہت کرے تو جہنم روزہ کے بھی یہ تقاضا دفع ہو سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اغض للبصر احسن للفرج فرمایا ہے کہ روزہ نگاہ اور شرمگاہ کو زیادہ محفوظ کرتا ہے یعنی حفاظت کا ایک درجہ بغیر اُس کے بھی قدرت میں رہتا ہے۔ اسی لیے ہر شخص کو ہر حالت میں نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کا شرفا امر ہے خواہ اُس میں اتنی ہی زیادہ

شہوت ہو۔ کیونکہ انگلیں نیچی کر لین اور شرنگھہ کو حرام سے پہچانا قدرت سے باہر کسی وقت بھی نہیں اگرچہ جوان کو اس میں جڑا مہابہ کرنا پڑتا ہے اور جب تک وہ دین میں مضبوط نہ ہو اس قدرت کو کام میں نہیں لاسکتا (مگر مہابہ اور مشقت لازم آنے سے قدرت سے خلع ہونا لازم نہیں آتا) یہ اور بات ہے کہ اسباب سہولت پر عمل کرنے کے بعد زیادہ آسانی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے جوانوں کو روزے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ زیادہ روزہ رکھنے سے اس مادے کا تعاف خاطر نہیں رہتا (هذا لخدمۃ ما ذکرہ الشارح ۵۶ صفحہ ۱۸۷)

(۲۲۷) انسان اسباب سے کام لینے کا مامور ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ اسباب سے کام لینے کا مامور ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرارت (شہوت) دفع کرنے کے لیے سبب سے کام لینے کا حکم فرمایا ہے کہ شادی کرے اگر اس کی قدرت نہ ہو تو مددہ رکھے۔ اسی طرح جو بھی نفع اور ضرر ہو انسان کو اُس کے دفع یا تحصیل کے اسباب کو کام میں لانا چاہیے۔ جس طرح بھی شریعت کے موافق اُسے قدرت ہو یا یہ تو اس حدیث کا مدلول تھا، لیکن بخاری حدیث اس کے سادہ (بھی) ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں جوان ہوں اور مجھے اپنے اوپر زنا میں مبتلا ہونے کا خطر ہے اور عورتوں سے شادی کرنے کی قدرت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے تو انہوں نے کئی مرتبہ اسی بات کو دہرایا۔ تیسری دفع آپ نے فرمایا جو کچھ تم کو پیش آنے والا ہے کلمہ (تقدیر) اُس کو نکھ کر خشک ہو چکا۔ چاہا ہے اسی پر گفتا کر دیا (پریشانی) بڑھاتے رہو۔

یہاں حضورؐ نے ترک اسباب اور رضا بر قضا کا حکم فرمایا اور جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اُس میں اس حالت کے زوال کی تدبیر اور اسباب زوال میں کوشش کرنے کا حکم ہے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ابوہریرہؓ اصحاب صفہ میں سے تھے جن کو اکثر فائدہ کی نوبت پیش آتی تھی اور حضرت ابوہریرہؓ تو مجھوک کی شدت

سے بے ہوش بھی ہو جاتے تھے پھر بھی اُن کی حرارتِ شہوت کم نہ ہوتی تھی۔ اس لیے اُن کو روزے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ توکل اور رضا بر قضا کی تعلیم دی گئی۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ جب تک تدبیرِ رافق ہو تدبیر کرنے کا حکم ہے اور جب تدبیر بیکار ہو جائے اُس وقت تقدیر پر راضی رہنے کا حکم ہے۔ پس تعارض نہ رہا۔ چنانچہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اُدھنی کو نکھلا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں (یا باندھ کر توکل کروں) فرمایا اعتقلھا و توکل اس کو باندھ دو اور اللہ پر بھروسہ کرو و اگر باندھنے کے بعد بھی کسی طرح بھاگ جائے (اور تلاش سے نہ ملے) تو اب تقدیر پر راضی ہو (عزمن حضور نے اس حدیث میں تو حکم شریعت بیان فرمایا ہے اور ابو ہریرہؓ کے واقعوں میں حکم حقیقت بیان فرمایا ہے صحتی تسلیم و رضا۔

پس انسان کو چاہیے کہ اسبابِ شرمجہ میں اپنی سی کوشش پوری کئے جن کے اعتماد کرنے پر عادتِ الیہویں ہی جاری ہے کہ اُن سے نفع حاصل ہوتا یا ضرر و نفع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اسباب پر نظر نہ کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ ان ہی سے نجات ہوگی۔ بلکہ قضا و النہی کے سامنے گردن جھکا دے اور سمجھے کہ نجات محض فضل سے ہوگی اس کے عمل سے نہ ہوگی۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اول تو ایمان کی تحقیق میں پوری کوشش صرف کی (اپنی قوم کی کٹ جتنی کا پوری طرح جواب دیا) مگر اس پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ (ساتھ ساتھ) یہ بھی فرمایا (ولا اخاف ما نشر کونہ۔ الا ان یشاء ربی شئاً و سمع ربی کل شئی علما۔ تمی تمہارے ان مجبورے معبودوں سے اصلاحیں ڈرتا (یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) ہاں پہلو پر درد و گدہ ہی کچھ چاہے (تو اور بات ہے) میرا رب ہر عزیز کو اپنی وسعتِ علم سے محیط ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام مشیت پر بھروسہ نہ کرنے والے تھے (اسباب پر نظر کرنے والے نہ تھے) اسی طرح ایک دفعہ حضرت مصطفیٰ علیہ السلام پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے تھے کہ شیطان طعون آپ کے سامنے آیا اللہ کہنے لگا اے مصطفیٰ! تمہارا قول یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی سامنے آئے گا تقدیر کے غصہ کچھ نہیں ہو سکتا (تو اپنے کوس پہاڑ

ہوا، اللہ کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں وہ جو چاہیں کریں اُن سے باز نہیں کرنے
 وہ کوئی نہیں دگر اس سے انسان کا مجبور یعنی ہونا لازم نہیں، اُما۔ کیونکہ اُس کو اپنی
 تقدیر کا علم نہیں۔ اس کو جن اعمال کا مسلک کیا گیا ہے وہ اُس کی قسمت سے باہر نہیں۔
 جن اعمال سے اُس کا خاتمہ اچھا ہو سکتا ہے وہ بھی قسمت میں ہیں اور جن سے خاتمہ
 بُرا ہوتا ہے وہ بھی قسمت میں ہیں۔ اگر کسی کا خاتمہ بُرا ہوتا ہے وہ اپنے قصد و
 اختیار سے ایسے اعمال کا ارتکاب کرتا ہے جن کو خاتمہ خراب کرنے میں دخل ہے
 جیسے ہمام بن ہامور نے رسولِ وقت کے مقابلہ میں اسمِ اعظم سے بددعا کرنے کا قصد
 کیا جس میں وہ ہرگز مجبور نہ تھا اس کے انجام کو جانتا تھا اسی لیے بار بار اپنی قوم کی
 درخواست کو رد کرتا رہا بالآخر یوی کے ہلکانے سے اس پر آمادہ ہوا جس کا نتیجہ بد
 سامنے آگیا کہ اسمِ اعظم کے ساتھ ایمان بھی سلب ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذلک
 اسی طرح ابلیس نے قصداً سجدۂ آدم سے انکار کیا اور اپنے انکار کی منطقی وجہ بھی
 بیان کی کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ وہ مٹی سے بنائے گئے ہیں میں آگ سے بنایا
 گیا، اہل اور اس انکار کے نتیجہ سے بھی وہ واقف تھا مگر تکبر و غرور سے جان بوجھ کر
 شقاوت کو اپنے سر لیا۔ چنانچہ کسی نے اُس کی حالت کو اس طرح بیان کیا ہے ۔

دلوں بد نور مشیت کہ طعون خود یکے

بر دم گمان ہر کس و بر خود گمان بود

آدم ز خاک بود و من از نور پاک او

مغمم غم بچاؤ و او خود بچاؤ بود

پھر جو شخص اپنے عمل کو موجبِ نجات سمجھے گا وہ یقیناً اپنے کو نیک سمجھے گا اور
 یہ نری گمراہی ہے کیونکہ وہ اپنا تزکیہ کرتا ہے (اپنی حالت کو اچھا سمجھتا ہے) اور
 حق تعالیٰ فرماتے ہیں فلا تزکو انفسکم ہوا علیہ یمن اتقوا۔ اپنی
 تعریفِ خود مت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ سچی کون ہے۔ نیز
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذمے کسی کا تزکیہ نہ کرو (یعنی یہ نہ

کہو کہ یہ شخص اللہ کے نزدیک مقبول اور مقرب ہے، تم کو اس کی کیا خبر۔ ہاں جن کے شقی اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے اُن کا تذکرہ کر سکتے ہو) اس حدیث کا شاہد بیان یہ ہے کہ یہ شخص کا انتقال ہو گیا تو صحابہ نے اس کی تعریف کی (کہ اے فلاں تجھ کو جنت مبارک ہو، تجھ کو خدا کا قرب مبارک ہو۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ اللہ کے فستے کسی کا تذکرہ نہ کرو) پھر فرمایا ہاں یوں کہو (کہ میرا لگان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو مقام قرب عطا فرمایا ہو گا۔ میرے خیال میں تو شہادت سے کامیاب ہو گا ہے ظنا) اور یہ حدیث اُس حدیث کے معارض نہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذ ان ایتبع الرجل و اقرب المسجد فاشهد و الہ بالذبیحان۔ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد کو گنا گنا رہتا ہے تو اس کے متعلق مومن ہونے کی شہادت دو۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حالت تمہارے سامنے ہے اُس کی شہادت دو۔ رہا باطن اور انجام کا حال تو اُن کو تم کیا جانو؟ یہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہی جس کو چاہیں گے اپنے نفل سے اچھا کر دیں گے اور جس کو چاہیں گے اپنے عدل سے عذاب دیں گے۔ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف سے ارشاد فرمایا ہے و ما احدثی ما یفعل بنی و د بکم۔ مجھے کیا خبر کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا؟ اور تمہارے ساتھ کیا؟ (آیت میں معاملہ آخرت مراد نہیں کیونکہ انبیاء و علیم السلام کا آخرت میں کامیاب ہونا یقینی ہے جس کا علم خود انبیاء و کو بھی یقین کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ مراد نبوی معاملہ ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ دنیا میں مجھے عیب ہو گا یا تم کو اور مجھے ظہر ہو گا تو جلدی ہو گا یا دربر میں اور تم میں رہتے ہوئے بھگا یا با بر جا کر ہو گا وغیرہ وغیرہ)۔

یزمق تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یسنل عما یفعل۔ اللہ تعالیٰ سے اُن کے افعال کے شقی کوئی باز پرس کرے گا نہیں۔ اس آیت کے سامنے گردنیں جھک گئیں اور بڑے بڑے اعمال والے اعلاص والے اس آیت کے غون سے بہت ہو گئے۔ میں بھات اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی پر موقوف ہے عمل یا کثرت عمل پر مدار نہیں

ان کی ضرورت ہے زندہ یہ کہ گویا بیات میں تو خیر و شر دونوں سے راضی ہے اور تشریفات میں نیک اعمال سے خوش اور گناہوں سے رغبت نہ ہونا چاہئے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المؤمن تسرع حناته وتسرع سياسته۔ مومن کو اپنی نیکیوں سے خوشی ہوتی ہے اور گناہوں سے رنج ہوتا ہے (مگر یہ رنج اپنے سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو گناہوں پر مجبور نہیں کیا۔ ہر شخص اپنے امداد و اختیار سے گناہ کرتا ہے اور جس سے بلا امداد کسی کی ربر دستی کیا اپنی بھول چوک سے گناہ ہو جائے وہ مسلمان ہے لعاف المذنب دفع عن اہل حق الخفاء والنسب وما استكرهوا علیہ) پر مومن زینت بیات میں) ہمیشہ قضا و قدر کے سامنے گردن ٹھکانے جو کچھ بے پیش آئے اُس پر راضی رہتا ہے اور جس حالت میں اللہ تعالیٰ عجز و ایں اُس کے سوا کا طالب نہیں ہوتا نہ اُس کو بدلنا چاہتا ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ خود ہی اُس کو بدل دیں۔

ایک کوئی سے کہنے پوچھا کہ تم نے یہ درجہ کیسے پایا؟ کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے جس انعام پر پہنچا دیا میں نے اُس سے منتقل ہونا پسند نہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نہ ہی نے مجھے اُس سے راز لگے) منتقل کر دیا۔ اسی حقیقت پر نظر کر کے کامر ہا۔ والے کامیاب ہو گئے اور نفع حاصل کرنے والے سود مند ہو گئے پھر (یہ جانتا رہی ہے کہ) ہمیشہ اپنی حالت کا اقتصد رکھے (اُس پر نظر کرتا رہے کہ) اگر کسی بات یا جہت میں اس کو مبتلا کر دیا گیا ہو تو اُس سے راضی نہ ہو کیونکہ موسیٰ کا خلافت یہ ہے کہ اُس کو گناہ یا جہت سے خوشی نہ ہو اُس وقت اس کو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا چاہئے اور اس راستہ سے ہٹنا چاہئے جس پر چل رہا ہے اور پوری کوشش کے ساتھ اس سے غلامی ہانے کی تدبیر کرے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں ولا یرض لعداؤکم کفر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتے (اور ہر معصیت و مخالفت کفر ہی کی شاعر ہے اُس کو بھی اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے) اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ

بندہ کے لیے پسند میں کتابت بندہ بھی اُس کو اپنے لیے پسند میں کر سکتا۔

قوله وقف هذا دليل على ان المراد ما مورد بعمل الكتاب الى قوله

فلا يرضا العبد لنفسه -

ف - یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو کہتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر نے مسلمانوں کی بہتیں پست کر دی ہیں۔ وہ اعتقاد تقدیر کی وجہ سے تدبیر سے کام نہیں لیتے اُن کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام نے اعتقاد تقدیر کے ساتھ تدبیر کا بھی حکم دیا ہے۔ اب جو لوگ تدبیر کو چھوڑتے ہیں اپنی جمالت کی وجہ سے چھڑتے ہیں اسلام کی یہ تعلیم نہیں۔ مسئلہ تقدیر پر سب سے زیادہ سخت اعتقاد حضرات صحابہ کا تھا۔ پھر کسی نے اُن کے برابر بلند ہمت کوئی قوم دیکھی ہے یا اُن سے بڑھ کر تدبیر اور منتظم کون جماعت بھی دیکھی گئی ہے؟ عقیدہ تقدیر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت تدبیر کا رگڑنا ہو اسباب بے کار ہو جائیں تو انسان پریشانی سے بچتا رہتا ہے اور اس نہ ہو یہ سمجھ کر تسلی کر لے کہ تقدیر ہی تھا اسی طرح کامیابی کے بعد تکبر و غرور میں مبتلا نہ ہو بلکہ اس کامیابی کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ سمجھے۔ انسان کی حالت میں اعتدال یوں ہی پیدا ہو سکتا ہے۔

ف - یہ تو یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غیب پر غالب ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہ کریں گے اگر اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اختیار ہی ہے جبرنا نہیں اور وعدہ کرینے سے اُن کی قدرت سلب نہیں ہو گئی۔ اگر وہ کسی نیک کو عذاب کرنا چاہتا یا بد کو بخشنا چاہتا تو کسی بھال نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے باز پرس کر سکے۔ یہی شانِ قدرت ہے جس کے سامنے جملہ انبیاء و اولیاء کی گردنیں ٹھکی ہوئی ہیں گو اُن کو اس کا بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک کو بلا وجہ عذاب نہ کریں گے لیکن کسی نے اُن کو مجبور بھی نہیں کیا نہ کر سکتا ہے۔ یہی حقیقت ہے اس مسئلہ کی جس کو اس کا کذب کے عزائم سے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ عزائم اچھا نہیں مگر معنوں بالکل صحیح ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا مجبور نہ پابند ہوتا لازم آئے گا جو شانِ الوہیت کے منافی اور لایسٹل مما یفعل کے

خلعت ہے۔ اسی شان بے نیازی نے اچھے انھوں کے پتے پانی کر دیئے ہیں جس پر جعفر
علقت شان شکست ہوئی ہے اکی قدر لرزاں ترساں رہتا ہے ۵
مقرباں را بیش بود میرانی

(۲۲۸) سوال سے پہلے ہی مسئلہ بتلا دینا واجب ہے بھوکا عالم پر
واجب ہے کہ سوال سے پہلے ہی تسلیم کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں
کو ان کے سوال سے پہلے ہی بتلادیا کہ ان کو کیا کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے معارضہ حرامی
کی مشورہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی طلب سے پہلے تعلیم
نہیں دی دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ مخاطب کی حالت میں نظر کیا جائے۔ اگر یہ معلوم
ہو کہ وہ بات نہ مانے گا یا اس وقت تو مان لے گا پھر چھوڑے گا یا قبول جائیگا تو
اُس کی تعلیم لازم نہیں جب تک وہ خود سوال نہ کرے جیسا حضورؐ نے اعرابی کے ساتھ
کیا اور اگر یہ معلوم ہو کہ جو کچھ اس سے کہا جائے گا قبول کرے گا اس کو سوال سے پہلے
ہی تعلیم کر دی جائے۔ جیسا اس حدیث میں مذکور ہے۔ قوله وفيه دليل على ان
العالم يجب عليه ان يعطى قبل السؤال الى قوله كما فعل النبي صلى الله
عليه وسلم في هذا الحديث۔

فت۔ یہ تو صحیح ہے کہ تعلیم کا قبل از سوال واجب ہونا یا نہ ہونا مخاطب کی حالت
اور موقعہ و مقام پر موقوف ہے۔ مگر یہ دعویٰ مشکل ہے کہ حضورؐ نے اعرابی کو قبل از سوال
اس لیے تعلیم نہیں دی کہ اُس کے قبول نہ کرنے یا چھوڑ دینے کا اندیشہ تھا کیونکہ اعرابی
صحابی تھا اور صحابہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ حضورؐ کی بات کو قبول نہ کریں یا سن کر
چھوڑ دیں خان الصحابة کا لہجہ عدول۔ ظاہر ہے کہ جب اُس نے نماز خود
شروع کر دی تو تعلیم کا یہ وقت نہ تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ جو شخص بدوی سوال کے محل
شروع کرتا ہے وہ اُس کا طریقہ جانتا ہے مگر حضورؐ اس کی نماز کو دیکھتے رہے جب
اُس نے بدون فعلی ارکان کے نماز پڑھی حضورؐ نے اس کا انتظار کیا کہ نماز سے غلط

ہو کہ مجلس میں آنے تو تعلیم کی جائے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ بدون تعلیم ارکان کے نماز ناقص رہتی ہے۔ چنانچہ وہ مجلس میں آیا اور سلام کی تو آپ نے فرمایا: حج فضل فائز لہ تعلیل۔ واپس جاؤ نماز پھر پڑھو کیونکہ تمہارے نماز نہیں پڑھی۔ حضور نے اس مختصر اشارہ پر اکتفا کیا تاکہ وہ خود سمجھے کہ میں نے کیا غلطی کی؟ جب دو تین دفعہ نماز کا اعلان کر کے بھی وہ اپنی غلطی کو نہ سمجھا تو اس نے دریافت کیا کہ مجھے بتلایا جائے۔

اُس وقت آپ نے تعلیم سے بتلایا کہ نماز اس طرح پڑھنا چاہئے اس واقعہ میں اجمالی تعلیم تو اس کے سوال سے پہلے ہی کر دی گئی تھی تفصیلی تعلیم طلب کے بعد ہوئی کیونکہ اجمال کے بعد تفصیل زیادہ موثر ہوتی ہے۔ تعلیم کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ لوگ اجمالی تعلیم پر تفصیلی تاکہ اجمال سے مخاطب خود سمجھنے کی کوشش کرے۔

چونکہ نماز ایسا عمل ہے جرات دن میں پانچ دفعہ فرض ہے اُس کے طریقہ سے ناواقف ہونا معمولی بات نہیں بہت سخت بات تھی اس لیے پہلی بار تفصیل کی حاجت نہیں سمجھ گئی بلکہ اجمال پر اکتفا کیا گیا کہ ایسے عمل کی کوتاہی کو اپنی اشارہ سے انسان سمجھ سکتا ہے جب تین دفعہ کے اشارہ سے بھی وہ نہ سمجھا اُس وقت تفصیل کے ساتھ تعلیم دی گئی اور جس مسئلہ کا اس حدیث میں ذکر ہے جس کی ہم شرح کر رہے ہیں وہ نماز کے برابر کثیر الوقوع ضعیف۔ نہ ہر شخص کو اُس کی حاجت اس لیے اُس کو پہلی ہی بار تفصیل سے بیان کر دیا گیا۔ **هَذَا مَا حَذَرْتُ مِنَ الْعَمَلِ عَنِ اللَّهِ** صبحانہ و تعالیٰ۔

(۲۲۹) انسان کو اپنے تمام افعال پر نظر کر کے ان اعمال کو اختیار

کرنے چاہئے جن کو قرب میں زیادہ دخل ہو کو اپنے تمام افعال میں نظر کر کے اُس عمل کی طرف بہت کرنا چاہئے جس کو قربت میں زیادہ دخل ہو۔ اپنی کو چھوڑ دینا چاہئے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجروں کو اپنا ملنگ

کا حکم دیا ہے جو ثواب و قرب میں روزہ سے بڑھا ہوا ہے۔ پہلے روزہ کا حکم نہیں دیا جب تک نبوی کے نام و نفقہ کی طاقت مغفود نہ ہو کیونکہ نکاح میں بڑا ثواب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **تَنَکَّحُوا نِسَاءَنَا سَلَوًا يَا هَیْ**۔ بکھڑا لا محضوم القیضۃ۔ نکاح کرو نسل کو بڑھاؤ میں قیامت کے دن تمہاری (کثرت) سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا (کہ میری امت سب سے زیادہ ہے) اگر نکاح اس نیت سے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بڑھے گی اور آپ خوش ہوں گے (قوائس کی فضیلت میں کیا شبہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لَا مَحَابِیْتَ مَعَنَا** اسلام میں رہبانیت نہیں کہ عورتوں سے الگ رہا جائے۔ اگر عورتوں سے الگ بنے (اور نکاح نہ کرنے) میں فضیلت ہوتی تو شریعت اسلام میں اُس کا ضرور حکم ہوتا۔ کیونکہ مجملہ ادیان ساریہ میں اسلام ہی سب سے بہتر دین ہے (جب اسلام میں رہبانیت نہیں تو معلوم ہوا کہ نکاح ہی افضل ہے)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں حالانکہ مجھے ان کی حاجت نہیں اور اُن سے ہم بستر بھی ہوتا ہوں حالانکہ مجھے اُن کی شہوت نہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا یا امیر المؤمنین! پھر آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا۔ لیکن اس امید پر کہ شاید اللہ تعالیٰ میری پشت سے کوئی بچہ پیدا کریں جس سے قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسری امتوں پر فخر کریں (اور جب اس نیت سے ہم بستر کی جائے گی تو وہ شہوت بھی پیدا ہو جائے گی میں پر بستر کی موفون ہے مگر وہ شہوت حیوانی نہ ہوگی بلکہ انسانی اور روحانی ہوگی) بہر حال چونکہ نکاح کو قطعاً اعمال (استحباب) پر فضیلت ہے اس لیے حضورؐ نے اُس کو پہلے بیان کیا اور روزہ پر مقدم فرمایا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان اُسکی مل کا مکلف ہے جس پر اُسے قدرت ہو اور تعمیل کر سکے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو جو نکاح پر قادر نہ ہوں روزہ کا حکم دیا ہے یہ نہیں لایا کہ نکاح کی تدبیر کسے اور جس طرح بھی ہو اس کی کوشش کرے کیونکہ نکاح افضل ہے بلکہ آپؐ نے اس مہرت میں مرن روزہ

کا حکم دیا ہے۔

قوله وفيه دليل على ان المأثم هو ان ينظر في كل اثم له ما هو اقرب الى ربه الى قوله واني اصرع بالصوم۔

فت۔ ایک عالم نے خوب فرمایا کہ ہمارے اعمال سالہ میں کوئی عمل ایسا نہیں جس پر دل کو یہ اطمینان ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے خوش ہوں گے کیونکہ ہر عمل میں اخلاص کے کم ہونے یا نہ ہونے کا شبہ اور نفس کی آمیزش کا احتمال رہتا ہے۔ بس نکاح ہی ایک ایسا عمل ہے جس کے بعد اولاد نصیب ہو جائے تو دل کو اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس سے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے۔ اسی لیے متقیین مونیہ کو نکاح کا ہمیشہ اہتمام رہا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کا یہ آسان طریقہ ہے کہ مسلمانوں کا سلسلہ پیدائش زیادہ ہو اور اولاد مسلمان اور سنی مسلمان ہو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مسلمان خود بھی نماز روزہ وغیرہ کی پابندی کریں اور اپنی اولاد کو بھی پابند بنائیں۔

فت۔ بیوی سے بہتری میں یہ نیت تو بڑے درجہ کے لوگوں کا حق ہے کہ اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ تنہا شہوت ہی کی نیت ہو پھر بھی معرفت کو ترقی ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں انسان کو اپنے عجز کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اپنے عجز کے مشاہدہ سے بھی معرفت بڑھتی ہے (قالہ مستبدی حکیم الکلامۃ فود اللہ مرقۃ)۔

فت۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کو بدون نکاح کے نزا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اُس پر نکاح واجب ہے جبکہ نان و نفقہ کی قدرت ہو اور جس کو یہ اندیشہ نہ ہو اُس کے بارے میں اختلاف ہے کہ اُس کو نوافل میں مشغول ہونا افضل ہے یا نکاح کرنا افضل ہے ؟ حنفیہ کے نزدیک نکاح کرنا افضل ہے کہ اس کی وجہ سے نوافل طاعات میں کمی ہو جائے اور شافعیہ کے نزدیک نوافل طاعات میں مشغول ہونا نکاح سے افضل ہے مگر یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے جیسا صریح شراح کی تقریر سے ظاہر ہے۔

(۲۳۰) اعمالِ مستحبہ کی فضیلت نفسِ عمل کی جہت سے نہیں بلکہ عامل

کی جہت سے ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ اعمالِ مستحبہ کی فضیلت (نفس) عمل پر نظر کر کے نہیں بلکہ عامل کی جہت سے ہوتی ہے۔ دیکھو جس کو نکاح کی قدرت نہ ہو اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا امر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو اسی عمل کا امر فرماتے ہیں جو اُس کے حق میں زیادہ موجبِ قرب ہو اور اس شخص کے حق میں روزہ کا افضل ہونا بالکل ظاہر ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب وہ افلاس کی وجہ سے نکاح کی قدرت نہیں رکھتا تو روزہ اُس کے مقصود میں عین ہو گا۔ روزہ میں کچھ خرچ بھی نہیں اور مادہ شہوت اس سے کم ہو جاتا ہے اب وہ سکونِ خاطر کے ساتھ وسوسہ (شہوانیہ) سے نجات پا کر دل سے آخرت کے کاموں میں مشغول ہو گا پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گا اور یہی مطلوب ہے اور اگر اُس کو (اس حالت میں) نکاح کا حکم کیا جائے تو پریشانی میں پڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو سکتا کیونکہ وہ کمانے اور روپیہ جمع کرنے میں مشغول ہو گا حالانکہ نفس ہے اور افلاس کی حالت میں روپیہ جمع کرنے کی تدبیر کرنا آسان کام نہیں (تو وسوسہ کی کثرت ہوگی اُس کا دل دنیا ہی کے لکھیروں میں الجھ جائے گا اور آخرت کی تدبیر سے کوڑا ہو جائے گا۔

کسی عمل کو افضل و مفضل اُس وقت کہا جائے گا جب

دونوں پر قدر ہو ورنہ جس پر قدر ہو وہی افضل ہے

غرض شامخ علیہ السلام نے جن اعمال کی فضیلت بیان فرمائی ہے اُن میں افضل اور مفضل کو اُس وقت دیکھا جائے گا جب دونوں پر قدرت ہو اور اگر کسی عمل پر قدرت نہ ہو تو جس پر جس کو قدرت ہے اُس کے حق میں وہی افضل ہو گا چنانچہ جو شخص نکاح

پر قادر نہ ہو اُس کے لیے روزہ افضل ہے اور جو نکاح پر قادر ہو روزہ پر قادر نہ ہو اُس کے لیے نکاح افضل ہے (اور جو دونوں پر قادر ہو اُس کے حق میں نکاح افضل ہے) اسی طرح تمام افعال میں غور کرنا چاہیے خواہ دنیوی افعال ہوں یا اخروی اور اگر تحقیق سے کام لیا جائے تو تمام افعال (مباحہ ہیں۔ کوئی عمل بھی دنیوی نظر نہ آئے گا اگر اس میں نیت اچھی ہو۔ بیشش بریں نیست کہ وہ خالص دنیا کا نہ کا شغل ہو گا تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو شخص ماسب عیال ہے یا بھر ہے۔ اگر بھر ہے اور نیت یہ ہے کہ شغل معاش سے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں مدد ملے گا تو اُس میں بھی بڑا ثواب ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من یبذل ثقیلاً من طلب الحلال بات مغفواً مالہ۔ جو شخص حلال روزی کھنے کی وجہ سے رات کو شکامانہ رہے وہ بخشا بخشا یا رات گزارے گا۔ اب سوچ کر شب قدر کا انتظار سال بھر مغفرت کی ہی امید پر فرمایا جاتا ہے اور وہ اس شخص کو طلب حلال کے شغل سے ملال ہو جاتی ہے تو یقیناً یہ عمل آخرت کا بخوار دنیا کا کام نہ بٹو کیونکہ میں کام سے مغفرت حاصل ہو وہ آخرت بھلا کا کام ہے) اور اگر ماسب عیال ہے تو اس کو تو بجز وادی سے بھی زیادہ بھلائی (اور ثواب) ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گنہوں میں بعض گنہ ایسے ہیں جن کا کفارہ اس کے ہوا کہ نہیں کہ بال بچوں کے لیے مشقت برداشت کی جائے (طہرائی اور ابو نعیم نے اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے من الذنوب ذلوما لا یكفرها الصلاة ولا الصوم ولا الحج ولا یكفرها الا الحجة۔ طلب المعیشتہ۔ گناہوں میں بعض گنہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز سے ہوتا ہے نہ روزہ سے نہ حج سے ان کا کفارہ طلب معاش کی فکر سے ہوتا ہے) بشرطیکہ طلب معاش شریعت کے موافق (جائز طریقہ سے) ہو۔

دیگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے رہے ہیں کہ جیسے گنہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ اقرب عرف سے ہوتا ہے نہ قیام لیلۃ القدر سے نہ کسی اور عمل سے (بجز فکر معاش کے) کیونکہ آپؐ نے نفی اور استثناء کے ساتھ کلام فرمایا ہے (جو صحر کے لیے ہے جن

سے بجز مستثنیٰ کے اور سب کی نفی ہو رہی ہے (یہ گنہگاروں کا ناکارہ بنا پر ہے جو حضرت شادح نے روایت کئے ہیں۔ مگر طبرانی اور الانیم کے الفاظ میں تو صحت تصریح ہے کہ اُن کا کفارہ نہ ناز سے ہوتا ہے نہ دوزخ سے نہ جہنم سے) تو اب (غومن کے) اب کام آخرت ہی کے لیے ہو گئے دنیا کے لیے نہ رہے جبکہ اُن شریعت کی رعایت کی جائے جن کا اوپر مذکور ہوا کہ اعمال دنیاویہ شریعت کے موافق جائز ہوں اور ان میں نیست میج ہو کہ دنیا کا کام اس لیے کیا جائے کہ اس سے دین میں مدد ملتی ہے) اس حقیقت پر نظر کر کے اور نیت کو درست کر کے ہی صوفیاء کرام بزرگی کے درجہ کو پہنچ گئے اور (دوسروں سے) ممتاز ہو گئے۔ بلکہ درجات اور فضیلت میں سبقت لے گئے، اگرچہ انہی میں (وہ اور دوسرے لوگ اعمال میں برابر نظر آتے ہیں مگر اُن کی ہر حرکت اللہ کے لیے اور اللہ کے (حکم کے) ساتھ ہوتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ جو بات بھی زبان سے نکالتے ہیں قرب الہی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ ان چیزوں پر نظر رکھتے ہیں جن پر ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اُن کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ شفت قحط کی وجہ سے لوگوں کو استقامت کی ضرورت ہوئی تو اُن کے پاس ایک دوست کا پیغام آیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر خاص وسیلہ سے دعا کریں شاید مخلوق پر رحمت ہو جائے۔ پیغام لانے والے نے دیکھا کہ یہ حضرت اپنے دیوبی کاروبار میں مشغول ہیں رات کو گھڑاتے ہیں اور دن کو کالہ بار میں لگ جاتے ہیں اس کو تعجب ہوا کہ جو شخص دیوبی کاروبار میں مشغول ہے وہ اس لائق کہاں کو اُس سے ہادش کے لیے دعا کرائی جائے یہ شخص تین دن اُن کے پاس رہا۔ پھر لوٹنے کا ارادہ کیا تو پیغام کا جواب لینا چاہا۔ فرمایا میرے دوست سے کہ دنیا کا اگر تم کو یہ معلوم ہو کہ میری کوئی سائنس بھی اللہ (کی یاد) کے بغیر نکلتا ہے تو میں اُسی وقت اپنے کو جان سے مار ڈالوں گا۔

اللہ کے ساتھ قحط کا معاملہ یہ تھا مگر عام لوگ اُن کی حالت دیکھ کر یہ گمان کرتے تھے کہ بس دنیا میں تنگ ہیں، حالانکہ وہ دنیا سے الگ تھے دل دنیا کے حالات سے غافل تھا۔

اُن کا جسم خلق کے ساتھ تھا اور روح و قلب اللہ کے ساتھ اور اُس کی تمام تربیت و وہی نیت بھی اللہ نیت کی درستی اور نیت پر حجاب ہنا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اور دوسرے لوگ ثواب و فیرو میں برابر ہی ہوتے (مگر شمس نیت نے دونوں میں زمیں آسمان کا فرق کر دیا، رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں انما الکمال بالانسیات و انما الکمال امر بالمعروف - پس اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی مآب ہے جو اُس کی نیت ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی وجہ - یہ یہ حضرات حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق بن گئے و فرعی الجبال غسیبا جامدا و دھب تمر مر السحاب صم اللہ الذی اتقن کل شیئی - اور تم قیامت میں پہاڑوں کو دیکھ کر یہ لگان کر دے کہ وہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چلتے ہوں گے۔ یہ کارنامہ ہے اُس خدا کا جس نے ہر چیز کو اچھی طرح بنایا ہے۔

اسی طرح عامی شخص ان بزرگوں کو دنیوی کاروبار میں مشغول یا اس سے مہنت کی باتیں کرتے ہوئے اور اندرونی و بیرونی معاملات میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھ کر یہ لگان کرتا ہے کہ وہ بھرتی اُس کے ساتھ ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں بلکہ مرث اُن کا جسم اُس کے ساتھ ہے اور قلب و روح ملکوت کی سیر میں مشغول ہیں۔ بسنی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے باتیں کرتے اور دل لگی کہتے ہوئے بہت مقامات طے کر لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے واسطے مقرر فرمائے ہیں۔ مگر یہ بات اہل ہمت اور اصحاب تمکین کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے حالات میں پختہ ہو چکے ہیں جس نے اُن کی عقل و فہم کے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات کو سمجھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اُن سے کہنا چاہتے ہیں پھر اُس کی تعمیل پر سہقت کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن کو رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی میراث (باطنی) سے نوازا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی یہی شان تھی چنانچہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ جبارا خم البصر و ما یطغی - آپ کی نگاہ نہ (مقصد سے) مائل ہوئی نہ حد سے آگے بڑھی اور غرور رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں تمام عینای و کلام قلبی

(نہنگ دج) میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے علم نیند میں بھی غافل نہ ہوتے تھے اللہ عیب اللہ تعالیٰ آپ کو ان چیزوں پر مطلع فرماتے جن پر مطلع فرمایا ہے (یعنی ملکوت و جنت و ظہر) تو آپ کو یہ چیزیں (اللہ تعالیٰ سے) غافل نہ کرنے پائیں نہ آدابِ عبودیت (و جنگ) سے ہٹا سکیں۔

رسول اللہ ﷺ وسلم پیغمبروں پر ان سے مزاج بھی فرماتے ان کا دل سلاتے دلوئی فرماتے ان کے ساتھ مل کر ان کے کاموں میں حصہ بھی لیتے تھے مگر آپ کا باطن سیر ملکوت میں مشغول ہوتا تھا جہاں اللہ تعالیٰ پہنچانا چاہتے۔ ان جہرگوں نے جن کا ذکر ابھی ہوا حضور ﷺ وسلم کی اس حالت سے پورا حصہ لیا تھا، مگر حضور کے مقام خاص تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی دس اتباع کی برکت سے اس مقام کی تہلہ اور فیض کا درد و آن پر ہوتا ہے) چنانچہ ایک جہرگ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مراقبہ میں اُن کی روح مقامِ قُوبِ قوسین تک پہنچ گئی تو ایک آواز سنائی دی کہ اس مقام پر محمد رسول اللہ ﷺ وسلم کی ذات مقدس کو پہنچا یا گیا تھا جہاں تہمداری روح کو پہنچا یا گیا ہے اور زبانِ حال پکار رہی تھی کہ تابع اور متبوع میں وہی فرق ہے جو اتباع کی وجہ سے تابع اور متبوع میں بٹوا کرتا ہے (کہ تابع تو حضرت روح و قلب کے ذریعہ اس مقام کی سیر کر سکتا ہے وہاں قرار نہیں پاسکتا اور سستی و دل غافل نہ علیہ وسلم اپنی ذات سے اس مقام پر پہنچے اور آپ کو روح و ثبات حاصل ہوا) اسی کے مشابہہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ابراہیم بن ابراہیم رحمہ اللہ علیہ مسجد میں سو رہے تھے اور اُن کا ایک مرید کھڑا ہوا آغازِ پڑھ رہا تھا ایک جہرگ نے جو وہاں موجود تھے دو شیطانوں کو مسجد سے باہر دیکھا کہ ایک دوسرے سے کہہ رہا ہے مسجد میں چلو تاکہ اس نمازی کے دل میں دوسرے ڈالیں۔ دوسرے نے کہا مجھے اس سونے والے کا سانس جلاسنے کا ہے۔ دیکھو اُس نے اس نمازی کی پرواہ نہیں کی بلکہ حضرت ابراہیم کے سانس کے خوف سے مسجد میں نہ آ سکا کہ وہ اس کو بچے تک دے گا۔ اسی کا سبب اس کے سوا کیا مشکل یہ حضرات ہر حالت اور ہر وقت میں حضور انہی سے کامیاب ہوتے ہیں۔

ہم شدت لائے کے فضل و احسان کے واسطے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو
 ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم نہ فرمائیں اور جو کچھ اپنے فضل سے اُن کو عطا فرمایا ہے
 ہمیں بھی عطا فرمائیں آمین۔ **وَقَدْ خُذُوا بِلِئْلِ عَمَلِ الْغَفِيَّةِ فِي الْأَهْوَالِ لَا تَنْتَظِرُ**
مِنْ جَهَنَّمَ إِلَّا الْمَوْتَ جَهَنَّمَ عَامِلَهَا إِلَى قَوْلِهِ وَإِنَّا نَعْتَمِدُ عَلَيْهِمَا
مِنْ بَدَ عَلَيْهِمَا۔

ف۔ یہ تحقیق آپ زور سے کہنے کے قابل ہے کہ کسی عمل کو بفضل یا مغفول اس
 وقت کہا جائے گا جب دونوں پر قدرت ہو ورنہ جس پر قدرت ہو وہی افضل ہے۔
 بہت لوگ اہل ملوک میں سے اس کو نہیں جانتے اور پریشان ہوتے ہیں یا بدگمانی میں
 مبتلا ہوتے ہیں۔ مثلاً اپنے کو شیخ کی طرح متوکل تارک اسباب بنانا چاہتے ہیں اور
 یہ اُن کی قدرت سے باہر ہے تو پریشان ہوتے ہیں کہ ہائے ہیں باطنی دولت نصیب
 نہ ہوئی وہ اسی کو باطنی دولت سمجھتے ہیں کہ ترک اسباب کر کے بیٹھ جائے یا شیخ کے
 اصحاب میں جس کو تادک اسباب ضعیف دیکھتے اس سے بدگمان ہوتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے
 کہ تصحیح نیت کے ساتھ اعمال دنیویہ مہانہ بھی دین ہو جاتے ہیں جس کو وہ دنیا میں
 مشغول دیکھتے ہیں کیا عجب ہے اُس نے نیت کو درست کر کے ان اعمال دنیویہ کو
 دین بنالیا ہو اور اس کا تجزیہ پاس رہ کر ہی ہو سکتا ہے دُور رہ کر نہیں ہو سکتا۔
 پس جب تک پاس رہ کر کسی کا طالب دنیا ہونا محقق نہ ہو بدگمانی جائز نہیں۔

ف۔ یہ حدیث اہل حرف و اہل اسباب کے لیے بڑی بشارت ہے کہ بعض
 مگر ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز سے ہو سکتا ہے نہ حج سے نہ روزے سے
 اُن کا کفارہ طلبِ معاش کی فکر ہی سے ہوتا ہے بشرطیکہ حُرّ اور شغلِ معاش
 شریعت کے موافق جائز ہو۔

ف۔ ہر حالت اور ہر زمانہ میں ضرورت سے کایا بہ ہونے کا طریقہ کثرتِ ذکر
 قلبی اور شغلِ پاسِ الفاس ہے۔ اس شغل میں دُور کے بعد سوتے ہوئے بھی ملنس
 سے ذکر ہوتا رہتا ہے بشرطیکہ اس کا شیخ متعین شغف اور خود بھی پابند ذکر ہو۔ ورنہ بعض

مشق ہی مشق ہوگی ذکر حقیق حاصل نہ ہوگا۔

(۲۳۱) یہاں سے معلوم ہوا کہ نظر (بد) کا سبب قوتِ شہوتِ جماعت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ نگاہ کو پست کرنے والا ہے (اور ظاہر ہے کہ نکاح سے قوتِ شہوت بھی مختل ہو جاتی ہے۔ اُسی سے نگاہ پست ہو جاتی ہے) اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے وَذُنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ وَالْفَرْجُ يَصْدُقُ ذَلِكَ اَوَيْكَذِهِ اَنَّهُ كَانَ نَظَرَ جَاءَ ہے اور مَرِّكَاهِ اس کی تصدیق کر دیتی ہے اَلْمَذْيَبُ (یعنی اگر نظر کا خواہش فرج ہے تو وہ زنا میں شمار ہے ورنہ نہیں یا مطلب یہ ہے کہ یہ سب مقدمات زنا کے ہیں مگر اس کے بعد فرج سے زنا ہو گیا تو یہ مقدمات واقعی زنا کے مقدمات تھے (اور اگر فرج سے نہ بنا ہوا بلکہ غریب خدا سے پہنچ گیا تو یہ مقدمات بھی ممکن ہو جاتے ہیں بشرطیکہ مانع صرف قوتِ خدا ہو کوئی حسی مانع نہ ہو۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نگاہ کا پست کرنا آیاتِ قرآن سے مامور ہے تو جو شخص اُس کی حفاظت پر قادر نہ ہو اُس کو وہ اسباب اختیار کرنے چاہئیں جن سے یہ قدرت حاصل ہو جائے۔ اس جگہ ایک سوال ہے وہ یہ کہ نگاہ کی حفاظت ان ہی دو طریقوں میں منحصر ہے (نکاح یا رذہ) اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اور طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے مگر یہ دو اعلیٰ درجہ کے ذریعے ہیں مثلاً کوئی اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لے تو کسی کو بھی مدد کیہ سکے گا یا شدتِ خوف کا غلبہ ہو یا سخت تکلیف نفس کو دی جائے تو اس سے بھی نگاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے۔

اہم سفیان ثورق سے منقول ہے کہ جب اُن کے دل میں فیرحی کا طغیاء آتا وہ اپنے آپ کو ایک ککڑی سے مارتے تھے بعض دفعہ ایک دن میں کئی کئی ٹکڑیاں اپنے اوپر توڑ ڈالتے تھے اس کے سوا اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے طریقے ہم کو بتلا دیے جب سب سے اعلیٰ اور آسان ہیں تو حدیث میں اہل سے اپنی پر تنبیہ ہے (یہ مطلب نہیں کہ اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں) ہم نے

اس بات پر اس لیے تنبیہ کر دی کہ شاید کوئی شخص ان دو طریقوں سے عاجز ہو یا دونوں پر عمل کر کے بھی اس کو حفاظت نگاہ میں کامیابی نہ ہو تو وہ یہ کہنے لگے کہ میں نے حدیث پر عمل کر لیا (پھر بھی نگاہ محفوظ نہیں ہوئی تو) میرے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں اب وہ اپنے نفس کو آزلو چھوڑ دے (اور یہ تاویل کرے کہ نگاہ کی حفاظت میری قدرت سے باہر ہے میں اس کا مکلف نہیں رہا) یہ ہرگز جائز نہیں (انگریزی کو ان دو طریقوں سے کامیابی نہ ہو یا ان دونوں پر عمل نہ کر سکے کہ نکاح پر قدرت ہو نہ روزہ کی طاعت ہو تو وہ اور طریقوں سے نفس کا علاج کرے اس کو سہل اور آوازاد نہ چھوڑے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو حکیم الہی کے بھالانا کا سامان کرنا چاہیئے وہ اس کا سامور ہے (اللہ مثال کے طور پر دو طریقے بتلا دینے یہ مطلب نہیں کہ جو ان دونوں پر قادر نہ ہو یا ان سے کامیابی نہ ہو تو وہ حکیم الہی کا مکلف نہیں رہا)۔ قوله وفيه دليل على ان تلوجب بالنظر في قوة شعرة الجماع الى قوله وانما هذا منه صلى الله عليه وسلم تنبيه على التنبه في توفيقه ما امر به العبد -

ف۔ سبحان اللہ! بڑی قیمتی تحقیق ہے ورد الہی ظاہر تو عام طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ حفاظت نگاہ ان ہی دو طریقوں میں منحصر ہے مگر ان سے کامیابی نہ ہو تو انسان معذور ہے۔ حضرت حکیم ان سے نور اللہ مرقدہ نے بعض دفعہ یہ علاج تجویز فرمایا ہے کہ ہر نگاہ بد کے بعد نفس کو مالی یا بدنی سزا دی جائے اور نفس سے کہہ دیا جائے کہ جب نظر بد کا ارتکاب کرے گا یہی سزا دی جائے گی۔ بدنی سزا تو یہ ہے کہ ہر نظر بد کے بعد جس رکعت نفل پڑھے جائیں اور مالی سزا یہ ہے کہ آٹھ آنہ یا ایک پیسہ یا جتنی مقدار سے نفس پر گرانہ ہو صدقہ کر دیا جائے جب ہر نگاہ بد پر نفس کو یہ سزا دی جائے گی چند روز میں درست ہو جائے گا۔

(۲۳۲) روزہ اور نکاح اس مرض کا علاج بھی ہے اور فی نفسہ طاعت بھی ہے تو جی شخص کو اس پر قدرت ہو کہ طاعت کے ذریعہ علاج کر سکے یہ سب

blogspot.com

۵۶۰

اچھا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے داؤد امرضا لکم بالصدقة ولو ففوا البدار بالصدقة۔ اپنے پیاروں کا علاج صدقہ سے کرو بلا کہ صدقہ سے ٹالو۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حفاظت کا حکم ان ہی دوا اعضاء کے ساتھ خاص نہیں (مکھانہ اور شرمگاہ) بلکہ تمام اعضاء کی حفاظت مطلوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
ابن السمیع والبصر والغذاء کل اولئک کلن عنہ مسلک لہ کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دو پرس لیے تنبیہ فرمادی ہے کہ جس کے یہ دو عضو محفوظ اور مستقیم ہو جاتے ہیں تو غالب یہ ہے کہ بقیہ اعضاء بھی محفوظ ہو جاتے ہیں اور جس کے یہ دو عضو محفوظ نہ ہوں اُس کے بقیہ اعضاء کا محفوظ ہونا ممکن نہیں۔

قوله وفيه فائدة اخرى انه دواء وهو في نفسه قربة الى قوله فلما يمكن استقامة باقي الجوارح۔



باب ہشت و شتم

حدیث

توقيت السحور

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے (رمضان میں) رسول اللہ ﷺ سے سحور کے ساتھ سحری کھائی۔ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے (راوی کہتا ہے: میں نے) پوچھا کہ اذان اور سحری کے درمیان کتنا (وقف) تھا فرمایا: بغور بچاس آیت پڑھنے کے (یعنی تقریباً چار منٹ)۔

شرح: ہر حدیث بتا رہا ہے کہ سحری آخر وقت میں کھانا سنت ہے کیونکہ سیدنا رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کے سحری کھانا اور فجر کے طلوع ہونے کا بقدر بچاس آیت پڑھنے کے وقت ہوا (جس کی مقدار چار پانچ منٹ)۔ نیز انہیں تو ثابت ہوا کہ حضور نے بالکل صبح کے قریب سحری کھائی تھی (حضور کے اذان اور حکمت یہ تھی کہ آپ ہمیشہ امت پر آسانی کرنا چاہتے تھے چنانچہ سورہ سحری کھانا بھی امت پر نطف ہی تھا اگر آپ سحری نہ کھاتے تو اہل فضل آپ کی اتباع میں کبھی سحری نہ کھاتے اور معنی کو اس سے شفقت لاحق ہوتی کیونکہ ہر شخص بدن خرا کے روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ پھر حضور کا صبح کے قریب سحری کھانا یہ مہربانیت ہے کیونکہ رات کے درمیان میں سحری کھانے سے امت کو ایک دوسری پریشانی برقی وہ یہ کہ عادی کھانے کے بعد نیند کا غلبہ آتا ہے۔ ہر شخص کو کھانے کے بعد بیدار رہنا آسان نہیں اور کھانا کھاتے ہی سو رہنا بدن کے لیے مضر ہے۔ ہونا کھانا

بہنات دماغ پر چڑھتے ہیں جس سے بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے اور اگر رات کے بعد میں
 سحر کی کھا کر شیخ تک بیدار رہے تو بڑا بھادہ کرنا پڑے گا کیونکہ کھانے پینے کے بعد نیند کا
 تقاضا ہوتا ہے۔ اب اگر یہ شیخ تک بیدار رہا تو عبادت کے وقت یعنی شیخ کی نماز میں نیند کا غلبہ
 ہوگا (جس سے نماز میں حضور قلب نہ ہو سکے گا) اور زیادہ تو یہ ہوگا کہ رات کے بچ سحر کی
 کھانے والے پر نیند ہی غالب ہوگی اور یہ شیخ کی نماز سے رہ جائے گا کہ دیا تو جماعت
 فوت ہوگی اور تنہا وقت سستی کے بعد نماز پڑھے گا (یا آداب طوع ہونے کے بعد نماز
 فضا پڑھے گا) اور اگر وہی رات کے بعد وہ گناہ تو نماز شیخ میں حضور عجب حاصل نہ ہوگا۔
 ان وجوہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحر کو شیخ کے قریب تک نہ فرمایا کہ اس وقت
 سحر کی کھانے سے نماز میں فوت نہ ہوگی۔ کیونکہ اب سحر کی اور نماز میں اتنا ہی وقفہ ہوگا کہ
 وہی نماز کے لیے تیلہ کر لے۔ اس سبب میں شیخ کی نماز حضور قلب سے ادا ہوگی کیونکہ
 کھانے کے بعد نیند کا غلبہ فوراً نہیں ہوتا بلکہ کچھ دیر کے بعد ہوتا ہے جبکہ بہنات صبح
 سے دماغ کی طرف چڑھنے لگیں اور اب اتنا وقفہ نہ ہوگا (دوسرے کھانے کے بعد بہنات
 کا تصور چلنے پھرنے سے موقوف ہو جاتا ہے تو جب سحر کی کے بعد فوراً استنجا اور
 وضو اور رکعتیں پڑھنے کے لیے چلنا پھرنا ہوگا دماغ بہنات سے محفوظ رہے گا)
 پھر نماز سے فادہ ہونے کے بعد دن نکل آئے گا تو انسان اپنی ضروریات اور
 وظائف وغیرہ میں لگ کر نیند سے بچا رہے گا جس سے عمر بڑھتی ہے کیونکہ نیند
 بھی ایک قسم کی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دھوا الذی یقو فائدہ باللیل
 وہی ہے جو تم کو رات میں وفات دیتا ہے اس میں نیند کو وفات کہا گیا ہے تو نیند
 کا کم ہونا عمر میں زیادتی کا سبب ہے (بشریکہ مقدار صحت بحکم نہ ہو) اور حائل
 اپنی عمر کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے چاہے ایک ماٹھی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اگر
 کو اس وقت تک لوگ تاجر نہیں کہتے جب تک وہ اس المال کی حفاظت نہ کرے
 اور تجارت کے طریقہ سے واقف نہ ہو اور حقیقی تاجر مومن ہی ہے۔ کیونکہ باقی
 دینے والے فائدہ کے لیے تجارت کرتا ہے اور دنیا کے تاجرنے والے

نفع کے لیے تجارت کرتے ہیں اور مومن کا ناسخ المال عمر ہے تو اُس کو حفاظتِ عمر کی بہت ضرورت ہے کہ اسی طرح وہ زیادہ نفع حاصل کر سکتا ہے تو مومن زیادہ سونے اور فضلت کا شکار ہونے سے بہت بچتا ہے اور جب اُس سے بچے گا تو اعمالِ صالحہ بجالانے کی طرف سبقت کرے گا۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ یہی لوگ اصلی تاجر ہیں۔ فرماتے ہیں :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا احْزَنُوا لَكُمْ عَلَىٰ
تِجَارَتِكُمْ مِنْ عَذَابِ الْيُسْرِ
تَوَافُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِجَارَتُكُمْ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ
فَلَكُمْ عِلْمٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَا لَكُمْ
طَبِيعَةٌ فِي جَنَّاتٍ عِدْنٍ ذَلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (۱)

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت
بٹلاؤں جو تمہیں مددناک عذاب سے نجات دے؟
(نور) وہ یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اُس کے رسول
پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور
جان سے جہاد کرو۔ (تجارت) تمہارے لیے سب
سے بہتر ہے اگر تم سمجھو کہ جو کس سے ہے اللہ تعالیٰ
تمہارے گناہ مہلت کر دے گا اور بے باغوں
میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی
ہوں گی اور اچھے گھر دیں گے ہمیشہ رہنے والے
باغوں میں یہی ہے بڑی کامیابی۔

اور دنیا بچوں شخص جنت سے کامیاب ہو گیا، جہنم سے نجات پا گیا اور عزیز غنا کی طرف
سے اُس کو مغفرت حاصل ہو گئی۔ وہ سب سے زیادہ نفع پانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے زہد میں دو اؤ علیہ اسلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد! جو میرے ساتھ تجارت
کرے وہ سب سے زیادہ نفع پانے والا ہے۔ تو جو شخص اپنی بیداری میں سے
غفلتوں سے احتراز کرے وہ سونے والے کے برابر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَثَلُ الذَّكَرِ يَذْكُرُ دَبَّةً وَالَّذِي لَا
يَذْكُرُ مَثَلُ الْخَنَازِ وَالْمَيْتِ -
جو شخص اپنے سب کلمات کو یاد کرتا ہے اور جبار
نہیں کرتا ان دونوں کی مثال نندہ اور مردہ جیٹہ ہے۔

تو آپ نے غافل کو مُردہ سے تشبیر دی ہے اگرچہ وہ بیدار ہی ہو۔ کیونکہ اُس کا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت سے خالی ہمارا ہے اس المال برباد ہو رہا۔ ہے اور اس کو پتر بھی نہیں یہاں تک کہ جب عمر ختم ہو جائے گی اُس وقت چھٹکے گا اور کہے گا ادجو فی اعلیٰ اصل حالہا فیما ترکت کلاً (مجھے دُنیا میں واپس کر دو تاکہ میں کچھ نیک کام کروں تو محبوب دیا جانے کا ہرگز نہیں اور جو شخص مالت کے پہلے حصہ میں ضرورت کی وجہ سے سوتا ہے جس سے انسان کو چارہ نہیں اُس کی نیند عبادت ہے اور مراسمِ غیر سے اُس کا سونا اور نماز پڑھنا اور ذکر کرنا ثواب میں ایک ہی درجہ پر ہے جس پر حضرت سہاذ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کا واقعہ دلیل ہے کہ ان دونوں صاحبوں کو رسول اللہ ﷺ نے دین کی تعلیم دینے اور احکامِ اسلام کے موافق فیصلہ کرنے کے لیے (دین کی طرف) بھیجا تھا دونوں اپنے اپنے کام پر روانہ ہو گئے پھر ایک (دن کی) مقام پر جمع ہوئے تو ایک نے دوسرے کا حال پوچھا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ میں تو رات بھر کھڑے بیٹھے اور نیتے ہوئے اور لیٹ کر قرآن پڑھتا رہتا ہوں بالکل نہیں سوتا۔ حضرت سہاذؓ نے فرمایا کہ میں تو رات کے پہلے حصہ میں سوتا ہوں کھلے حصہ میں اٹھتا ہوں اور سونے میں بھی ویسا ہی ثواب سمجھتا ہوں جیسا جاگنے اور نماز پڑھنے میں سمجھتا ہوں۔

جب دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ وسلم کے پاس واپس آئے تو آپ کے سامنے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ بیان کیا۔ حضورؐ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ فقیر ہیں یعنی حضرت سہاذؓ۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ وسلم کسی کو زیادہ فقیر کسی وقت فرما سکتے ہیں جبکہ اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسند اور زیادہ موجبِ قرب ہو یہ تو اُس نیند کا حکم ہے جو ضرورتِ بشر پر کی وجہ سے ہو جس سے چارہ نہیں اس کے سوا جو نیند ہے وہ عمر کو نقصان پہنچانے والی ہے۔

اب کچھ میں آگیا ہو گا اس وقت (یعنی صبح کے قریب) سحری کھانے میں بہت

بڑی خوبی ہے۔ دوسرے اس وقت سحری کھانے سے دن کو روزہ رکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ کیونکہ صبح کے وقت معدہ غذا سے بھر جاتا۔ کھانے کا تمام دن کے آخری حصہ میں ہوگا جبکہ افطار کا وقت قریب ہوگا۔ جو کھانے کی طرح، انتظار آسان ہے۔ دوا نہیں۔ یہ شخص دن بھر عبادت میں غور و خوض رہے گا۔ کھانے پینے کے دوسرے اور اشتہاء اور تناسل سے محفوظ رہے گا۔ بھلائی اس کے جو سحری نہیں کھاتا یا رات کے دوپہان میں کھاتا ہے۔ وہ تو دن بھر شغف اور مجاہدہ نفس میں مشغول رہتا ہے۔ کیونکہ صبح کو اس کا معدہ خالی ہوتا ہے اور بوقت کوئی کھانے کی خواہش بار بار ستاتی ہے اور شیطان کو دوسرے ڈالنے کا بھی زیادہ مواقع ملتا ہے اور بعض پر مسزاد غلبہ ہو جاتا ہے تو بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے کیونکہ مغز اور مزاج کو کھانے کا تحمل نہیں ہوتا تو اس کو رمضان میں معدہ و نظام کرنے کی لہوت آ جاتی ہے (غرض سحری کھانے سے روزہ میں مدد ملتی ہے اور دوسرے دور ہو جاتے ہیں) اور اسی حقیقت کی قوت دخول مدد ملتی ہے۔ دلچسپ ہے اسے اس بارشاد میں فرمایا ہے :-

من رآنی منك امرأۃ تعجبہ ثم كوني كسأبني عورت کو لا چا کہ (وہ) لے اور وہ
فكيات اهلہ فان الذی معها اكون بجانے توئی وقت بچی ہوئی کے پاس پہنچ
مثل الذی معها او کہا قال۔ جانے اور اس سے جو بستی کرے، کیونکہ کچھ پاس ہی
وہی ہی چیز ہے یہی اس کے پاس ہے ۔

کیونکہ انجی عورت کو دیکھ کر شہوت کو جوش ہوتا ہے جو اس کو دل میں گنہ گار کے دوسرے ڈالتی ہے۔ اب اگر یہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے تو وہ جوش فرو ہو جائے گا اگرچہ وہ انجی عورت حسن و جمال میں اس کی بیوی سے زیادہ ہی ہو پھر بھی بیوی سے بہتری کے بد نفس میں وہ ایمان نہ رہے گا جو پہلے تھا اور تھوڑا سا جبر ہے تا اس کو آسانی سے دینے کر سکے گا۔

اسی طرح صبح کے قریب سحری کھانے سے اس کو غذا کی زیادہ خواہش دن بھر نہ ہوگی اور تھوڑی سی ہوگی تو اس کو آسانی سے دینے کر سکے گا اور اگر سحری نہ کھائے گا

تو وہ حال ہو گا جو اوپر بیان کیا گیا اور یہ بڑا نقصان ہے خصوصاً رمضان میں جبکہ فضیلت معلوم ہے (اس ناقص حالت سے پہنچنا چاہیئے) انسان کو رمضان میں سکون خاطر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے توجہ ہونا چاہیئے۔ مبادا اس کا ایک دن ضائع ہو جائے جس کی مانند دوسرا دن میسر نہ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب کے ساتھ سحری کھانا آپ کی تواضع پر دلیل ہے۔ کیونکہ آپ کی جو شان و رفیع ہے، معلوم ہے مگر پھر بھی آپ تواضع صما۔ کے ساتھ کھانا کھاتے تاکہ اُن کی دلجوئی نہ دجائے۔

(تنبیہ) شروع حدیث کا مخون عجب تھا اس لیے پورا زبرد کر دیا گیا اگر غور کیا جائے گا تو اس میں قصوں کے بہت سے مسائل پر تجزیہ معلوم ہوئی ہیں نے حضرت سیدی مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کو (اسی) حدیث کے موافق عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت بالکل صبح کے قریب طلوع فجر سے چارہ پانچ منٹ پہلے سحری کے ساتھ ہوئے تھے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحری کھانے کے بعد فوراً نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ بظاہر اس سے مجھ کی نماز مراد ہے مسجد مراد میں۔ کیونکہ عادی حدیث بتلاتے ہیں کہ سحری سے فراغت بعد صبح کی اذان میں چارہ پانچ منٹ کا وقفہ تھا اور بقیا حضور کا مسجد اس سے بہت طویل ہوتا تھا خصوصاً رمضان میں تو آپ بہت زیادہ مجاہدہ فرماتے تھے۔

پس میرے نزدیک رمضان میں ضیاء کو نماز فجر اس حدیث کے موافق غلٹ میں پڑھنی چاہیئے۔ اسفادہ نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ رمضان میں اسفادہ کرنے سے سحری کے بعد لوگ سو جائیں گے اور صبح کی نماز باجماعت فوت ہوگی اور سحری آخر وقت میں کھانے سے سب نمازی صبح کی اذان کے وقت بیدار ہوں گے تو اذان کے بعد جلدی نماز پڑھنے سے کسی کی نماز باجماعت فوت نہ ہوگی۔ میرے خیال میں احادیث غلط اور احادیث اسفادہ میں تطبیق کی بہترین مُکدات یہ ہے کہ احادیث غلط کو رمضان پر اور احادیث اسفادہ کو غیر رمضان پر معمول کیا جائے کیونکہ

غیر رمضان المبارک میں اسفار کے اضل ہونے کی جو علت بیان کی جاتی ہے کہ اس میں کمزیر جماعت ہے وہ علت رمضان میں اسفار پر صادق نہیں آتی بلکہ غلٹ پر صادق آتی ہے جیسا اوپر جلا دیا گیا ہے۔

(۲۲۳) حضرت مصابہ کا زمانہ کی مقدار کو یہ پاس آتیوں کی تلاوت ہے انداز کرنا یہ بتانا ہے کہ ان حضرات کے اوقات عبادت ہی میں مستغرق تھے۔ اگر تلاوت قرآن اور عبادت کے سوا کوئی اور عبادت ان پر غالب ہوتی تو اسی سے زمانے کا انداز بتلاتے مگر چونکہ ان کے اوقات انواع و اقسام کی عبادت میں گھرے ہوئے تھے۔ ان کے دلوں کو اسی سے لگاؤ تھا تو انہوں نے تلاوت قرآن سے وقت کی مقدار بتلائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات ہمیشہ عبادت ہی میں رہتے تھے۔ اگر وہ کسی اور شغل میں بھی مشغول ہوتے تو دل عبادت ہی میں اٹکا ہوا رہتا تھا اس شغل سے نہیں۔ تاہم یہی ہے کہ جو شغل رمضان پر غالب ہوتا ہے جس سے دل کا زمانہ ہوتا ہے زمانے کی مقدار کا اسی سے اندازہ کرتا ہے کہ یہی اُس کو آسان بھی ہوتا ہے۔

جو لوگ قرآن نہیں پڑھتے اگر ان کے سامنے زمانے کا انداز قرآن سے بیان کیا جائے ان کو اُس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا کیونکہ وہ اس سے کچھ بھی اندازہ نہ کر سکیں گے۔ ہر شخص سے اُس کی سمجھ کے موافق ہی گفتگو کی جاتی ہے تاکہ اُس کو فائدہ پہنچ سکے۔ سب سے ایک طریقہ کام ملا نہیں کیا جاسکتا کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ مثلاً اگر ہم کو یہ معلوم ہو کہ مناجات درزی کا کام کرتا ہے۔ یا بڑھی ہے تو اُس سے یہ کہا جائے گا کہ جتنی دیر میں تم دلوں پکڑ کر رہا ہو گی یا جتنی دیر میں تم اتنی مقدار لکڑی چیر لینے ہو راتنی دیر میں یہ فائدہ ہو گیا۔ یا اگر وہ پکڑ لینے نہ ہے تو اُس سے کہا جائے گا کہ جتنی دیر میں تم دلوں پکڑ کر رہا ہو راتنی دیر میں یہ کام ہو گا اسی طرح یہاں مجبور کہ حضرت مصابہ کے زمانہ

ہیں جو گزشتہ پر عجلت غائب تھی تو وہ کسی کام کے وقت کا اندازہ اسی سے بتلانے
 گئے کہ اتنی آیت پڑھنے یا اتنی رکعتیں پڑھنے کی مقدار وقف ہوگا۔

قوله وقفہ یہ عہد الزمان پنجسہیں آیۃ فیہ دلیل علی ان
 المعایہ رضی اللہ عنہم کانت اوقاتہم مستقرۃ فی التعبدی قولہ
 او تنسج کذا ان کان قرازا۔

فت۔ بات تو یہاں ہے مگر اس لفظ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سحری اور
 اذان میں بقدر بچا کس آیتوں کی تلاوت کے وقف تھا اس مسئلہ کی طرف ذہن کا متوجہ
 ہونا ضروری ہے۔ ساتھ مختصر یہ ہے۔ علماء غلاب کو یہ استنباطات و شواہد ہیں۔ د
 ھفت فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

باب ہشت و ہم

حدیث

من افطر یوما فی رمضان من غیر عذر

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رمضان المبارک میں ایک دن بلا عذر اور بدون مرضہ کے روزہ نہ رکھے اُس کی قضاء نہاد بھر کے روزہ سے بھی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ عمر بھر روزہ رکھے۔ عباد اللہ! یہ مسعود بنی اللہ کا یہی قول ہے۔

فقہ ہر حدیث بخلاف ہے کہ جو شخص رمضان میں عدا بلا عذر کے افطار کرے اُس شمسرح کے گناہ کا کفارہ کچھ نہیں۔ کیونکہ حضور فرماتے ہیں کہ اُس کی تلافی سلسلے نہاد کے روزوں سے بھی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ عمر بھر روزہ رکھے اور ظاہر ہے کہ عمر بھر کا روزہ تو بڑی قضا ہے اس سے بڑھ کر قضا کیا ہوگی جب یہ بھی اس ایک دن کی تلافی نہ کر سکا تو اور کفارے کیا فائدہ دیں گے؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ دیکھانے پینے سے اگر رمضان کا روزہ افطار کیا جائے جہاد سے نہیں تو اس پر کفارہ ہے یا نہیں؟

اہم شافعی رحمہ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس پر کفارہ نہیں اور یہ حدیث اُن کے قول کی مزید ہے۔ مگر وہ قضا و کفر واجب کہتے ہیں اور یہ حدیث اُن کی اس بات کو رد کرتی ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں لعنہ علیہ صیاحہ الدھر کی ساری عمر کے روزے اُس کی قضا نہیں کر سکتے۔ پھر ایک دن کی قضا دے کیا ہوگا؟ اور نام

مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ (اور فضا) واجب ہے انہوں نے اس افطار کو حرام سے افطار پر قیاس کیا اور اُس میں شادخ علیہ السلام نے تصریحاً کفارہ کو واجب فرمایا ہے تو کما نے (رہنے) میں بدعتِ اولیٰ کفارہ ہونا چاہیئے اور ظاہر ہے؛ و اللہ اعلم کہ یہ حدیث ان دونوں حضرات کو نہیں پہنچی۔ اگر پہنچی ہوتی تو ضرور اسی کو اپنا مذہب بناتے یا اس میں کچھ تلافی فرماتے۔ جب ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں تو غالب گمان یہی ہے کہ ان کو حدیث نہیں پہنچی۔ بالخصوص امام مالکؒ کے طریقہ فوریہ ہے کہ وہ بہت سی حدیثوں کو روایت کرتے ہیں اور عمل متواتر کی وجہ سے اُن پر عمل نہیں کرتے تو اس حدیث کا نقل کرنا اُن پر بہت زیادہ ضروری تھا کیونکہ یہ اُن کے مذہب کے معارض اور خلاف ہے (پس غالب یہ ہے کہ حدیث اُن کو نہیں پہنچی) اور ظاہر قیاس یہ چاہتا ہے کہ رمضان میں عذاباً بخیر افطار کرنے کا کفارہ نہ ہو۔ جیسے بین غلوس کا ریعنی جھوٹی قسم کا جزدانہ ماہی کے متعلق فقہاء جان بوجہ کر کھائی جائے) کفارہ نہیں ہے اور یہ حدیث اس قیاس کی مؤید ہے۔

مگر راوی کا یہ کہ کہ عبداللہ بن مسعود کا یہی قول ہے، بتانا ہے کہ اُن کے سوا بقید اصحاب کا یہ قول نہیں اگر کسی اور کا قرن بھی حدیث کے موافق ہوتا تو راوی صرف اُن کا نام تھا نہ لینا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مشہور تھی اور سب کو معلوم تھی مگر اس کے ظاہر پر بجز ابن مسعود کے اند کسی نے عمل نہیں کیا اُن کو دوسری حدیث کا ترجیح واضح ہو گئی تھی (جس میں علاج کے ساتھ افطار کرنے پر کفارہ واجب کیا گیا ہے) تو اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث اگر فقہاء کو بھی پہنچی ہوگی مگر انہوں نے کسی مصلحت سے اس کو روایت نہیں کیا۔ اُن پر کچھ کلام کیا۔ یا تو اس لیے کہ یہ حدیث منزوکِ عمل ہے۔ (کہ صحابہ جہد سے بجز ایک صحابہ کے کسی نے بھی اس کے ظاہری مضمون پر عمل نہیں کیا یا اور کوئی وجہ ہو اور ممکن ہے اُن کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہوتا کہ صیام الدہر اس دن کی فضیلت کی تھا، نہیں کر سکتا۔ زمانہ ہجر کے روزہ سے اس دن کی فضیلت جو فوت ہو گئی ہے۔ حاصل نہیں ہو سکتی اگرچہ کفارہ

اور فقہاء سے گنہگار ہو جائے گا مگر اس خسارہ کی تلافی نہ ہو سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کام میں جو فضیلت رکھ دی ہے بندہ اُس کی جگہ اُس کے بدلہ میں کتنا ہی کام کئے گو اُس کا ثواب کتنا ہی زیادہ ہو وہ خاص فضیلت حاصل نہ ہو سکے گی۔ مثلاً کوئی شخص قربانی کے دن میں قربانی نہ کرے اور ہزار درہم یا ہزار دینار اُس کے بدلہ میں صدقہ کرے تو اُس سے کہا جائے گا کہ قربانی کی فضیلت اور اُس کا ثواب تم کو حاصل نہیں ہوا اگرچہ تم نے ہزار دینار صدقہ کرنے میں قربانی کے عوض کا قصد کیا مگر اس عوض سے قربانی کا ثواب نہ ہو گا اور اگر تم ایک دینار سے ایک بکری خرید کر قربان کر دیتے وہ اُن ہزار دینار کے صدقہ سے افضل تھی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ علم فرماتے ہیں کہ قربانی کے دن میں انسان کا کوئی عمل بھی قربانی سے افضل نہیں۔ اور تم اپنی رائے سے اُس چیز کو فضیلت دینا چاہتے ہو جس کو شارع علیہ السلام نے فضیلت نہیں دی۔ سو یہ معاملہ تمہارے خیال کے موافق نہیں ایسا کبھی نہ ہو گا کہ تم اپنی رائے سے شارع کی تلافی ہوئی فضیلت کے مقابل دوسری شے میں فضیلت ثابت کر سکو اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ علیہ مسافر کو سفر میں روزہ کی ترفیہ دیا کرتے تھے اگرچہ شرفاً اُس کو افطار جائز ہے اور امام مالک بھی اس کو جائز فرماتے ہیں مگر وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ ایامِ رمضان کی فضیلت دوسرے ایام میں نہیں پائی جاتی۔ اُنھوں نے غالباً اسی حدیث پر نظر کر کے یہاں فرمایا ہے اور زیادہ احتیاط اُسی میں ہے۔

ف۔ یہاں سے اُس مسئلہ کا حال معلوم ہو گیا ہو گا جو ایک زمانہ میں ہندوستان میں برپا ہوا تھا کہ بعض علماء نے سلطنتِ ترکی کی امداد کے لیے فتویٰ دیدیا تھا کہ اس سال مسلمانین ہند قربانی موقوف کر کے اس کی رقم سلطنتِ ترکی کو بھیج دیں۔ ان لوگوں نے صدقہ کو قربانی کا قائم مقام قرار دیا۔ مگر ہمارے اکابر نے اس کی سخت مخالفت کی اور فرمایا کہ اپنی رائے سے کسی عمل کو قربانی کا قائم مقام بنانا غلط ہے۔ لہذا اللہ جل جلالہ کے عہدِ سلطنتِ عالم کے علوم سے موافق ہیں۔ یہی حضرات ہیں جن کے متعلق حدیث میں وارد ہے لا یزال طاغفۃ منہ امتی فلا ھن من علی الحق میری اُمت میں

ایک جماعت پیشین پر رہے گی اور غاب رہے گی۔

(۲۳۲) عبادات میں سب سے افضل اتباع سنت ہے زیادہ مشقت مطلوب نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات میں سب سے افضل اتباع ہے زیادہ مشقت میں
تفصیل نہیں۔ دیکھو ہر روزہ رکعت ست مشقت طلب ہے مگر وہ رمضان کے ایک
روزہ کے بھی برابر نہیں (اور وہ جو ایک حدیث میں آیا ہے افضل الاعمال احسنھا
اور اشقھا۔ کہ اعمال میں زیادہ افضل وہ ہے جو نفس پر زیادہ شاق ہو۔ یہ اس مقام پر
ہے جہاں عمل کے ہر پہلو میں اتباع (سنت) موجود ہو۔ جیسے رمضان کے سفر میں روزہ
رکھنا اور انظار کرنا دونوں میں اتباع سنت ہے مگر روزہ رکھنا زیادہ شاق ہے تو یہی
افضل ہے اور جہاں کسی عمل کے ایک پہلو میں اتباع ہو دوسرے میں اتباع نہ ہو تو سنت
زیادہ ہو وہاں اتباع ہی افضل ہے۔ جیسے ساری رات جاگ کر نماز پڑھنا اور رات کے
پہلے صحت میں سوتا پچھلے صحت میں اٹھ کر نماز پڑھنا۔ یہاں دوسری صورت افضل ہے کیونکہ
اسی میں اتباع سنت ہے۔ پہلی صورت میں تو مشقت زیادہ ہے مگر افضل نہیں کیونکہ
رمضان شد مطہر طہ و سلم سے تمام رات جاگنا ثابت نہیں قائم ہے۔ اس میں شوقیہ کی بھی
دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ عبادت کی طاعت تو حکم کی تعمیل سے اور جاہل کی طاعت
شہوت (کے تابع) ہے (مطلب یہ ہے کہ عبادت صرف غیب حکم کے لیے عبادت کرنا
ہے کسی کیفیت یا کرامت و کشف یا لذات باطنی کے لیے نہیں کرنا اور جاہل تعمیل حکم کے سوا
دوسری اغراض کے لیے بھی عبادت کرتا ہے اس لیے نبی کون کیفیت اور لذت نہ ہو
ذکر و شغل وغیرہ جوڑ دیتا ہے)۔ دیکھو صورت ہی نور روزہ میں حمزہ کھانے پر براہِ گھنٹہ
کرتی ہے (تو جاہل شہوت نفس کا اتباع کر کے۔ دوسرا فقہ دیتا ہے) پھر اس کے
بدل میں آٹھ روپے جو نفس پر شاق ہے اور عبادت کو تعمیل حکم رکھا اہتمام ہر رب
کے التزام پر براہِ گھنٹہ کرتا ہے کہ حکم کو چرخی طریق بجا نا جائز ہے اس کا اور کچھ
مستور نہیں۔ قولہ وفيہ دلیل علی ان افضل العبادات هي اتباع ما اتي قولہ

صل النزام اور دین توفیق اکامر لاغیر۔

فت۔ یہی وہ بات ہے جس کے فقدان سے اہل ملک پریشان ہوتے ہیں۔ بہت لوگ اور اردوئی نعت سے دیوبندی اغراض یا باطنی کیلیات کے طالب ہوتے ہیں جب تک حاصل نہیں ہوتیں سب کام چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ یہ لوگ اصل حقیقت سے جا ملے ہیں۔ عادت وہ ہے جو مرتبہ تمیز عالم کے لئے کام کرے اور کوئی غرض نہ ہو اسی کا نام اخلاص ہے۔ اور صاحب اخلاص کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز العزیز۔

(۲۳۵) توبہ سے اُس گناہ کی تلافی نہیں ہو سکتی جو گناہ اُس سے ہو چکا

یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقی معافیت (یعنی مریمہ کا کرنے والا گو اُس میں کمائی ہی نصیبت موجود ہو اُس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتا جو معافیت سے ہو چکا ہے۔ مگر یہ وہ توبہ بھی کر لے۔ اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے و ان صامہ (انگڑ) وہ مہر مردانہ دے) کیونکہ ظاہر ہے کہ مہر بھر دینا نہ کہنے والا توبہ مفرد کرے گا۔ نام شائع فرماتے ہیں کہ اس شخص کے ذمے توبہ ہے اور ایک دن کا روزہ۔ غرض یہ تو اور ایک دن کا یا مہر بھر کا روزہ بہت سے بہت عذاب (اور گناہ) کو رفع کر سکتا ہے۔ لیکن گناہ سے بچنے کا جرنیہ ہے وہ حاصل نہ ہو گا (اور گناہ سے جو نقصان پہنچے اُس کی تلافی نہ ہو سکے گی) ہاں حق تعالیٰ کا فضل ہو جائے تو اور بات ہے ورنہ ظاہر (تاکون) پر وہ فتح نہیں لوٹ سکتا۔ اور یہ حدیث میں آیا ہے التوبۃ تجلب ما قبلہا کہ توبہ پہلی حالت کو قائم کر دیتی ہے۔ اُس کا مطلب یہ ہو گا کہ گناہ اور عذاب کو توبہ ختم کر دے یہ قیاس بلکہ لگاوی تاکہ خلاء اجنادی سے احتراز ہو جائے نیز ان گناہوں سے جو جن کا گناہ ہو تا مختلف ذیہ ہے۔ قطعی نہیں کہ صورت بول میں تو نقصان ہی نہیں ہوتا اور دوسری صورت میں نقصان ہوتا ہے مگر اسکی تلافی احوال عالم سے ہو جاتی ہے۔ ان جتنی بات کا اثر مشہور ہے مگر حکم شہادت کہ ان الحسنات بذمہ السيئات۔ ۰۔ ۰

دینی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ گناہ سے جو خیر فوت ہو چکا ہے اُس کی تکالیف ہو جائے۔ اسی لیے صحابہ معاملات (یعنی ثرویات کرام) نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مولیٰ کے دروازے پر غرر بھر کھڑا ہے اور ایک ساعت غفلت کر جائے تو اس ایک ساعت میں جو خیر اُس سے فوت ہو گئی وہ اس سے بڑھ کر ہے جو غرر بھر میں اُس نے حاصل کیا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ ساعت لغو النہر (الشرعیات) کی خاص عبادت ہو۔ اگرچہ اللہ جس سے یہ عبادت فوت ہو جائے دوسری اُس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اس کو دوسری ساعت ملے کو بھی نصیب ہو جائے۔ کیونکہ جو ساعت عبادت فوت ہو گئی اُس سے تو حشر نہ ملے۔ وادبنا من تخلف عن باب مولانا اُس شخص کی بڑی مصیبت ہے جو اپنے مولیٰ کے دروازے سے ہٹ گیا۔ قوله وفيه دليل على ان ما يقع من المناقاة حقيقة الى قوله من تخلف عن مولانا۔

ف۔ مگر ایک حدیث میں آیا ہے ان تاب من الذنب مکن لا ذنب له گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا اُس سے گناہ ہوا ہی نہیں اور قرآن میں ہے ان تاب وامن وعمل صالحا لما فادلتك بعدل الله سببا لتحقه آثار مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ کو نیکیوں سے بدل دیں گے۔ پھر احادیث میں توبہ اور اسلام کا ایک ہی درجہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح اسلام سے کفر و شرک سابق کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح توبہ سے گناہ کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ بعض دفعہ وہ لوگ جو پہلے کفر و شرک میں مبتلا تھے بعد میں ایمان لائے اُن لوگوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ جنہوں نے کبھی کفر و شرک نہیں کیا۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت علی اور حضرت حسینؑ اور عہد شریفینؑ میں توبہ و رجوع سے انھیں جیسا حال کیا ان حضرات نے کسی وقت بھی کفر و شرک نہیں کیا اور حضرت عمرؓ بعد شرک سے اسلام لائے ہیں۔ اس طرح توبہ سے کسی شخص کا گناہ سے توبہ کر کے اتنے بلند ہے کہ پہنچ جائے جہاں وہ توبہ سے پہنچ سکے جنہوں نے کبھی توبہ نہیں کیا۔

لاذباگر ذلت محمد پاک نیست
تو باں اسے آنکہ جز تو پاک نیست

اس میں شک نہیں نہ یہ بھی فرسے ایک بڑی نفیات ہے۔ کہ انسان سے
غیر ہر گناہ کا ارتکاب ایسا نہ رہتا۔ یہ لازم نہیں کہ گناہ کر کے توبہ کرے نہ نہ اُس سے
بچے نہ رہے نہ اُسے نہ بڑھ سکے۔ حضرات صحابہ میں بعض رہا بھی زیادہ جہ سے نہ تا۔
اللہ شرب خمر کا ارتکاب مجاہدے مگر توبہ کے بعد وہ اُس مقام پر نہیں جہاں کوئی ولی
اور غوث و تعجب نہیں پہنچ سکتا۔ اس پر منور ہے کہ انسان اس نقصان کا تلافی خود
نہیں کر سکتا جرمیت سے اُس کو پہنچ چکا ہے۔ لیکن توبہ خاص کے بعد اللہ تعالیٰ
کافی فرادیتے اور ایسے بند مقام پر پہنچا دیتے ہیں جہاں اس گناہ سے پہلے نہیں
پہنچا تھا۔ پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ نقصان کے ایام کا برابر دوسرے ایام میں
ہیں۔ نقصان کے ایک دن کا روزہ بلا عذر کے عذر توڑنا اتنا سنگین جرم ہے کہ
انسان عمر بھر کے روزوں سے بھی اُس کی تلافی نہیں کر سکتا۔ وہاں یہ کہ توبہ کے بعد
اللہ تعالیٰ اس نقصان کا کافی کر دیتا ہے یا نہیں؟ یہ حدیث اس سے ساکت ہے
اور دوسرے نعرے امید دلاتی ہیں۔ واللہ اعلم فی الامور۔ غفر للرحیم وانا
عند ظن محمدی۔ لی فلیظن لی حاشاء والسلام۔



حدیث

وصیتہ النبی ﷺ لابی ہریرۃ ثلاثہ اعمال البر

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں
تین کاموں کی وصیت فرمائی ہے۔ ہر شہینہ میں تین روزہ رکنا اور چاشت کی دو رکعتیں پڑھنا
اور صمت سے پہلے وتر پڑھنا۔

۵ شرح: نماز ہر حدیث ہر مہینہ تین روزہ رکنا اور چاشت کی دو رکعت پڑھنے اور صمت
شرح سے پہلے وتر ادا کرنے کی ترغیب دے رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کی وصیت فرمائی ہے اور جس بات کا آپ وصیت
فرمائیں اُس میں ہم کسی امر کو مانا ہے۔ رہا یہ سوال کہ حضور نے ابو ہریرہؓ کو صومیت
کے ساتھ یہ وصیت کیوں فرمائی؟ حضرات شیعین و غیرہ خلفاء و راشدین کو کیوں نہ فرمائی؟
تو بات یہ ہے کہ حضرت خلفاء و راشدین کو وصیت کی ضرورت نہ تھی وہ تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کامل اور آپ کے بعد نبوت کے کام کو سنبھالنے والے تھے
اور جن کا یہ درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو وہ تو اس کا ان جہاں نہ رہ گئے ان
سے وصیت حاصل کریں ان کو کسی وصیت کی حاجت نہ تھی کیونکہ وہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم آپ کے واسطہ پر رسید تھے چنانچہ والے اور قرب
الشی کے اسباب کی طرف سبقت کرنے والے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے ہر یقبخون الی
وہم الوسیلۃ بہم اقرب۔ وہ اپنے رب کی طرف نزدیک تر ہیں۔ کے مطابق

رہتے ہیں کہ گناہ زیادہ قریب ہے۔ وہ ہر دم حکم کی بجا آوری میں لگے رہتے تھے۔ مثلاً یہ حضرات چاشت کی رکعتیں نہیں پڑھتے تھے مگر وہ اس وقت مسلمانوں کی خدمت اور اُن کی اصلاح پر غور کرنے میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت باتیں ہیں جو اُن کی فضیلت پر دلائل کرتی ہیں۔

(۲۳۶) ہر شخص کو اس کی حالت کے مناسب وصیت کی جاتی ہے

دولت الاسلامیہ علیہ وسلم ہر شخص کو اس کی حالت کے مناسب وصیت فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک شخص کو اس کی درخواست کے بعد یہ وصیت فرمائی کہ وہ دین کی خدمت کیا کرو۔ ایک شخص کو یہ وصیت فرمائی کہ غلہ زید کچھ کر پڑھا کرو۔ میں یہ آخری لفظ ہے (شاید اس کے بعد پھر نماز کی صلت نہ ملے اور موت آجائے، اور لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے اس سے امید قطع کر دو (کسی سے کچھ توقع نہ رکھو) اور عہد احمد بن عمرؓ کے بارہ میں فرمایا وہ بہت اچھے آدمی ہے اگر رات کو اٹھا کریں، اور بہت واقعات ہیں رحمن میں حضورؐ نے ہر شخص کو اس کے مناسب حال وصیت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے وصیت کی درخواست کی تو فرمایا غصہ نہ کیا کرو، اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کو اُن کی حالت کے مناسب وصیت فرمائی۔ کیونکہ وہ عبارت کے لیے (سادے کام) چھوڑ کر (کیسے ہو چکے تھے تو آپؐ نے اُن کو، جیسے اعمال کی وصیت کی جو عابدین کا ہیضہ سے شمار ہیں (یعنی نماز، نفل اور روزہ اور تہجد کا اہتمام) مگر ان کا سرور میں آپؐ نے کہ۔ سرگم ورجن وصیت فرمائی۔ اگر آپؐ زیادہ کی وصیت فرماتے تو دعا کا التزام کرتے جیسا اس وصیت کا التزام کرنا تھا۔

چنانچہ ایک دوایت میں ان کا یہ قول وارد ہے کہ مجھے میرے جیب میں شے ملے تو
 نے عین باتوں کی وصیت فرمائی ہے میں اُن کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ سے
 مل جاؤں۔ پھر ان عین باتوں کا ذکر فرمایا جو یہاں مذکور ہیں۔ اگر زیادہ کی وصیت کی
 جاتی وہ اُس کا بھی التزام کرتے پھر شاید کسی وقت شفقت ہوئی میرے حضور نہ

کھینچتا ہے۔ مگر تم مستحبات و نفعائے کا معاملہ دشوار ہے۔ اس لیے عمل کرنے والے کی حالت کے مناسب کسی عمل کو ترجیح دی جاتے گی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ایک ہی عمل کی وصیت نہیں کی بلکہ ہر ایک کے لیے جدا عمل تجویز فرماتے تھے۔ جس کی اس میں (زیادہ) اہمیت تھی اور مطلب یہ ہوتا تھا کہ اعمال مستحبہ اور نفعائے میں اس کا اہتمام زیادہ کیا جائے۔ یہ مطلب نہ تھا کہ اس کے سوا اور اعمال مستحبہ کو بالکل نہ کیا جائے۔

وصیتِ تَوَاقُلِ درجہ کی کرنا چاہیے اور زیادہ کی ترغیب دی جائے

دہا کہ حضورؐ نے ان اعمال میں اَوَّل درجہ کی وصیت کیوں کی (زیادہ کی کیوں نہ کی؟) تو اس کی وجہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اگر زیادہ کی وصیت کی جاتی تو اندیشہ تھا کہ وہ اُس کا التزام کر لینے (اور کسی وقت دشواری پیش آتی اس لیے زیادہ کو اُن کی اہمیت اور فضیلت پر مجبور دیا گیا۔ دوسرے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ تاکیدِ تَوَاقُلِ درجہ کی ہی فرماتے پھر زیادہ کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کے ساتھ قیام کرے (یعنی عشاء کے بعد دو رکعتوں میں اُن کو پڑھ لیا کرے) تو یہ اُسے کافی ہیں پھر اس کے بعد زیادہ کی ترغیب رہی اور ہر ایک مقدار کا الگ الگ ثواب بیان کیا۔ یہاں تک کہ (آخر میں) فرمایا کہ جو شخص ہزار آیتیں قیام لیل میں پڑھے اُس کا لقب آسمانوں میں مقنطر ہوگا (یعنی بڑے خزانے والا) اور رات کے آخر تک تہائی حصہ کی بہت فضیلت بتلائی تاکہ لوگ قیام لیل پر ہی اکتفا نہ کریں جو عشاء کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے بلکہ تہجد کا اہتمام کریں جس کا بہترین وقت سات کا پچھلا حصہ ہے اور غور آپؐ سات کو اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پیروں پر دم آ جاتا تھا (علیہ السلام) منہ منہ اسی اظہار الی ان اشکلت قدمااء العزیز دورہ ۱۲) اسی طرح آپؐ نے اس وصیت میں عمل کیا (چاشت کی) دو رکعتوں

کی وصیت فرمائی۔ پھر خود آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ ایک روایت میں بارہ رکعت بھی وارد ہے اور فرمایا جو شخص چاشت کے وقت بارہ رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں عال شان محل تیار کر دیں گے۔ اُس طرز کا ستہ اُمت پر شفقت اور سرزانی تھی کہ مبارک وصیت کے التزام میں مشقت لاحق ہو وہاں بدوین وصیت کے آپ زیدہ محل کی ترفیع دیا کرتے اور ثواب بیان کیا کرتے تھے اس کی تائید سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے واعلموا ان عبادہ کلکم الصلوۃ۔ (اور جان لو کہ قلم سے اعمال میں سب سے افضل نماز ہے) مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ پر جیسے رہو ان کو گنتی سے یا تخمینہ سے محدود نہ کرو بلکہ جس قدر بھی ہو سکے زیادہ کام کرو۔ زیادہ کی رغبت کرو (مجھے معاف کیا جائے کہ یہ تفسیر حدیث کی صحیح نہیں حدیث میں وہاں مفسر ہوتا تو یہ معنی بیان کھتے تھے۔ مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ اُس میں وہاں مفسر وارد ہوا ہے۔ اس کا مطلب وہی ہے جو احقر نے بین المؤمنین ترجمہ میں واضح کر دیا ہے کہ استقامت کے ساتھ کام کئے جاؤ تم سے سب اعمال کا احاطہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ یعنی لڑائیں و واجبات کے بعد اعمال مستحبہ میں اعتدال سے کام لو اتنا عمل کرو جس کو حیلہ نہاہ سکو کہ یہی استقامت ہے۔

اس حدیث میں تکثیر عمل کا امر نہیں ہے بلکہ استقامت اور مداومت کا امر ہے)۔ مفسرین نے ولا اقسرہ بالقصر الخراۃ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ (یہاں قیامت کا ذکر ہے اور نفس لوازم سے قیامت میں اپنے کو ملامت کرنے والا نفس مراد ہے اور) قیامت میں ہر شخص ہی اپنے کو ملامت کرے گا۔ خواہ مومن ہو یا کافر کیونکہ کافر جب کفر کا عذاب دیکھے گا اپنے کو ملامت کرے گا کہ میں مومن کیوں نہ ہوا؟ اور مومن گنہگار مٹن ہوں کی نرا دیکھ کر اپنے کو ملامت کرے گا کہ میں نے دنیا میں یہ اعمال کیوں کئے تھے اور مومن نیکو کار نیک اعمال کا ثواب دیکھ کر اپنے کو ملامت کرے گا کہ میں نے زیادہ کام کیوں نہ کیا تاکہ ثواب زیادہ ملتا دیکھ کر زیادہ عمل کرنے کا طریقہ استقامت اور مداومت ہی ہے طاقت سے زیادہ

انہا کام کرنا جس پر دوام نہ ہو سکے شغل کا سبب ہو جاتا ہے اور غوراً کام بند نہ ہوتا ہے۔
ہمیشہ ہوتا ہے تو آخر میں اُس کی مقدار بہت ہو جاتی ہے۔ قرہ قہرہ ہم غور کیا
قرہ وہ دینا فقد کان علیہ السلام یہ ہے لیکن شخص بحسب مایقتضیہ
حالیہ الی قرہ یعنی لیکن وہ الخاب اکثر۔

ف۔ محققین مشائخ کا یہی طریقہ ہے کہ سب کو ایکہ شی نہیں دیکھتے ہر شخص کو
اُس کے مناسب حال کام بتلاتے ہیں۔ اگر طالب کو شیخ پر اعتماد ہے وہ اُس کے
بتلاتے ہوئے کام پر دل جمعی سے مدد سے کرتا اور سمجھتا ہے کہ میری کامیابی
کا یہی راستہ ہے کہ میں دیکھنے سے جو مختلف اعمال کی طرف دل چلتا تھا کہ یہ
کروں یا وہ کروں یا سب کروں تو کیسے کروں اس الجھن سے اُس کو بہتات مل
جاتی ہے اور حصولِ قرب میں دلجمعی کی بڑی ضرورت ہے اور طریق میں اتنا شیخ
پر اسی لیے زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ اُس کی تعلیم سے الجھن دور ہو جاتی اور جمعیت
قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ شیخ محقق شیخ سنت ہو ورنہ
الجھن دور نہ ہوگی بلکہ پریشانی بڑھے گی۔

کایہ مرواں روشنی و گرمی است

کار و دوناں میلہ و بے شری ست

روشنی سے فراوانیت و نورانیت قلب ہے اور گرمی سے محبت و مشق یہ

دولت مرواں کا بل ہی کے پاس ملتی ہے۔

ف۔ حضرت شامیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت ابو ہریرہ کے لیے طریقِ مہابت اور شعارِ عابدین کو اختیار فرمایا تھا۔ مگر
یہ اعمال یہ ہے کہ حضور نے اُن کے لیے طریقِ علم کو اختیار فرمایا تھا۔ اُن کا کام
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کو سننا اور یاد کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن
سے زیادہ روایت حدیث کرنے والا صحابہ میں کوئی نہیں مگر اس کے ساتھ ہی حضور
نے یہ بھی بتلادیا کہ علمی شغل دونوں کو کسی قدر مہابت نافذ کا بھی اہتمام کرنا چاہیے

صرف فرائض و واجبات و سُنن پر ہی کفایت نہ کرنا چاہیے اسی لیے چاشت کی دو رکعتیں بتلائیں اور ہر مہینہ میں تین روزے ادا کیے کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کریں۔ وتر سے مراد صرف نماز وتر نہیں بلکہ تہجد مع الوتر ہے کیونکہ تنہا وتر پر حضور ﷺ وسلم نے کبھی اتنا نہیں فرمایا۔ بلکہ اُس سے پہلے یا پچھے کچھ نوافل بھی ہوتے ہیں۔ صحابہ عام طور پر وتر کا احلاق نماز تہجد پر کرتے ہیں کہ وتر سے مل کر سب ہی وتر ہو جاتی ہے۔ چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ عشاء کے بعد دن بھر کی سستی ہوئی حدیثوں کو یاد کرتے تھے جس کی وجہ سے دیر میں سونا ہوتا تھا۔ اس لیے حضورؐ نے اُن کو یہ وصیت فرمائی کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کرو۔

پس اہل علم کو ان وصیوں پر پابندی سے کد بند ہونا چاہیے کہ اس سے زیادہ کی اُن کو فرصت نہیں مل سکتی و اگر قتالی علم ۱۰، ۱۱ اس حدیث میں امام مالکؒ (اور امام ابو حنیفہؒ) کے مذہب کی دلیل بھی ہے کہ نفل دو رکعت سے کم نہیں ہو سکتے (اگر اس سے کم ہو سکتے تو حضور ﷺ وسلم اس مقام پر اسی کو بیان فرماتے کیونکہ آپؐ نے کم سے کم مقدار بیان بتلائی۔ مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ مدونہ نفل بلا جہاز تین سے کم ہو سکتا ہے اور یہاں تین سے کم نہیں بتلایا نہیں گیا تو اننا پڑے گا کہ حضورؐ نے وقت کے ساتھ فضیلت پر بھی نظر فرمائی ہے اور جو لوگ ایک رکعت نفل کو جائز کہتے ہیں وہ بھی دیکھا فضیلت کے قائل ہیں)۔

(۷۳۷) منقطع الدنیا کو زیادہ عمل کی ضرورت نہیں قدر ضروری اور قدر

قلیل مستحبات پر قناعت کی اجازت ہے یہاں ایک اللہ بھی عجیب بات ہے جس پر مائل کو اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔ وہ یہ کہ ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کے پاس دُنیا کا کوئی سامان نہ تھا نہ وہ دُنیا کمانے میں مشغول تھے (بلکہ اصحابِ صلہ میں شامل تھے مین کا مقصد صرف حضورؐ کی خدمت میں رہنا آپ کی باتوں کو سُنا اور علم حاصل کرنا تھا) تو اُن سے قلیل

عمل کا مطالبہ کیا گیا۔ کیونکہ انھوں نے دنیا کے تخیل حشر پر ہی قناعت کی تھی۔ اسی سے صوفیاء نے یہ قاعدہ اختیار کیا ہے کہ جو شخص سب سے کم ہو کر اُن کے یہاں پہنچے، وہ اُس کی کیسوئی اور انقطاع ہی پر قناعت کرتے ہیں اور محمود اساکام بتلا دیتے ہیں۔ اور جو دنیوی اسباب میں مبتلا ہو اُس کو بہت کام بتلاتے اور نیک اعمال کی طرف سبقت کرنے کی تاکید کرتے ہیں یہاں تک کہ جو شخص معمول سے زیادہ کماتا ہو اور رات کو زیادہ بیدار رہنے کا امر کرتے ہیں جس کا سبب یہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کیونکہ جو شخص عبادت کے لیے اپنے کو فارغ کریتے ہے اس کا دل دنیا کمانے کی فکر سے خالی ہوتا ہے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور انسان سے اسی چیز کا مطالبہ ہے کہ اکثر اوقات میں اُس کو حضور حق حاصل رہے۔ چنانچہ ایک بزرگ سے ہاتھ دھبہ لے کر گھر کو خالی کر دنا کہ اُس کا مالک اُس میں رہے۔ مطلب یہ کہ اپنے دل کو ماسوائے اللہ سے خالی کر دہی وقت خالق (عل و علما) اس میں رہے گا یعنی حضور حق اُسی وقت قلب کو حاصل ہو گا اور جب دل میں خالق کے ہوا کوئی نہ ہو تو یہی غایت ہے۔ مطلب ہے یہی کیفیت کبریٰ سے، بخلاف اس کے جو اسباب میں مشغول ہوتا ہے اُس کارں کسب معاش میں ضرور مشغول ہو گا خواہ مخوشی ہی دیر کے لیے ہو اسی لیے اُس کو اعمال صالحہ کی کثرت کا حکم کیا جاتا ہے۔

یہی حال اُس کا ہے جو پیٹ بھر کر کھاتا ہے کیونکہ اُس کا بدن عبادت میں سُستی کرتا ہے وہ پیٹ بھر کر آرام کرنا چاہتا ہے تو اُس کو اس کی ضد کا حکم دیا جاتا ہے کہ شب بیداری زیادہ کرے تاکہ کھانے کا شغل دُور ہو جائے اور عبادت میں نشاط حاصل ہو کیونکہ دل کی حالت یہ ہے کہ ہاتھ پیروں سے جو کام کیا جاتا ہے اسی کا طرت اُس کا میلان زیادہ ہوتا ہے اور صوفیاء کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دل کی تعمیر کا اہتمام کرتے ہیں تو جو لوگ اسباب میں مشغول ہوتے ہیں اُن کو زیادہ عبادت بتلاتے ہیں تاکہ کسب معاش کے شغل سے

عبادت بڑھ جانے اور قلب کا میلان احوال صالحہ کی طرف زیادہ ہو جبکہ ہاتھ پیروں سے عبادت زیادہ ہو جائے گی دل کا میلان بھی اس کی طرف زیادہ ہو گا اور جو شخص عبادت کے لیے غارت ہو چکا اُس کو شغل و سبب سے کچھ واسطہ نہ ہو گا اور تو اُس کو زیادہ احوال کی ضرورت نہیں)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو صبح کے قریب سوتا ہوا پایا یا اے شخص کھڑا ہو جا کہ عابدین تجھ سے آگے بڑھ گئے۔ اُس نے کہا اے رب اللہ! مجھے (اسی حال میں) جھڑ دیجئے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر رہا ہوں کہ جو سب سے زیادہ اُس کو محبوب ہے۔ پوچھا وہ کیا طریقہ ہے؟ اُس نے کہا میں دُنیا سے بے رغبت ہو چکا ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا سوتا رہ تو عابدین سے بڑھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دُنیا سے بے رغبتی قلب اور بدن دونوں کو راحت دیتی ہے۔ اس میں بھی اُس بخون پر اشارہ ہے جو ہم بیلان کر رہے ہیں۔ قلب کو راحت دینے کا مطلب یہ ہے کہ زاہد کے دل کو اسباب دُنیا میں فکر و تدبیر سے راحت ملتی ہے اور جب دل اس سے خالی ہو گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر آباد ہو جائے گا۔ کیونکہ دن رکی خیال سے بخل کبھی نہ ہو گا ایک نہ ایک خیال ضرور اُس میں ہو گا خواہ دُنیا کا یا آخرت کا ایک نہ ہو گا تو دوسرا ضرور ہو گا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں کا خیال ساتھ ساتھ ہو مگر دنیا ناو رہے۔

قوله وفيه معنى. وثنا الى قوله لكن ذلك النداء .

ف۔ یہاں سے ناظرین کو مقصد تصوف معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس طریق کا منشاء مقصود یہ ہے کہ دل میں اللہ کے سوا کچھ نہ ہو۔ یہی وہ نسبت صوفیاء ہے جس کو غنیت کہہ کرٹی کہا جاتا ہے۔ جملہ اذکار و اشغال و توفل اسی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں لیکن اگر یہ مقصد اتباع سنت کے ساتھ حاصل ہو تو نسبت مقبولہ مندرجہ ہے بدعات کے ذریعے حاصل ہو تو نسبت غیر مقبولہ منظم ہے ۵

دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوۂ یاس کے ہوا
میری نظر میں خاک بھی جامِ حماں نہا نہیں

و۔ جو لوگ مشائخ کی خدمت میں دنیا کے انکار سے فارغ ہو کر جا پڑتے
ہیں اُن کو زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی صحتِ شیش کی برکت ہی
سے یہ نسبت اُن کو جلد حاصل ہو جاتی ہے بشرطیکہ محبت سے معصوم و خلوصِ قلب
کے ساتھ مرن بھی ہو کہ تعلقِ مع اللہ حاصل ہو جائے۔ کوئی دنیوی مقصد حصولِ جاہ
و غیرہ نہ ہو۔ نہ دنیا میں دنیا کی محبت سے دل کا خالی ہو جانا تقویٰ کا پہلا قدم
ہے اگر یہ حاصل نہیں تو صحبتِ شیش نافع نہیں۔

(۲۲۸) انسان اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے جو طریقہ پر نہ

ہو وہ دوستی کا دعویٰ نہیں کر سکتا یہاں ایک اور بات بھی ہے وہ یہ
تھے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے
بھوک اور فاقہ کو اپنے اختیار سے پسند کیا۔ اسبابِ رعاش میں اشتغال ہو کر ترک
کید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ چلے کسی وقت آپ سے جدا
نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے بھوک اور فاقہ پر صابر ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ
بھوک کی شدت سے بے ہوش ہو جاتے اور کسی کو اُن کے حال کی خبر نہ ہوتی۔
اس حالت میں اُن کو (ایک گوند) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت حاصل تھی۔
کیونکہ حضورؐ نے بھی غنا پر فقر کو ترجیح دی تھی اور آپؐ بعض دفعہ بھوک کی شدت میں
اپنے پیٹ پر تین تین چتر باندھتے تھے تاکہ کمر سیدھی رہے اور کسی کو فاقہ کی
خبر نہ ہو اور فرماتے تھے کہ ادبِ مکرّم نفسہ و حولہا مہمّین۔ - یٰٰن لو!
بعض آدمی اپنے نفس کا اکرام کرتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اس کو ذلیل کرتا
ہے۔ ”وَمَا قَالَ عَبْدُ اللَّهِ إِلَّا مَقَالًا“ مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ فقر و افلاس
کے وقت لوگوں سے سوال کر کے اپنی بھوک پیاس بٹھا کر نفس کی خواہش کو پُورا

کرتے ہیں جو بظاہر نفس کا اکرام ہے مگر حقائق میں اُس کو ذلیل کرنا ہے، غرضی چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنم کر رہے پڑے تھے اور اُسی حالت کو اختیار کئے ہوئے تھے جو حضورؐ نے اپنے واسطے اختیار کی تھی۔ اس لیے حضورؐ نے مصیبت کے ساتھ اُن کو یہ وصیت کی۔ اور اپنی بنا پر ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خلیل کہا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنے دوست کے طریقہ پر جوتا ہے۔ پس دیکھو تو تم کس سے دوستی کر رہے ہو؟ (اس لیے) ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خلیل کہا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی (اور محبت) کا دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔ یہ اشکال نہ کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بنا تا تو ابوبکر کو بنا یا کیونکہ پہلا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوہریرہؓ کو اپنا خلیل بنا یا تھا۔ مگر آیت کے خلیل نہ بنانے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ صحابہ کو بھی حضورؐ سے تعلق غلت نہ ہو کیونکہ غلت کے لیے یہ لازم نہیں کہ اعلیٰ بھی اپنی کو خلیل بنائے بلکہ کبھی یہ تعلق طرفین سے ہوتا ہے کبھی ایک ہی طرف سے ہوتا ہے کہ اپنی کو اعلیٰ سے غلت ہو اور گو اعلیٰ کو اپنی سے نہ ہو غلت کی شرط وہی ہے جو اُوپر بیان کی گئی کہ انسان اپنے خلیل کے طریقہ پر ہو اور یہ غرض حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ میں موجود تھی تو اُن کو دعویٰ غلت جائز تھا۔

قوله وفيه معنى آخر اى قوله فما اخ له ادعاء الخلق لخليل ولفظ
ون - خليل لا ترجم عام حود سے دوست کہنا جاتا ہے بلکہ خلیل وہ ہے جس کی محبت ہو یا قلب میں جا کر رہے ہو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا تعلق تو صرف اللہ تعالیٰ سے تھا ویسے محبت کا تعلق غلام و رشدین الی بیت حضرت فاطمہ حضرت حسنینؑ ازواج مطہرات خصوصاً حضرت عائشہؓ مدینہ کے ساتھ بہت تھا لیکن یہ سب مجتہدین اطراف قلب میں نہیں قلب کے اندر اللہ کے سوا کچھ نہ تھا۔

عذرا العوازل حول قلب الله وهو الكعبة منه فساد الله

(۲۳۹) زندگی کی لمبی اُمید میں نہ باندھنا چاہیئے نے (ماہِ مستحب) میں اُن کو چاشت کی دو رکعت اور ہر مہینہ میں تین روزہ۔ یہ اور سو۔ نے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت پر کہوں اکتفا کیا؟ تو چاشت کی دو رکعت تو اس لیے کہ اس سے کہ ممکن نہ ہو۔ آپ نے اول درجہ پر کفایت کی اور ہر ماہ میں تین روزہ اس لیے کہ یہ بھی اول درجہ ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے اور مہینے کے تیس دن ہوتے ہیں تو انسان کو چاہیئے کہ ہر مہینے میں دو رکعت (دکم از کم) تین روزہ سے رکھ لے تاکہ پورے مہینہ کے روزوں کا ثواب مل جائے اور یہ شخص صائم اندر ہر کے حکم میں نہر جائے اور ظاہر ہے کہ اس سے ستر اور رمضان کے علاوہ دیگر مہینے ہیں کیونکہ رمضان میں تو پورے مہینہ کے روزے فرض ہیں اور یہاں فرض کی وصیت مقصور نہیں بلکہ فرائض واجبات و سنن کے علاوہ چند مستحبات کی وصیت مطلوب ہے) رہا سونے۔ سے پہلے وتر پڑھ لینے کی وصیت اُس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اُن کو اعمال میں بہت کی تاکید فرمادے ہیں مبادا موت آجائے (اور کام نہ جائے) کیونکہ اگر وتر کے بغیر سوئے تو شاید سوئے ہی میں رات کو موت آجائے (نہیں ہی تو ایک قسم کی موت ہے تو وتر کا ثواب نہ ہا جیسا کہ۔

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ نے سونے۔ سے پہلے وتر کی وصیت اس لیے کی ہے کہ وتر قضا نہ ہو جائے مبادا ایک ایک آنکھ نہ کھلے اور صبح کے بعد وتر پڑھا جائے مگر کہ وتر کلمات میں پڑھنا افضل (اور حنفیہ کے نزدیک واجب) ہے تو جواب میں کہا جائے گا کہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے دفع اللہ من ثلاث فذکر اللہ حتی یسقیہ ثم ینفخ عنہ سے قلم مرفوع ہو چکا ہے جن میں سے ایک سونے والا ہے یہاں تک کہ ہذا ہو۔ تو اگر نیند کی وجہ سے وتر قضا ہو جائے کچھ گناہ نہ ہو مگر اور جگہ کے بعد وتر پڑھنے سے وہی ثواب ہو گا جو رات میں پڑھنے سے ہوتا) بلکہ سنت عہدِ نبویؐ میں نے جانے کا ایسا نام بھی ہے جو۔۔۔۔۔

وہی ہے کہ شاید موت آجائے اور دُتر بالکل ہی فوسٹ ہو جائے اس کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے وصیت کی درخواست کی تو فرمایا صلہٴ عداوت سے قطعاً اس طرح پڑھو جیسے دنیا کو الوداع کہنے والے پڑھتا ہے۔ آپؐ نے اس شخص کو قعر اہل کی ترغیب دی کہ زندگی کی لمبی امید نہ باندھو بلکہ یہ بات ہمیشہ نظر رکھو شاید نفس نفس واپس ہو۔ اسی حقیقت پر مشتبہ کرنے کے لیے آپؐ نے حضرت جوہرؓ کو سولے سے پہلے دُتر کی وصیت فرمائی کہ یہ امید نہ باندھو کہ شیخ تک زندہ رہے گا، اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمارؓ سے پوچھا کیف أصبحت۔ تم نے کس حال میں شیخ کی؟ انہوں نے کہا أصبحت مظلوماً حقاً۔ کہ میں نے سچے سچے مومن کی طرح صبح کی۔ حضورؐ نے فرمایا ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے تو قہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ (بیان کرد) کہا یا رسول اللہؐ میں نے اس حال میں شیخ کی ہے کہ ہر قدم پر یہ گمان ہوتا ہے شاید دُوسرا قدم نہ اٹھا سکوں اور موت آجائے اور گویا قیامت میرے سامنے کھڑی ہے۔ ہر آنٹ کو اُن کے نامز اعمال کی طرف پکھلا جا رہا ہے جتنی جنت میں راحت کر رہے ہیں دوزخی دوزخ میں عذاب دیئے جا رہے ہیں حضورؐ نے فرمایا حنیف اللہ العبد تم کو یہ ہم مبارک ہو۔ قول مکن بحلف بحث الخ قوله حنیف اللہ العبد۔

(۲۲۰) موفیاء کے یہاں اپنی ذات کے لیے کوئی وقت نہیں اُن

کا ہر وقت عبادت میں گزرتا ہے ان ہی احادیث کے معنی اور معنی کا ہر وقت عبادت میں گزرتا ہے نظر کر کے حضرات موفیاء کے یہاں اپنی ذات کے لیے کوئی وقت نہیں رہا بلکہ اُن کی عمریں ہمیشہ قسم قسم کی عبادت میں مشغول رہ کر ختم ہوتی ہیں کیونکہ اُن کو (عمل کے) ثواب ہو جانے اور موت آجانے کا اندیشہ لگھ رہتا ہے اس لیے وہ اعمال کی طرف سبقت کرتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ شاید یہی عمل آخری عمل ہو اس لیے جب دُوسرے اُن کی عبادت کو سنتے ہیں اُن کو

بڑا تعجب ہوتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان کی قسمت سے اتنی مہلت باہر ہے اور اگر یہ ممکن اس حقیقت کو ہمیشہ نظر رکھتے جو ان کے پیش نظر ہے تو ان کے پاس بھی دیسے ہی اعمال ہوتے جیسے مونیاء کے پاس ہیں۔ کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ جس کو ہر سانس پر یہ گمان ہو کہ شاید یہی آخری سانس ہے تو یقیناً اُس کو غفلت نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ حال قائم و دائم ہے۔ ان کو حیرت اس لیے ہوتی ہے کہ یہ لوگ طول اہل کی وجہ سے دنیا کی تدبیر اور کسبِ معاش میں مشغول ہیں۔ ایسا شخص اگرچہ کتنی ہی قوت اور ٹھیک دالا ہو ضرور اپنے سب سے کسی قدر غافل ہو کر اپنے کاموں کی تدبیر کرے گا۔ کیونکہ طول اہل کا فکری تقاضا ہے اور حضراتِ مونیاء کی حالت اُس کی ضد ہے وہ قویہ کوئی لباس پہنتے ہیں گمان ہوتا ہے کہ شاید یہی آخری لباس ہو جس کو لے کر قبر میں جائیں۔ جب کوئی فقرہ کھاتے ہیں گمان ہوتا ہے کہ شاید یہی آخری رزق ہے جو دنیا میں اُن کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔ جس شخص کا یہ حال ہو اگرچہ وہ سب سے زیادہ کمزور ہو۔ غفلت اور سستی اُس کے پاس بھی نہیں آ سکتی۔ اس لیے ان چیزوں کے بارے میں کہا گیا ہے الوقت سیف۔ وقت ایک تلوار ہے (جو کاٹ کر دھتا ہے اس کا وار خالی نہیں جانا یا تمنا سے واسطے دار کرے گا۔ اگر اس کو نیکی میں گزار دیا یا تمنا سے اوپر وار کرے گا اگر مصیبت یا غفلت میں گزار دیا)۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے وقت کی ہر ساعت پر نظر رکھو کہ اس وقت تم پر کیا لازم ہے اس کو بھالو اور وقت کو عمل میں گزارو تاکہ عمل سے پہلے دفعہ موت نہ آجائے یا اگر ایسا نہ کیا تو تم تاخیر کی وجہ سے وقت تم کو کاٹ دے گا۔ اگر موت نہ بھی آئی کیونکہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ انسان کی عمر کا جو دن بھی گزرتا ہے اُس کی جگہ دوسرا دن نہیں لے سکتا اور گئے وقت کو لوٹنا بھی ممکن نہیں۔ اب اگر وقت اس حال میں گزرا کہ تم نے اس میں کوئی نیک عمل کر لیا ہے تو کامیابی ہے اسی اگر نیک عمل سے خالی گزر گیا تو فسادہ۔ ہم اس کی جگہ دوسرا وقت

نہیں لے سکتا۔ احمق اور مسکین وہ ہے جو اپنے اوقات کو امر و نہی و فردا میں گزارتا ہے کہ کج کام کروں گا آج نہیں تو کل کروں گا اور اس میں اس مثال کے ساتھ میں اپنے کو صاحبِ فلاح سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ رمرام (خسارہ میں) ہے۔ کیا جس دن میں وہ کچل کتا ہی کی تلافی کرنا چاہتا ہے اگر (اس میں اور پہلے میں) دونوں میں برابر عمل جو اتنا زیادہ بہتر اور کامیابی کا سبب نہ ہوتا؟ اللہ تعالیٰ نے زبور میں داؤد علیہ السلام پر وحی نازل کی ہے کہ اے داؤد! تم کو عمل اور صوفیاء اور اہل عمل سے نہ دوں گا۔ (کہ امید ہے کل تک یہ کام ہو جائے گا۔ عنقریب ایسا کروں گا۔ غلاب دن تک ضروریہ نام کر لوں گا وغیرہ وغیرہ)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اور یہ آخری کلام ہے جو ان کی زبان سے نکلا۔ اے شخص! کل کی فکر آج نہ کر۔ کیونکہ دورِ امن سے غافل نہیں یا تو کل کو پانی ٹپکا یاد پانے لگا۔ اگر پانی نوا اللہ تعالیٰ اُس میں نیا مذاق دے گا اور اگر نہ پایا تو بچے دن کی فکر سے کیا فائدہ جس کو تم نہیں پاسکتے۔

شارحِ تائیدِ اسلام کے ارشادات اور جہدِ گلابِ امت کے اقوال و افعال اس معنی میں بکثرت وارد ہیں۔ پس جس کو فلاح (اور کامیابی) و ترقی مطلوب ہو وہ ان احادیث و اقوال میں غور کرتا رہے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور ان پر عمل کرنا رہے اس کے بعد ترقی اور کمال میں اللہ تعالیٰ پر ہر دوسرے دیکھے اُس کی طرف عاجزانہ متوجہ رہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ مطلوب تک پہنچ جائے گا۔

قوله ولاجل النظر الى معنی هذه الاحادیث الى قوله یصل عند ذلك انشاء الله الى المرجوب۔

۲۴۱) اہل اللہ کی محبت حاصل ہونے پر فخر کرنا جائز ہے جبکہ بطور فخر کے ہو کبر کے لیے نہ ہو۔ یہاں سے یہ من معلوم ہوا کہ اہل برکت

کی محبت (عادل ہونے) پر فخر کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان سے نسبت (اور تعلق) بھی حاصل نہ ہو جائے خواہ کسی درجہ میں ہو (بدون نسبت اور تعلق: جس کے نزدیکی محبت۔ یہ کچھ نہیں ہوتا) اور فخر بھی شکر کی نیت سے ہے۔ مباہات اور نفعت (اور کبر) نااہل و ذلیل۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ذکر اللہ شکر، شکر نعمتوں کا تذکرہ بھی شکر ہے۔ یہ اس سے مفہوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہے اوصاف غلیل۔ مجھے میرے غلیل نے وحیت کی وجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی غلات و بھت کو مباحث کر کے محبت رسول پر فخر کا اقرار ہے۔

یہاں سے یہ من معلوم ہوا کہ انسان اپنے اور اہل فضل کے درمیان کوئی رشتہ (اور تعلق) ثابت کر سکتا ہے اور ان کی طرف اس نوا سے اپنی نسبت بھی کر سکتا ہے اگرچہ انہوں نے اس کے لیے اس تعلق کا نام نہ دیا ہو۔ کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا غلیل کہا حالانکہ حضور نے اپنی ذات مقدسہ سے تمام انسانوں کی غلات کی نفی کر دی۔ ہے (چنانچہ اوپر یہ حدیث گزر چکی کہ اگر خیر اللہ نہ لے لے کے موائے زودست بنا تو ابراہیمؑ کو تمام جس سے مان معلوم ہوا کہ اللہ نہ لے لے سوا آپؐ کو کوئی خدایا نہیں ہے) اور کہا گیا ہے ۔

ان المشبه بالکرام فلاح بزموں کے ساتھ مشابہت دہل کرنا بھی نادر ہے ۔

قوله وفيه انه يجوز الافتخار بعربة المباركين الى قوله فلاح ۔

فت ۔ شاید کسی کے دل میں اس منام پر یہ سوال پیدا ہو کہ حدیث میں تو آیا ہے ان لفضل علیک حقا کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ پھر یہ کیسے کہا گیا کہ مونیہ دے یہاں اپنے نفس کے لیے کوئی دقت نہیں۔ جس ساعت میں نفس کا حق ادا کیا جا۔ بڑا عار تو نفس کا وقت ہو گا۔ جواب یہ ہے کہ نفس کا

:blogspot.com

حق بجانب نیت سے ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا حق واجب کیا ہے تو یہ بھی نفس کا ذات نہ ہوا بلکہ حکم الہی کی تعمیل کا وقت ہوا جو عین عبادت ہے اسی طرح بیوی بچوں کا حق بھی اسی نیت سے ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا حق واجب کیا ہے۔ نہارت اور ملازمت اور رزاعت میں اس نیت سے کہتے ہیں کہ کب الحلال فریضہ بعد الفریضہ حلال روزی حاصل کرنا میں فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے تو اُن کا یہ وقت بھی حکم الہی کی تعمیل میں گزارا ہے جو کہ عبادت ہے۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ان کو زیرِ امانہ اور نیت سے غفلت کی بنا پر ہو آہے اگر وہ نماز، عبادت میں اپنی نیت کو درست رکھے تو اُس کے ساتھ اوقات عبادت میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ باہات کرنا کسی نہ کسی درجے میں دین سے تسلی آتا ہے۔

حدیث

الامر بترك ما لم يسمِ عليه من الصيد

حضرت ہدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اپنے (شکاری) گئے کو چھوڑتا ہوں اور بسم اللہ کہتا ہوں، پھر اُس کے ساتھ شکار پر مدد کرنا پاتا ہوں جس پر میں نے بسم اللہ نہیں کہی اور مجھے معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کس نے شکار کر لیا ہے، فرمایا (اس شکار کو) نہ کھاؤ، کیونکہ تم نے اپنے گئے کو بسم اللہ کے ساتھ چھوٹا ہے دوسرے پر تو بسم اللہ نہیں کہی۔

شہرح ظاہر حدیث بتلوار ہے کہ شکار پر بسم اللہ کہنا واجب ہے۔ اگر بسم اللہ نہ کہی شہرح جائے تو شکار کے کھانے کی کوئی نعمت نہیں کیونکہ جب صحابہ نے حضور سے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں کس سنت نے شکار کو پکڑا تو آپ نے باوجود اُن کے اُن کو اس شکار کے چھوڑ دینے کا حکم دیا (اور کھانے سے منع فرمایا) تو جس پر با یقین بسم اللہ نہیں کہی گئی بلکہ عذر بسم اللہ کو ترک کیا گیا ہو اُس کا حرام ہونا بدعت اولی معلوم ہو گیا۔

فت۔ یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ جس شکار یا جانور پر بسم اللہ ترک کر دی گئی اُس کا کھانا جائز نہیں۔ امام شافعی سے روایت ہے کہ اُس کا کھانا جائز ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ بسم اللہ ہر مسلمان کے دل میں ہے مگر یہ حدیث ضعیف ہے

اور میں ذیجر پر بسم اللہ نہ کہی گئی ہو اُس کا حرام ہونا قرآن میں منصوص ہے دلائل اور
معاملہ بذكر اسم الله عليه وانه لفسق ۵۔

اور یہ حدیث صحیح بھی اُس کی حرمت کو بتلا رہی ہے اس لیے اس بات میں
حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب قوی ہے۔

ف۔ اس حدیث سے شارع نے کوئی مسئلہ تقنوت کا استنباط نہیں کیا
میرے خیال میں وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسبابِ معاش کا اختیار کرنا تو نفل کے خلاف
ہیں۔ کیونکہ صحابہ سے بڑھ کر متوکل کون ہو گا؟ اور اکثر صحابہ نے اسبابِ معاش کو
اختیار کیا ہے۔ سب حضرت ابو ہریرہؓ کی طرح تبارک اسباب نہ تھے پس جو اولیاء اسباب
معاش میں مشغول ہوں ان پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حدیث

النهی عن الصرف الا یذابید

حضرت براہ بن عازبؓ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے روایہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع صرف کو دریافت کیا (بیع صرف چاندی سونے کا خرید و فروخت کو کہتے ہیں) حضرت نے فرمایا اگر ہاتھ در ہاتھ ہو تو کچھ حرج نہیں اور اگر کٹھا ہو تو درست نہ ہے۔
 شرح ظاہر حدیث سے بیع صرف کا حجاز مسلم تھا کہ جب ہاتھ در ہاتھ ہو اور ضمانت معلوم ہوئی جبکہ اُدھار ہو چاہے مختصر ہی دیر کا اُدھار ہو چنانچہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے اگر بیع صرف میں ایک شخص تم سے اتنی ملت مانگے کہ گھر کے اندر جا کر چیز لے نہ تو اتنی ملت بھی نہ دو (بلکہ مجلس بیع ہی میں تبادلہ ہو جانا چاہیئے)۔

فت۔ شامع نے یہاں بھی کون مسئلہ فقہوں کا اشتباہ نہیں کیا۔ میرے خیال میں اس سے بھی مقصود وہی ہے کہ اسباب معاش میں مشغول ہونا غلاب توکل اور غلاب وہیت نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں صحابی چاندی سونے کا کاروبار کرنے، بیعہ اور حضورؐ لے اُن کو منہ نہیں کیا اور صحابہ سے بڑھ کر متوکل اور صاحب ولایت کون ہو سکتا ہے ؟



حدیث

الحث علی العمل وفضل عمل الیہ

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نے اس شخص سے بہتر (محل) کھانا نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ کے عمل سے (کما کر) کھاتا ہو اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے عمل سے (کما کر) کھاتے تھے (وہ نبی کی زبردست عمدہ بندے تھے جو لڑائی کے وقت لڑی پہنتے ہیں) اور اسی کو بچ کر اپنی گزر کرتے تھے (دادجو و عظیم نشان سلطنت کے شاہی خزانہ سے کچھ نہ لیتے تھے ورنہ سب کا سب رعایا پر خرچ ہوتا تھا) ۱۲ (ترمذی)۔

تشریح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ بہترین غذا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کے شمع عمل سے کھاتا ہے اور اسی کے ضمن میں کتب پر ترفیب بھی ہے جس کی چند شرطیں ہیں (جو آگے بیان ہوں گی)۔

(۲۴۲) اسباب معاش کا اختیار کرنا سنت ہے اور اس میں حکمت ہے

اس غیریت (اور بہتری) سے کیا مراد ہے؟ اور یہ فضیلت یومن و کافر کو عائد ہے یا مومن کے ساتھ خاص ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف داؤد علیہ السلام کی مثال کیوں بیان فرمائی حالانکہ اکثر انبیاء علیہم السلام اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ اگر بہتری کی علت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے

والہ دوسروں سے مستثنیٰ ہو رہا ہے اور کسب کی دھم سے کسی پر اس کا بار نہیں ہوتا کیونکہ (مثلاً مشہور ہے کہ) جس کی طرف تم کو استیاج ہو وہ تمہارا سرور ہے اور جس سے تم مستثنیٰ ہو تم اس کے سرور ہو۔ اگر خیر ہونے کا یہ مطلب ہے تو اس میں مومن اور کافر ب داخل ہیں اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس میں کسب کی ترغیب بھی ہے درست ہے لیکن اس کے لیے چند شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ ذریعہ کسب شرعاً جائز ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا عمل بھی شریعت کے موافق ہو کیونکہ بعض دفعہ ذریعہ لب تو جائز ہو مگر عمل شریعت کے خلاف ہوتا ہے (مثلاً سٹار کا پیشہ شرعاً جائز ہے مگر عمل کے وقت سٹار خالص سونے میں مکھوٹ خانے لگے تو اس کا عمل شریعت کے خلاف ہو گا۔ اسی طرح دزدی کے پیشے کو اور ہر پیشے کو سمجھ لیا جائے)۔

اور اگر خیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذریعہ معاش میں کام کرنے پر ثواب ہوتا ہے اور اس کی خیر مشق ہی ہوتی ہے (کہ دوسروں کی بھی مدد کرتا ہے غریبوں کو جو پر صدقہ کرتا ہے) جیسا ایک حدیث میں ہے من بات تعبان من طلب الحلال بات مغفودا لہ و احبم واللہ ما خف حنہ۔ جو شخص کسبِ حلال سے تنگ کر دات گزارے اُس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور صبح کو اس حال میں اُٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے راضی ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ فضیلت مسلمانوں کے ساتھ خاص ہوگی اور مسلمانوں کو کسبِ معاش پر ترغیب دینے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے موافق کمانے کا ذریعہ اختیار کریں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ خیر ہونے کا یہ مطلب ہو کہ پیشہ دہر کا مذاق ہو اس کے عمل کے خیر سے آنا ہے۔ یہ بات اُنکی پیشہ کے ساتھ خاص ہے جو یا تو سے کیا جاتا ہے دوسرے اسباب کسب اس میں داخل نہ ہوں گے۔ اسی وجہ سے حضرت دلاؤد علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی۔ دوسرے انبیاء کی نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صفت (دعوت) اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے جس سے صاحب

صنعت خرچ کرتا رہتا ہے۔ اس صورت میں یہ حدیث تسلیم صحت کی ترغیب دے رہی ہے کہ یہی سنت ہے اس میں کچھ عارضیوں کو کہ جس کام کو انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی نے کیا ہو اس میں عارضیوں ہو سکتا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ غیر ہونے کی علت یہ ہو کہ ہاتھ سے پیشہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حق واجب نہیں ہوتا۔ دوسرے اسباب معاش میں حق، شر واجب ہوتا ہے جو ایسی پورا دارا ہو جانتے اور کبھی قصداً یا بلا قصد۔ کھانا ہونے سے روہ جاتا ہے تو اور اسباب معاش میں ذکوۃ اور دیگر حقوق واجب ہوتے ہیں اور اعمال رہتا ہے کہ وہ ادا ہوئے یا نہیں؟ اور ہاتھ سے جو پیسے کئے جاتے ہیں اگر شریعت کے موافق کام کیا جائے تو اس میں کوئی حق، اللہ تعالیٰ طریقہ پر واجب نہیں ہوتا تو اس میں کوتاہی کا بھی احتمال نہیں، اور جس میں کوتاہی کا احتمال نہ ہو وہ اس سے بہتر ہے جس میں احتمال ہو۔

یہ بھی احتمال ہے کہ غیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کی صنعت و حرفت میں دوسرے ذرائع معاش سے زیادہ برکت ہوتی ہے۔ پھر یہ برکت کبھی ہوتی ہے کبھی منوی۔ برکت حیرت قویہ ہے کہ کھانے میں تھوڑی مقدار زیادہ مقدار کے قائم ہو جائے اور برکت مغویہ یہ ہے کہ اس کھانے سے قوت و نشاط دوسرے کھانوں سے زیادہ حاصل ہو۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ غیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معاش کے لیے کوئی ذریعہ اختیار کرنا سنت ہے اس میں سنت کا اتباع ہے کیونکہ اس میں حکمت (الہیہ) کا ایک نشان ہے۔ اسی لیے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غلیظ بنامیے گئے لوگوں نے اُن کو نکال دیا تو بازار میں بخت کرتے ہوئے ملے۔ لوگوں نے کہا کہ غلیظ ہونے کے بعد بھی تجارت؟ فرمایا تو کیا میں اپنے اہل و عیال کے ذریعہ معاش کو چھوڑ دوں؟ (اس کے بعد اُن کی خزانہ بیت المال سے مقرر کی گئی جو بیکل کے حساب سے سوا سو روپیہ ماہوار کے قریب تھی)۔

اس بنا پر مطلقاً اسباب معاش کا اختیار کرنا باعث برکت ہے بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو خواہ صنعت ہو یا زراعت یا تجارت وغیرہ سب ہی میں برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اس دنیا کی آبادی کا ارادہ کیا ہے۔ (حکمت النبی کا یہی تقاضا ہے کہ لوگ اسباب کے ذریعہ معاش طلب کریں بغیر اسباب کے شانہ و نامہ ہی کسی کو روزی ملتی ہے) اسی لیے میرے ایک شیخ جو زہد و عزم دونوں کے جامع تھے درس و تدریس سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھ سے اپنے باغ میں کام کرتے تھے۔ بعض دفعہ تدریس کے ساتھ سمباہہ (دریاض) بھی کرتے۔ پھر بھی ہواڑہ سے کام کرنا نہ چھوڑتے اور فرمانے تھے کہ دوسروں نے بویا تھا ہم نے کھایا ہم بوئیں گے تو دوسرے کھائیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ظاہر ہو جس وقت اُن کا باغ تیار ہو گیا انتقال فرما گئے (رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

اب ہم اُن اعتراضات کو بیان کرتے ہیں جو اس مقام پر وارد ہوتے ہیں اور اُن کا جواب بھی دیں گے۔ اوپر کہا گیا ہے کہ کسب معاش کے ذریعہ لوگوں سے استغنا ہو جاتا ہے۔ اس پر قرآن و حدیث سے اعتراض وارد ہوتا ہے۔ قرآن کی تو یہ آیت ہے **وَالَّذِينَ لَا يُلْقُوا أَعْيُنَهُمْ تَحْتَ الْأَشْجَارِ** اقام الصلوٰۃ وایا والذکوٰۃ۔ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور بیع و انشر لکھا ہوئے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی۔

اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اور اہل صفہ کی حالت وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب معاش کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کیا بلکہ سب کچھ اسباب تھے اور یہی حالت اہل صفہ کی تھی اور حضور نے اہل صفہ کو اُن کے حال پر قائم رہنے دیا بلکہ بعض دفعہ اُن کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ قرآن کی آیت کا تو یہ جواب ہے کہ اُس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ تجارت اور بیع و شمار نہیں کرتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ کام اُن کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتے وہ بدن سے کسب معاش کرتے ہیں اور دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ چنانچہ

اس آیت کے شاہن نزول میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ میں ایک حدیث کی ملامت تھی کہ اذان کے وقت اگر کپڑے میں ٹوٹ ہوئی اُس کو ٹھکانا نہ تھا اور نکال چکن تو پھر پڑھے میں نہ نے تاکہ فوراً کھڑا ہو جاتا اور فرض ادا کرنے چلا جاتا۔ اسی طرح لوہار کی پرالت تھی کہ اگر ستھوڑا اٹھا لیتا اور ان کی آواز کان میں آ جاتی تو اُس کو نوپے پر نہ ملتا بلکہ ہاتھ سے چسپک دیتا اور اگر مار چکنے کے بعد اذان سُنتا تو پھر نہ اٹھتا بلکہ فوراً عملِ آخرت (نماز وغیرہ) کے لیے کھڑا ہو جاتا، یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بندہ سے (شریعت کو) مطلوب یہ ہے کہ اس کا دل اسی کے ساتھ وابستہ رہے جس کے پاس جائے والا اور پہنچنے والا ہے۔ اگرچہ ہاتھ پاؤں کسبِ معاش وغیرہ میں لگے ہوں۔ مجھ سے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ افریقہ میں ایک گھاس کھونے والا حامیوں کے لیے گھاس لاتا تھا اور وہ اپنے وقت کے بڑے اولیاء میں سے تھا۔ جب کی نماز سے فارغ ہو کر دوپہر کے قریب تک یہ کام کرتا۔ پھر وہ کپڑے (جن میں گھاس کھرتا) اتار دیتا اور حمام میں جا کر غسل کرتا اور سرے کپڑے پہنتا اور جو کچھ مزدوری ملتی اس میں سے تھوڑی مقدار اپنے واسطے رکھ کر فقرا و عابدین کو سکین کو باقی رقم تقسیم کر دیتا۔ خود دن بھر روزہ رکھتا اور مغرب کے وقت میں غلیل منقلب سے اظہار کرتا جو اپنے واسطے رکھ لیتی تھی۔ شخص صاحبِ احوال دیکھتا تھا اس کو بڑے بڑے بزرگ ہی پہچانتے تھے کیونکہ وہ اپنے حال کو لوگوں سے چھپاتا تھا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل صفہ کی حالت سے جو اعتراض کیا گیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سب سے بڑھ کر ہے آپ کے نفس کو دنیا کی طرف اس قدر توجہ نہ تھی (تو جس کی یہ حالت ہو اُس کے لیے حضور کی طرح تاک اسباب ہونا ہی بہتر ہے) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ (دوسروں کے ساتھ) نرمی کرنا ہے۔ کیونکہ بعض بلکہ اکثر لوگ ضعیف ہیں (وہ حضور کی اس حالت کا اقتداء نہیں کر سکتے تو ان کے لیے آپ نے اسبابِ معاش کو اختیار کرنا مشروع کیا) جیسا مجدد کے بارہ میں (دوسروں کو تو آپ نے یہ فرمایا) فہن للعبد

کما تفر من الماسد۔ کوڑھی سے ایسا بھاگو جیسا شیر سے جھگنے ہو۔

اور خود آپ نے مہزوم کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھایا اور یہ دُعا پڑھی
 بِسْمِ اللّٰهِ قُلْ لَنْ يَعْيبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ اللہ کے نام سے کھانا ہوں کھاد
 کہ ہم کو ہرگز کوئی مصیبت آسکتی۔ ہوا اس کے ہوا اللہ تعالیٰ نے ہمارے
 واسطے مقتدرگی سے لیا ہے (مُذَمَّرُوں کے لیے) آسان اور سہل طریقہ مشروع
 فرمایا کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا جَعَلَ لَكَ مِنَ الدِّينِ مِنْ حَرْجٍ۔ اللہ
 نے تمہارے اُپر دین میں ڈرا بھی تلگی نہیں کی اور اپنی حالت (اور عمل) سے اہل
 قوت کے لیے (جس کے دل تعلق سے اللہ سے مضبوط ہو چکے ہیں) اعلیٰ درجہ کے اختیار
 کرنے کا اشارہ بھی فرمادیا۔ مثلاً مہزوم ہی کے مسئلہ میں در راستے ہیں جس کا نفس
 ضعیف ہو اُس کو سنت کا اتباع کر کے مہزوم سے جگانا چاہئے اس میں اس پر
 کوئی گناہ نہ ہو گا اور اگر نفس قوی ہو تو اُس سے لے اور اُس کے ساتھ کھائے اور
 اس میں وہ آپس کے مال کا متبع ہو گا۔ چونکہ اہل صفہ نے (اور اُن کے بعد مٹوئیاء
 نے) بلند حالت کو اختیار کیا (وہ حضورؐ کی طرح تکلم اسباب ہو گئے اور توکل کا اعلیٰ
 درجہ لیا) تو حضورؐ اُن کو دُوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔

اوپر کہا گیا ہے کہ کسبِ معاش (کے ذرائع و اسباب اختیار کرنے) میں ثواب ہے
 اس پر ایک حدیث سے (بظاہر اعتراف وارد ہوتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے:
 لَوْ اَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَفَعَكُمْ كَمَا يَرْفَعُ الْطَّيْرُ نَفْسَهُ و
 خصاصاً و قروح بظاناً۔ اگر تم اللہ تعالیٰ پر پوری طرح توکل کرتے جیسا توکل کا
 حق ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس طرح رفعت دیتے جس طرح پرندوں کو روزی
 دیتے ہیں کہ وہ کھج کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس ہوتے
 ہیں (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توکل کا اعلیٰ درجہ ترک اسباب ہے اور جب
 اعلیٰ درجہ یہ ہے تو ثواب بھی اسی میں زیادہ ہے کیونکہ اعمال میں فضیلت ثواب
 ہی کی قلت و کثرت سے ہے) جواب یہ ہے کہ دونوں میں کچھ تقارن نہیں قطعی

یہ ہے کہ جس کو توکل حقیقی حاصل ہو (اس کے لیے ترک اسباب بھی افضل ہے) اور توکل حقیقی کی شان یہ ہے کہ اس شخص کا دل کسی مخلوق سے وابستہ نہ ہو اور اگر اس کو کسی کے ہاتھ سے کوئی خیر حاصل ہو تو اُس کا دل اللہ تعالیٰ ہی سے وابستہ رہے۔ کسی دوسرے سے وابستہ نہ ہو۔ اور جو چیز بغیر انتظارِ نفس کے اس کے پاس آئے اول شریعت پر اُس کو جانچے، اگر شریعت کے لحاظ سے درست ہو تو پھر عریضت کی دُعا سے دیکھے، اگر اس پر بھی ٹھیک اُسے اب اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے کہ اس کو بہترین صورت کی ہدایت کریں کہ اس کو لے یا چھوڑ دے (یہ ہدیہ قبول کیسے یا نہ کیسے) جب اُس کو بہترین صورت کی توفیق ہو جائے تو اگر لینے میں خیر ہو لے لے اور اس شان سے لے کہ دل اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ وابستہ ہو، اس کے بعد اس کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ سے دُعا کرے کہ اس کو اچھی جگہ صرف کرنے کی توفیق ہو اور تمام حالات میں کسی کے ساتھ دل کو تعلق نہ ہو۔ ویکن ذلک بمعرفۃ غیرہ فی انصرف فی ذلک ہما یریدہ الی اللہ قربا و فی حالہ احسان (اس عبادت کے ترجمہ و مطلب میں شروع صدر نہیں ہوا) پھر اس تمام مقام میں اللہ تعالیٰ کے احسان کا مشاہدہ کیسے اور اتباعِ سنت کی بنا پر اس شخص کے احسان کا بدلہ دے اگر یہ نہ ہو سکے تو اُس کے لیے دُعا کرے جس کو حق تعالیٰ نے اس کے لیے سخر کیا (اور اس کے ہاتھ سے خیر پہنچائی) ہے اور دعا (وغیرہ) بھی محض اتباعِ امر کے لیے ہو اس سے زیادہ کچھ نہ ہو۔

حدیث میں ہے من والاک معروفا کافہ فان لم تجد فادع اللہ
 لہ محقق تعلم انک قد کافاکہ (جو شخص تم پر کوئی احسان کرے اس کا بدلہ دو اگر یہ نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دُعا کرو یہاں تک کہ دل لو ابھی دیکھے کہ تم نے اُس کا بدلہ کر دیا) نیز ایک حدیث میں دُعا کی حد یہ بتا
 یحییٰ کہ جب تم نے احسان کرنے والے سے یہ کہہ دیا جنک اللہ عیدہ۔ اللہ تعالیٰ نے خیر دے۔ تو تم نے اُس کی تعریف میں مبالغہ کر دیا۔

اور اگر اس شخص کو کسی نے ذریعہ سے خیر نہیں پہنچی بلکہ یہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کو خرق عادت (اور کرامت) کے طور پر (جلا واسطہ فیہ) فتوحات پہنچی ہیں اس کو چاہیے کہ ان فتوحات کو اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج بن کر شکر کے ساتھ لے اور اپنے کو اس کا اہل نہ سمجھے اب کو ملحوظ رکھے اور اپنے دل کو اس کرامت سے وابستہ نہ کرے مگر یہ وہ کرامت ربانی ہو (اللہ ہی کی طرف سے ہو اُس کے تصرف کو) اس میں اصلاح نہ ہو پھر بھی اُس پر توجہ نہ کرے (کیونکہ یہ بھی شغلِ خاطر کا سبب ہو گا۔

نیز تصرف کے وقت اپنی احتیاج کو ہمیشہ بنظر رکھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اس کو ایسی جگہ فرج کرنے کی ہدایت فرمائیں جو اُس کی مرضی کے موافق ہو اور اپنے حال کو چھپائے کسی سے (غیبی فتوحات کا) تذکرہ نہ کرے مگر یہ کہ اُس کو اعجاز کا حکم ہو تو حکم کے موافق ظاہر کرے اور کوئی دریافت کرے تو فتوحات کا انکار نہ کرے کیونکہ یہ بھی منہجِ نعمتوں کے (بڑی نعمت) ہے اور نعمت کا انکار مناسب نہیں کہ ناشکری ہے) اور اگر کوئی دریافت نہ کرے تو اس کا تذکرہ نہ کرے اور جب کوئی دریافت کرے تو مراحضہ خبر نہ کرے سوا اس کے جس سے (مراحتہ) ذکر کرنے کا حکم کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ (غیبی فتوحات) قدرت کے اسرار میں سے ہیں اور جو شخص اسرارِ قدرت کو بغیر اجازت اور عزودت کے ظاہر کرتا ہے وہ بہت کم اُس کے پاس رہتی ہیں اور بہت کم باقی رہتی ہیں۔ ضرورت کی صورت یہ ہے کہ اعجاز پر مجبور ہو جائے چھپانے پر قادر نہ ہو۔

مجھ سے ایک لفظ نے بیان کیا کہ ایک مسلم کے اہل و عیال بہت تنہا اور اُس کے پیشہ کی آمدنی کافی نہ تھی پڑھنے والے بچے جو کچھ لاتے وہ اُس کے خرچ کیلئے کافی نہ ہوتا) اس کا ایک بھائی بڑا مالدار تھا مگر وہ اس کی خدمت نہ کرتا تھا اور اس نے اپنے بھائی سے یا اور کسی سے اپنا حال ظاہر نہیں کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے خرق عادت (یعنی کرامت) کے طور پر یہ صورت جاری کر دی کہ روزانہ جب

وہ کتب کھول کر بچوں کے آنے سے پہلے اپنی دروات میں اتنی دھم موجود پاتا جو اس دن کے لیے کافی ہوتی اس طرح اس کی حالت درست ہو گئی (سچی اور افلاس سے نجات مل گئی) ایک مدت اسی حال میں گزر گئی تو اُس کے بھائی کو تعجب ہوا کہ کتب کی آمدنی تو اس کو کافی نہ ہوتی تھی (پھر یہ خوشحالی کہاں سے آئی؟) بالآخر اُس نے دریافت کیا کہ تیری آمدنی کہاں سے ہونے لگی تو اُس نے اُس سے ساری حقیقت بیان کر دی۔ اس کے بعد یہ فتوحات بند ہو گئیں (یہ تو اُس کا حکم ہے جس کا توکل قوی ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں وہ حدیث وارد ہے لو انکم توکلتم علیٰ مطلق ترکلہ الخ)

اور جس کا توکل ضعیف ہو اُس کو اسبابِ معاش کا اختیار کرنا ہی بہتر ہے اس میں شک ہے کہ جس کا توکل قوی ہے اُس کا ایمان قوی ہے وہ ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہتا ہے بندگی پر ہمارہتا اور (کسی وقت بھی) اللہ تعالیٰ پر (اور اُس کی تقدیر پر) اعتراض نہیں کرتا نہ کسی چیز کی طرف نظر اٹھاتا ہے اور جس کا توکل ضعیف ہے اُس کا ایمان ضعیف ہے۔ اس کا دل (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے خوش نہیں رہتا گوزبان سے کچھ نہ کہے اُس کا نفس (اور مردِ مر نظر دیکھتا ہے۔ بعض چیزوں کی تمنا بھی کرتا ہے اور کبھی بعض باتوں پر دل میں) اعتراض بھی آتا ہے (گو خدا خیر و خیر ہی کے طور پر ہو) اور یہ عینِ بلاکت ہے تو اُس کے لیے اسباب میں مشغول ہونا ہی رحمت ہے۔ کیونکہ اس کا دل اسباب میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ سے راضی رہتا ہے۔ اگر اس کی مراد کے پورا ہونے میں کچھ نقصان بھی ہو تو اُس کو یہ فکر ہوتی ہے کہ کس طرح کام کرے جس سے امید بڑھے (نقصان کو اپنی تدبیر کے نقصان ہو سکی طرف منسوب کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا) اس صورت میں اس کے لیے بھلائی کی امید کی جاسکتی ہے کیونکہ اُس نے اپنے مولیٰ کے خوف سے اپنے نفس کی تجویز پر مقدم کیا ہے (جبکہ شریعت کی پابندی کے ساتھ اسبابِ معاش میں کام کر رہا ہے غلبہ شریعت سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے)

اور اگر یہ درپڑے معاش اس نیت سے اختیار کیا ہو کہ اس سے طاعت میں مدد ملے تو اس نیت میں خیر زیادہ ہو جائے گی اور اپنے صدقہ یقین کی بنا پر اس کے دل میں تواضع و انکسار پیدا ہو گا اور (کبھی کبھار نہیں تو زیادہ ہوں) یقین والے مجھ سے آگے بڑھ گئے ہیں تو اس کا ثواب بڑھتا رہے گا (کم نہ ہو گا) اور خبردار دل میں یہ خیال نہ آنے پائے کہ میں ان لوگوں سے افضل ہوں جو اپنے مولیٰ کے ساتھ معاملہ رکھتے اور اس کے وعدہ کو جو رزق کی ضمانت میں کیا ہے چیلہ کھینچتے اور اس کی عبادت میں جس کا حکم دیا گیا ہے اسباب معاش کو چھوڑ کر مشغول ہو گئے ہیں رکہ یہ تو پا کج ہیں محمد میر کو چھوڑ کر تقدیر پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ دوسروں کے محتاج ہیں ہم دوسروں کے محتاج نہیں بلکہ اپنا بھی خرچ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کی بھی مدد کرتے ہیں۔ اگر ایسا خیال دل میں لایا گیا تو یہ بدترین حالت ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ خدا تن کو انفسکھ ہوا علحدہ بہمن اتلقی (اپنے منہ سے) اپنی قرینیت نہ کرو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ حق کون ہے ؟ اور یہاں سے معلوم ہو گا کہ ہر شخص کے مناسب حال صورت پر نظر کرنا چاہیئے (سب کو ایک لاٹھی نہ لٹکنا چاہیئے) اسی کو فتنہ حال کہتے ہیں اسی سے فتنے زیادہ ہوتا ہے اور چونکہ اکثر لوگوں پر نصرت ہی غالب ہے تو حکم وہی دیا گیا جو اکثر کے مناسب حال ہے۔

قوله ولعلکم علیہ من وجوب مصلحتہا معنی هذا الخیر بقاء الخیر
جاء الخیر علی الخیر من علیہ من وجوب مصلحتہا معنی هذا الخیر بقاء الخیر

فت۔ راجعہ معنوں نے خود اپنے لیے اصل حال کو اختیار فرمایا کہ ترک اسباب کے ساتھ قول کیا۔ یہاں سے ان لوگوں کا جواب ہو گیا جو صوفیہ تارکین اسباب پر اعتراض کہتے اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے اسلام میں رہبانیت داخل کر دی۔ حالانکہ اسلام میں رہبانیت نہیں نہیں کہتا ہوں اگر ترک اسباب معاش کا نام رہبانیت ہے تو وہ بتلائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا ذریعہ معاش اختیار فرمایا تھا ؟ اگر آپ کا ذریعہ معاش کچھ نہ تھا بجز اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے تو گو یا سب سے پہلے

آپ ہی نے اسلام میں رہبانیت کو داخل فرمایا ہے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ رہبانیت خلیں بلکہ نکاح نہ کرنے اور اہل و عیال نہ رکھنے کا نام رہبانیت ہے تو موصیاء نے یہ طریقہ کب اختیار کیا ہے؟ جس قدر موصیاء تاریک و اسباب ہوئے ہیں سب بڑی چھین والے تھے۔

دیا پر اعتراض کو موصیاء، متوکلین، دوسروں کے سہارے پر دیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے موصیاء، کو خلیں دیکھا۔ مکتادوں کو دیکھا ہو گا جو حضرات کا جھوٹا دھوسے کرتے والے ہیں تو ایسے مکتاد ہر جماعت کے اندر موجود ہیں۔ علماء میں بھی اور علماء و طباء اور فارغین اور اساتذہ میں بھی۔ امراء و سکسا اور وزراء میں بھی۔ سلاطین و خلفاء میں بھی۔ اگر ان مکتادوں کی وجہ سے کسی جماعت کو بدنام کیا جاسکتا ہے تو کوئی جماعت بھی اچھی نہیں کہی جاسکتی اور اس کا عین حماقت ہونا ظاہر ہے۔ محمد نے سچے موصیاء کو دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ حضرات دوسروں کے سہارے پر نہیں ہوتے بلکہ سلاطین و امراء سے زیادہ مستغنی ہوتے ہیں بڑے بڑے پدایا کو جو شریعت اور طریقت کی کسوٹی پر پھندے نہ اتریں ٹھکرا دیتے اور وہ اس کو دیتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں روپیوں کا داپس کر دینا کچھ آسان کام نہیں جو علماء یا دشمن خیال لوگ موصیاء پر اعتراض کرتے ہیں اگر ان کے سامنے بڑی بڑی دہلیز پیش کی جائیں تو کسی نہ کسی تاریل سے فخر قبول کر لیں گو وہ ہڈی شریعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ۱۱ منہزم۔

ف۔ کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس میں صاحب کرامت کے قصد و ارادہ اور تقویٰ کو اسلحا داخل نہ ہو یہ ربانی ہے ایک وہ جس میں اس کے ارادہ و تقویٰ کو داخل ہو وہ روحانی ہے۔ مگر تقویٰ بدون اذن اللہ کے نہ کیا جاسکتا ہے کہ خلاف توحید اور خلاف کمال معرفت ہے اور وہی کو آج کل دست غیب کہہ جاتے ہیں، وہ کرامت میں دخل غلطی نہ وہ ربانی ہے نہ روحانی بلکہ شیطانی ہے کہ کون کس کا طریقہ ہے کہ کسی عمل یا غرض کے ذریعے سے جنت کو تابیہ کیا جاتا اور اُن سے روپیہ منگایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جنت و شفا کے تابیہ میں ہوتے بلکہ جبر و قہر سے تابیہ ہوتے

ہیں اور اخیر حق تعالیٰ کے حکم کے کسی پر جبر و قہر کرنا جائز نہیں۔ پس عالموں کا اپنے اس عمل تسلیم کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر برقیاس کرنا غلط ہے کہ وہاں بنات کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے تابع کیا تھا تم کو کس نے اجازت دی کہ اس طرح اُن کو تابع بناؤ۔ اللہ الا ان یکون الجن کافرا من الھادیین فی جنود تسخیرہ کہا بخود تسخیر اسکا فرما کر ہے من الکائن لہ ادعائہ صریحا و لکنہ مقتضی القواعد و لا یجوز اخذ الخراج منہ الما بعد التیقن بانہ لایاخذہ من احوال المسلمین و لا من احوال اهل الذمۃ فانھما ۱۲ منجم۔

بقیہ اعتراضات کا جواب جو اس مقام پر وارد ہوتے ہیں اُوپر کہا گیا ہے کہ صنعت و حرفت کے بہتر ہونے کی یہی وجہ ہے کہ یہ شخص بواسطہ صنعت کے غیب سے مدد لیٹا ہے۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ وارد ہو گا کہ اُنھوں نے آسمان سے مائدہ (دخوان) نازل کرنے کی دُعا کی تھی اور یہ بلا واسطہ غیب سے مدد لی تھی (اگر یہ صورت افضل نہ ہوتی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُس کے لیے کیوں دُعا کرتے۔ جو بے بہتہ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دُعا از خود نہیں کی بلکہ اپنی قوم کی درخواست پر کی تھی جو اُنھوں نے بطور معجزہ تمغہ حق رسول کے واسطے کی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صورت افضل تھی) نیز یہ واقعہ بھی وارد ہوتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گھر سے نکلے حضرت علیؓ ہی آپ کے پاس پہنچے۔ پوچھا تم کو اس وقت گھر سے نکلنے کی کیا ضرورت پیش آئی کہا بھوک کی وجہ سے نکلا ہوں، حشاش اور حبیب بھی بھوک کی وجہ سے دور۔ بچہ بھی مدنی اللہ تعالیٰ عنہم۔ فرمایا جس چیز نے تم کو گھر سے نکالا اُس نے مجھے نکالا ہے (یہی بھی بھوکا ہوں) پھر آپ کے پاس چند صحابہ اور بھی آئے وہ بھی بھوک کی شکایت کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دیکھو اُس گھر کے دوست کے پاس ہاقل و بد یہ زمانہ گھر کرنے کا نہ تھا، موسم ختم ہو چکا تھا) اور اُس سے کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تازہ بکھرہ ہم کو دو۔ اسی وقت بکھرہ پر تازہ پل اگیں اور حضرت علی (ص) مقتدر (بکھرہ رک) لائے جو سب حضرات نے کھائی اور ہر شخص اپنے گھروالوں کے دستے بھی بقدر کفایت بلکہ کچھ زیادہ لے گیا۔ (جواب یہ ہے کہ یہ بھی بطور معجزہ کے ہوا جو کبھی کبھی ہوتا تھا ہمیشہ نہ ہوتا تھا اور سراجواب حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام کے قعر سے ظاہر ہو گا کہ یہ دونوں حضرات جب باہم ملے اور ساتھ ساتھ چلے جیسا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے تو (یعنی دعائیات میں ہے کہ) دونوں کو بھوک لگی تو ان کے پاس (طیلسے) بکری کا بچہ آیا جس کا آدھا نصف تو بچنا بچا تھا اور آدھا نصف کچا گوشت تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بیٹا بچا گوشت کھانا چاہا تو خضر علیہ السلام نے فرمایا یہ آپ کے طریقہ کے مناسب نہیں کیونکہ آپ سبب سے کام لیتے جیسا اور میرا طریقہ تو یوں ہے (میں تارک اسباب ہوں) تو آپ جائے لکڑیاں جمع کیجئے آگ جلانے اور کچے گوشت کو بھجٹ کر کھائیے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور خضر علیہ السلام نے بچنا ہوا کھایا اور یہ روایت نظر سے غائب گزری اور غالباً ضعیف ہے۔ قرآن میں جو قعر مذکور ہے وہ تو یہ ہے کہ دونوں حضرات ایک جگہ میں پہنچے اور سستی والوں سے ضیافت کا کھانا طلب کیا انہوں نے سمانداری سے انکار کیا وہاں ایک دیوار ٹھکی ہوئی بوسیدہ کھڑی تھی جو گرنے کے قریب تھی خضر علیہ السلام نے اُس پر ہاتھ بھریا تو سیگا ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے اس پر مزدوری لے سکتے تھے۔ ایسے ہے ہودہ لوگوں کی دیوار کو مٹت سیدھا کرنا کیا ضرور تھا اور اگر یہ روایت تسلیم کر لی جائے تو اس سے یہ معلوم ہو گا کہ ترک اسباب افضل نہیں بلکہ اسباب کا اختیار کرنا افضل ہے کیونکہ اول طریقہ خضر ہے اور دوم موسیٰ علیہ السلام اور تیسرا موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے افضل و اعلیٰ ہیں تو ان کا طریقہ بھی افضل ہو گا۔ (اللہ تعالیٰ اعلم)۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں کسی شخصیت کی انفضلیت عام نہیں۔ فضیلت تو ان کی میں ہے جو شریعت نے مشروع کیا ہے۔ کیونکہ یہ حالت طریقہ ربیع بنی بلاد وسط نہیں فتوحات جس کو حاصل ہوتی ہے معنی دلوں پر بھرت ہے کہ میں نے اُس کی شرمیں پوری کر دی ہیں

جگہ کہ اُس نے سب ٹھہریں پُری نہیں کیں۔ اب اگر کسی وقت اُس کو کوئی ناگوار صورت پیش آتی ہے مگر تھلے پر (الزام اور) حسرت لگتا ہے (کو عذاب ہو بطور دوسرے کے ہی ہو) اور یہ بڑی خطرناک حالت ہے یا مروءت کی ہو گئی تو دھوکہ میں پڑ جاتا ہے (اپنے کو دل اور قلب و خوث سمجھنے لگتا ہے) اور یہ بھی بڑا خطرناک حال ہے پس ایسے لوگوں کے لیے صفت و حرمت ہی افضل ہے کہ اس طریق میں سلامتی افضل ہے۔ جیسا نماز کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ انسان کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے سوائے فرض نماز کے (وہ مسجد میں افضل ہے) کیونکہ گھر کی نماز میں ریاء و غیرہ کی آمیزش سے سلامتی زیادہ ہے اور سلامتی کا طریق ہی افضل ہے اگرچہ دوسرے طریق کا فائدہ بڑا ہے۔ مگر اُس فائدہ کے ساتھ خطرات بھی لگے ہوئے ہیں جن سے بہت کم لوگ بچ کر نکلے ہیں۔ اسی لیے بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ میں سلامتی کے برابر کسی حالت کو نہیں سمجھتا۔ مقامات عالیہ کے لیے دوسرے حضرات ہیں جو ان ہی کے لیے پیدا کئے گئے اور ان ہی کے موافق عمل کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اولیاءِ کاملین کے لیے جن کا بیان اور توکل قوی ہو ترکِ اسباب افضل ہے اور ناقصین کے لیے اسباب کا اختیار کرنا افضل ہے اور بعض دفعہ اولیاءِ کاملین بھی فطرت سے سلامتی کے لیے اسباب کو اختیار کرتے ہیں۔ جیسا اکثر صحابہ کے حالات سے ظاہر ہے اور چونکہ انبیاءِ عظیم السلام خطرات سے محفوظ ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ زخم اور بعض انبیاءِ تارکِ اسباب تھے (مترجم)۔

اوپر کہا گیا ہے کہ صفت و حرمت میں کوئی حق اللہ نہیں نہیں اس لیے وہ خود کر اسبابِ معاش سے حقیقی حق اللہ واجب ہے افضل ہے۔ کیونکہ احتمال ہے کہ حق اللہ کے ادا کرنے میں کچھ کمی رہ گئی ہو۔ اس پر یہ اعتقاد رکھنا ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ دوسرے اسبابِ معاش میں بھی کوتاہی کا احتمال نہیں رہتا۔ جیسا ایک تاجر کی حکایت ہے کہ وہ مسجد میں زنا بجماعت لے کر جا رہا تھا کہ جنازہ ٹوٹ گیا یہ بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ پائلے سے باہر آیا تو ایک شخص نے کہا اؤ اس آبادی میں

طیں جو میلہ سے قریب (نظر آرہی) ہے کہ میں تو رکنا رہا، سے نہ ہوں گا جب تک میرا مال باہر نہ آئے۔ ساتھی نے اس کو بے وقوف بنایا (کہ جلا سمندر کے اندر سے بھی کہیں مال خود بخود باہر آیا ہے) پھر وہ اس کے ساتھ کچھ دیر تک کہے سے پریشان رہا کہ دفعہ سمندر کی موجوں نے ایک مختصر سی باہر چھینکی دیکھا تو اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اسی طرح ایک ایک کہے اس کا تمام سامان باہر آگیا سمندر شیا کچھ بھی نہ رہا تو ساتھی نے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا کیا معاملہ ہے جو تمام سامانوں میں سے تجھے ہی اس کرامت کے ساتھ خاص کیا۔ کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے جو بھی حکم دیا میں اس کو بھالایا پھر مجھ سے وہ چیز نیکو کر لے سکتا ہے جو مجھے عطا فرما چکا ہے حالانکہ اُس نے مجھے اپنے احکام بھالانے کی توفیق عطا فرمائی ہے ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ جواب یہ ہے کہ (دیگر اسبابِ معاش میں) ایسی محنت شاذ و نادر ہے اور حکم غالب حال پر مبنی ہوتا ہے (غالب حال یہی ہے کہ سنت و حرمت میں کوتاہی کا احتمال نہیں اور دوسرے اسبابِ معاش میں کوتاہی کا احتمال رہتا ہے)۔ جیسا بعض اہلِ صنعت بھی اپنے پیشہ میں خیانت کرتے ہیں جس سے وہ بدترین پیشہ ہو جاتا ہے مگر صنعت و حرمت میں ایسا شاذ و نادر ہے ادا اگر کوئی کھوٹ ملتا بھی ہے تو چھپائیں رہتا جیسا دوسرے ذرائعِ معاش میں چھپا ہوتا ہے کیونکہ اموال میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس کے سوا دوسرے حقوق بھی ہیں جیسے بیع میں خیرِ خواہی واجب ہے، دھوکہ بازی اور خیانت سے احتراز لازم ہے اور بہت سی باتیں ہیں جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں جن کو بہت سے حمار جانتے بھی نہیں اُن پر عمل تو کیا کریں گے۔ اسی لیے صنعت و حرمت اُن سے بہتر ہے کہ اس میں ایک ہی احتمال ہے کہ صنعت میں کاریگری کا حق پورا نہ کرے مگر ایسا کرے گا تو اس کا عیب ظاہر ہو جائے گا جو پسند نہ کرے گا وہ کہ دے گا۔

اسی لیے ایک عالم باعمل زید کے تیل کا کاندہا د کرتے تھے پھر انہوں نے

بچہ چھایا محمد ہی فرمایا کہ میں نے یہ کاروبار اس لیے اختیار کیا کہ اس میں نفس کو دھوکہ دینے کا موقع نہیں ملتا۔ مگر ایک منٹے میں عمدہ تیل ہو اور اس میں تھوڑا سا خراب تیل عطا ہونے تو سلامت کا خراب ہو جاتا ہے۔ بھلائی اور چیزوں کے کہ ان میں دھوکہ چل جاتا ہے جب میں نے دیکھا کہ زیتون کے تیل میں دھوکہ نہیں چل سکتا اور اس سے مال میں نقصان ہو جاتا ہے تو میں نے اسی کا کاروبار اختیار کیا۔ کیونکہ اہل توفیق نفس کے غوائل اور شرارت سے بے فکر نہیں رہتے اگرچہ ان کے نفوس با برکت (اور پاکیزہ) ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے (یوسف علیہ السلام کی طرف سے) ارشاد فرمایا ہے وعا بری نفسی انہا خلصا لامادقہ بالسوء الإمداد حجب اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا کیونکہ نفس تو (اپنی فطرت سے) برائی کا حکم دینے والا ہے۔ ہاں جس پر سر پرچہ ملے اور رحمت نازل فرمائے (وہ اس کی شرارت سے بچا رہتا ہے)۔

ادھر کہا گیا ہے کہ معرفت و معرفت کی لذتی میں دیگر ذرائع معاش سے زیادہ برکت ہے تو اگر یہ بات قیاسی نہیں محض نقل ہے جس کی علت معلوم نہیں تو بحث کی ضرورت نہیں اور اگر علت یہ ہے کہ اس میں حکمت الہی کا اظہار ہے تو یہاں وہی گفتگو ہے جو اوپر گزری تھی اور اعتراض کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر دیا گیا۔

پہلے کہا گیا ہے کہ اسباب معاش کا اختیار کرنا سنت (انبیاء) ہے اس کے اختیار کرنے میں سنت کا اتباع ہے کیونکہ شریعت نے اسباب معاش اختیار کرنے ہی کو بتلایا ہے تاکہ کسی کو یہ گمان پیدا نہ ہو کہ کسب معاش کے ساتھ عبادت نہیں ہو سکتی۔ شریعت نے اسی قسم کے خیالات کو باطل کرنے کے لیے معرفت و معرفت لا اور دیگر اسباب معاش کی ترغیب دی ہے اور بتلادیا ہے کہ عابد بننا ترک اسباب پر موقوف نہیں۔ اگر عابد بننے کے لیے ترک اسباب ضروری ہو تو کوئی نبی بھی سبب معاش سے اختیار نہ کرتا اور بالاتفاق انبیاء عظیم السلام سب سے بڑھ کر عابد تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی علت کو دور کرنے کے لیے دائرہ طہارۃ اسلام کی مثال بیان فرمائی کہ باہر اتفاق وہ بہت بڑے عابد تھے اور ان کے عابد ہونے

پر تمام اہل کتاب کا اتفاق ہے اس پر وہ اسبابِ معاش میں بھی مشغول تھے بادشاہت کے فرائض بھی ادا کرتے تھے۔

یہاں سے ایک علمی مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ عالم جب احکام بیان کرے تو اپنے قول کو واضح و لائقِ تشریح سے مونیہ کرے مگر چہ اس کے علم و معرفت میں کسی کو شک بھی نہ ہو کیونکہ اس سے نفوس (سامعین) پر بات زیادہ واضح ہو جاتی اور احکام کو پہنچا حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے صنعت و حرفت کی فضیلت بیان کر کے داؤد علیہ السلام کی حالت کو بطور محبت کے پیش فرمایا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی شریعتوں کے جو احکام ضرور غائب نہیں ہوئے وہ ہماری شریعت میں داخل ہیں (جبکہ رسول اللہ نے ان کو بلا اشکاک کے بیان فرمایا ہو ممکن تورات انجیل میں مذکور ہونا کافی نہیں کہ ان میں تحریف ہو چکی ہے۔ قرآن و حدیث میں کسی بات کے خدشہ ہونے سے اطمینان ہو جائے گا کہ اس حکم میں تحریف نہیں ہوئی)۔

یہ حدیث ان لوگوں پر جو اسبابِ معاش میں مشغول ہیں محبت ہے کہ وہ اس مشغل کی وجہ سے عبادت چھوڑنے کا سامان نہ کریں۔ جیسا کہ لوگوں کو یہ کہنے ہوتے دیکھا گیا ہے کہ مشغلِ معاش عبادت سے مانع ہے اور قرآن کی یہ آیت دلالتِ اسلحا و سلنا من قبلک وجعلنا الھمرا ذوا جاد ذریۃ (ہم نے آپ سے پہلے بھی ہمسف سے رسول بھیجے ہیں سب کے بیویاں بھی تھیں اور بچے، عیالداروں پر محبت ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ابن و عیال اور ان کے لیے کسبِ معاش عبادت سے اور کسب میں تقویٰ کی رعایت سے مانع ہے۔

بعض لوگوں کو جب نصیحت کی جاتی اور عبادت کی ترغیب دی جاتی ہے صاف کہہ دیتے ہیں کہ اگر تمہارے بھی بال بچے ہوتے تو ہم سے اس قسم کی باتیں نہ کرتے اور نہ تم ویسے ہوتے جیسے اب ہو بلکہ ہم جیسے ہی ہوتے ان لوگوں کی جہنمیں اس آیت سے ختم ہو گئیں کیونکہ (انبیاء علیہم السلام جو) سب سے افضل اور سب سے بڑے و کرامت تھے عیالدار بھی تھے تو اب کسی کو بھاد کرنے کا کیا موقع ہے؟ (اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو

نہوں بنا کر ہی تو بچا ہے لہذا کان لکھ خف و حمل اللہ نسوخت حسنہ۔ تو اب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ صاحب رسولوں کی کیا بات ہے اُن کی دس کون کر سکتا ہے؟ اگر رسول اللہ کی دس نہ کی جائے گی تو پھر کس کی دس کی جائے گی؟ کیا اللہ تعالیٰ نے اُن کو لغفل ہی بھیجا ہے؟ ہرگز نہیں اُن کو اسی لیے بھیجا ہے تاکہ مخلوق کے سامنے ایک نمونہ ہو جس کے موافق اپنے کو بنانے کی کوشش کریں وعاودنا صاحب رسول اللہ علیہ السلام باذن اللہ) اس تقریر کے بعد (نصوص و احادیث میں) کوئی بھی تضاد باقی نہیں رہا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ حکم سب کے لیے عام نہیں بلکہ ہر شخص کی حالت کے مناسب مجرا حکم ہے نکاح ہی کو لے لو کہ نہ ہر شخص کے لیے ترک نکاح سنّت ہے نہ ہر ایک کے لیے نکاح کرنا سنّت ہے۔ جب تک قدرت نہ ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مدد اور جمعیت قلب حاصل نہ ہو اور اگر کسی کو بیوی کے نان و نفقہ اور مہر پر قدرت نہ ہو اور نکاح سے عبادت میں جمعیت قلب حاصل ہونے کی امید نہ ہو بلکہ پریشانی کا خطرہ ہو اُس کے لیے نکاح سنّت نہیں بلکہ کثرت سے روزہ رکھنا سنّت ہے تاکہ شہوت قابو میں رہے۔

چنانچہ ایک صحابی سے روایت ہے وہ فرماتے تھے مجھے یہ پسند نہیں کہ مسجد کے دروازے پر میری دکان ہو جس میں تجارت کرنے سے جماعت کی نماز بھی فوت نہ ہو اور ہر دن مجھے ایک دینار کا نفع ہو جسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کر دیا کروں میں اس حالت کو فقر سے بہتر نہیں سمجھتا۔ یہی فقہ مال ہے (کہ ہر شخص کو اُس کے حال کے مناسب کلام بتلایا جائے) تو ممکن ہے ان صحابی کو لوگوں سے احتکاک کرنے میں جمعیت قلب حاصل نہ ہوتی ہو یہ خاص دولت اختلاط میں قوت ہو جاتی ہو اگرچہ (دکان کرنے اور صدقہ کرنے سے) نفع مستدی حاصل ہو جائے کیونکہ نفع خاص مقدم ہے جیسے جان پہچانا پہلے اپنی لازم ہے حق ثنائے فرماتے ہیں وہن اخیلھا فکانما امیالھا سمیعھا (اور جس نے ایک جان کو بچایا گویا اُس نے تمام آدمیوں کو زندہ کر دیا) تم کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دوسروں کے بچانے

اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا قصد کرو۔ جہاد کے سوا کسی وقت اس کی اجازت نہیں اگر ایسا کرو گے گنہگار ہو گے (البتہ جہاد میں یہ جائز ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو پہلانے کے لیے تم دشمن کے مقابلے میں آگے بڑھ جاؤ یا دوسروں کی پیاس بجھانے کے لیے خود پانی نہ چڑھو پلے سے دہو اور اُن کی جان بچاؤ جیسا بعض صحابہؓ سے منقول ہے یہی حکم نفقہ کا ہے کہ پہلے تم اپنے نفقہ کے مکلف ہو پھر بیٹے کے پھر درجہ کے۔ اگر تمہارے پاس ایک روٹی ہو تو تم پر کسی کا نفقہ واجب نہیں۔ اگر دو روٹیاں ہوں تو اوہل و عیال میں سے ایک کا نفقہ لازم ہو گا جن میں مقدم وہ ہے جس کا نفقہ دینے سے (ثابت ہے کہ تمہارے اختیار سے ساقط نہیں ہو سکتا یعنی اولاد پھر درجہ کا لازم ہو گا پھر جس قدر عیال زیادہ ہوں اسی ترتیب پر اہم کو مقدم کیا جائے گا اگر غریب انسان کو سب سے پہلے اپنی خاص مانت کا لحاظ ضروری ہے۔ اپنی تشکیل و صلاح کے بعد دوسروں کی فکر جائز ہے نفع لازم نفع منفرد سے مقدم ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بزرگ نے وصیت کی مٹی کو دوسروں کی اثر خیر کی حفاظت میں اپنی گھڑی کو خالی نہ کر دینا اُن کا یہی مطلب تھا کہ اتنی خلیج کی فکر دوسروں سے پہلے کرنا چاہیے۔ پس اگر کوئی شخص صنت (و حضرت ہلوار سباز مساش میں مشغول) ہو کر محبت قلب حاصل نہ کر سکتا ہو اور یہ خاص حلال ہے اس طرح تیسرا نہ ہو سکتا ہو تو اس کے حق میں اس قسم کی کوشش مناسب نہ ہوگی۔ چہاں مطلب یہ ہے کہ قدرت کے ساتھ ترک اسباب کا طریقہ اختیار نہ کرے بلکہ عبادت کے ساتھ شغل مساش کو بھی جمع کرے لیکن وہ راستہ اختیار کرے جو شریعت کے موافق قرب الہی حاصل کرنے میں اس کے لیے زیادہ بہتر ہو۔ اگر قدرت ہی نہ ہو تو اس وقت اُس کے حق میں شغل مساش کا اختیار کرنا ممنوع ہو گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ شیخ جلیل البواب بن مہلان کی خدمت میں ایک عابد حاضر ہوا جس کے اہل و عیال بہت تھے جن کے لیے وہ کچھ شغل مساش ہی کرتا تھا جو اس کے خرچ کو کافی نہ ہوتا اور یہ خود بھی کمزور تھا کہ شغل مساش اور عبادت دونوں کو جمع کرنے سے عاجز تھا عیال کی ترہتمی جن کی وجہ سے تشویش

بھی زیادہ تھی تو شیخ ابوالباسم نے جو علم اور حال دونوں طریق کے جامع تھے اُس سے فرمایا کہ تم کو شغلِ معاش کا اختیار کرنا حرام ہے۔ میں تم علم ہی میں مشغول رہو تم اور تمہارے اہل و عیال اشرقتائے کے ذریعہ۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ پھر تو اُس کی یہ حالت ہوئی کہ سینہ میں دوا دردِ مہسوس کا آنا اس کے گھر میں خرچ ہوتا تھا اور اس وقت ایک قفیز مہسوس کی قیمت دس دینار یا اس سے بھی زیادہ تھی اس کے علاوہ پڑے وغیرہ کا ادراہل و عیال کا اور بھی خرچ تھا (سب غیب سے پورا ہوتا اور) وہ کسی سے کچھ نہ مانگتا، علم اور عبادت ہی میں مشغول رہتا تھا۔ یہ فقہِ حال ہے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان بزرگ جیسا ہو کہ کس کے لیے کون سا طریق مناسب ہے چنانچہ ایک درویش نے علماء و قہر کے سامنے ایک فتویٰ پیش کیا (جس کا مضمون یہ تھا) کیا فرماتے ہیں حضرت علماء دین اس درویش کے بارے میں جو اشرقتان کی طرف متوجہ ہے اُس پر شغلِ معاش کا اختیار کرنا واجب ہے یا نہیں؟ افتواً بحکمہ اللہ۔ تمام علماء نے اس کے جواب سے پہلوئی کی صرف ایک فقہ نے جواب دیا جس کو اشرقتائے نے فوراً بعیرتِ عطا فرمایا تھا۔ اُس باہر گت بزرگ نے لکھا کہ اگر یہ شخص ہر وقت اشرقتائے کی طرف متوجہ رہتا ہے جس میں کسی وقت فتور نہیں آتا تو اُس پر شغلِ معاش کا اختیار کرنا حرام ہے اور اگر کسی وقت اس میں فتور بھی ہوتا ہو تو کسبِ معاش واجب ہے۔

اس جواب کی خوبی میں غور کرو کیسا عجیب جواب ہے اس کی تائید رسول اشرقتائے صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہو رہی ہے ان اللہ نکلتی بوزنق طالب العلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سمجھو اس میں ایک دانہ ہے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کا فتویٰ ان بزرگ جیسا ہو جن کا اُدھر ذکر ہوا کیونکہ اشرقتائے نے تو ساری مخلوق کے ذوق کا ذکر لیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وما من دابة فی الارض الا علی اللہ وذوقها زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب کی روزی اشرقتائے کے ذوق ہے۔ نیز ارشاد لا تسألک وذاقتموزوقک والعاقلۃ للفقوی

رہے مخالف! ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے۔ ہم خود تجھ کو روزی دیتے ہیں اور اچھا انجام تقویٰ کا ہے) اور جب ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا رب اجعل هذا البلد آمناً وارزق اہلہ! اسے پروردگار! اس شہر کو پرامن بنادے اور اُس کے باشندوں میں جراثیم نہ پھیلے اور آخرت کے دن پرامن رکھے اُس کو ہر قسم کے پھل اور نکتے مرحمت فرما۔ تو حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا وحنت کھڑا فامتعہ قلیلاً۔ کہ میں تو کافروں کو بھی دنیا کی آفتل لذت تک راحت و آرام دوں گا پھر ان کو زبردستی جہنم کے عذاب میں داخل کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے تم جلدائیں کی روزی کا ذکر لیا ہے تو وہ کون سی صورت ہے جس کی طالب علم (دین) کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ کفالت فرمائی ہے؟ اگرچہ ہم اشارۃً اُس کو بتلا چکے ہیں کہ لیکن حالت کا متفقہ یہ ہے کہ اس کو دوبارہ تفصیل سے بیان کر دیا جائے تو سنو! کہ جس رزق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے لیا اور بندوں کے لیے مقدر فرمایا ہے اُس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو سبب کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جس کو بندہ سبب ہی سے حاصل کر سکتا ہے اور ایک وہ جو بلا سبب کے حاصل ہوتا ہے جیسے کسی نے کوئی چیز بہم کر دی (یا بدیہ کر دی) یا میراث میں مال (یا جائیداد مکان وغیرہ) مل گیا۔ پھر بہک بھی مختلف قسمیں ہیں (کسی کو کوئی تعلق قرابت کی وجہ سے کچھ دیتا ہے کبھی دوستی یا محبت و عقیدت سے بدیہ دیتا ہے) اور ہم نہیں جانتے کہ کس کو سبب سے رزق حاصل ہوگا اور کس کو بلا سبب۔ تو رسول اللہ ﷺ (سلم نے اپنے اس ارشاد میں اس کو بتلادیا اذا ابتدع الخیر الدین بدعة کید الدین فعلیکم بمعالم الدین واطلبوا من اللہ الرزق قالوا وما معالم الدین قال معالم الخلق والخلق عالمہ اور جب دین میں بدعت داخل ہو جائے دین پر اُفت آجائے گی تو رُس وقت (دین کے) انشاءات کو چٹھہ دے اور روزی اللہ تعالیٰ سے طلب کرو۔ معما بنے عرض کیا دین کے نشانات کیا ہیں؟ فرمایا محفل و حرام کی بھیس (محل و حرام شریعہ)

کا تذکرہ ہوتا ہو (حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رزق کے لیے کسبِ معاش میں مشغول ہونا تم کو طلبِ علم سے ذرو کے درمیان بدعات و جہل کی وجہ سے مٹ جائے گا۔ اس وقت علم (دین) میں مشغول رہو اور پڑھتے پڑھاتے رہو) اور اللہ تم کو رزق دے گا۔ جب وہ عالم جس نے اللہ کا علم حاصل کیا ہے (یعنی علمِ دین) آخرت کے اسباب میں مشغول ہے کہ اسبابِ آخرت میں سب سے بڑا وسیلہ علم ہے جبکہ وہ اللہ کے لیے (اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و احکام سے متعلق) ہو اور قاعدہ کے موافق ہو (بے قاعدہ نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ ایسے بے باور اسباب کے رزق کو آسان کر دیتے ہیں اور اس کو مخلوق میں سے کسی کا بھی محتاج نہیں بناتے (بلکہ مخلوق اُس کی محتاج ہوتی ہے) اس سے صاحبِ علم کا رزق بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اگر وہ آخرت کا طالب ہو اور قاعدہ کے موافق مشغولِ علم میں لگا ہوا ہو کیونکہ یہ شخص اپنے تمام اوقات اور پُوری عمر کو علم میں مشغول کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو طلبِ رزق اور اسبابِ معاش کی فکر سے مستغنی کر دیتے ہیں اور اس قسم کی احادیث پر قلتِ اعتماد کی وجہ سے سچا بعض علماء اور طلباء پریشان کیا جائے گا، ان کی عمریں خسارہ میں ہیں نہ وہ دنیا کے لیے نہ آخرت کے ہونگے۔ ہم اللہ جل جلالہ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو اپنی بھلائی پر عمل کی سعادت و توفیق دے۔ اس کے بواکوی پر درود گاہ نہیں۔

قوله واما لا اعتراض على الوجه الثالث المذموم الخيرية فيه

لكونه يائساً من الغيب بواسطة العنصرة الى قوله لا ريب سواه -

ف - کاش ہمارے زمانہ کے علماء و طالبانِ احادیث پر رزق و اعتماد کر کے ایسا مستغنی اور اللہ پر متوکل ہو جائیں تو ان کی تمام پریشائیاں و دُورِ بربائیں - تجھے "نوم" ہوا ہے کہ تقسیمِ ہند کے بعد سے مدارس ہندوستان کی حالت ناگفتہ بہ ہے آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے۔ حضراتِ علماء، مدارس کو ان احادیث

پر اعلان کرنا اور اپنے دلوں میں غلوں پیدا کرنا چاہیے۔ اگر وہ خالصاً فی وجہ اللہ خدمت دینی میں مشغول رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ غیب سے اُن کی امداد فرمائیں گے۔ اور مسلمانان ہندوستان اور پاکستان کو بھی بحال کرنا چاہیے کہ ہندوستان میں اسلام کی بقاء کا دار و مدار اسلام اور عربیہ کی بقاء پر ہے۔ اگر یہ مدارس مٹ گئے تو اسلام کے مٹ جانے کا خطرہ ہے۔ خدا لا سب مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ ان مدارس کی خدمت پر توجہ کرنا چاہیے ورنہ آخرت میں باز پرس کا اندیشہ ہے۔ حکومت پاکستان کو بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اکثر مدارس ہندوستان کی امداد اسلامی ریاستوں کے وظائف سے ہوتی تھی جواب غالباً بند ہو گئی ہیں تو ان وظائف کو حکومت پاکستان جاری کر دے اور مدارس کو مٹنے نہ دے تاکہ اسلام ہندوستان میں قائم نہ ہو۔ فافہم واللہ یتولی ہدای۔

(۲۴۳) کتبِ مدرّس اور عبادت دونوں کے لیے علم دین کا حاصل

اس حدیث کا نائدہ یہ بھی ہے کہ کسبِ معاش اور کرنا ضروری ہے عبادت دونوں کے لیے شریعت کا علم ضروری ہے بغیر اُس کے نہ کسبِ معاش درست ہے نہ عبادت۔ جس میں علم کی صلاحیت ہو وہ عالم بننے کی کوشش کرے اور جس میں اس کی صلاحیت نہ ہو وہ احکامِ شرعیہ مطالعہ کتب اور علماء کی محبت میں رہ کر اُن سے دریافت کر کے معلوم کرے اور اُن کا اتباع کرے بشرطیکہ وہ علماء واقعی علماء ہوں، بعض دعویٰ ہی دعویٰ نہ ہو۔ کیونکہ دعویٰ سے بہت لوگ تباہ ہو گئے اور اپنے ساتھ ایک بڑی جماعت کو بھی برباد کیا۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں بہت لوگ جہنم کی طرف بٹلانے والے ہوں گے جو اُن کی بات ماننے کا اُس کو جہنم میں جھونک دیں گے۔ بعض لوگ علوم میں کمال کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ علوم اُن کے

حق میں بھی اور اُن کے متبعین کے حق میں بھی وہاں ہی ہیں۔ کیونکہ اُن کے علوم کی بنیاد طیب دنیا اور طیب جاہ پر ہے (یہی اُن کا اصل مقصد ہے اور اس حالت میں بجز علم عقلی کے حقیقی عالم حاصل نہیں ہو سکتا اور جس کو علم حقیقی حاصل نہ آوے وہ شریعت کے مقاصد و مطالب کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔ اب وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے) اور یہی اصل خسارہ ہے اور بڑی بد نصیبی بھی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و کرم سے اتباع سنت بلکہ تمام سنتوں کے اتباع کی توفیق دیں اور خسارہ سے بچائیں، ایک بابرکت بزرگ نے کہا ہے ۔

تحب دنیا و تحب اخری جیہا فی القلب لا یجتمعا

دنیا سے بھی محبت کرتے ہو اور آخرت کی محبت بھی چاہتے ہو۔ دو محبوب ایک دل میں جمع نہیں رہ سکتے۔

ایک فارسی شاعر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں

ابن خیال ست و محاسن است و جنوں

قوله و فائدہ: خلا الحدیث انه لا یقیم کب و لا تقبدا الا بمعرفۃ السنۃ

الی قوله فی القلب لا یجتمعا ۔

فت ۔ آج کل علم کے مدح بہت پیدا ہو گئے ہیں۔ اسی طرح تقویٰ کا دعوے کرنے والے بھی بہت ہیں اور ان مدعوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ عوم پر دایم ہے کہ جس طرح وہ اچھے طبیب اور ڈاکٹر کو علاج کے واسطے تلاش کرتے ہیں اور ہر مدھی کا علاج نہیں کہتے اسی طرح بہتے علماء اور صوفیاء کو تلاش کرتے ہیں۔

سچا عالم وہ ہے جو بالکل شیخ سنت ہو۔ بانا مدہ لحقن علماء سے علم حاصل کیا ہو۔ دنیا کا حرص نہ ہو۔ مولود اور غلام نہ کر دہم نہ لیت ہو۔ وہ پیسے کرنٹوں نہ دیتا ہو اور سچا صوفی وہ ہے جس کی تعلیم اور صحبت سے اللہ تعالیٰ کی یاروں

حدیث

البيعان بالخيار ما لم يتفرقا

عکیم بن حرام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بائع مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک وہ متفرق نہ ہوں۔ پس اگر دونوں نے سچائی سے معاملہ کیا اور (بیع و فسخ کی اصل حالت کو) بیان کر دیا تو ان کی بیع (و مشتری) میں برکت دی جائے گی اور اگر (اصل حالت کو) چھپایا اور جھوٹ بولا تو بیع کی برکت مٹا دی جائے گی۔

شرح: ظاہر حدیث بتلا۔ بائع کے بائع و مشتری دونوں کو افتراق سے پہلے اختیار مجلد شمس برکت سچائی کے ساتھ ہے۔ خیانت اور جھوٹ سے برکت جاتی رہتی ہے۔ یہاں افتراق سے کیا مراد ہے؟ بات چیت سے (خلع ہونا اور رجحان و کجیوں نکال کر) یا بدن سے الگ الگ ہو جانا کہ مجلس بدل جائے تو اختیار نہ رہے گا۔ مجلس نہ بدلنے سے پہلے دونوں میں ہر ایک کو اختیار ہے کہ بیع کو باقی رکھے یا فسخ کر دے) کیونکہ لفظ افتراق کتاب اللہ میں دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ افتراق بالہجران تو اس آیت میں ہے وان يتفرقا لم يكن الله كلاما من معته اگر میاں بی بی الگ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت (رزق) سے غنی کر دے گا اور افتراق بالاقوال اس آیت میں ہے ولا تكلونا كالدین تفرقوا واعتلوا من بعد ما جاءهم البينات اعدان لوگوں کی طرف نہ ہونا جو الگ الگ راستہ پر ہو گئے اور واضح

الحکم) نے کے بعد اختلاف کرنے لگے (یہ افتراق جہاں مباحک عائد و خیانت کا اختلاف تھا چنانچہ) رسول اللہ ﷺ سلم لے فرمایا ہے افتراق بنو اسرائیل علی اثنتین و سبعین و ستفتراق امتی علی ثلث و سبعین فرقہ۔ بخاری میں بہتر فرقوں میں متفرق ہو گئے اور میری امت تشریف میں ہٹ جائے گی۔

علامہ میں اختلاف ہے کہ حدیث الیعیان بالحدید مالہ معتبر قاضی افتراق باللہ^۳ مراد ہے یا بلا قول؟ امام شافعیؒ اور اُن کے متبعین پہلے کے قائل ہیں اور امام مالکؒ اُن کے متبعین افتراق بلا قول کے قائل ہیں (امام ابو حنیفہؒ بھی امام مالکؒ کے موافق ہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ عبد اللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ اُنہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ و حضرت عذہ کے ہاتھ ایک باغ فروخت کیا جو حضرت عثمانؓ کے گاون میں تھا (یا اُن کی زمین کے پاس تھا) عبد اللہ بن عمرؓ جانتے تھے کہ بیع پختہ ہو جائے تو وہ اسی وقت رجوع و قتل کرتے یا) کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ بھی اسی حدیث کے ایک ماویٰ ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تم نے (میں سے) بیع کو تمام کرنا چاہا ہے یہ سنت نہیں ہے۔

اس سے معلوم بھی کہ (یا تو حدیث میں) افتراق بلا جان (مراد ہی نہیں) یا وہ ضرور ہو چکا ہے۔ اور یہ بیع و شراء رسول اللہ ﷺ سلم کے بعد ہوئی تھی پھر عبد اللہ بن عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے قول کی طرف رجوع کیا اور اللہ مجھے کریم و احباب و قبوں سے تمام ہو جاتی ہے (میں سے) خدا ہونے کی فرست نہیں) اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے جب دو حدیثیں ظاہر میں مختلف ہوں اور دونوں پر صحیح ہو یا اور ثابت ہو جائے کہ خلفاء (در اشدین) نے یا اُن میں سے کسی ایک نے، ایک پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑ دیا ہے تو یہ اُس کے ضرور ہونے کی دلیل ہے اور جب ایک حدیث میں دو معنی کا احتمال ہو اور کسی غلطیہ (در اشدین) نے ایک معنی کے ساقط ہونے کی تصریح کر دی ہو تو بدرجہ اولیٰ وہی معنی مراد ہوں گے جو خلفاء نے یا کسی ایک غلطیہ نے سمجھے ہیں۔ بعض علماء زمانہ نے امام شافعیؒ کی حمایت میں حضرت عثمانؓ کی اس حدیث کا انکار کیا ہے (یعنی اُس کو

صحیح نہیں ملتا، حالانکہ جس نے اس کو نقل کیا ہے، اس کے بعد ہونے پر اتفاق ہے کہ یہ کچھ شبہ نہیں اور وہ ابو الولید بن رشد لکھتے ہیں جو ابیان والتفصیل کے معنی میں انہوں نے اس حدیث کو تصدیق میں ذکر کیا ہے جو فقہ میں ائمہ کا مشورہ ہے۔
 فت۔ اگرچہ یہ مسئلہ تصوف کا نہ تھا مگر فقہ کا سرکھٹا اور مسئلہ ہے جس میں بڑا اختلاف ہے اور طرفین سے بکثرت دعائی پیش کئے جاتے ہیں اس لیے میں نے اس کا ترجمہ کر دیا کہ علماء کے کام کی بات ہے۔ مہترم

(۲۴۴) مسلمان کی دنیا بھی بغیر آخرت کے نہیں بنتی حدیث کے معنی یہ ہیں کہ
 آخرت کے نہیں ملتی دیکھو ہاتھ و مشنری کو برکت پہنچانے سے حاصل ہوتی ہے جو عبادتِ حق میں سے ہے جس میں انسان کو ثواب ملتا ہے جبکہ یہ تو بیان کی کامل تر صفت ہے۔
 (مومن جمع نہیں ہوجا) اسی لیے اہل تحقیق دینی حق علماء و محدثین نے فرمایا ہے من صدق قہب لکم محالة (جو اپنے ہر قول و فعل میں سچائی کا پابند ہو، وہ لامحالہ قریب خداوندی حاصل کرے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس کو واضح طور سے بیان فرمایا ہے لا ینال ما عند اللہ الا بطاعة اللہ اللہ کے پاس جو چیز ہے (یعنی خیر و برکت) وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے حاصل نہیں کی جاسکتی۔

گنہگاروں کی شامت دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد و مسلم ہونگے ہیں یہ بھی حدیث سے یہ بھی
 کی نوست سے دنیا و آخرت دونوں کی خیر مانی۔ یہی ہے دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے ہیں کہ اگر وہ عیب کو چھپا نہیں دے اور صحت ہو میں گئے تو بیع کی برکت شادی مائے می۔
 عجوبت ہونا گناہ کی وجہ سے اور عیب کو چھپانا خیانت ہے۔ وہ بھی بڑا گناہ ہے حدیث میں ہے من غش فلیس منا۔ جملہ لے ہم سے خیانت کی وہ ہم میں سے نہیں اور عجوبت بولنے والے کے متعلق ایک حدیث اُپر گزرنے چکی ہے کہ اس کی باچیں لوہے کے کلسٹے

سے چیری جائیں گی۔ تیسرا تک اُس کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہے گا۔ تو دنیا کا بھی خسارہ
 تھا کہ جب مال میں برکت نہ ہوتی تو وہ منافع ہو گیا اور آخرت کا بھی خسارہ ہوا کہ عذاب
 کا مستحق ہو گیا اور اہل توفیق دنیا و آخرت دونوں میں سود مند ہیں۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن
 بن عوف رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے پاس اس قدر مال کیونکر آیا اور ہتھ سے
 تاجر اور ٹھکاندار بن گئے؟ فرمایا میں نے تجارت میں کبھی جھوٹ نہیں بولا نہ (مال کا) عیب
 چھپایا نہ ادعا کیا نہ منافع کو دیکھا چاہے کتنا ہی (ظلیل) ہو۔ چنانچہ ایک عائدہ منقول ہے کہ
 ایک دفعہ انھوں نے بہت سے اونٹ غزوے تو لوگوں نے کہا (مال اچھا نہیں) آپ کو نفع
 میں صرف ٹیکلیں ملیں گی (جس سے اونٹ کو چلایا جاتا ہے) آپ نے اتنے ہی نفع پر اونٹوں کو
 بیچ دیا۔ جب غریار اونٹ خرید کر چلا گیا اب اس کو رشتی کی تلاش ہوئی جس کی ٹیکلیں ہٹنے
 تو راقعات سے؟ اس کو رشتی نہ ملی۔ وہ پھر حضرت عبدالرحمن کے پاس واپس آیا اور ٹیکلیں
 رجوان کے پاس نفع میں رہ گئی تھیں بہت مال سے کہ غریب یہ اس طرح اُن کو رشتی مال
 میں بھی بہت نفع مل گیا؟۔ قولہ فیہ دلیل علی ان لا یحصل اللہ نیا الا بالکفرۃ
 الی قولہ بجملة حال۔

فت۔ مسلمان تاجروں کو ان اصول پر عمل کرنا چاہیے جو عبدالرحمن بن عوف کھانے
 بیان فرمائے ہیں کہ ترقی تجارت اور برکت کی بنیاد ان ہی پر ہے۔ آجکل اکثر تاجر زیادہ
 نفع کے انتظار میں رہتے ہیں۔ یہ بہت بُری بات ہے جس سے مخلوق کو تکلیف ہوتی ہے
 اور ان کے مال میں برکت نہیں ہوتی۔ برکت اسی میں ہے کہ مال کو جلد نکال دو اور
 زیادہ نفع کا انتظار نہ کرو۔ پھر دوسرا مال جلدی خریدو اور اُس کو بھی تھوڑے سے
 نفع پر نکال دو پھر اور مال خریدو۔ مال کا منت تک نہ کرو کتنا اچھا نہیں۔ ذخیرہ اندوزی
 کا آج کل عام مرض ہے لوگ ایک دو ہیہ کے مال پر دس گنا نفع چاہتے ہیں اسی کا یہ
 نتیجہ ہے کہ باوجود کثرت پیداوار کے ملک میں سخت گرائی ہے اور عام طور سے
 سب لوگ پریشان ہیں۔ غریب رگرائی سے اور تاجر ٹیکس کی بھروسے سے۔ شرعی
 اُن کو ہدایت دے۔

(۲۴۵) تجارتِ آخرت بھی سچائی اور صاف گوئی سے کامیاب ہوتی ہے

کیا یہ حکم بیچ ہی کے ساتھ خاص ہے (جس میں مال کا مبادلہ مال سے ہو تو تب) یا ہر معاملہ کو عام ہے جس پر بیع کا اطلاق آتا ہو (تو اس میں مال کا مبادلہ نہ ہو) ظاہر لفظ کا معنی یہ ہے کہ ہر معاملہ کے لیے اس کو عام کہا جائے کہ سب میں ان میں سے پہنچا جائے جو معاملہ کو بچاؤنے سے یا برکت کو بر باد کرنے والے ہیں اور ان خوبیوں میں رغبت کی جائے جو برکت کا موجب ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیع و شراء کا اطلاق ایک اور جگہ بھی کیا ہے، فرمایا ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم و اموالهم بان يعطوهم الجنة فيقتلون في سبيل الله فيقتلون و يقتلون و وعد الله حقاً۔ ثلثے ٹک اشترتالے نے مسلمانوں سے ان کی جان و مال کو خرید لیا ہے اس چیز کے عوض ان کے واسطے جنت ہے وہ اللہ کے راستے میں قتال کریں پھر قتل کریں اور قتل کئے جائیں اللہ کا وعدہ یہاں ہے یا تو جو شخص اس بیچ میں سچا (اور ثابت قدم) رہے۔ حق کو نہ پھیلے، اللہ اور دین پر محو نہ لگائے نہ احکام دین میں گڑبڑ کرے کہ بدعت ایجاد کر کے اس کو دین بتلانے لگے اور اللہ و رسول کے ساتھ سچائی کا معاملہ رکھے جیسا واجب ہے اور احکام اللہ کو قواعد شرعہ کے موافق بیان کرے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی مذمت لگا سلاست سے نہ کرے اس کی نیت میں برکت دی جائے گی مگر اس بیچ میں ایک زیادت ہے جو پہلی میں نہیں۔ دونوں جگہ ثمن اور بیع میں جو برکت ہوتی ہے وہ توبہ نہ ہی کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہم سے سختی میں یہ دوسری بیع بھی جملہ سے ہی واسطے نہایت ہے چنانچہ ارشاد ہے قل ادعوا الى الله بالحق و بالعدل انتم تعلمون و رسولہ و مجاہدوں فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم ذلکما خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ کیا نہیں تم کو یہی تجارت نہ بتلاؤں جو درد ناک خراب سے تم کو نجات دے (وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں

اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے واسطے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو اور
 غصہ نہ کیا دونوں پر عائد ہوتا ہے تو لازم ہے کہ اس دوسری تجارت کو خسرہ سے
 بچانے کا زیادہ اہتمام کیا جائے (کیونکہ اس کا نفع اور غصہ دہائی ہے اور دوسری تجارت
 کا نفع اور غصہ چند روزہ ہے) چنانچہ حضرات انصار نے جس وقت رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو دریافت کیا اگر ہم اس بیعت کو پورا کریں تو ہمارے
 لیے کیا ہے؟ فرمایا جنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم ماضی ہیں اور اس بیعت کو پورا
 کریں گے (توڑیں گے نہیں)۔ پھر ان حضرات نے بیعت کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی
 اُن سے اپنا وعدہ پورا کیا کہ اُن کے لیے وہ عہد کی شہادت دی جس کی حقیقت
 ایسا ہی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي**
سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَفَضَلُوا وَلِلَّهِ عَمَلُ الْخَيْرِونَ حَقًّا۔ اور جو ایمان
 لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں انہوں نے جہاد کیا اور جنہوں نے
 دوسا ہجروں کو جگہ دی اور دین کی نصرت کی یہی سب سے مومن ہیں **لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ**
كَرِيمٌ۔ اُن کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی (اسی لیے اہل توفیق نے اپنے
 لیے ایک ہی فکر کو اختیار کر لیا یعنی فکرِ عزت) اور دوسرا ہر نعمت دیا تو وہ کامیاب
 اور سوزندہ ہو گئے کسی نے (خوب) کہا ہے ۔

لَعَادَ آيَتِ الْقَوْمِ قَدَّ سَادَا وَغَلَفُوا مَشَقَّةَ مَشَلَى وَلَمَّا بَعْرَجَا

جَهَنَّمَ فِي نَوْمٍ وَالْبَاكِلِي اَخْلَفَ ! !

مَنْ بَعْدَهُمْ تَوْبَةُ تَجْدِلِي مَنْ حَيْثُ عَرَجَا

وَأَسْأَلُكَ بَيْعَةَ لَعَلَّ مَشَلَمَهُ لَا اَخْلَفَ

وَمَلَا عَفْوِي بِقَوْلِ دَعْدٍ لَا يَحْمِلُ لَا يَخْلَفَ

نَا الْغَنِيْمَ بِيَاكُمُ وَهَوْنِي مَرْتَمَ وَقَفُوا

خَلَصُوا الْغَنِيْمَ بَا يَاكُمُ نَحْيَا تَكْمَلُ لَا يَغِيْرُ كَمَقَاتِ

تیزی کے ساتھ چلی گئی۔ تو میں نے خوب مگر یہ وزاری کی کہ شاید اُن کے بعد مجھے توبہ نصیب ہو جائے جو اس مقام تک پہنچا ہے جہاں وہ پہنچے ہیں اور بیعت کی تجدید کی تاکڑیاں بھی اُن کی طرف (اُنکے بڑے بھائی) پیچھے نہ رہیں اور میری تائید کا چلنے والا کہہ رہا تھا کہ میرے مولانا تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا۔ تمہارے دروازہ پر نہیں کھڑے ہو سکیں گے اور یہی سب سے اچھی جگہ کھڑے ہو سکا ہے تو اس کھڑے کو بھی اٹھاؤ جو تمہارے دروازہ پر ہے تمہاری زندگی کی قسم میں تمہارے ہوا کسی پر توجہ نہ کروں گا۔ قولہ اهل بطن هذا البیعت الی قولہ لا یظہر کفر ائمتہ۔

فت۔ مطلب تو تھا ہر ہے مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ یہ اشعار کس بحر میں ہیں اور یہ اشعار ہیں یا نثر۔ معنی عمر بزرگوں کے اس کلام میں اس چیز کے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ معنی اور مطلب کو دیکھنا چاہیئے ہے

تالیف اندیشہ و دلداری من گویم مندریش جزو دیار من
داشدا علم و ستورم

فت۔ مشائخ عرب سے جو بیعت کی جاتی ہے وہ بھی تجدید کی آخرت میں داخل ہے جس میں مرید کی طرف سے اپنے نفس کو شیخ کے نزلے کیا جاتا ہے اور شیخ اس کے مؤمن میں اُمی کو اپنی باطنی دولت یعنی نسبت سے مدد عطا کرتا ہے۔ وہاں بھی دونوں کو چہائی سے صابا کرنا واجب ہے۔ مرید کو اپنے نفس کے عیوب و امراض صاف صاف۔ یہ ان کرتا چاہیئے ہے

ما حال دل را بایار گفتب۔ نخوں نعلین درد از جویہاں !

اور شیخ کو اگر مرید سے وہ بہت نہ ہو اور اس سے فائدہ کی امید نہ ہو تو صاف کہہ دے کہ تمہارا حصہ میرے پاس ہے۔ تاہم مرید شیخ سے مدد کرتا ہے۔ مرید کو اگر شیخ سے کسی وقت اعتماد نہ ہے تو اُس کو جس اور جب کے اندھ اُس سے بیزار ہو جانا چاہیئے اور دھوکہ نہ دے۔

حدیث

جواز اخذ الزوجہ نہ مایکفہ امن مال زوجہ اذا کان شعیبا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ کی ولادہ ہندو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوسفیان نبیل مرد ہے تو اگر میں اُس کے ماں میں سے چپا کر کھٹے نوں تو کیا بُرے پرگناہ ہو گا؟ فرمایا تم اور تمہاری اولاد امانت لے جو جو عام عادت کے موافق تمہیں کافی ہو رہا ہے۔

ظاہر حدیث یہ ہے کہ جس شخص پر کسی کا حق ہو اور وہ عودیتا ہو تو اُس کی نفیبت میں تصریح اُس کے ماں سے اپنا حق وصول کرنا جائز ہے اس کی تفصیل میں علماء کائنات کے ہے کہ جس حق سے ہی لینا جائز ہے یا غیر جس سے بھی لے سکتے ہیں اس کو کُتُب فقہ سے معلوم کر لیا جائے۔

(۲۴۶) ضرورت شرعیہ کے موقع پر غیبت جائز ہے قرآن سے کراہتیں

نبیل آدمی ہے۔ مسلم بُڑا کہ حاکم کے سامنے ضرورت کے وقت (مدعا علیہ کی) نفیبت کرنا جائز ہے اور وہ حقیقت میں نفیبت نہیں کیونکہ اس سے دوسرے کی تنقیص (یا عیب جبری) کا قصد نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقت حال اور حیاں واقعہ کا قصد ہوتا ہے تاکہ حاکم واقعہ کی تفصیل و حقیقت سے واقف ہو کہ فیصلہ کسے (اور حضرت ہندو نے جو کچھ کہا خواہ حقیقت میں نفیبت نہیں تھی بلکہ عادت عرب کے موافق ابوسفیان کی

مدح حق کیونکہ اُن کے یہاں اپنے اہل و عیال کے ساتھ انسان اس بے بخل گروہ کا اُس کو
 مسافروں کی خاطر تواضع کا اہتمام نہ پایا۔ ہوتا تھا جس سے اہل و عیال کو تنگی پیشہ آتی تھی تو
 یہ ایسا غلط ہے جس کا باطن ظاہر کے خلاف تھا اور ظاہر میں خدمت حق مگر حقیقت میں بڑی
 مدح تھی کہ وہ بہت مہمان نواز ہیں۔ مسافروں کی خاطر تواضع میں آنا خرچ کر دیتے ہیں کہ گھر
 والوں کو تنگی سے پریشانی نہ ہوئی ہے۔ قولہ ظاہر حفظ لفظ جواز الغیبة عند الحاکم
 الی قولہ نہیں لفظ باطنہا خلعت ظاہر۔

ف۔ علامہ ابن ابی جرؤد نے عجیب بات کہی ہے جو واقعہ میں صحیح ہے کیونکہ باہر
 کے یہاں سردار میں چار اوصاف کا ہونا اور اُن میں دو سردوں سے ممتاز ہونا شرط تھا۔
 بھانیت، سخاوت، انصاف، شجاعت اور اہوسنیان سردار مگر نئے تو وہ بخیل کیسے ہو
 سکتے تھے۔ اگر وہ بخیل ہوتے تو سردار نہیں بن سکتے تھے۔ پس یقیناً ہندہ کا مطلب وہی
 تھا جو علامہ نے بیان فرمایا کہ وہ اپنی سخاوت اور مہمان نوازی کی وجہ سے گروہ والوں کو
 تنگی دیتے تھے حضورؐ نے اُن کو اجازت دیدی کہ قلعہ کے موافق چھا کر اپنے حقوق وصول
 کر سکتی ہو جن سے زیادہ نہیں۔ پس حدیث سے یہ سلسلہ مستنبط نہیں ہو سکا کہ ضرورت
 کے وقت حاکم کے سامنے مدعی علیہ کی قیمت جائز ہے۔ اس کے بعد سردے داخل ہیں۔
 حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لا یحب اللہ الجہل بالسود من القول الا من ظلم۔ اللہ تعالیٰ
 بُری بات کا اعلان پسند نہیں کرتا مگر جو مظلوم ہو اور وہ ظالم کی بُرائی کر سکا اور اُس
 کے ظالم کا اعلان کر سکا ہے۔

حدیث

النہی عن التصوير

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کوئی مورت (جان دار کی) بنائے تو اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب دے گا۔ یہاں تک کہ اُس میں دُور چھوٹک جسے اندر وہ اُس میں کبھی بھی دُور نہیں چھوٹک سکتا۔

شرح: ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ جو شخص (جان دار کی) تصویر بنائے گا اُس کو ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا اور ظاہر لفظ سے واضح ہو رہا ہے کہ مراد جاندار کا تصویر ہے۔ کیونکہ دُور چھوٹنے کا معنی یہی ہے ہو سکتا ہے اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سے اس کی تصریح بھی منقول ہے کہ بے جان کی تصویر جائز ہے جیسے درختوں اور مکانات وغیرہ کی۔ واللہ اعلم۔

تب۔ نوٹ لینا بھی تصویر بنانے کے حکم میں ہے۔ بعض علماء و معرود ہندوستان نے اس کو تصویر میں داخل نہیں کیا۔ کیونکہ تصویر ہاتھ سے بنائی جاتی ہے اور فوٹو گیمرو کے آئینہ سے لیا جاتا ہے مگر طریق کے اختلاف سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ اگر پہلے زمانے میں شرب ہاتھ سے بنائی جاتی تھی اور آج کل مشین سے کشید کی جانے لگی تو حکم نہیں بدلتا گا۔ کیونکہ حقیقت دونوں جگہ مستند ہے۔ اسی طرح فوٹو اور تصویر کو سمجھنا چاہیئے۔

فت - غلابر سب سے معلوم ہو رہا ہے کہ تصویر بنانے والے کو ہمیشہ عذاب ہوتا ہے
 مگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان اللہ لا یغفر ان بشر لا بہ ویغفر ما دون ذلک
 لمن یشاء اللہ تعالیٰ اس کو تو معاف نہ کریں گے کہ ان کے ساتھ دوسرے کو شریک
 کیا جائے اور اُس کے ہوا (اور گناہوں) کو جسے چاہیں گے معاف کر دیں گے۔ اس کے
 معاذ میں ہے کیونکہ یہ گناہ شریک و کفر سے کہ ہے توبہ ہی مشیت کے تحت میں ہے۔ اگر
 اللہ تعالیٰ چاہیں گے معاف فرما دیں گے اور یہ وحید و مہی ہی ہے جیسا کہ مسلمان
 کو قتل کرنے کی وعید ہے فجراۃ لا یجوز علیہا دغیب اللہ علیہ کہ اُس کی
 سزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اُس پر اللہ کا غضب ہے۔ اہل سنت نے
 اُس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اُس کی سزا تو یہی ہے اگر اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہیں مگر
 آخر میں ارحم الراحمین کی شفاعت سے یہ لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے۔ جیسا حدیث
 میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فرشتوں نے شفاعت کر لی دوسلوں اور تیسروں نے
 بھی شفاعت کر لی اب ارحم الراحمین کی شفاعت رہ گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ (دو تین بار)
 جہنم میں سے مٹی بھر کر ان لوگوں کو نکالیں گے جن کو قرآن (کے قانون) نے جہنم میں
 مجبوس کر رکھا تھا اور قانون قرآن دو قسم کے لوگوں کو جہنم میں مجبوس کرے گا۔ ایک
 تو کفار کو دوسرے ان گنہگاروں کو جن کے بارہ میں عدلی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی
 مغفرت نہ کی جائے تو کفار کی تو مغفرت نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ امان فرما چکے ہیں
 کہ یہ لوگ مغفرت کے مستحق نہیں ہیں۔ آیات و احادیث اس کے متعلق بکثرت وارد ہیں
 اور امت کا اجماع بھی اس پر منعقد ہو چکا ہے۔ اب دوسری ہی جماعت رہ گئی
 جن کو رحمت النبی سے جھڑپ مل گیا اور مرام خسروانہ سے اُن کو جنت میں پہنچا دیا جائیگا
 یہ ایسی توبہ ہے جس سے تمام آیات و احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور
 کوئی تضاد من باقی نہیں رہتا۔ علامہ ابن ابی جمروہ نے اسی ضمن کو شرح میں بیان
 فرمایا ہے مگر چونکہ مسئلہ تقویٰ کا نہ تھا اس لیے نوٹ میں داخل کیا گیا کہ علماء
 کے کام کی بات ہے۔

حضرت مولانا گنجوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں علماء مبعض اسلامی فرقوں کی تکفیر کا فتوے دینا چاہتے تھے اور مولانا اُن کے اقوال کی تائید فرما رہے تھے۔ علماء اُسں تاویل میں کلام کر رہے تھے جب حدیث تک بحث ہوئی رہی تو فرمایا کہ تم لوگ کس خیال میں ہو۔ خدا کی قسم اُقیامت میں جب رحمت کو چرچا ہو گا بہت سے ایسے کو بخش دیئے جائیں گے کہ وہ انبیاء کے بھی کافر سمجھے جہنم میں چھوڑ دیا ہو گا۔ اُن کا ایمان اس قدر ضعیف تھا کہ ملائکہ و انبیاء و رسل اور سید المرسلین علیہ السلام بھی اُس کو پہچان سکیں گے تو جن کے ایمان کو وہ نہ پہچان سکیں تم تو اُن کو قطعی کافر کہو گے اس لیے تم جن لوگوں کی تکفیر کرنا چاہتے ہو اُقیامت میں دیکھو گے کہ اُن کی مغفرت ہو رہی ہے۔ ہاں انتظام شریعت کے لیے اُن کو دھمکانے کے طور پر کفر کا فتوے دیدو تو مواخذہ نہیں مگر واقعہ میں کافر نہ کہو۔ سمعنا من سید عالم حکیم ائمة قدس سرہ۔

(۲۴۷) دعویٰ کرنا بُرا ہے گو سچا ہی کیوں نہ ہو مسئلہ کی دلیل ہے کہ وہ دعوے کو بُرا سمجھتے ہیں گو سچا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ اندیشہ (بروقت) ہے کہ عدل کے اندر کچھ نقص ہو جس کی اُسے خبر نہ ہو تو دعوے اُس کی عذر دی کا سبب ہو گا۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تصویر بنانے والوں سے کہا جائیگا اس میں روح پھونکو اور وہ کہیں روح نہ پھونک سکیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ اُن سے کہا جائے گا تم نے جو صورت بنائی تھی اس کو زندہ کر دینی اُن سے مطالبہ کیا جائے گا کہ اپنے دعوے کو پُورا کرو۔ وہ اس کو پُورا نہ کر سکیں گے تو جوئے دعوے پر عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ جب اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیداکر ہونے مخلوق کی تصویر بنائی تو زبانِ حال سے اپنے خالق ہونے کا دعوے کیا۔ اُن سے کہا جائے گا کہ پُورا دعویٰ تو یہ ہے کہ اس تصویر میں جان بھی بڑال دو ورنہ تم اپنے دعوے میں جوئے ہو جس کی سزا دردناک ہے۔

حدیث سے صراحتاً اور تابعین کے طریق کی بھی تائید ہو رہی ہے

اور جتنا حق ہے کہ وہ حضرات اہلن کے حال کو دیکھتے تھے اقوال کو نہ دیکھتے تھے۔ دیکھو تصویر بنانے والا زبان سے تو اپنے خالق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا مگر اُس کا عمل زبان حال سے) اس دعویٰ کو بتلا رہا ہے تو اُس کی بات کا لٹا ٹا نہیں کیا گیا اگرچہ وہ عمر بھر یہ کہتا رہے کہ یہ حقیقی تصویر نہیں ہے (معنی دیکھنے کی تصویر ہے) اس بات سے اُس کو کچھ فطیح نہ ہو گا بلکہ زبان حال سے جو دعویٰ نے ظاہر ہوا تھا اُس پر منہ خدہ کیا جائے گا۔ اس تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو ائمہ والوں سے ملنا چاہے وہ اُن کا اتباع کرتا رہے اپنی طرف سے (دراستہ) ایسا نہ کرے وہیں پہنچ جائے گا، جہاں وہ پہنچے ہیں اگرچہ دعویٰ نہ کرے اور اگر دعویٰ کرتا رہا اور اتباع نہ کیا اس کو خلدہ اور دھکی نصیب ہوگی۔ بابا توفیق نے فرمایا ہے کہ جو اُس چیز کا دعویٰ کرے جو اُس میں نہیں ہے (متن کے وقت دسوا ہو جائے کسی نے (خوب) کہا ہے ۔

نقد علی المدعی من غائبہا ولا تدعی خالف فتضیعہا

جب تو اراغس کوئی دعویٰ کرے اُس کا محاسبہ کرو اور دعویٰ کر کے اپنے کو برباد نہ کرو۔ قولہ فیہ دلیل لطیف اہل الصوفیہ ؑ مہمد المدعی الخ قولہ فتضیعہا ۔

حدیث

جواز اخذ الاجر علی کتاب اللہ عز وجل

حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچن چیزوں پر تم معاوضہ دیتے ہو ان میں سے زیادہ اس کی سخن کتاب اللہ ہے۔
 شرح ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ (کی تعلیم) پر اجرت لینا جائز ہے اور شہرح وہ سب سے زیادہ حلال ہے۔ اس کے بعد رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث ہے کہ ایک شخص نے کسی کو کچھ قرآن پڑھایا اس نے اس کو ایک کمان بدیہ میں دی کہ اس سے رسول اللہ ﷺ اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنا۔ اس شخص نے جس کو یہ بدیہ دیا لیا تھا رسول اللہ ﷺ اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ مذرف کا ایک ٹکڑا ہے یا فرمایا دو ٹکڑے ہیں۔

اس حدیث سے ظاہر کہ کتاب اللہ کی تعلیم پر معاوضہ لینے کی (مانعت معلوم ہوتی ہے اسی لیے علماء میں اختلاف ہو گیا۔ بعض تو اس حدیث کی وجہ سے جس کی ہم شہرح کر رہے ہیں مطلقاً جواز کے قائل ہو گئے اور بعض علماء دوسری حدیث کی وجہ سے مطلقاً مانعت کے قائل ہو گئے اور بعض نے دونوں کو چھین کر دیا کہ بعض حالات میں جواز کے اور بعض حالات میں مانعت کے قائل ہو گئے ہیں) یا امام مالک کا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو عمل فرض ہے اس پر اجرت لینا جائز نہیں اور جو فرض نہیں اس پر اجرت لینا جائز ہے مثلاً کوئی شخص صدقہ فاقہ کیلئے چاہے تو اس پر اجرت لینا جائز نہیں جبکہ مالغہ جو بیک وقت صدقہ فاقہ کا سیکھتا ہے کہ اس کے بغیر نافرمانی نہیں (تو اس کا سکھانا

بھی فرض کفایہ ہے، اور فائزہ کے سوا کچھ اور بھی پڑھنا چاہیے تو اس سے اجرت لینا جائز ہے۔ اسی پر تمام احکام دین کو سمجھ لو کہ جو عمل اس وقت طالب کے فطر فرض ہو، اس پر مطلوب کو اجرت لینا جائز نہیں اور جو (اس وقت) فرض نہیں اس میں انعید ہے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے حجاز میں دین کا شرائط کا ہے جس کی حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں یا وہ (علماء و فقہاء) جن پر اس حقیقت کا کچھ عقہہ منکشف ہو گیا ہے کیونکہ اجرت تعلیم قرآن کے حجاز سے قرآن کی تعلیم مسلمانوں میں پھیل جانے کی۔ اگر یہ اجرت جائز نہ ہوتی تو کوئی شاذ و نادر ہی پڑھانا کیونکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو بچوں کی تعلیم کی مشقت (اعدان کی تربیت کی معیبت) کو بلا سہاوہ برداشت کر سکیں۔ پھر اس کو بھی تو انسانی ضرورتیں مدد پیش ہیں ان سب کو پا لانے حاق رکھ کر تعلیم قرآن کی پابندی ہر شخص سے نہیں ہو سکتی۔ دیکھو باوجود اجرت لینے اور اس کے علاوہ مزید احسان کے بھی تم کسی کو تعلیم کا حق ادا کرتا ہو تو نہ پاؤ گے سوا ان کے جو اہل توفیق (اور صاحبِ دل) ہیں (اب اگر تعلیم قرآن پر مبالغہ لینے کو حرام کر دیا جاتا تو کون تعلیم دیتا اور اس طرح یقیناً قرآن کی اشاعت بلاد اسلام میں بند ہو جاتی)۔

غرض شریعت میں بہت چیزیں ایسی ہیں جو اصول و قواعد کی رو سے منوع ہیں مگر کسی منفعت کی وجہ سے ان کو جائز کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ منفعت اس سے بدرجہ کم درجہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور وسعت ہے ماحصل علیکم فہم الدین من حرج۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین میں ذرا تنگی نہیں کی۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ رحمت کے غیر خواہ ہیں کیونکہ حضورؐ نے یہ حکم اور اس جیسے بہت سے احکام از خود بیان فرمائے ہیں۔ کسی کے پوچھنے پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ کو سب سے بہتر جزا عطا فرمائے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی تعریف بھی فرمائی ہے لفظ جاء کہ رسول من انفسکم حز بن علیہما اھتمم علیکم بالؤمنین

دفعہ رحیم۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے ہی میں سے رسول آئے ہیں جن پر تمہاری پریشانی شاق ہے اور وہ تم پر (یعنی تمہاری راحت) پر حریص ہیں، مسلمانوں پر بہت مہربان، ہمدردی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نعمتِ عظیمہ کے شکر کی ہم کو قویٰ دے اور اس کو ہم پر کامل کر دیں۔ آمین۔

ف۔ اس حدیث میں بظاہر تصوف کا کوئی مسئلہ نہیں مگر بہت سے اہل اللہ قرآن کی تعلیم اور بچوں کی تربیت و تادیب میں مشغول تھے اور بچوں کے والدین اُن کی خدمت کرتے تھے یہی اُن کا درمیزِ معاش تھا تو غائبانہ شارع کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی طالبِ طریق کو ترکِ اسباب دشوار ہو تو وہ قرآن اور حدیث اور علمِ دین پڑھنے کا شغل اختیار کر لے کہ اس کی آمدنی سب سے زیادہ حلال ہے واللہ اعلم۔ اور اہلِ علم کے لیے تو اس سے بہتر کوئی شغل ہے ہی نہیں، خصوصاً اس زمانے میں کہ لوگوں کو علمِ دین کی طرف توجہ بہت کم ہے اگر علماء و طلباء دوسرے مشاغل اختیار کریں گے تو دین کے مت چلنے کا اندیشہ ہے اُن کو یہ کوشش کرنا چاہیے کہ سلسلہ تعلیم و درس براہِ جاری رہے کہ اسی سے دین کی بقا ہے۔ والسلام



حدیث

جواز الرقی والاجر علیہا

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طبع و سلم کے صحابہ میں سے ایک جماعت کسی سفر میں گئی اور عرب کے ایک قبیلہ کی بستی میں ٹھہری مگر اسے مہمانی کا حق طلب کیا۔ انہوں نے مہمانی سے انکار کیا تو اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس دیا۔ انہوں نے ہر قسم کی کوشش کی تاکہ وہ اچھا ہو جائے (کسی تدبیر سے نفع نہ ہوا تو ایک نے کہا) اے ان لوگوں کے پاس بھی تو جاذبہ ہمارے بستی میں اترے ہیں شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہو (جس سے سانپ کا زہر اُتر جائے) چنانچہ وہ ان کے پاس آئے اور کہا اسے صابو! ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس دیا ہے، ہم نے ہر قسم کی تدبیر کر لی مگر اسے کسی چیز سے فائدہ نہ ہوا تو کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہے؟ ایک مہمان نے کہا ہاں بھلا میں جھاڑ بھانتا ہوں، لیکن بھلا تم سے ہم نے مہمانی کا حق طلب کیا تھا تو تم نے انکار کر دیا اب جب تک تم کچھ سادہ دھنوں میں نہیں جھاڑوں گے تو انہوں نے بکریوں کے ایک گلو پر صلح کی (کہ تم کو یہ گلو بکریوں کا دیا جائے گا) وہ مہمانی گئے اور اس پر دم کرنے اور شکا کرنے لگے اور الحمد للہ رب العالمین (سودہ فاطمہ اخیر تک) پڑھنے لگے۔ وہ تو ایسا ہو گیا جیسے ہونٹ کو رستی سے کھول دیا جائے۔ بے تکلف چلتے پھرتے لگا۔ بیماری کا فدا بھی اُتر رہا۔ بستی والوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور جو مہمان اس کے حوالہ کیا، مہمان میں

سے بعض نے کہا کہ اس کو تقسیم کرلو۔ جہاد بھونک کر سننے والے نے کہا ابھی ایسا ذکر پہلے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کریں پھر دیکھیں آپ کیا
 فرماتے ہیں راہ اس کو جائز قرار دیا تقسیم کر دیں گے ناجائز قرار دیا تو آپس کر دیں گے۔
 چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے واقعہ بیان کیا۔ حضور
 نے فرمایا تمہیں کس نے بتلایا کہ سورۃ فاتحہ سے جہاد بھونک لیا ہو سکتی ہے۔ پھر
 فرمایا تم نے ٹھیک کیا اس سادۃ کو تقسیم کر لو اپنے ساتھ میرا بھی حصہ لالو پھر دوسرا اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے گئے۔

شرح تفسیر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد بھونک پر سادۃ لینا جائز ہے بشرطیکہ
 اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جہاد بھونک کی جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ کلام اللہ
 کے جو اہم حصے ہیں جہاد بھونک جائز ہے؟ اس حدیث سے تو اس پر دلائل
 نہیں ملے دوسری حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے علاوہ اور بھی پاکیزہ
 کلام دم کیا کرتے تھے جیسے اے اللہ! شہادت دے کہ میں نے حق بات کہی اور اسرار اللہ
 اللہ شہادت دے کہ میں نے حق بات کہی اور اسرار اللہ اللہ شہادت دے کہ میں نے حق بات کہی اور اسرار اللہ
 اور پاکیزہ کلام کے جو دیگر کلمات سے جہاد بھونک کی ممانعت نہیں آتی ہے نیز اہل کتاب
 کی جہاد بھونک سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اسی لیے علماء نے تعزیداً اُن ائمہ و فقیہوں سے منع
 کیا ہے جن میں عبرانی الفاظ منقوش ہوتے ہیں جن کے معنی معلوم نہیں۔ ایسے ہی ہر
 وہ زبان جس کے معنی معلوم نہ ہوں اس کا توبیہ پہننا ممنوع ہے۔ کیونکہ ممکن ہے اس
 کے معنی میں شرعاً کوئی خرابی ہو تو توبہ پہننے والا گناہ میں مبتلا ہو گا۔ (جہاد بھونک
 اور تعزیدات پر سادۃ لینا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ ایک یہ کہ اس شخص
 نے باقاعدہ اس فن کو حاصل کیا ہو اور معنی کتابیں دیکھ کر توبہ نہ لکھا ہو۔ دوسرے
 اس کو تجربہ بھی ہو کہ اس سے نفع ہوتا ہے۔ تیسرے سادۃ صاف طور سے
 ملے کیا جائے۔ زکوٰۃ کہہ کر نہ لیا جائے جیسا عام طور سے روایہ ہے بقیہ شرائط
 کے کلام میں مذکور ہیں۔ ۱۲ مترجم)۔

(۲۳۸) رزقِ مقدر کو کوئی نہیں روک سکتا کہ جو مدتی تہدے واسطے مقدر ہو چکا ہے اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ تم کو مل کر رہے گا خواہ روکنے والا چاہے یا نہ چاہے۔ دیکھو صحابہ نے جس بستی والوں سے عیانت طلب کی اور انہوں نے انکار کیا تو سانپ نے زردار کو (وہ لیا اور اس طرح وہ رزق جو مقدر تھا صحابہ کے پاس پہنچ کر رہا۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی مدد کمزور کو جلد پہنچتی ہے۔ دیکھو جب بستی والوں نے اپنی قوت کی بنا پر اس جماعت کو قلیل اور کمزور سمجھ کر عیانت سے انکار کیا تو اللہ کی مدد (سانپ کے ڈسنے کی صحت میں) بہت جلد پہنچ گئی۔ حدیث میں اس پر بھی اشارہ ہے کہ عادتِ دانی کا بدلہ بھی عذاب ہے۔ دیکھو بستی والوں نے صحابہ کی عیانت سے انکار کیا جو ان کا حق تھا تو ان کی وہ تمام تدابیر ناکام ہو گئیں جن سے سانپ کے ڈسنے کا علاج کیا کرتے اور اچھے ہو جاتے تھے (ان تدابیر کے متعلق عادتِ الدنیا جواب تک تھی وہ اس نازیبا حرکت کی وجہ سے بدل گئی) یہاں تک کہ انہوں نے وہ حق ادا کیا جس کو روک لیا تھا (تو پھر خدا نے مر یعنی کو شفاء دے دی) ایک حدیث میں اس حقیقت کو ان الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے ۱۱۱ انقضی اللہ قوماً اعطی حیفہم وامسحق شتہم۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے نفرت کرتے ہیں مگر کسی زمانے میں ان پر بارشیں نازل کرتے ہیں اور سردی میں آسمان کو مان کر دیتے ہیں کہ بارش کا ایک قطرہ نازل نہیں ہوگا۔ یہ تو ان ممالک کے واسطے ہے جن کو سردی میں بارش کی ضرورت ہوتی ہے اور جن کو گرمی اور برسات میں ضرورت ہوتی ہے ان پر جب اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے گرمی اور برسات میں بارشیں بند کر کے جائروں میں برسات کر دیتے ہیں) غرض عادتِ اللہ کا بدلہ غضب کی نشانی ہے۔ اسی لیے اہل سلوک جب اپنی کسی حالت محمودہ میں تغیر پاتے ہیں جس کے عادی تھے فوراً مگر یہ دُزاری اور انتہا میں مشغول ہو جاتے اور نفس کی پوشیدہ شرارتوں میں غور کرتے۔ یہاں تک کہ اس کوتاہی کا پتہ لگ لیتے جہاں سے یہ تغیر

ایا ہے تو اس کی کھائی کرتے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے
 ان الله لا يهدي القوم الضالين یعنی وہاں بالظہر اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو
 نہیں بدلتا جب تک خود وہ اپنی حالت کو نہ بدلے۔

حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی حکمت پر بھی اشارہ ہے کہ بستی والوں
 میں سے خطاب کسی پر آیا جس کا خیم سنگین تھا کیونکہ حیاض سے بچاؤ کرنے میں
 مرد و قبیہاں مل کر معاشرہ کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے مرد کے اشارہ پر چلتے ہیں جب
 وہ اس حرکت میں اصل تھا تو خطاب بھی کسی پر آیا کہ سانپ نے اسی کو ڈسا ہنزا
 مجرم کے موافق دی گئی۔ قول فیہ اشارۃ الی انہ معافہ در ملک من التوفیق لا یمنعہ عنہ
 مانع الی قولہ جزاء وفاقا۔

ف۔ ان سب فوائد پر موصیاء کرام کا عمل سب سے زیادہ ہے اُن میں جو معتد اور
 مشائخ ہیں وہ دوسروں سے زیادہ ٹھستے اور طوائف نفس پر نظر رکھتے ہیں کیونکہ
 اُن کی کوتاہیوں کا دوسروں پر اثر پڑتا ہے اور غیب سے اُن کو زیادہ تنبیہ ہوتی ہے
 اسی طرح تقدیر پر اور نعرۃ الہی کے جملہ کلمے پر اُن کو زیادہ بھروسہ ہوتا ہے کہ یہی
 حضرات ہر زمانہ میں صحابہ کے نمونے ہیں۔

(۲۴۹) بزرگوں کو جب حق بات بتلائی جاتی ہے فوراً قبول کر لیتے ہیں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل فضل و خیراتوں کو جب حق کی ہدایت کی جاتی ہے
 (فوز) اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ عزت نفس (الذات) پر غلبہ نہیں کرتی۔ دیکھو
 مجاز چوبک کرنے والے نے جب صحابہ سے کہا کہ ابھی تقسیم ذکر و حب تک مولیٰ اللہ
 صلوات علیہ وسلم کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤ۔ سب نے اس کی بات مان لی اور بحث
 نہیں کی۔ قول فیہ دلیل علی ان اہل اللہ من الفضل اذا اشدہا الی الحق قبلوا
 الی قولہ ولہ بھاجوا۔

ف۔ حق بات کو فوراً مان لینا تعزوت کے مقام میں داخل ہے۔ موصیاء کو سب سے

زیادہ اس کا اہتمام ہے وہ علماء کا ہر طرح بحث و گفتگو نہیں کرتے ۔

(۲۵۰) محبوب کی توجہ اور نظرِ لطف سے جذبات میں بیجاں پیدا ہو جاتا ہے

یہاں ایک اور بھی اشارہ ہے کہ محبوب کی توجہ عاشق کے جذباتِ محبت کو بھڑکاتے اور اُس کے دل میں مسرت کی لہریں دوڑا دیتی ہے۔ دیکھو جب اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے صحابہ کی مدد کی (اُن کے حال پر توجہ فرمائی) تو حضورؐ کو ہنسی آگئی اور فرمایا اس مال میں میرا بھی حصہ لگا لو (حالانکہ آپؐ جانتے تھے کہ صحابہؓ خود ہی ایسے موقع پر آپؐ کو ہدیہ پیش کرتے ہیں مگر انھیں ہمدردی پر اپنی مسرت و فرحت ظاہر کرنے کے لیے آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میرا بھی حصہ لگائو تاکہ وہ بھی خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مہربان مسرت و مہربان کا اظہار کریں۔

قوله و ما اشارنا و ما عطف الحبیب یحبیب قلب الحب و یفرحہ و یطربہ و یضعفہ قال ابن الجوزی الذہبی کلہم معانی و تسجد و یسرہ و یوفیہ نقدید و تاخیر۔

(۲۵۱) دُنیا سے زیادہ آخرت کا اہتمام کرنا چاہیئے قلوب کے لیے

ایک خاص اشارہ ہے کہ بستی والوں نے اپنے مردار کے لیے ہر ممکن کوشش کی مرنے کے بعد اس لیے کہ اُس کے بدن کو راحت مل جائے جو خورجی فن د ہونے والا ہے اور یہ جہان بھی فن ہونے والا ہے (جس کی یہ بدن پیداوار ہے) تو اُس شخص کی ہمت کا کیا حائل ہونا چاہیئے جو غیر فانی عالم کے لیے کوشش کر رہا ہو جس کی نعمتیں فنا نہ ہوں گی اور اس میں رہنے والا بھی نہ کمزور ہو گا نہ پُرانا ہو گا (ہیشہ جوان ہی رہے گا) تو جہاں زیادہ پسندی اور رغبت کی ضرورت ہے وہی پسندی اور کمزوری ہو (جیسے تعجب کی بات ہے اہل قلوب کو آخرت کے لیے دُنیا داروں سے زیادہ کام کرنا چاہیئے۔ وہ لوگ دُنیا کے فانی مردار کے لیے ہر وقت مرسے کھینچے رہتے ہیں۔ طالبانِ آخرت کو اُن سے کم نہ رہنا چاہیئے اور جس عروجِ اہل

دُنیا اپنے سرداروں کی خدمت دل و جان سے کرتے اور اُن کی راحت کا اہتمام کرتے
 ہیں طالبانِ آخرت کو اپنے مشائخ کے لیے اُن سے زیادہ کرنا چاہئے۔
 ایک مشہور بزرگ کولونگوں نے کثرتِ مجاہدہ (وریاضت) پر سلامتی کی توفریا
 مجھے (میرے حال پر) چھوڑ دو۔ کیونکہ میرے سامنے ایک سخت گھاٹی ہے جس سے
 وہی ٹھوٹے پار ہو سکتے ہیں جو دہلی چلی کر والے ہیں۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے :
 بالجد خذ لا بالکسل قلہ لہما ملح عقابک داعی عقاب - ہمت اور کوشش
 سے کام کرو سستی سے نہیں کیونکہ تمہارے سامنے عذاب بھی ہے اور کیا عذاب؟
 (جس سے بچنے کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ سستی اور غفلت کے ساتھ
 اُس سے نہیں بچ سکتے)۔

قولہ ولف الحدیث اشہدہ لاهل للقلب ان قولہ داعی عقاب -

ف - اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ یہ تو تعقوت و سلوک کا پہلا قدم ہے کہ
 آخرت کو دُنیا سے منظم و منظم سمجھو۔ والسلام۔



حدیث

لاحول الا اللہ والرسولہ

صعب بن جہر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طبع و سلم نے فرمایا گئی کسی کے لیے نہیں بجز اللہ کے اور اُس کے رسول کے ۔

شرح ظاہر حدیث بتلاہ ہے کہ گئی سب کی سب اللہ اور رسول کے لیے ہے۔ اب دہایہ کہ گئی سے کیا مراد ہے ؟ اور وہ بطریقِ وجوب کے ہے یا بطور استحباب کے ؟ اور کون اس کا ذمہ دار ہے ؟ اس کی شرطیں کیا ہیں ؟ سو اس کو معلوم کر نہا پیٹے۔ یہی نو ! کہ گئی کے پانچ معنی (لغت میں) ہیں۔ ایک تو روک ٹوک کرنا۔ بعض امور سے روک اور بعض کی اجازت دینا یہ تو احکام کا مقرر کرنا ہے۔ تو جسے اللہ نے روکنے کا حق دیا ہے وہ روک سکتا ہے اور جس کو حق نہیں دیا وہ نہیں روک سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے ان الحکم الا اللہ حکم راور حکومت صرف اللہ کے لیے ہے ۔ دوسرے معنی عزت اور شوکت ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے واللہ العزۃ والرسولہ وعلوین عزت تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اُس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے بالکایمان اعتزلنا ہم مرت ایمان کی وجہ سے معزل ہوئے ہیں۔ گئی کے ایک معنی حفاظت اور بچاؤ کے ہیں تو جو شخص اپنی حفاظت اور بچاؤ کا طالب ہو اس کو حقیقی حفاظت اور بچاؤ اللہ اور رسول ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے یعنی اللہ اور رسول کے اتباع اور تعمیل احکام

سے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان تعوذ اللہ بنصرک۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور اللہ کی مدد سے مراد اُس کے احکام کی بجا آوری اور منہیات سے اجتناب ہے اور سنتِ رسول کی پیروی۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ نیز ارشاد ہے یا ایہا النبی حب اللہ ومن احب اللہ من احب اللہ من المؤمنین اسے نبی تم کو اللہ کافی ہے اور وہ مؤمنین جو آپ کے متبع ہیں۔

محنتی کے ایک معنی تعصب (اور محبت) اور مخالفت بھی ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ وسلم سے جہاد کے بارے میں دریافت کیا کہ بعض لوگ محنتی کی بنا پر قتال کرتے ہیں۔ یہاں عرب کی عادت تھی کہ اپنے قبیلہ کی طرفداری میں دوسرے قبائل سے لڑتے تھے جس کا منشا بجز قومی تعصب اور محبت کے کچھ نہ تھا۔

اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ محبت اور تعصب صرف اللہ اور رسول کے لیے ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ہے کو فوالنصار اللہ۔ تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہ کریں۔ اگر شریعت کے مطابق ایک دوسرے کی مدد کریں وہ بھی اللہ ہی کے لیے ہے جیسا حدیث میں آیا ہے اللہ علیٰ ظالمین مظلومین۔ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ مظلوم کی مدد تو ظاہر ہے کہ اللہ ہی کے لیے ہے اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو اللہ کے لیے ظلم سے روک دو۔ یہ بھی اللہ کی مدد ہے (کچھ نگہ اس میں حکیم شری کی تعمیل ہے اور اللہ کی مدد سے مراد ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کرو)۔

محنتی کہ ایک معنی تقدیر اور قسمت کے ہیں تو حقیقت میں صاحبِ نصیب وہی ہے جس کو اللہ اور اس کا رسول اپنی پناہ میں لے لے۔ چنانچہ ارشاد ہے قل لمن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔ کہہ دیجئے ہم کو ہرگز کوئی مصیبت نہیں آسکتی بجز اللہ کے جو اللہ نے ہمارے واسطے مقدر کر دی ہے تو جس کو اللہ اور رسول نے اپنی پناہ میں

لے لیا اُس پر کوئی تاج نہیں پاسکتا اور دوسروں کی پناہ کوئی چیز نہیں اور اگر اتفاقاً کسی کی حمایت سے قتل بھی ہو جائے تو وہ ختم ہونے والی ہے اور اللہ کی حمایت منقطع نہیں ہو سکتی۔ (پس یہاں اُن معانی میں سے کوئی ایک ٹرا ہے یا) ہو سکتا ہے کہ سب ہی مراد ہوں اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ جس جگہ ان معانی میں سے کسی ایک کا تحقق ہو وہاں اصل استحقاق اللہ اور رسول کے لیے ہے اُن بھی کی جی اصل جی ہے) چنانچہ جی قبیل سے حق تعالیٰ کا یہ قول ہے من کان من بد العزۃ فله العزۃ جیہا جو کوئی عزت چاہتا ہو تو عزت سب کی سب اللہ کے لیے ہے واللہ العزۃ دوسرے ذمہ داروں میں وکن ملک فقیہ لا یصلحون عزت اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور مومنین کے لیے ہے لیکن منافق نہیں جلتے۔ اس حدیث کے مناسب اسی کے معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ان الله اذهب عنكم عبادة الجاهلية واقتضاها بالانساب مؤمن قتل او فاجر شقی۔ مَن لو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی حماقت اور غلبہ پر فخر کرنے کو دور کر دیا (یہی اب دو ہی قسم کے آدمی ہیں) یا مومن متقی ہے یا فاجر بدبخت۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی (اسی کے مناسب) ہے۔ ان اکرمکم عند الله اتقکم کہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز (و کم) وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو تو اس (پر یہ علمی مسئلہ مطہم ہوا کہ جاہلیت والے جو کچھ کرتے تھے خواہ غلبہ پر فخر ہو یا کسی کی حمایت یا قومی حبصیت اور نئے نئے احکام (و قوانین) بنانا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا اور کسی کو پناہ دینا یا اپنی حفاظت کرنا۔ اس کے علاوہ دیگر امور جن میں نفس کے حظوظ (اور لذات) تھے۔ انہوں نے اُن میں سے کسی چیز کو باقی نہیں رکھا بجز اس کے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو۔

جو شخص بغیر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے ان امور کو اختیار کرے اُس نے طریقہ جاہلیت اختیار کیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے تحت میں ہو گا لا تبتغوا فضلا من الله و بعدوا منه استغنی

فی الاسلام سنة الجاهلیة۔ میں شخصوں سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہے۔ اُن میں سے ایک وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ رائج کرے۔ اور یہ حکم خاص و عام قریب و بعید سب کے لیے عام ہے جس کی تائید حق تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے قل ان کان اباؤکم و ابناءؤکم و اخواؤکم و ازواجکم و عشیئکم۔ فرمادے بیٹے اگر تمہارے باپ بیٹے بھائی اور بیبیاں اور خاندان اور وہ مال جو تم نے جمع کیا ہے اور وہ بھارت جس کے مندا ہونے کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ گھر بار جو تم کو پسند ہیں۔ اللہ سے اور رسول سے اور اللہ تعالیٰ کے ماستر میں جملہ کرنے سے لپٹا یہ محبوب ہوں تو اللہ کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا (مقدس) حکم بھیجیں۔ اس میں غلام اور غلامی با مشرب ہیں (سب کو حکم الہی کا اپنی تجویز پر مقدم کرنا واجب ہے)۔

(۲۵۲) خواطر میں صرف ربانی اور ملکوئی کی حمایت کی جانے لگی لا اس حدیث میں) ایک خاص بات ہے اور وہ خواطر (کی نگہداشت) ہے کیونکہ خواطر نفس کی چار قسمیں ہیں۔ ربانی، ملکوئی، انسانی، شیطانی۔ ان میں دو کی تو حمایت کی جائے گی یعنی خاطر ربانی اور ملکوئی کی اور دوسرے جنگ کی جائے گی یعنی انسانی اور شیطانی سے (اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ دل میں جو باتیں تقاضے کے ساتھ آتی ہیں اور ان کو اصطلاح میں خاطر کہا جاتا ہے۔ اُن میں سے حمایت صرف اُن کی ہوگی جو اللہ و رسول کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں اور جن خواطر کو اللہ و رسول سے علاقت ہو بلکہ معنی انسانی تقاضا یا شیطانی دھوکہ ہو ان کی حمایت نہیں کی جاسکتی بلکہ اُن کو روکنا چاہیے) اس طرح یہ شخص اس جماعت میں شامل ہوگا جس کے متعلق ارشاد ہے والذین جاهدوا فینا لنھدینھم۔ سب سے پہلے جو لوگ ہمارے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں اُن کو ہم اپنے ماستوں پر قائل دیتے (اور مقصود ایک پہنچا دیتے) ہیں یہ تو مفتی کے لیے ہے جو نعر میں تمیز کر سکتا ہے اور مبتدع پر عیب کوئی خاص وارد ہو اُسے چاہئے کہ قرآن و حدیث پر اُسے ہمیشہ کرے، اُس وقت اسے معلوم

ہو جانے لاکہ یہ غافل کس قسم میں داخل ہے تو کتاب و سنت کے موافق عمل کرے۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کی عظیم الشان نعامت (رجل فست) پر بھی دولت ہے کہ ایک لفظ میں آپ نے شریعت و حقیقت کے تمام احکام کو جمع کر دیا۔

قوله وخص اهل الخصوم۔ بالاحرار وهو الحق الطرائق لہ جمع احکام الشریعة والحقیقة تمہا بعد ان بعض المسائل المتعلقة بالفتنہ۔

فت۔ علامہ ابن الی عمرہ نے اس مقام پر مکی کے سب معنی بیان فرمائے مگر جو معنی فقہاء کے یہاں مشہور ہیں اُس کو چھوڑ دیا۔ فقہاء نے مکی کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ کسی زمین کی خود رو گھاس کو روک دیا جائے کہ اس میں دوسروں کے جانور نہ چریں۔ مرن سوار اور زمینداری کے جانور چرا کریں۔ حدیث نے اس رواج کو باطل کیا ہے کہ زمین کی خود رو گھاس سب کے لیے مباح ہے کسی کو اُس کو روکنے کا حق نہیں۔ مرن اللہ اور رسول کو حق ہے۔ غلیفہ کو بھی اپنے ذاتی جانوروں کے لیے کسی زمین کی گھاس روکنے کا حق نہیں مرن بیت المال کے جانوروں کے لیے روکنے کا حق ہے کہ اس میں دراصل سب مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ جیسا حضرت عمرؓ نے بیت المال کے اونٹ گھوڑوں کے لیے بعض دیہات کی زمین انھیں کر دی تھی کہ اُس میں بیت المال کے جانوروں کے سوا دوسروں کے جانور نہ چریں۔ پس لاکھی اکیلا اللہ و رسولہ کا مطلب یہ تھا کہ جو چیزیں سب کے لیے مباح ہیں اُن کو اپنے لیے کوئی نہیں روک سکتا۔ ہاں غلیفہ اسلام بیت المال کے لیے روک سکتا ہے کیونکہ بیت المال کو اللہ اور رسول سے تعلق ہے۔ اس کی منفعت عام مسلمانوں کی منفعت ہے کسی خاص کی منفعت نہیں۔ اُم بیت المال کے لیے کسی زمین کی گھاس وغیرہ کو نہ روکا جائے تو حواد کے اونٹ گھوڑے پرورش نہیں پاسکتے اور جہاد کا موقوف ہو جاتا مسلمانوں کے حق میں سخت مضر ہے۔ گنہگاروں کی قوم زندقہ نہ سکتی ہے جبکہ پاس اپنی حفاظت کا پورا سامان ہو کسی قوم کا کمزور ہونا دوسروں کو اپنے ہمعلم کر نیکی و محبت دینا ہے۔ جیسے بکری کی کمزوری بیڑیٹے کو اُس پر حملہ کرنے کی دھت دیتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

حدیث

من لم یثک باللہ دخل الجنة

ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک بار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب آپ نے جبل احد کو دیکھا فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ یہ پہاڑ میرے واسطے سونا بن جائے اور میرے پاس تین دن سے زیادہ اس جگہ سے ایک دینار بھی بچے ہوئے اُس دینار کے جسے قرمن (ہوا کرنے) کے واسطے مکہ چھوڑ دوں پھر فرمایا زیادہ مال والے ہی زیادہ کمی والے ہیں مگر وہ جو مال کو اس طرف اور اُس طرف (خرچ) کرتا رہے ابو شہاب (دعویٰ حدیث) نے (اس وقت) اپنے سامنے اور دائیں بائیں اشارہ کیا (مختصر نے فرمایا: اور یہ لوگ کم ہیں زیادہ وہی ہیں جو مریض ہیں بن کر مال پر سانپ کی طرح جم جاتے ہیں غریبوں کو نہیں دیتے) پھر فرمایا (اے ابو ذر!) جب تک میں نہ آؤں تم اسی جگہ رہنا اور (یہ فرما کر) آپ کچھ فوراً اُگے جڑے گئے میں نے ایک (اجنبی) کو دیکھا (تو مختصر کے پاس پہنچنے کا اہلہ کیا پھر مجھے آپ کی بات یاد آگئی کہ تم اسی جگہ رہنا (اس لیے میں اپنی جگہ سے نہ ہٹ سکا) جب آپ واپس تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (کیا چیز تھی یہ) جو میں نے سنی یا کسی آواز تھی جو میں نے سنی (راوی کو شک ہے کہ ان دونوں میں سے کون سا لفظ صحابی نے کہا ہے) فرمایا کیا تم نے بھی (آواز) سنی؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا یہ سب پاس جوڑ لیں (علیہ السلام) اُنٹے تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اس

حالت میں مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک (خدائی) نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہو گا۔
 میں نے کہا اگرچہ اُس نے ایسے ویسے (گتے و گتے) کلام کئے ہوں۔ فرمایا ہاں اگرچہ اُس
 نے کیسے ہی کلام کئے ہوں۔

شرح ظاہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص اسلام پر مرے گا جنت میں پہنچ
 شرح جائے گا اگرچہ اُس نے کچھ ہی کلام کئے ہوں۔ اب رہا یہ سوال کہ جنت میں پہنچ
 جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو املا عذاب نہ ہو گا یا یہ مطلب ہے کہ کسی نہ کسی وقت
 جنت میں مزید جانے کا اگرچہ عذاب مکی دیا جائے تو حجاب یہ ہے کہ ایک حدیث نے
 اُس کو صاف کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایمان دو طرح کا ہے
 ایک وہ جس کا صاحب جہنم میں داخل ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جس کا صاحب جہنم میں ہمیشہ
 نہیں رہے گا۔

یہ دوسرا ایمان وہ ہے جس کے ساتھ گناہ بھی ہوں اور پہلا ایمان وہ ہے جو احکام
 کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کے ساتھ ہو۔ حدیثیں اس معنی میں بہت ہیں اور اہل
 قوفی گناہوں سے صرف اسی لیے ڈرتے ہیں کہ گناہ بگڑا رکھتے ہیں جانے کا اندیشہ
 رہتا ہے کہیں ایمان نہ ہو کہ ایمان سلب ہو جائے (کیونکہ گناہ کفر کے قاصد ہیں) (جیسے
 نیک اعمال ایمان کے قاصد ہیں) کیونکہ اس سلسلہ ایمان سے وابستہ ہے اور گناہوں
 کا رشتہ کفر سے ملا ہوا ہے۔

(۲۵۳) مباح چیزوں پر نظر ڈالنا جائز ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ چلتے
 پھرتے عبادت میں منکر کو ناجائز
 ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے جبل امد کو دیکھا۔ اگر آپ چلتے ہوئے زمین کی
 عبادت پر نظر ڈالتے (بلکہ نگاہیں کسی کے چہرے پر) تو امد پہاڑ کو دیکھ دیتے۔
 ہاں یہ مزید ہے کہ حضرت علیہ وسلم کی نظر دوسروں کی طرح نہیں تھی۔ آپ کی ہر نظر
 عبادت تھی۔ کیونکہ وہ عبرت حاصل کرنے کے لیے ہوتی تھی اور جب اس نیت سے
 نظر ڈالی جاتے تو کتب و سنت کے بیان سے وہ اپنی دہر کی مہلوت ہے۔ کتاب و سنت

میں ہے اور نہ بنظرِ وحی مملکتِ السموات و الارض کیا ان لوگوں نے آسمانِ عزمین کے عجائبات (قدرت) میں نظر نہیں کیا (جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور عظمت ان پر شکست ہو جاتی یا اس سے معلوم ہو) اگر اس تبت سے زمین و آسمان کی طرف نظر کرنا ضرور مطلوب ہے (نیز ارشاد ہے) ویتفکرون فی خلق السموات والارض وینبغی ان یفکروا بالما بعینہ اور (مفسرین لوگ) زمین و آسمان کی پیدائش میں فکر کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں، اے پروردگار! تو نے اس کو بیکار نہیں بنایا تو اس سے پاک ہے اور حدیث میں ہے اللہ اجمل نظر رکھتا ہے۔ اے اللہ! میری نظر کو (مغیر) حیرت بنا۔

یہی بات کہ حضورؐ کی نظر حیرت حاصل کرنے کے لیے تھی اس کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے جبلِ احد کو دیکھ کر ایک قصہ شرمیہ بیان فرمایا (بلکہ چند قواعد) اگر یہ نظر حیرت کے لیے نہ ہوتی تو کلامِ کارنگ دوسرا ہوتا۔ کیونکہ ہر کلامِ فکر کا نتیجہ ہے فکرِ کلام کا مقدمہ ہے اور مقدمہ کے موافق ہی نتیجہ ہوا کرتا ہے (جب یہاں نیز فکرِ اعلیٰ درجہ کا ہے تو یقیناً آپؐ کی نظر بھی اعلیٰ درجہ کی تھی) حضورؐ نے اس مقام پر جو مقام شرمیہ بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ غیر کی (یعنی مال کی) تمنا جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اشیاء میں انقلاب ہو سکتا ہے (بہارِ سونابن سکتا ہے) فرسونا چاندی پہاڑ ہی میں تو پیدا ہوتا ہے۔ یہی ٹھکانا کسی جگہ سونابن جاتی ہے کسی جگہ چاندی کسی جگہ یاقوت و زمر و فیروز تیسرے یہ کہ قرص لین جائز ہے اور تین دن یا اس سے کم مدت تک دنیا کا پاس رہنا دنیا جمع کرنے میں داخل نہیں اور جو رقم قرص ادا کرنے کے لیے دیکھی جائے وہ بھی دنیا میں کرنے میں داخل نہیں چاہے تین دن سے زیادہ عرصہ تک رہے اور دنیا کو اس لیے حاصل کرنا کہ اکثر کے کاموں میں صرف کی جائے دنیا (داری) نہیں بخیر حدیث میں نہ یہ کہ ہدایت ہے یہ سب فوائد حضورؐ کے اس ارشاد سے معلوم ہوئے نہیں پسند نہیں کرتا کہ یہ پہاڑ میرے واسطے سونابن جائے اور میرے پاس تین دن سے زیادہ اس میں سے ایک دنیا بھی رہے سوا اُس دنیا کے جسے قرص کے واسطے رکھ جوڑوں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضورؐ نے مال کی تمنا تو نہیں کی بلکہ اُس کی نفی کی ہے

تو کہاجئے کہاکہ حضورؐ نے تین دن سے زیادہ رکھنے کی نفی کی ہے تنہا کی نفی نہیں کی جو لوگ معافی کا نام کو سمجھتے ہیں وہ اس سے مطلقاً تنہا کی نفی نہیں سمجھ سکتے دیکھو کہ جب کلام میں کوئی قید ہو حکم قید کی طرف مابح ہو تا ہے نہ مقید کی طرف۔ علماء بلاغت نے اس کی تصریح کی ہے (حدیث سے اشارہ یہ بھی معلوم ہوا کہ قرض کم کرنا چاہیئے (زیادہ نہ چاہیئے) کیونکہ حضورؐ نے قرض ادا کرنے کے لیے ایک دینار رکھ چھوڑنے کا ذکر فرمایا۔ ایسا لفظ نہیں فرمایا جو قلیل و کثیر سب کو شامل ہو۔ جب آپؐ نے ایسا لفظ اختیار کیا ہے جو قلیل ہی کو شامل ہے اور لفظ عام عقیدہ میں کیا تو معلوم ہوا کہ آپؐ کا مقصود وہی ہے جو ہم نے بیان کیا (کہ قرض زیادہ نہ کرنا چاہیئے) کسی نے کہا ہے اقتل من الدین تقش حراً (اپنے ذمہ) قرض کم کرو آزاد ہو گے (زیادہ قرض کرو گے تو آزاد ہوئی میں غفل پڑے گا) اور یہ جواب نے فرمایا کہ زیادہ مال والے بھی زیادہ کئی مانے ہیں اس میں چند احتمالات ہیں، ایک یہ کہ پیسے لوگ (حساب و کتاب و عذاب سے) غلامی پانے والے کم ہیں کیونکہ ان کے ذمہ حقوق زیادہ ہوتے ہیں اور (حقوق کی وجہ سے) منکثات (دراز پرس و غیرہ) زیادہ ہوں گے اسکا لیے کیا گیا ہے حالانکہ حساب و حرام عذاب دنیا کا مطلق حصہ حساب (میں مبتلا کرتا) ہے اور حرام عذاب (میں گرفتار کرتا) ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس نیکیاں کم ہوں گی اگرچہ وہ نیک کام زیادہ بھی کریں۔ مطالبات کی کثرت سے نیکیاں کم ہو جائیں گی کیونکہ سبیل جول اور پس دین میں ناجائز باتوں اور منومات کا ارتکاب زیادہ ہوتا ہے جن کی اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کو (نیک اعمال کی) توفیق کم ہوتی ہے کیونکہ بعض لوگوں کو مال مہارت سے اور نبات کے راستہ پر چلنے سے مانع ہو جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ سب معافی مراد ہوں۔ اسی لیے حضورؐ نے اس کے بعد فرمایا مگر وہ جو مال کو جس طرف اور اس طرف خرچ کرتا رہے (یعنی ہر طرف جہاں مناج نظر آئیں یا عزت معلوم ہو خرچ کرنے میں دریغ نہ کرے۔ ایسا شخص مبتدئ حساب و کتاب اور طلب سے غلامی پانے گا اس کی نیکیاں بھی کم نہ ہوں گی اس کو نیک اعمال کی توفیق

بھی زیادہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا دل جب مال سے پاک ہوگا اور اعمال خیر سے مال مانع نہیں ہوتا بلکہ اس کی محبت مانع ہوتی ہے۔

قوله فيه دليل على جواز النظر في المباحات الى قوله ومن اجل هذا اعتبه بقوله عليه السلام انما من قال بالمال حكدا وحكدا -

(۲۵۴) صحبت کا ادب یہ ہے کہ ساتھی کو اطلاع کئے بغیر جدا نہ ہو۔ حدیث معلوم ہوا کہ محبت کا ادب یہ ہے کہ اپنے ساتھی سے بغیر اطلاع کے جدا نہ ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوندر رمضان سے یہ کہہ کر جدا ہوئے کہ میرے آنے تک اسی جگہ پر رہنا (بغیر اطلاع کے جدا نہیں ہونے)۔

قوله فيه دليل على من ادب الصبيبة ان لا يخلو الصاحب الى قوله مكافئ حتى كملت -

ف - مویا نے آداب محبت میں اس کی تعریف کی ہے اور یہ مسئلہ آداب معاشرت میں سے ہے کیونکہ بغیر اطلاع کے ساتھی سے الگ ہو جانا اس کو پریشانی میں ڈالتا ہے۔ اور مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچے۔

(۲۵۵) عاشق بدگمان ہوتا ہے اور محکم کی بجائے بڑی اطاعت ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عاشق بدگمان ہوتا ہے (مثنیٰ است و ہزار بدگمانی) دیکھو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو ذر سے کہہ دوڑ آگے بڑھ گئے اور انھوں نے (انجمن) آواز سنی تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (خطر و کام) اندیشہ ہوا اور چاہا کہ فوراً آپ سے پاس پہنچیں مگر آپ کا حکم یاد کر کے رک گئے اور اس سے معلوم ہوا کہ احکام کی بجا آوری سب سے بڑی طاعت ہے کیونکہ ابو ذر رضی اللہ عنہ یہی سمجھ کر اپنی جگہ پر جمے رہے کہ حکم کی تعمیل سب سے زیادہ مقدم ہے۔ انھوں نے تعمیل حکم کو اپنے اس جذبہ پر ترجیح دی جو محبت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ اجنبی آواز سنتے ہی حضور کے پاس

ہم نہیں، یہ عارضین کا مقام ہے کہ اُن کی طاقت بجا آوری حکم کے لیے ہے اپنی خواہش سے نہیں اور جاہل کی عدالت اُس کے برعکس ہے کہ وہ اپنی خواہش کے موافق طاقت بجا لگا ہے (تاج حکم کی پابندی نہیں کرتا)۔

قوله في دليل على ان المحب بسوء الظن مولع الله قوله والمجاهل بهند ولفظ

(۲۵۶) بدوں تحقیق حال کے احکام نہ بیان کئے جائیں کہ جہاں شخص کی ضرورت ہو وہاں بغیر تحقیق حال کے احکام (شرعیہ) بیان نہ کئے جائیں، اگرچہ واقعہ معلوم بھی ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر سے اُن کے اس کہنے کے بعد کہ یہ کیا آواز تھی جنہوں نے سنی پھر دریافت فرمایا کہ تم نے یہ آواز سنی؟ انہوں نے کہا ہاں، اس کے بعد آپ نے بتلایا کہ یہ آواز میری ہی کی تھی وہ مجھ سے یہ کہہ گئے ہیں۔ آپ کا دوبارہ پوچھنا تھا کہ آپ کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ ابوذر نے آواز سنی ہے اس بات کو بتلایا ہے کہ احکام اللہ کو اہتمام کرنا چاہیے اور قریر احکام کے وقت تحقیق سے کام لینا چاہیے۔ اس وقت جبریل نے جو کچھ کہا تھا وہ احکام اللہ میں سے ایک (عظیم الشان) حکم تھا، تو حضور نے اُس کو سرسری طور سے بیان نہیں کیا بلکہ اہتمام اور تحقیق کے ساتھ بیان فرمایا۔

قوله في دليل على ان الاحكام لا تنفذ كما بعد التثبت الى قوله ارشاد

الى الامتثال بامر الاحكام -

(۲۵۷) اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی

ہے وہ جس کو چاہتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں (فرشتوں کی آواز وغیرہ) سنا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں سُنانے سے روک دیتے ہیں۔ دیکھو بہت احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کے درمیان (بٹپے ہوئے) دومی نازل ہوتی تھی پھر فرشتہ چلا جاتا اور صحابہ میں سے کوئی بھی کچھ نہ سُنتا اور ابوذر رضی اللہ عنہ کو

قدسے آواز سنا دی گئی تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

قوله فيه دليل على عظيم قدرته القادر على قوله ليعلم ان الله على كل

شيء قدير

فت۔ یہ بھی تختہ کا بڑا مسئلہ ہے اگرچہ محکمہ بھی اس کو بیاہی کہتے ہیں اور یہ مسئلہ عقائد میں داخل ہے۔ مگر اس کا پھر ایک نیا سو فیاد کرام ہی کو نصیب ہے اسی لیے وہ انھوں میں تبادلہ کم کرتے ہیں اگرچہ بظاہر عقل سے بعید ہوں کیونکہ وہ تقدسہ خلوصی سے کسی ہیز کو بعید نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی جس گندہ کی اس دولت سے حشر عطا فرمائیں۔ آمین۔

الحمد لله: تمہارے شنبہ ۱۱ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ کو رحمت اللہوس تربیہ ہجرت انفس کا دوسرا مقصد التزامت کے ساتھ جو دیا چڑھتا ہوا ہے نہ کہ میں تمام ہوا۔ مہلک اس وقت اس کی کچھ امید نہ تھی کیونکہ ۹ ماہ کی مسلسل عمارت نے مجھے نصیحت و تہنیت سے رنگ دیا تھا۔ رمضان سے پہلے صفت زیادہ تھا اور یہ ہمیشہ تھا کہ رمضان میں روزہ و قراویہ کیوم سے صفت بڑھ جاتے گا مگر الحمد للہ رمضان و اہمال رمضان کی برکت سے صحت پہلے سے اچھی ہو گئی اور شوال میں اس قابل ہو گیا کہ تریجہ صحت دوم پورا کر دوں۔

ہجرت انفس کے صحت نقل و دوم میں کل سو حدیثیں ہیں اور دیا چڑھتا صفت سے معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے بخاری کی تین سو حدیثوں کی شرح کی ہے۔ عزیز خی مولوی محمد اور بیس صاحب کا مذہبی سلمہ اللہ تعالیٰ صحت و مفسر مدار العلوم و دین ہند سے معلوم ہوا کہ ہجرت انفس کے دو حصے اور بھی ہیں جو گئے ہیں جو ان کے پاس پہنچ گئے ہیں مگر میرے پاس اب تک نہیں پہنچے۔ اگر وہ دو حصے بھی مل گئے اور صحت و طاقت اور توفیق لے یاوری کی توفیق دے اللہ ان کا ترجمہ بھی اسی طرز پر باخیر کیا کہ خدمت میں پیش کر دیا جائے گا ورنہ اسی قدر پر کفایت ہے اور کیا جب یہ کہ آئے اور صاحب دل بقیہ جلدوں کا ترجمہ اسی طرز پر مجھ سے اچھا کر دیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سیدہ ام حبیبہ والرسول و اصحاب و اہل بیت کرام کے فضل اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے انھاس قدسیہ کی برکت سے اس خدمت کو قبول فرمائیں اور میرے اور جملہ احباب و اصحاب و برادران

